۱- تہذیب الاخلاق جلد چہارم

۲- البرہان علی اعجاز القرآن از دار صادق -

۳- مثنوی صبح امید از شبلی نعمانی

۴- فصاحت یا علم الادا، مرتبہ سراج الدین۔

۵- رموز حکمت معروف بہ رسالہ علم قیافہ مؤلفہ غلام نبی -

۶- حور مقصورات یا اسلامی تعلیم یافتہ مستورات مؤلفہ افتخار عالم آزاد -

۱۰/۱۰/۴۲

حسب ضابطہ رجسٹری ہوگئی ہے

جلد چہارم

تہذیب الاخلاق

یعنی مجموعۂ مضامین

جناب نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین صاحب و

مسٹر سید محمود صاحب بیرسٹر ایٹ لاو

مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی و مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب شمس العلماء و

فارقلیط صاحب

مندرجۂ تہذیب الاخلاق ہفت سالہ

ازابتدائے سنہ ۱۲۸۷ ہجری لغایت سنہ ۱۲۹۳ ہجری مع دیباچہ

مرتبہ

منشی فضل الدین تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت بازار کشمیری

لاہور

قیمت مجلد ۱۲/

مطبوعہ مصطفائی پریس لاہور

دیباچہ

بسم اللہ الرحمن الرحیم

تہذیب الاخلاق کی اشاعت کی ضرورت

جن لوگوں نے خواجہ نصیر الدین طوسی کی کتاب اخلاق ناصری پڑھی ہے وہ اس بات کو خوب جانتے ہیں کہ تہذیب الاخلاق کیا کتاب ہے اور حکمائے کرام و علمائے عظام کی مجلس میں وہ کس عزت اور عظمت کی نگاہ سے دیکھی جاتی ہے لیکن جن لوگوں کو اخلاق ناصری کے دیکھنے کا اتفاق نہیں ہوا ہم اُن کو بتائے دیتے ہیں کہ آج سے قریباً نو سو برس پیشتر ترکستان کے شہر رہٹ میں جو ایک حکیم فاضل و استاد کامل **ابو علی مسکویہ** خازن رازی گزرا ہے یہ اُسکی تصنیف ہے۔ اس کتاب نے مضامین کی عمدگی۔ بیان کی خوبی۔ زبان کی اسلوبی کی وجہ سے ایسا حُسن قبول حاصل کیا تھا کہ خواجہ نصیر جیسے شخص نے جو اپنے زمانہ کا ایک نامور عالم اور مشہور فاضل تھا جب قہستان کے حاکم امیر ناصر الدین عبد الرحیم کی پاس خاطر کتاب اخلاق ناصری مرتب کی تو فن اخلاق کے متعلق صرف اسی کتاب کے ترجمہ پر اکتفا کیا اور کسی جدید کتاب کے تصنیف

کرنے کی ضرورت نہ سمجھی ؛

جس زمانہ میں یہ کتاب تصنیف ہوئی اسلامی سلطنت کا آفتاب ترقی کے نصف النہار پر
چمک رہا تھا۔ گھر گھر علم و فضل کا چرچا تھا۔ رعایا اُسکو ترقی مدارج کا ذریعہ سمجھتی تھی۔ حکام اپنی سلطنت
کی زیب و زینت کا باعث تصور کرتے تھے۔ اور تو اور صرف ابو علی سینا اور ابو ریحان بیرونی
اس حکیم کے معاصر اور ایسے باکمال ہو گزرے ہیں جن کا نام ایشیا اور افریقہ کی اسلامی
قوموں میں عموماً اور یورپ کے تہذیب یافتہ ملکوں میں خصوصاً نہایت عزت اور توقیر کے ساتھ
لیا جاتا ہے۔ یہ وہ زمانہ تھا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان۔ تمدن۔ معاشرت۔ علوم و فنون
حرفت و صنعت میں کسی قسم کی مغائرت نہ تھی۔ اس واسطے حکیم مذکور نے اس امر کو کافی سمجھا کہ وہ
اپنی کتاب میں صرف نفس ناطقہ کی صفات سے بحث کرے اور اُسکے فضائل اور رذائل کے بیان سے
اُسے مکمل کرے۔ لیکن اگر ابو علی ہمارے زمانہ میں ہوتا اور دیکھتا کہ فاتح اور مفتوح قوم کی زبان میں
اختلاف۔ دونوں قوموں کے تمدن و معاشرت کا طریق جدا۔ ایک قوم کے علوم و فنون
دوسری قوم کے علوم و فنون کے مقابلہ میں مثل تقویم پارینہ۔ حرفت و صنعت کا یہ حال کہ تکلفات
کی چیزیں تو بجائے خود رہیں چاقو قینچی بلکہ سوئی دھاگا تک جو ہمارے روزمرہ کے استعمال کی
چیزیں ہیں ہم اس میں غیر قوموں کے محتاج۔ تو کیا ان حالات پر ممکن تھا کہ وہ علاوہ مضامین
مذکورہ بالا کے ایسے مضامین درج نہ کرتا جو قوم کو تاریکی جہالت کے تنگ گڑھے سے نکلنے
اور ترقی کے نورانی میدان میں قدم رکھنے کا ذریعہ ہوتے ؛

خدا کا شکر ہے کہ جب ایسی کتاب کی ضرورت پیش آئی تو اُس نے اپنے فضل و کرم سے ہمارے
زمانہ کے مناسب حال ایک اور ابو علی کو پیدا کر دیا جو رسائی عقل اور صفائی ذہن کے باعث قوم
کی ضروریات سے۔ زمانہ کی رفتار سے۔ ترقی کے موانعات اور اُسکے اصلاح کی تجاویز سے ایسا ہی
آگاہ ہے جو ایک مصلح قوم اور بہی خواہ ملک کو ہونا چاہیئے۔ وہ کون ؟ آنریبل ڈاکٹر
سر سید احمد خان بہادر کے سی ایس آئی۔ ایل ایل ڈی اِس
مرد خدا نے جب سے دنیاوی زندگانی میں قدم رکھا اور قوم کی موجودہ حالت کو دیکھکر معلوم کیا کہ یہی
قوم ہے کہ ایک زمانہ میں علم و فضل۔ حرفت و صنعت تجارت و حکمرانی میں ترقی کر کے اعلے درجہ پر پہنچی
ہوئی تھی یا اب وہی قوم ہے کہ ترقیات کو اُس سے ایسی مغائرت ہے جو ایمان کو کفر سے۔ یا نور
کو ظلمت سے۔ یا آبادی کو ویرانہ سے۔ تو ان حالات سے اُس کا جی بھر آیا۔ اور ہمہ تن اُسکی

حلِ مشکلات میں مصروف ہوگیا۔ اور جو کچھ ہو سکتا تھا برسوں اُسپر سوچا کیا۔ دل اور دماغ سے۔ قلم اور زبان سے۔ مال اور جان سے جو مدد مل سکتی تھی وہ ساری اُس پر صرف کر دی! اور آخر کو ایک سوسئٹی قایم کی۔ اخبار جاری کیا۔ علمی کتابوں کے ترجمے کرا کر شایع کیئے۔ مگر جب تھوڑی عرصہ کے تجربہ سے اُسکو معلوم ہوگیا کہ یہ تدبیریں موجودہ حالات کے لحاظ سے غیر تسلی بخش اور ناکافی ہیں تو فاتح قوم کے عروج اور اقبالمندی کا زندہ نمونہ دیکھنے کے واسطے لندن تک کا سفر اختیار کیا اُس کے حالات کو نظرِ عبرت سے دیکھا۔ اُسکی ترقی کے اسباب کو جانچا۔ پھر ان سب اسباب کا موازنہ اپنی قوم کے حالات سے کیا۔ اور اس تمام تر سفر کا نتیجہ یہ نکالا کہ **"جو قوم دوسری قوم کے ماتحت رہکر ترقی کرنا چاہے۔ عزت اور آرام سے زندگی بسر کرنے کی خواہشمند ہو۔ غیر قوموں کے سامنے اولوالعزمی کا پھریرا بلند کرنا اُس کے مدنظر ہو۔ اُسکو لازم ہے کہ فاتح قوم کی زبان اور اُن علوم کو سیکھے جو دنیا میں مفید اور بکار آمد ہوں اور ایک قومی دارالعلوم قایم کرے جو اس ضرورت کے انصرام کا کفیل ہو"** +

اب اس بزرگوار نے ہندوستان میں واپس آکر چاہا کہ جو تجارب عظیمہ اس لمبے چوڑے سفر میں حاصل کیئے ہیں قوم کو اُن سے آگاہ کرے۔ مگر قوم کو دیکھا کہ قومی سلطنت کا سایہ اُٹھ جانے سے علوم و فنون کی تحصیل چھوڑ بیٹھنے سے اُسپر اِدبار چھا گیا ہے۔ خوابِ غفلت میں پڑی اینڈ رہی ہے۔ نہ سرسری پکار سے اُس کی آنکھ کھلتی ہے اور نہ معمولی جھنجوڑ سے کروٹ بدلتی ہے تب ایک شیریں کلام۔ بلند آواز۔ آن تھک طبیعت کو اُسپر متعین کیا۔ اس کی سریلی آواز میں غضب کی طاقت تھی کہ جس دل میں گئی جادو کی طرح اثر کر گئی جس گھر میں پہونچی مقناطیس کا کام کر دکھایا سوتوں کو جگا دیا۔ مستوں کو ہوشیار کر دیا۔ مُردہ تنوں میں روح پھونک دی۔ زندہ دلوں کو روح القدس کا اثر عطا کیا۔ وہ شیریں کلام کون تھا؟ **مقدس تہذیب الاخلاق۔** جس کی اشاعت کا انتظام درپیش ہے +

آہا!! یہ وُہی تہذیب الاخلاق ہے:۔

جس نے مسلمانوں کی حسنِ معاشرت کا بیڑا اُٹھایا +

جس نے اسلامیوں کے اصلاحِ تمدن کا بارگراں اپنے ذمہ لیا +

جس نے پاک مذہب سے رسم و رواج کے اوہام باطلہ کو دور کر دیا ؛

جس نے دنیا کو بتا دیا کہ سچا اسلام ہر قسم کی دینی و دُنیاوی ترقیات کرنے کو ہمہ وجوہ آمادہ ہے ؛

جس نے غیر مذہب والوں پر ثابت کر دیا کہ اسلام ہی وہ مذہب ہے جو انسانی فطرت کے مطابق ہے ؛

جس نے عام و خاص پر ظاہر کر دیا کہ مصلحانِ بنی آدم میں سے جسکی شریعت دنیا کی زندگی کے ساتھ وابستہ ہے وہ نبی عرب **محمد** صلعم کی ذات بابرکات ہے ؛

اس کتاب تو ایسی ہی ہے مگر اب کہاں - کچھ تو پہلے ہی گنتی کے نسخے چھپا کرتے تھے اور ان بیس برس کی مدت نے اُسکو اور نایاب کر دیا - اگر کہیں اتفاقیہ بکتی ہوئی مل بھی جائے تو عام کو اُسکی خریداری و نفیس طبائع کو اُسکی گرانباری متعذر ۔ غریب آدمی ۳۵ روپیہ کہاں سے لائے اور امیر آدمی اُسکی سات جلدوں کی ورق گردانی کا کس طرح متحمل ہو پس سہولت اسکی مقتضی ہوئی ہے - کہ کل اولڈ اڈیشن (عہد عتیق) چار حصوں میں شائع کیا جائے اور ہر حصہ کی قیمت دو روپے قرار پاوے - ترتیب مضامین کے لحاظ سے تفصیل حصص یوں ہے :-

پہلے حصہ میں نواب محسن الملک محسن الدولہ مولوی سید مہدی علیخاں صاحب بہادر منیر نواز جنگ کے مضامین - قیمت دو روپیہ (عہ) ؛

دوسرے حصہ میں عالیجناب آنریبل ڈاکٹر سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے - سی - ایس - آئی - کے کل مضامین - قیمت تین روپے (سے) ؛

تیسرے حصہ میں نواب اعظم یار جنگ مولوی محمد چراغ علیخاں صاحب بہادر مرحوم کے مضامین - قیمت (ا عہ) ؛

چوتھے حصہ میں نواب انتصار جنگ مولوی مشتاق حسین - سید محمد محمود - مولوی الطاف حسین حالی - فارقلیط اللہ شمس العلماء مولوی محمد ذکاء اللہ وغیرہ صاحبان کے مضامین - قیمت (للعہ) ؛

خادم قوم

خاکسار **فضل الدین** تاجر کتب **قومی** و مالک اخبار **اشاعت**

لاہور - بازار کشمیری

مضامین مولوی مشتاق حسین صاحب انتصار جنگ بہادر

ہیئت جدیدہ

ہیئت جدیدہ اور معجزہ قرآنی

جس وقت ہیئت موجودات سے بحث کی جاتی ہے اُسوقت میں یہ کہنا بالکل فضول ہوتا ہے کہ متقدمین نے اُسکی نسبت ایسا اور ایسا کہا ہے خواہ اُن متقدمین میں کوئی بڑے سے بڑا حکیم اور نہایت سے نہایت دانا ہی آدمی کیوں نہو علےٰ ہذا القیاس ایسے مقام پر نہ کسی مفسر کا قول معتبر ہوسکتا ہے نہ کسی محدث کا اور جبتک علم مناظر اور مرایا ہی کے ذریعے سے اشیائے موجودہ کی حقیقت کو ثابت یا باطل نہ کردیں تبتک لب ہلانے کا موقع بھی نہیں ملتا اور یہ ایک ایسا مسلمہ اصول ہے کہ متقدمین اور متاخرین اہل اسلام رضی اللہ تعالےٰ عنہم اجمعین کا عملدرآمد برابر اسی پر چلا آیا یہانتک کہ اگر بعض آیات قرآن شریف اور احادیث کے ظاہری اور لغوی معنی بادی النظر میں اُن کو صور محسوسات اور موجودات کے خلاف معلوم ہوئے تو اُنھوں نے اُن آیات اور احادیث کی تاویل ہی کی اور یہ نہ کہا کہ نہیں جناب باری نے یوں فرمایا اور حدیث میں یہ آیا ہے اس لیئے کہ ایسا کہنے میں اُن لوگوں کی نظروں میں جو موجودات کی ہیئت کو اچھی طرح تحقیق کرنا چاہتے ہیں مذہب اسلام کا ضعف ثابت ہوتا اور چونکہ اعمال کا ثمرہ نیت پر منحصر ہے اور اُن تاویل کرنیوالے مصنفوں کی نیت نہایت نیک تھی اس لیئے خدا سے اُمید ہے کہ اگر کوئی غلطی بھی اُن سے کسی تاویل میں ہوئی تو اُسپر اُن سے مواخذہ نہوگا ؛

لیکن چند روزوں سے ہندوستان میں ہمارے مسلمان بھائیوں کا ایسا حال ہوگیا ہے کہ جو بات کسی مفسر یا محدث یا فقیہہ نے خود اپنی رائے اور اپنے قیاس سے کسی کتاب میں لکھدی گو وہ کیسی ہی ضعیف کیوں نہو اور گو زمانہ حال کی

تحقیقاتوں کے لحاظ سے وہ کیسی ہی خلاف قیاس کیوں نہو اور گو اُور مفسرین اور محدثین وغیرہ نے اُس سے خلاف ہی کیوں نہ کیا ہو مگر مسلمانوں کی یہ جرأت نہیں ہوتی کہ کسی مولی کتاب کی لکھی ہوئی بات کے خلاف کچھ کہہ سکیں اور رفتہ رفتہ اُن کی اس احتیاط نے یہاں تک اُن کو مجبور کیا کہ مولود شریف وغیرہ کتابوں کا لکھا ہوا بھی اُن کے ایمان اور اعتقاد کا ایک جزو ہو گیا کسی کی ہمت نہیں ہوتی کہ اُسکے خلاف پر کچھ کہہ سکے اور اگر کسی نے ایسا ارادہ کیا تو بے تکلف کفر اور الحاد کے فتوے اُس سے منسوب ہوتے ہیں ❖

ہم دیکھتے ہیں کہ الٰہیات کے علاوہ بہت ایسے علم ہیں کہ اُن کی تحقیقات اور تلاش اور صحت اور تکمیل کو خدا تعالےٰ نے بالکل انسان کی کوششوں پر ملتوی کیا ہے مثلاً ہیئت اور طبعیات وغیرہ صدہا علم اسی قسم کے ہیں جن کے واسطے نہ آج تک کوئی نبی اُن کی تعلیم کے واسطے مبعوث ہوا نہ کوئی کتاب اس فن خاص میں خدا تعالےٰ نے آج تک کسی نبی پر نازل کی قرآن شریف میں یا حدیث میں ہیئت یا طبعیات کے متعلق کہیں کسی چیز کا نام آگیا کہیں برسبیل تذکرہ اور کہیں عام لوگوں کے فہم کے لائق کسی چیز کا کوئی مختصہ بیان ہو گیا کہیں کوئی مجمل اشارہ کسی چیز کی طرف ہوا مگر جاننا کسی مقام پر بھی ان بیانات سے یہ بات مقصود بالذات مدنظر نہیں ہوئی کہ اُن کے ذریعہ سے عام خلائق کو ہیئت اور طبعیات کے علم کی تعلیم دیجاوے - کما قال اللّٰہ تبارک و تعالیٰ - ویسئلونک عن الاھلۃ یعنی اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) لوگ تجھ سے مہینوں کی حقیقت دریافت کرتے ہیں اور پھر فرمایا کہ قل ھی مواقیت للناس یعنی کہدے کہ مہینوں کے ذریعہ سے لوگ اپنے وقتوں کا حساب ٹھیک کر لیتے ہیں آج کسی ادنےٰ ہیئت داں سے اُھلہ کی کیفیت دریافت کیجئے پھر دیکھئے کہ وہ کیسے زمین و آسمان کے قلابے ملاتا ہے - حساب کے معاملہ میں پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے یہ فرمایا اور اُسوقت میں اُسپر فخر کیا کہ ہم گنتی کو انگلیوں پر ٹھیک کر لیتے ہیں حال یہ ہے کہ اُسوقت میں حساب ریاضی اور طبعیات وغیرہ کی طرف کسی کو مطلق التفات بھی نہ تھا ❖

پس مسلمانوں کو مناسب ہے کہ اس نکتہ پر اچھی طرح غور کریں اور قرآن و حدیث کو ہیئت و ہندسہ و طبعیات کیواسطے میدان مناظرہ نہ قرار دیں اور حقیقت موجودات کو گذشتہ منقولات سے باطل کرنے کے خیال خام میں نہ پڑیں اور جو تاویلات مفسرین اور محدثین نے حقیقت موجودات کے باب میں وقت کی ضرورت سے کی تھیں اُنکو ہر وقت کی ضرورت کے لحاظ سے غور کی نگاہ سے دیکھیں اور جیسا اسمیں شبہ نہیں کہ قرآن خدا کا کلام ہے ویسا ہی اس میں بھی شبہ نہیں کہ اللہ کا کلام کسی حقیقت نفس الامر کے خلاف بھی نہیں ہو سکتا اور بے شک مسلمان اگر تحقیق کو کام فرماویں تو اُن کو اس بات پر فخر کرنے کا موقع مل سکتا ہے کہ خدا تعالےٰ نے اپنے نبی کے ذریعہ سے اُن پر کیسا کلام معجز نظام نازل کیا جس کا معجزہ ہر وقت میں تازہ ہے - مندرجہ ذیل مثال سے اس دعویٰ کی

بخوبی تصدیق حاصل ہوتی ہے ؛

جسوقت میں کلام اللہ نازل ہوا تمام دنیا میں یونانیوں کی ہیئت کے یہ مسئلے جاری تھے کہ ستارے آسمانوں میں جڑے ہوئے ہیں اور آسمانوں کی حرکت کے ساتھ ستاروں کو بھی گردش رہتی ہے چنانچہ ابتک بھی مسلمانوں کی عربی تعلیم میں مذہبی مرغی کی ایک ٹانگ ۔ پڑھائی جاتی ہے اور اُسی ستاروں کی حرکت تابع حرکت آسمان ہونے کے باب میں سیکڑوں لچر اور پوچ دلیلیں لائی جاتی ہیں اور جب کوئی نئی چال کا ستارہ نیا دریافت ہوتا ہے اُسکے لیئے ایک بڑا مجسّم فلک بغیر دیکھے بھالے اور سمجھے بوجھے ماننا پڑتا ہے اور چونکہ زمانہ نزول قرآن میں کوئی شخص اس بات کا قائل نہ تھا اور نہ لوگ اس بات کو جانتے تھے کہ ستارے معلق ہیں اور ہر ایک اُن میں سے جُدا جُدا دورہ طے کرتا ہے اسی واسطے قرآن شریف میں جہاں کہیں ستاروں کی گردش کا کوئی اتفاقیہ ذکر آگیا مفسرین نے اُسکی تاویل اُسی موجبہ ہیئت کی تعلیق کی نظر سے کی اور بمجبوری اس بات کو تسلیم کیا کہ ستاروں کی حرکت اس موقع پر ذاتی حرکت مراد نہیں بلکہ اُن کی حرکت آسمانوں کی حرکت کے تابع ہے ؛

لیکن خدا غریق رحمت کرے مولوی عبدالقادر صاحب دہلوی کو اُنھوں نے جب کلام اللہ کا ترجمہ لکھا اور اس مقام پر پہنچے وکل فی فلک یسبحون[۱] ۔ تو یہ لفظی ترجمہ تحریر فرمایا کہ ہر کوئی ایک ایک گھیرے میں پیرتے ہیں اور حاشیہ پر صاف یہ لکھا ؛

" ستارہ ایک ایک گھیرا رکھتا ہے اسی راہ پر تیرتا ہے معلوم ہوا کہ ستارے آپ چلتے ہیں یہ نہیں کہ آسمانوں میں گڑے ہیں اور آسمان چلتا ہے نہیں تو یہ یاں نہ فرماتے " ؛

اور اس طرح پر تمام تفسیروں کو بالائے طاق رکھدیا اور یونانیوں کی ہیئت کے ایک بڑے حصہ کو اپنے خدا کے سچے کلام کے سامنے پس پشت ڈالدیا اور اُن تمام مباحثوں کو بھی ختم کردیا جو اس مقام پر ایک بیجا تاویل کے سبب سے اُستادوں اور طالب علموں میں پیش آتی ہیں اور اس بات کی ہرگز پروا نہ کی کہ مسلمان مجھکو اور مفسرین سے اختلاف کرنے کے باب میں کیا کہینگے ؛

اب اس بات سے قطع نظر کرو کہ بطلیموس نے کیا کہا فیثاغورث کس طرف گیا بلکہ جناب باری کے کلام کو بغیر کسی تاویل کے نظر ڈالو تو کچھ شک نہیں رہتا کہ مولوی عبدالقادر صاحب رحمۃ اللہ علیہ نے جو معنی اور مطلب اس مقام پر بیان کیا وہ آیت سے کیسی کچھ مناسبت رکھتا ہے بلکہ درحقیقت اُسکے سوا اور کچھ معنی اس آیت کے

---

[۱] پارہ ۲۳ ۔ رکوع ۲ ۔ سورہ یٰس ؛

ہو نہیں سکتے اور یہ بات ظاہر ہے کہ یہ جدید ہیئت کہ تمام ستارے ایک ایک مرکز کے گرد گردش کرتے ہیں اور اپنا دائرہ پورا کرتے ہیں اور ان کی حرکت کسی فرضی آسمان کے تابع نہیں ہے نزول قرآن سے بہت صدیوں بعد شائع ہوئی ہے تو یہ بات بہت صفائی اور استحکام کے ساتھ قائم ہوتی ہے کہ جو بات آج ہزاروں طرح کی دقتیں اٹھا کر اور مشکلات حل کر کے رصد گاہیں بنا کر آلات درست کر کر بڑی بڑی جانکاہیوں کے بعد انسان کو تحقیق ہوئی وہ ایک مدت دراز ہوئی جو خدا نے اپنے نبی برحق سے اور ان کے واسطہ سے تمام مسلمانوں سے صاف صاف ارشاد فرما دی تھی اور جسکی صحت اور اصلیت سے یونانیوں کی مغالطہ دہی کے سبب سے ہم ناواقف رہے پس یہ ایک بڑی سند اس بات کی ہے کہ جس خالق نے ستاروں کو اور انکی گردشوں کو پیدا کیا اسی کا یہ پاک کلام ہے جو اسکے نبی پر نازل ہوا اور بیشک خدا کا کام اور خدا کا کلام مخالف نہیں ہو سکتا اب ہم دریافت کرتے ہیں کہ یہ قرآن شریف کا کیسا معجزہ ہے جس سے مسلمان در کنار کسی مذہب کا انصاف دوست آدمی بھی انکار نہیں کر سکتا ؛

جس غرض سے ہم نے اس مضمون کا لکھنا شروع کیا تھا اسکو ہم بالفعل اسی پر ختم کرتے ہیں لیکن ایک اور نہایت عمدہ نصیحت جو ہمکو اس مضمون کے لکھنے سے حاصل ہوتی ہے اس کے ظاہر کرنے سے بھی ہم باز نہیں رہ سکتے ؛

جب ہم یہ دیکھتے ہیں کہ اس زمانہ میں جسمیں ہم موجود ہیں لوگ تفسیر وغیرہ کے ایک فقرہ سے بھی تجاوز کرنے کو معصیت یا قریب معصیت سمجھتے ہیں اور پھر ہم یہ دیکھتے ہیں کہ مولوی عبد القادر صاحب نے خدا ان کو اپنے جوار رحمت میں جگہ عنایت کرے اتنا بڑا اختلاف کیا اور ایک ایسے مسئلہ کو توڑا جو بہت سی صدیوں سے مسلم اور متفق علیہ چلا آتا تھا اور باایںہمہ میاں صاحب مرحوم کا کسی کو شاکی نہ پایا تو ان نیک نیت مسلمانوں کی کوششوں کی ناکامیابی پر افسوس ہوتا ہے جو زمانہ حال کی تحقیقاتوں کے لحاظ سے اسی قسم کے اور خیالات رکھتے ہیں اور لوگوں پر اصل حقیقت کا منکشف کرنا چاہتے ہیں پس ہر طرح کی فکر اور غور کے بعد ہمکو کچھ ہر ایک فریق کی کارروائی میں قصور معلوم ہوتا ہے ہمارا کام تو حقیقت میں یہ ہونا چاہیئے کہ جو بات ہم کسی سے سنیں اسکو انصاف کی نظر سے دیکھیں اور تعصب و پابندی رسوم بیجا کے لحاظ سے اس سے متنفر نہوں ؛

مرد باید کہ گیرد اندر گوش ؛ ور نوشتست پند بر دیوار

لیکن اسمیں بھی شبہ نہیں اور درحقیقت ایک قدرتی بات سی ہو گئی ہے کہ ناصح کے چال چلن کو بھی نصیحت کے مؤثر غیر مؤثر ہونے میں بڑا دخل ہے پس ان لوگوں کو بھی جو صدق دل سے مسلمانوں کو

راہ صواب پر لانا چاہتے ہیں اور ہر وقت ان کی اصلاح اور فلاح میں مستغرق رہتے ہیں یہ بات نہایت ضرور بلکہ فرض ہے کہ اپنا برتاؤ بھی وہ ایسا سنجیدہ رکھیں جس سے عوام متنفر نہوں اور خواص کو محل شکایت نہ رہے اور یہ بات ایک مسلمان ناصح کو اس طرح پر نصیب ہوسکتی ہے کہ جو باتیں خدا تعالےٰ نے اسپر مثل نماز و روزہ وغیرہ کے فرض کردی ہیں اور جو عمدہ اصول مذہب اسلام میں ان کے واسطے ہزاروں لاکھوں مصلحتوں کے لحاظ مثل جمعہ اور جماعت وغیرہ کے قایم ہوئے ہیں ان کے ادا کرنے میں کاہلی کو کام نفرمادیں اور جو کچھ کریں صدق دل سے بغیر ریاکاری کے کریں تاکہ خود بھی معصیت سے بچیں اور جن عمدہ باتوں پر وہ اپنی قوم کو متوجہ کرنا چاہتے ہیں اُسمیں بھی کامیاب ہوں ۔

توکّل

جن باتوں سے کسی قوم پر ادبار آتا ہے اور تمام ہمتیں پست اور قوتیں سست ہوجاتی ہیں اُن میں جاہل عام رسم و رواج کی پابندی اور جاہلانہ تقلید اور اپنے آپ کو ہمہ داں اور سب سے برتر سمجھنا اور تعصب بیجا اور اور اسی قسم کی خرابیاں شامل ہیں اُن میں ایک حضرت توکل بھی ہیں جن سے خدا پناہ میں رکھے آج کل عرف میں جسکا نام توکل ہے وہ ایک ایسی بیماری ہے جس کا مریض کبھی اچھا ہی نہیں ہوسکتا اور یہ وہ زہر ہلاہل اژدہا ہے جس کا کاٹا پانی نہ مانگے اچھا خاصا صحیح وسالم اور تندرست انسان جسکو خدا نے اشرف المخلوقات بنایا ہے توکل کی شامت سے دن بدن ایسا زار و نحیف ہوتا چلا جاتا ہے کہ پھر اُسکی اصلاح ناممکن ہوجاتی ہے ہم دیکھتے ہیں کہ ہمارے ہندوستان کے مسلمان بھائی بھی اس آفت میں مبتلا ہیں ۔

ہندوستان میں ہزاروں مسلمان ہر شہر اور گانوں میں ایسے ہیں کہ جب اُن سے مسلمانوں کی اصلاح اطوار و اوضاع میں اس غرض اور نیت سے گفتگو کی جاتی ہے کہ یہاں کے موجودہ مسلمان بھی کیوں اپنی ترقی کی طرف متوجہ نہیں ہوتے اور کیوں ایسی کوششیں نہیں کرتے جیسے اُن کے اگلوں نے کی تھیں اور جواب بھی اُن کے بھائی مصر و ٹرکی بلاد اسلام میں کر رہے ہیں اور جو خراب رسم و رواج ہندوستان کی قدیمی قوموں کی شامت اعمال سے اُن میں مل جل گئے کیوں ان سے کنارہ کش نہیں ہوتے تاکہ وہ بھی دنیا میں ایک مہذب قوم کہلادیں اور مرنے کے بعد اپنا مقدس اور پاک اور خالص مذہب اپنے ساتھ لیجاویں اور دونوں جہان کی بھلائی حاصل کریں تو ان سب تقریروں کا جواب یہی ملتا ہے کہ "میاں یہ سب کہنے کی باتیں ہیں کسی کے کیئے سے کچھ نہیں ہوتا خدا کو اگر منظور ہے کہ مسلمانوں کی عزت ہو تو ہر حال میں اُنکی عزت ہوگی اور اگر اُسکو اُن کا ذلیل ہی کرنا منظور ہے تو لاکھ کوئی سر پٹکے کرے مگر کیا ہوتا ہے اپنا تو خدا پر

توکل ہے" ؛

اسمیں شک نہیں کہ جیسا اُنھوں نے خیال کیا ہے ہوگا وُہی

بے رضائے تو یکے برگ نہ جنبد ز درخت

لیکن چونکہ انجام کا حال کسی کو معلوم نہیں اور یہ بات بھی انسان پر فرض ہوگئی ہے کہ اپنے حال کی اصلاح میں جہانتک ممکن ہو کوشش سے دریغ نہ کرے اس لئیے اُن متوکلوں کا یہ گمان اس بات کے لئیے کافی حجت نہیں ہوسکتا کہ وہ اپنی اور اپنے اور بھائیوں کی اصلاح حال میں بھی کوشش نہ کریں اس لئیے کہ اسکا نام توکل نہیں ہے بالکل یہ محض ایک دھوکہ ہی دھوکہ ہے مسلمانوں کے مذہب میں ایسے توکل کی کہیں اصل پائی نہیں جاتی اور نہ خدا نے مسلمانوں کو ایسے لغو توکل کی اجازت دی توکل جو مسلمانوں کے مذہب میں ہے وہ یہ ہے کہ انسان اپنی عقل اور طاقت کے موافق اپنے کاموں کی تدبیر کرے اور یہ یقین کرلے کہ یہ تمام تدبیریں کارگر اُسی وقت میں ہونگی جبکہ خدا چاہے گا ؛

بر توکل زانوے اُشتر بہ بند

انسان عالم اسباب میں پیدا کیا گیا ہے جہاں تمام کارخانہ اول سے آخر تک بالکل اسباب پر قایم ہے اور باوجود اسکے کہ خدا تعالےٰ جس کام کو چاہے بغیر اسباب کے موجود کردیوے اُسکی عادت اس عالم میں اکثر اسی طرح جاری ہے کہ تمام کاموں کیواسطے جو اسکو کرنے منظور ہوتے ہیں مختلف اسباب پیدا کردیتا ہے جسکی بے انتہا مثالیں ہر لحظہ اور ہر ساعت ہماری نظروں کے سامنے سے گذرتی چلی جاتی ہیں پس یہ تمام نظام عالم ہمکو اس بات پر مائل کرتا ہے کہ اس عالم میں ہمکو بھی جو کام کرنا ہو اول ہم اُسکے اسباب درست کرنے کی فکر کریں اور پھر اُسکے نتیجے کو خدا پر منحصر کریں آدمی کے تمام قوتے اور ترکیب اعضا اور حواس اور دل اور دماغ وغیرہ جس طرف خیال کیجیے سب اس بات پر شاہد ہیں کہ بے شک و شبہ آدمی کو اپنے ہر کام کا سامان خود درست کرنا چاہیے اور ایسا کرنے میں تمام وہ قوتیں عقلی اور جسمانی جو خدا نے انسان کو عطا فرمائی ہیں محض باطل اور لغو ہوئی جاتی ہیں جس سے خدا کی صاف ناشکری نکلتی ہے پس بلالحاظ اس بات کے کہ کل کو خدا کیا کریگا آج ہمکو اپنے کاموں کے واسطے سامان درست کرنا چاہیئے ؛

دیکھو باوجود اس بات کے کہ خدا نے اپنے سچے نبی کی زبان پر اس بات کا وعدہ فرما دیا تھا کہ لوگ کیسے ہی مزاحم کیوں نہ ہوں لیکن یہ مذہب اسلام مشارق اور مغارب میں روشن ہوکر رہیگا چنانچہ وُہی آخرکار ہوا لیکن باانہمہ رسول خدا اور صحابہ رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم نے اسکے پھیلانے میں کیسی کیسی کوششیں اور عرق ریزیاں کیں اور کیسی کیسی کٹھن مصیبتیں اور تکلیفیں جھیلیں جنکا بیان نہیں ہوسکتا اور جو تمام مسلمانوں پر بخوبی روشن

ہیں پھر کیا کوئی مسلمان یہ کہہ سکتا ہے کہ اُن بزرگواروں میں توکل نتھا یا اُن کی یہ کوشش توکل کے منافی
تھی نہیں ہرگز نہیں پس ہماری آرزو اور خواہش اپنے ہندوستان کے مسلمان بھائیوں سے یہ ہے کہ وہ
اُس لغو توکل کو دل سے دور کردیں جسکو شیطان نے لوگوں میں اُن کی ہمتیں اور قوتیں پست کر دینے کی
غرض سے پھیلا دیا ہے اور سچا توکل اختیار کریں اور جو بات اُن کو اپنی دنیا اور دین کی بھلائی کی معلوم ہو
اُسمیں حتےالامکان جان و دل سے کوشش کریں اور تمام تر اپنی ہمتوں اور مالی و بدنی کوششوں کو اُسیطرف
مصروف کریں جس سے مسلمانوں کی قوم اور اُن کے مذہب کا تمام لوگوں کی نظروں میں ایک اعتبار اور
وقعت پیدا ہو جاوے اور سلام کی سچی شعاعوں سے تمام ہندوستان منور ہو جاوے اور جس طرح اُن کے
بھائی ٹرکی میں اور مصر میں قومی ترقی اور قومی فخر اور قومی عزت اور امتیاز حاصل کرنے میں کوشش کر رہے
ہیں وہ بھی اُس سے غافل نہ رہیں +

وعلی اللہ فلیتوکل المتوکلون ربنا آتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الآخرۃ حسنۃ
وقنا عذاب النار۔ آمین ثم آمین اللّٰھم آمین

آپ کام مہا کام

اپنے کرنے کے کام کو گورنمنٹ پر ڈالنا خوب نہیں

بلاشبہ ہر ایک منصف گورنمنٹ کا یہ فرض ہے کہ اپنی رعایا کے کاموں میں جہاں تک اُس سے ممکن ہو
مدد کرے لیکن یہ ناممکن ہے کہ رعایا خود اپنی بھلائی کے کاموں میں مطلق کوشش نہ کرے اور شریک نہو
اور وہ تمام ذمہداری گورنمنٹ کے ذمہ رہے اور گورنمنٹ اُسکا انجام کر سکے یہ بات کچھ ہندوستان ہی
کی گورنمنٹ پر منحصر نہیں بلکہ تمام دنیا کی گورنمنٹوں کا یہی حال ہے اور درحقیقت خداوند تعالےٰ نے گورنمنٹ
اور رعایا کو دنیا کے قدرتی انتظام کے برتاؤ کے واسطے مثل دو ہاتھوں کے بنایا ہے جس ملک کی
رعایا بہ طرح پر شایستہ اور تربیت یافتہ اور اپنی عادل گورنمنٹ کی خیرخواہ ہے جو عین اپنی ہی خیرخواہی اور
اپنی ہی آزادی اور آرام کی حفاظت ہے اُس ملک کی رعایا کی نسبت انصاف سے یہ کہا جا سکتا ہے
کہ وہ ملکی انتظام کا داہنا ہاتھ ہے اور جہاں یہ بات نہیں ہے اور رعایا کو وہ لیاقت حاصل نہیں وہاں
جسقدر ترجیح گورنمنٹ کو دیجاوے وہ سب بجا اور حق بجانب ہے چنانچہ ہندوستان کا حال بھی آج کل
ایسا ہی ہو رہا ہے اور یہاں لوگوں کی طبیعتیں اسقدر پست اور ہمتیں اسقدر سست ہو رہی ہیں کہ خود اپنی

بھلائی کے کاموں میں نہایت کم شریک ہوتے ہیں اور ہر قسم کے کام کا دارومدار بالکل گورنمنٹ پر ہے
تعلیم کا سا نازک معاملہ اور اہم مقدمہ لوگوں نے بالکل گورنمنٹ پر منحصر کر رکھا ہے۔ لکھنا سکھاوے تو
گورنمنٹ سکھاوے۔ پڑھنا سکھاوے تو گورنمنٹ سکھاوے۔ شفاخانے گورنمنٹ قایم کرے زراعت
کی ترقی کے وسیلوں کو صرف یہی نہیں کہ گورنمنٹ موجود اور مہیا ہی کردے بلکہ یہ اُمید کیجاتی ہے
کہ گورنمنٹ اپنے آدمیوں کی معرفت ہل بھی چلواوے تخم ریزی بھی وُہی کراوے آبپاشی بھی وُہی
کرے غلہ کو بھی گورنمنٹ ہی کاٹے وُہی صاف کرے یہاں تک کہ وُہی پیسے اور پکاوے اور نوالہ
بنا بنا کر مونہہ میں دیتی جاوے یہی حال علے ہذا القیاس اور دستکاریوں اور ہنر و فنون کا ہو رہا ہے اگر کسی کو
یہ ولولہ ہوتا ہے کہ اس ملک کے باشندے بھی اور ملکوں کی سی دستکاریاں سیکھیں تو ساتھ ہی دل میں یہ
خواہش اور گورنمنٹ کی طرف سے ذہن میں یہ شکایت پیدا ہوتی ہے کہ گورنمنٹ ہماری تعلیم کے لیئے
ایسے مدرسے اور کارخانے کیوں قایم نہیں کرتی جن میں اس قسم کی تعلیم ہو۔ چھاپہ خانوں کی ترقی اور اُنکا استحکام
اب اسی پر رہ گیا ہے کہ گورنمنٹ ہی کتابیں خرید کرے اور گورنمنٹ ہی اخبار مول لے غرض کہ ہندوستان
میں ہمہ اوست و ہمہ از وست کا مصداق لوگوں نے ٹھیک ٹھیک اور بلا تشبیہ گورنمنٹ کو قرار دے رکھا
ہے اور گو ہم بشکر گذاری تمام تسلیم کرتے ہیں کہ گورنمنٹ نے جہاں تک ممکن ہوا ان کاموں کو مدد دی ہے
اور حتی الامکان اپنے فرض کو ادا کیا ہے لیکن بہر حال آخر کہاں تک گورنمنٹ کی آمدنی محدود ہے اس لیئے
وہ بہ مجبوری اُسی قدر ذمہ داری کرسکتی ہے جہاں تک اُس سے ممکن ہے نہ اُس سے زیادہ +

اس بات کو بخوبی سمجھ لینے کے واسطے کیسی عمدہ ایک مثال حال ہی کے زمانہ کی موجود ہے کہ ایک
سال گورنمنٹ نے یہ سمجھکر کہ اہل ہند کا انگلستان میں جانا اور تعلیم پانا نہایت عمدہ بات ہے اور اہل ہند
کے لیئے جو خود اپنی فلاح کے کاموں سے بے خبر ہیں نہایت نافع ہے پچاس ہزار روپیہ سالانہ اس
غرض سے منظور کیا کہ اُس صرف سے نو آدمی ہر سال مختلف علاقوں کے ہندوستان سے انگلستان کو
تعلیم کے لیئے جاویں چنانچہ ایسا ہی ہوا اور جو عمدہ نتیجہ اُس سے ظاہر ہوا وہ ظاہر ہے اور کاش اگر چند
برس بھی یہ قاعدہ اور جاری رہتا تو ہر ادنے اور اعلے اُس کے فائدوں کی قدر کو بخوبی پہچاننے لگتا
لیکن گورنمنٹ اپنے مقدور سے زیادہ کام نہیں کرسکتی آیندہ برس میں اُسکی آمدنی نے اس خرچ کے
لیئے کفایت نہ کی اور لاچار اس نے چند روز کے لیئے یہ قاعدہ توڑ دیا +

علاوہ اس کے یہ بھی دیکھنا چاہیئے کہ گو گورنمنٹ نے ہر طرح رعایا کی بہبودی کے کاموں کے قایم
کرنے میں کوشش کی لیکن چونکہ رعایا اُس میں خاطر خواہ شریک نہیں ہوئی اس لیئے یہ کہنا کچھ نامناسب

نہوگا کہ گورنمنٹ کو اُن کاموں میں جیسی چاہیئے تھی ویسی کامیابی حاصل نہیں ہوئی۔ گورنمنٹ نے مدرسے
بنائے۔ شفاخانہ قائم کیئے۔ ٹیکا کا محکمہ گورنمنٹ نے قائم کیا لیکن لوگوں کی کوشش اور رعایا کی مدد اسکی
طرف کافی نہوئی علےٰ ہذا القیاس اُنھیں باتوں پر اَور باتوں کو قیاس کر لینا چاہیئے شاید یہ کہا جاسکتا
ہے کہ ان کاموں کا کامل طور پر نافع نہونا رعایا کی نافہمی و تعصب و جہالت وغیرہ کا سبب ہو لیکن
یہی تماشہ ہے کہ یہ جہالت اور تعصب بھی رعایا میں اسی واسطے پیدا ہوا اور ترقی پکڑ گیا کہ ان کاموں کے
شروع ہونے میں رعایا کی شرکت اور مشورت نہ تھی اور کچھ شبہ نہیں ہے کہ اگر رعایا ان سب کاموں میں شریک
مشورہ کار ہوتی یا خود اُن کاموں کو شروع کرتی اور اُس کا ولولہ بھی ان کاموں کی طرف لگا رہتا تو یہ تعصب
وغیرہ جو اب پیدا ہوا ہرگز نہ پیدا ہوتا پس غور کرنا چاہیئے کہ ایک کام جو نہایت عمدہ سمجھکر گورنمنٹ نے بلا
شرکت رعایا کے شروع کیا اُسمیں صرف یہی ناکامیابی نہوئی کہ زر کثیر صرف ہوگیا اور بڑی بڑی کوششیں
بیکار ہوگئیں بلکہ اہل ہند کی تربیت کا زمانہ دراز ہاتھ سے جاتا رہا اُن تمام واقعات سے ایک بہت اچھی
نصیحت ہمارے واسطے یہ پیدا ہوتی ہے کہ جو کام ہمکو اَوروں کی بھلائی کے واسطے شروع کرنا ہو ضرور
اُسمیں اُن لوگوں کو بھی جس طرح ہوسکے شریک کر لینا چاہیئے جن کے نفع کے واسطے وہ کام شروع کیا جاوے؛
اس مقام پر ہمارا یہ مقصد نہیں ہے کہ ہم اس ناکامیابی کے الزام کو گورنمنٹ کی طرف منسوب کریں بلکہ ہماری
غرض اپنے اہل وطن سے یہ ہے کہ اگر وہ خود اپنی فلاح کے کاموں میں توجہ نکرینگے اور سارا دار ومدار اپنا
گورنمنٹ ہی پر رکھینگے اور گو گورنمنٹ نہایت نیک نیتی سے حتے الامکان اُن کی بھلائی میں کوشش بھی
کرے لیکن اُن کی پوری بھلائی اُسکے ذریعہ سے ناممکن ہوگی ؛

جب ہم یہ بات اوپر ثابت کر چکے کہ ہر گورنمنٹ اُسی قدر توجہ کی متحمل ہوسکتی ہے جس قدر بوجھ اُٹھانے
کی اُس میں طاقت ہے تو یہ بات بھی ضرور ہے کہ جب نئے نئے بوجھ جس میں کا بہت سا حصہ خود رعایا کو
اپنے اوپر اُٹھانا چاہیئے تھا صرف گورنمنٹ پر ڈالے جاوینگے تو بلاشبہ گورنمنٹ کو بھی اُسی قدر اپنی
طاقت بڑھانے کی فکر ہوگی مثلاً اگر اپنی تعلیم کا بندوبست ہندوستان کی رعایا خود آپ کر لیتی تو گورنمنٹ
ہرگز اُن سے تعلیم کا چندہ طلب نہ کرتی۔ گورنمنٹ کوئی سونے کی کان نہیں ہے کہ جتنا سونا اُسمیں سے
چاہو کھود لو اور اُسمیں کمی ہی واقع نہو وہاں تو گنی ہوئی بوٹیاں اور بنا شوربا ہے روز کا کنواں کھودنا
اور روز کا پانی پینا ایک سال کی آمدنی دوسرے سال کے لیئے بھی پس انداز نہیں ہوتی بلکہ جس قدر آمدنی میں
کمی رہجاتی ہے وہ کسی نہ کسی سبیل سے رعایا ہی سے وصول کی جاتی ہے اور انہیں تلوں میں سے
تیل نکالا جاتا ہے ایک نہایت مدبر کا قول ہے کہ اگر شاہی خزانہ پر کچھ خرچ ڈالنا چاہتے ہو تو پہلے تم

اُس روپیہ کو خزانہ میں کھلو پس ان حالات کے لحاظ سے بھی یہ کون خوبی کی بات ہے کہ جو کام خود ہمارے کرنیکے ہیں اُن کو ہم خود نہ کریں اور گورنمنٹ سے اُس کے انجام دینے کی درخواست کریں روپیہ کا روپیہ بناہی صرف ہو اور تربیت یافتہ قوموں کے نزدیک نالائق کے نالائق ٹھہریں یعنے نقصان مایہ و دیگر شماتت ہمسایہ اور قطع نظر اس کے جب کوئی ایسا کام گورنمنٹ کی معرفت انجام ہو گا جو ہمکو خود کرنا تھا تو ضرور ہمارے اختیارات اُسمیں کم ہو جاوینگے اور اُس وقت ہمکو اور ایک قسم کی مشکل پیدا ہو گی غرض جس پہلو پر دیکھیے ہمیشہ ہمکو اپنے کرنے کے کام اَوروں پر ٹالنے سے سوائے ناکامیابی اور رنج اور رسوائی کے کوئی اور نتیجہ پیدا نہ ہو گا اور اس میں بھی شبہ نہیں کہ جس کام کو ہم خود کر سکتے ہیں اور خود ہمکو کرنا چاہیئے اُسکو دوسروں پر ٹالتے رہنے سے ہماری ہمتیں بھی پست اور سست ہوتی جاتی ہیں اور مہذب قوموں کے نزدیک ہم اپنے ایسے ہی ایسے افعال سے دن بدن ذلیل ہوتے جاتے ہیں ؀

دیکھو جب ہم بازاروں میں یا عام گذرگاہوں اور سڑکوں پر گذرتے ہیں اور موٹے مسٹنڈے فقیر ہمکو لپٹتے ہیں تو ہمکو اُن کی یہ نالائق حرکت کیسی بُری معلوم ہوتی ہے اور ہم اُن کو کس حقارت سے دیکھتے ہیں یہی حال ہماری گورنمنٹ اور اُسکے مہذب عہدہ داروں اور تربیت یافتہ قوموں کے نزدیک ہمارا سمجھنا چاہیے کہ باوجود خود ہر قسم کی مقدرت رکھنے کے پھر ہر کام کا مدار گورنمنٹ ہی پر رکھتے ہیں ؀

بلاشبہ ہندوستان میں روز بروز اب لوگوں میں آپس کے اتفاق سے کام کرنے کا ولولہ پیدا ہوتا جاتا ہے اور اس آخر قرن میں جو موجودہ زمانہ پہنچتی ہوتا ہے بہ نسبت اس صدی کے اور پچھلے قرنوں کے اس ولولہ کو بہت ترقی ہوئی ہے جابجا سوسائٹیاں اور انجمنیں قائم ہوتی جاتی ہیں لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ یہ تمام کام جس ولولہ سے شروع ہوتے ہیں اُس ولولہ کے ساتھ اکثر غلطیوں میں مبتلا ہو جانے کے سبب سے انجام کو نہیں پہنچتے اور وہ غلطیاں اگر چہ ابتدا میں ایک یا دو قسم کی ہوتی ہیں لیکن اُن کے سبب سے رفتہ رفتہ اور دن بدن بہت سی غلطیاں پیدا ہو جاتی ہیں ؀

وہ غلطی جو اکثر ان کاموں میں اوّل ہی اوّل واقع ہوتی ہے یہ ہے کہ جو لوگ اُس کام میں شریک ہوتے ہیں وہ اُس کام کے بانیوں کی رعایت و مروّت یا دنیا کی شرم و حیا سے شریک ہو جاتے ہیں اپنے خاص شوق سے شریک نہیں ہوتے اور اسی لیئے چند عرصہ کے بعد لوگوں کو اُس کام میں مدد کرنا وبال جان معلوم ہونے لگتا ہے روپیہ کے حصول میں دقت پیش آتی ہے لوگ توجہ کم کرنے لگتے ہیں کام سست ہو جاتا ہے اور اُس کام کے بانیوں کی ہمتیں بہ مجبوری پست ہو جاتی ہیں لیکن بجائے اسکے کہ استقلال کے ساتھ کوئی اور تدبیر معقول اُسکے انتظام کی عمل میں لائی جاوے ایک اور غلطی اُس کے سبب سے

پیدا ہو جاتی ہے جس کے سبب سے اس نوبت کارروائی میں اُس کام کے بانیوں کی طبیعت گورنمنٹ کی طرف مائل ہوتی ہے۔ اور جس غیرت اور حمیت کے ساتھ وہ کام بلا استعانت گورنمنٹ شروع کیا گیا تھا وہ سب بالائے طاق دھرے رہ جاتی ہے اور تیسرے فاقہ پر مردار بھی حلال سمجھکر بہ مجبوری گورنمنٹ کے آگے بے تکلف ہاتھ پھیلانے پڑتے ہیں اگر گورنمنٹ نے اپنی معمولی رحمدلی سے اس وقت میں دو قطرہ آب سے اُس نیم بسمل کام کی کچھ مدد کی تو کوئی دن کی زندگی اور نکل آئی ورنہ اناللہ وانا الیہ راجعون۔ فاتحہ نیر پڑھکر اُس کے بانیوں نے بھی اُس کام سے ہاتھ کھینچا۔ لیکن جو جان تازہ اُسوقت میں گورنمنٹ سے کسی کام کو عنایت ہوتی ہے ایک وہ دائم المریض آدمی کی مانند محض بے حلاوت ہوتی ہے نہ اُس طرف لوگوں کی اُمنگ اور نہ اُس میں کچھ ترقی کی اُمید ہوتی ہے ؛

لندن میں عید الفطر کی نماز

اب کی مرتبہ لندن میں بھی عید الفطر کی نماز ہوئی۔ امام او رمقتدی سب دس آدمی تھے حافظ احمد حسن صاحب سفیر جناب نواب صاحب بہادر سابق والی ٹونک نے نماز پڑھائی مقتدیوں میں سید محمد محمود صاحب مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر کے صاحبزادہ اور مرزا خداداد بیگ صاحب جو تحصیل علم کیواسطے لندن میں وارد ہیں اور اَور لوگ شامل تھے پس یہ ایک ایسی خبر ہے جس سے مسلمانوں کو نہایت خوش ہونا چاہیئے ؛

جو خام اعتقاد مسلمان لندن جانے ہی کو خلاف شان اسلام سمجھتے ہیں وہ اب خیال فرمالیں کہ مذہب اسلام نہ مکہ جانے پر موقوف ہے اور نہ لندن جانے پر۔ نیت صحیح اور قلب استوار ہر مقام پر منشرح ہے۔ اب یہ وقت ہے کہ ہندوستان سے رؤسا مسلمان ان تعصبات کو جو بعض غلط فہمیوں کے سبب سے اُن میں چلے آتے ہیں چھوڑ دیں اور اپنی اولاد کو اعلےٰ درجہ کی تعلیم حاصل کرنے کے واسطے بے تکلف انگلستان کو بھیجیں جیسا کہ اَور مصر کے مسلمان کر رہے ہیں۔ اطلبوا العلم ولو کان بالصین ؛

شیریں زبانی

شیریں زبانی بھی انسان کے واسطے ایک نہایت عمدہ صفت ہے اور تہذیب انسانی کا ایک بڑا رکن ہے یہ وہ جوہر ہے جس کے ذریعہ سے انسان بغیر استعانت زور اور زر کے دوسرے انسانوں کی طبیعت پر غالب آسکتا ہے اور اپنے خیالات کو دوسروں کے ذہن میں بٹھلا سکتا ہے۔ فصاحت اور بلاغت بلکہ ہر قسم کے صنائع اور بدائع جو انسان کے کلام کے بڑے بڑے رکن ہیں اور جن کے سبب سے آدمی

بڑا قابل اور بڑا فصیح اور ادیب یا ایک بہت بڑا شاعر مشہور ہو سکتا ہے ان سب کمالات کا صلہ اکثر اوقات صرف زبانی مدح وثنا سے کافی طور پر ادا ہو جاتا ہے لیکن وہ کلام جس سے انسان کسیقدر کچھ کام نکال سکتا ہے اور دوسروں کو اسکے ذریعہ سے اپنی طرف متوجہ کرسکتا ہے وہ درحقیقت اُس قسم کا کلام ہوتا ہے جسمیں شیرینی ہو میٹھا بولنا دشمنوں کو بھی دوست بنا لیتا ہے اور برخلاف اُسکے تلخی سے اپنے بھی بیگانے ہو جاتے ہیں اور بہت سے کیئے کرائے کام ملیامیٹ اور گئے گذرے ہو جاتے ہیں ؛

زبان شیریں انسان کی وہ ذاتی صفت ہے جو اس کو ہر موقع پر ہر درجہ کے لوگوں کے ساتھ چھوٹا ہو یا بڑا اعلے ہو یا ادنے ۔ ہم قوم ہو یا غیر قوم ۔ ہم مذہب ہو یا غیر مذہب ۔ دوست ہو یا دشمن ۔ امیر ہو یا فقیر سب سے یکساں برتنی چاہیئے ۔ عمدہ ترین انسانوں میں وہ انسان ہے کہ جو لوگ اسکو برا کہیں اُن سے بھی وہ نہایت نرمی اور ملائمت سے کام کرے اور دوسروں کی جہالت اور ناشایستگی کے مقابلہ پر اپنی تہذیب کو ہاتھ سے نہ جانے دے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بڑے بڑے حلیم الطبع آدمی بعض اوقات اس انسانی حد سے آگے کو قدم بڑھا جاتے ہیں چنانچہ ہمارے بعض مسلمان بھائیوں نے کسی غیر مذہب والے یا کسی خاص فرقہ کے مقابلہ پر جو کتابیں تحریر فرمائیں اُن میں بھی ان صاحبوں نے اس عمدہ صفت کو اکثر فروگذاشت کیا ہے یہ سچ ہے کہ بعض اوقات کسی غیرت یا غصہ یا جوش میں آدمی کو اس بات کا خیال نہیں رہتا لیکن اس میں بھی شبہ نہیں کہ کسی قدر بلکہ اکثر اُس کا یہی سبب ہوا ہے کہ اُن بزرگواروں نے کسی فضول اور بیجا مذہب شخص کے مقابلہ پر ویسی ہی فضولی سے پیش آنے کو معیوب خیال نہیں کیا ورنہ یہ ممکن نہ تھا کہ وہ عارضی غصہ یا جوش کتابوں کی صورت پکڑ کر ایک قوم کے اخلاق کا جزو ہو جاتا ؛

عمدہ غرض اور اعلے مقصد ان تصنیفات کا یہ ہونا چاہیئے تھا کہ جن لوگوں کے سمجھانے اور قائل کرنے کی غرض سے وہ کتابیں تحریر ہوئی تھیں وہ اُن کو انصاف کی نظروں سے دیکھتے مگر یہ جب ہی ہوتا ہے جب وہ کتابیں نامناسب الفاظ سے پاک وصاف ہوتیں اور طرز بیان اُن کا نہایت شیرینی اور لطافت کے ساتھ ہوتا حالانکہ اب اُن کتابوں سے سوائے اسکے اور کوئی فائدہ بظاہر مترتب نہیں ہو سکتا کہ خود وہ مصنف یا اُن کے اور چند ہم مذہب آپس ہی میں اُن تصنیفات کو دیکھکر خوش ہوں اور باہم ایک دوسرے کو واہ واہ اور مرحبا کہدیں پس کس قدر افسوس کی بات ہے کہ ہمارے ان معزز بھائی مسلمان مصنفوں نے اپنی نہایت عمدہ محنتوں اور تحقیقاتوں کو تلخی اور سختی کلام سے فقط داغ ہی نہیں لگایا بلکہ اُن محنتوں کو بالکل بیکار کردیا اور اس سے بھی بڑھکر نقصان مسلمانوں کو ان تصنیفات سے ہوا وہ یہ ہے کہ ہمارا اخلاق بھی غیر قوموں کے نزدیک ایسا ہی معیوب سمجھا گیا جیسا ہمارے نزدیک اُن نامہذب لوگوں کا اخلاق تھا جن کے

جواب میں بلکہ درحقیقت اُن کے جہلانے کے واسطے جتنی کتابیں لکھی ہیں ۔

بھلا ان اہل تصنیفات سے جو غلطی ہوئی اُس کو اچھی طرح یہ کہا جاسکتا ہے کہ ان تصنیفات کا حال جواب ترکی بہ ترکی ہے حالانکہ ہم کبھی اس جواب کو تسلیم نہ کرینگے لیکن ہم دیکھتے ہیں کہ بعض وہ باہمت مسلمان جو اس بات کا بیڑہ اُٹھاتے ہیں کہ ہم اپنے مسلمان بھائیوں کی اصلاح میں جہاں تک ممکن ہو کوشش کرینگے اور اس لیئے ان پر فرض ہے کہ جو حرف اُن کے مونھ سے نکلے اور جو لفظ اُن کے قلم سے لکھا جاوے اُس کے ہر ایک پہلو پر خوب غور کرلیں کیونکہ اس سے کوئی ناحق کی رنجش نہ ہو اور تو مسلمانوں کو رنجیدگی نہ ہو ان صاحبوں کا بعض اوقات یہ خیال ہوتا ہے کہ وہ بھی جادۂ اعتدال سے بہک جاتے ہیں اور فرط محبت اور جوش ہوا خواہی میں یا بعضوں نے ایسے نامناسب لفظ اُن کی زبان اور قلم سے سرزد ہوجاتے ہیں جن پر عام لوگ کچھ نہیں لیجا سکتے اور جو ہم سب سامنے خود اس کا ... پسند کرتے کہ ہم اچھی بات سے ہم تسلیم کرتے ہیں ... ہو جاوے تو ... اس کی تصنیف نہ تھے ... ایک ناصح یقیناً اپنے دشمنوں کو ... لیکن وہ جو مطلب کو اپنے اچھے لفظوں میں بیان کرسکتا ہے ان کو برے لفظوں میں بیان نہ کرے گا ۔

ہم مسلمانوں کے اعتقاد کے بموجب ابتدائے آفرینش سے آج تک اس دنیا میں کوئی ایسا ... اور ... ناصح پیدا نہیں ہوا اور نہ آیندہ ہونے کی امید ہے جیسے ہمارے رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم ہوئے ہیں کہ اس خدا نے جو بڑی حکمتوں والا اور تمام مخلوقات کے ... پر حاوی و منصرف ہے اپنے رسول سے اس عالم میں جیسے ہم ... ارشاد فرمایا ہے قال تبارک وتعالیٰ ادع الی سبیل ربک بالحکمۃ والموعظۃ الحسنۃ وجادلھم بالتی ھی احسن[1] یعنی ان لوگوں کی اصلاح منظور ہے اگر فی الواقع ان پر کوئی الزام ثابت ہے تو اس کے بیان کرنے کا مضائقہ نہیں لیکن طرز بیان ایسا ہونا چاہیئے کہ اس سے لوگوں کو ناراضگی نہ ہو بیشک جناب رسول خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اس ارشاد کی تعمیل نہایت خوبی اور خوش اسلوبی سے کی ۔ تمام حدیث کی کتابیں اس کی شاہد حال ہیں جو مطالب اُن میں بیان کیئے گئے ہیں کیسے سنجیدہ ... اور شیریں الفاظ میں بیان ہوئے اور گو یہ صحیح ہے کہ جن لوگوں کی قسمت میں ہدایت نہ تھی اُن کو ہدایت نصیب نہ ہوئی لیکن یہ الزام شاید رسول خدا

---

[1] اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) بلا لوگوں کو اپنے رب کی راہ پر پکی باتیں سمجھا کر اور اچھی طرح سے سمجھا کر اور الزام دیکر اُن کو جس طرح بہتر ہو ۔ رکوع اخیر پارہ ۱۴ ۔

صلے اللہ علیہ وسلم پر کسی نے نہیں لگایا کہ معاذ اللہ وہ مغلوب الغضب تھے یا اپنے جوش میں آکر ایسے سخت لفظ کہہ جاتے تھے کہ سامعین کو ناگوار خاطر ہوتے تھے اور اس لیے وہ لوگ اُن کے ذریعہ سے ہدایت پانے سے باز رہے پس ہمارے مسلمان بھائیوں کو مناسب ہے کہ جو نہایت سچا اور عمدہ راستہ اُن کے نبی نے خود اختیار کیا اور اوروں کو بھی اُسی پر چلنے کی نصیحت کی اسی راستہ پر قایم رہیں ۔

اس بات پر بھی اچھی طرح غور کرنا چاہیئے کہ خدا نے یہ مذکورہ بالا آیت اپنے ایسے نبی کو فرمائی تھی جن کو شر شیطان سے ہر طرح محفوظ رکھا تھا وائے بر حال ہم گنہگاروں کے کہ ہم بری طرح سے اُس کے پھندے میں پھنسے ہوئے ہیں یہ اُسی شیطان کا فریب ہے کہ ہمکو کوئی غیر مذہب یا ہم مذہب کسی نامہذب شخص کے مقابلہ میں لا کر ہم سے بھی ویسی ہی حرکتیں کرانے لگتا ہے جیسی اُس نامہذب شخص میں تھیں اور پھر اُس کا نام ہمارے خوش کرنے کی غرض سے کبھی جواب ترکی بہ ترکی ٹھہراتا ہے کبھی اُس کو جواب دندان شکن کے نام سے تعبیر کراتا ہے کبھی ہمکو ہماری ان بیجا حرکتوں پر ثواب کا امیدوار کراتا ہے اور کبھی اُن غیر معتدل بلکہ نامناسب الفاظ کو جو ہم سے تقریر یا تحریر میں ناسمجھی کی راہ سے سرزد ہوتے ہیں اپنی قوم کی فرط محبت سے منسوب کرتا ہے اور پھر خود ہی وہ آفت روزگار ہمارے دلوں میں ان الفاظ اور فقرات کے سبب سے ایک بیج پیدا کر دیتا ہے اور اس حیلہ و نیرنگ سے باہم عداوت کرا دیتا ہے بڑے بڑے اتفاقوں و محبتوں کو طرفۃ العین میں درہم برہم کر دیتا ہے اور بڑے بڑے عالی ارادوں کو جو عام کے فائدہ کیواسطے کیئے جاتے ہیں بالکل پریشان کر دیتا ہے ۔

علم اخلاق میں یہ بات عقلاً اور نقلاً ہر طرح سے ثابت ہو چکی ہے کہ تعلیم اور فہمایش ہمیشہ نرم لفظوں میں چاہیئے اور اس کے برخلاف کبھی وہ کارگر نہ ہوگی اور تمام عقلاء روزگار اور انبیاء علیہم السلام کا عملدرآمد اسی پر رہا لیکن اکثر اوقات انسان اپنے جوش یا غصہ سے مجبور ہو جاتا ہے اور نہ تحریر یا نہ تقریر تمام مصلحت پر غالب آجاتا ہے چنانچہ ان شیطانی وسوسوں و آفتوں سے محفوظ رہنے کے واسطے خدا تعالیٰ نے اپنے کلام پاک میں اپنے نبی کی معرفت ہمکو یہ ارشاد فرمایا ہے ۔

؎ "قل لعبادي يقولوا التي هي احسن ان الشيطان ينزغ بينهم ان الشيطان كان للانسان عدوا مبينا ربكم اعلم بكم ان يشا يرحمكم او ان يشا يعذبكم" ۔

؎ یعنی اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) کہدے میرے بندوں کو کہ بات وہی کہیں جو بہتر ہو بیشک شیطان جھگڑا کرا دیتا ہے آپس میں بے شک شیطان انسان کا دشمن صریح ہے تمہارا رب بہتر جانتا ہے تمکو اگر چاہے تمپر رحم کرے اور اگر چاہے تمپر عذاب کرے (پارہ ۱۵ رکوع ۶)

کبھی کبھی یہ بھی ہوتا ہے کہ ایک شخص کے ذہن میں یہ بات جم جاتی ہے کہ میں نے جو کچھ سمجھا ہے سب سچ سمجھا ہے اور جو کچھ میں کہہ رہا ہوں اور کر رہا ہوں وہی بالکل سچ ہے اور اس لیئے وہ اور آدمیوں کو جو اسکی رائے سے ناواقف یا برخلاف ہوتے ہیں خواہ مخواہ حقارت سے دیکھنے لگتا ہے اور اسی حقارت کی نظر سے کوئی کوئی سخت اور نامناسب لفظ بھی ان لوگوں کی نسبت اسکی زبان یا قلم سے نکل جاتا ہے اور یہ عمل آمد بالآخر باہمی نزاع اور بے رحمی کا سبب ہو جاتا ہے پس خدا تعالےٰ نے اپنے اس کلام پاک میں اس قسم کے خیالات کی بھی روک تھام فرمائی اور ارشاد کیا کہ ان باتوں کو تمہارا پروردگار ہی خوب جانتا ہے کہ کسکا عمل کس طرح پر درست ہے نہ اپنے خیالات کے لحاظ سے ایک دوسرے کی نسبت ایسے نامناسب لفظ کہے جاویں جو باہمی رنجش کا سبب ہو جاویں اور شیطان کو جو ہمیشہ اسی فکر میں رہتا ہے اپنا موقع ہاتھ آوے اعمال کی بھلائی اور برائی پر جزا اور سزا دینا یہ خدا ہی کا کام ہے چنانچہ اور ایک مقام پر بھی خدا تعالےٰ نے اس کی تصریح فرمائی ہے ؛

[1] "قل كل يعمل على شاكلته ۞ فربكم اعلم بمن هو اهدىٰ سبيلا"

پس میری عرض اور میرا التماس عموماً اپنے تمام مسلمان بھائیوں سے اور خصوصاً ان اہل ہمت سے جو علم کلام کے لوگ ہیں اور جو اپنی قوم کو اپنی عمدہ نصیحتوں سے مہذب بنانا چاہتے ہیں یہ ہے کہ اپنے کلام کو دوست سے ہو یا دشمن سے اعلےٰ سے ہو یا ادنےٰ سے نہایت شیرینی اور لطافت اور نرمی سے استعمال میں لاویں اور سخت اور درشت الفاظ سے جس قدر ہو سکے کنارہ کریں اور جو قانون کارخانہ قدرت کے بنانے والے نے ہمارے لیئے مقرر کر دیا اس کو اپنے کسی جوش و خروش کا تابع نہ کریں اور جو عمدہ اور نہایت عمدہ مذہب ان کو خوش قسمتی سے نصیب ہوا ہے اس پر بہت سچائی اور نیک نیتی سے قایم رہیں کہ یہی سچی شایستگی ہے اور یہی سچی تہذیب ہے اور دونوں جہان کی ہر قسم کی خوبیاں سب اس میں موجود ہیں ؛

تقویٰ

وخیر الزاد التقویٰ

ہمارے اخبار یکم ذیحجہ میں ایک مختصر فہرست ان مراتب کی چھپی تھی جن میں مسلمانوں کو تہذیب کرنا

---

[1] کہدے اے محمد (صلے اللہ علیہ وسلم) ہر کوئی اپنی اپنی وضع پر عمل کرتا ہے سو یہ بات کہ کس نے اچھی راہ اختیار کی تیرا رب ہی خوب جانتا ہے (پارہ ۱۵ رکوع ۸) ؛

چاہیئے لیکن میری دانست میں اس میں ایک بڑا امر فروگذاشت ہوا یعنی تقوے جو مسلمانوں کی مروتی
تک ہے اور ہندوستان کے مسلمانوں میں پہلے زمانہ کی نسبت اسکی نہایت کمی ہے اس زمانہ
میں اکثر تقوے اتنی بات پر ختم ہوتا ہے کہ حجامہ ٹخنوں سے نیچا نہ رہے اور ناچ رنگ وغیرہ کی مجلس
میں نہ جاتے ہوں اور بس آخر خدا اسکو بھی باقی اور قایم رکھے ۔ ؂

کسب حلال کی نسبت یہ کہنا بجا ہے کہ وہ ایک زمانہ میں مسلمانوں کا خمیرہ تھا اب اُس کی
طرف سے ایسی غفلت ہوتی جاتی ہے کہ خدا محفوظ رکھے ۔ سود سی شے جسکے لینے والوں کی نسبت
خدا یوں ارشاد فرماوے کہ "فاذنوا بحرب من الله ورسوله" یعنی اُٹھ کھڑے ہو خدا اور اُسکے
رسول سے لڑنے کے واسطے اب وہ ہندوستان کے مسلمانوں میں ہماری شامت اعمال سے
ایسا عام ہوا یا کہ کھاتے پیتے مسلمان شاید فی صدی دس بھی اس بلا سے عالمگیر سے محفوظ ہونگے
اور روپیہ سینکڑہ کے رو سے نالش عدالت میں کیا یہ تو اب عیب ہی نہیں رہا دو وقت کی
نماز قضا ہو تو کبھی شاید خیال نہ ہوتا ایک سودی نالش دیکھیں ہوئے کا ۔ بڑے بڑے موٹے
موٹے صافے اور بڑی بڑی لمبی ڈاڑھیوں والے مولوی جو وجاہت میں بھی ماشاء اللہ دم بھرتے
ہیں اس لقمہ حرام کی چاٹ اور مال و دولت کی طمع خام میں مبتلا ہیں ؂

رونا تو اس بات پر آتا ہے کہ اپنی ان حرکات کے سبب سے کبھی ماتھے پر پسینا نہ آوے
مگر جب کسی مسلمان کو کسی اہل کتاب کے ساتھ ہم طعام دیکھیں تو حمیت اسلامی جوش میں
آجاوے اور بعض نعوذ باللہ اور توبہ توبہ کرکے اس مسلمان کی جنت کا نام نہ لیں فاعتبروا یا اولی الابصار ؂

معاش کے اور ذریعوں کا بھی یہی حال ہو رہا ہے ۔ نوکروں میں چوری اور رشوت ۔ زمینداروں میں
زیادہ ستانی و شوق سیاست ۔ سوداگروں میں دغابازی اور حرفت دن بدن ترقی پر ہیں و علی
ہذا القیاس لیکن میرے نزدیک جب تک مسلمانوں میں سے یہ خرابیاں رفع نہ ہونگی تب تک کبھی اُنکی
قوم کو سچی ترقی اور عزت نصیب نہ ہوگی کیسے ہی پھولوں اور پھولدار درختوں سے اپنے گھروں کو
رشک گلزار ارم کیوں نہ بناویں اور جاکٹ پتلون کیوں نہ پہنیں اور میز و کرسی پر چھری کانٹے سے
طلائی نقرئی نہایت شفاف اور جلادار برتنوں میں کیوں نہ کھاویں اور کیسا ہی اپنے طریق زندگی
کو آجکل کی مہذب اور روشنضمیر قوموں کی مانند اعلے اور عمدہ کیوں نہ بناویں پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ اوّل
اپنا تقوے درست کریں اُسکے بعد قومی ترقی کا نام لیں ورنہ ٹھیک اس آیت کے مصداق ہونگے ۔
قل هل ننبئكم بالاخسرين اعمالا الذين ضل سعيهم في الحيوة الدنيا وهم يحسبون انهم يحسنون صنعا ؂

سید محمد محمود صاحب سلمہ اللہ تعالےٰ

سید محمد محمود صاحب مولوی سید احمد خان صاحب بہادر سی ایس آئی کے چھوٹے صاحبزادہ کا سالانہ امتحان کریسٹ کالج یونی ورسٹی لندن میں بڑی کامیابی کے ساتھ ہوا اس امتحان میں جو تمام علوم میں ہوا اُن کا نمبر دسواں تھا اور خاص انگریزی زباندانی میں تمام کالج میں صرف ایک اور طالب علم اس قابل نکلا کہ اُسکے جواب اور سید محمد محمود صاحب کے جواب برابر وقعت کے تھے اس لیے دونوں کا نام اوّل نمبر میں لکھا گیا باقی تمام طالب علموں سے سید محمد محمود خاص اُن کی ملکی زبان میں فائق رہے ٭

برین مژدہ گرجان فشانم رواست - یہ ایک ہی مبارک خبر ہے کہ اُسکے سبب سے نہ فقط مولوی سید احمد خان صاحب بہادر کو اور نہ صرف سید محمد محمود صاحب کے دوستوں ہی کو خوشی ہے بلکہ درحقیقت یہ ایک ایسی مبارک خبر ہے جسکے لحاظ سے تمام اہل ہند کو عموماً اور مسلمانوں کو خصوصاً خوش ہونا چاہیئے جو عزت اور فخر سید محمد محمود صاحب کو اس موقع پر حاصل ہوا شاید اس سے پہلے کسی اہل ہند کو نصیب نہیں ہوا تھا یہ نام آوری اس نام آوری سے کچھ کم نہیں ہے جو فیضی اور ابو الفضل نے ایرانیوں کے نزدیک اُن کی خاص زبان فارسی کی قابلیت کے لحاظ سے حاصل کی تھی یہ ایک کافی وجہ ثبوت اس بات کی ہے کہ مسلمانوں کی طبیعتوں میں ابھی تک وہ مادہ باقی ہے جسکے سبب سے اُنھوں نے پہلے بہت کچھ شہرتیں اور نیکنامیاں حاصل کی ہیں اور جس کے لحاظ سے غیر قومیں اُن کا نام مدت تک بہت تعظیم اور ادب سے لیتی رہیں ٭

ہندوستان کے مسلمان بلاشبہ اپنی بدقسمتی سے نئے علوم و فنون کے حاصل کرنے میں اپنے اور اہل وطن سے کچھ پیچھے رہ گئے ہیں جس کا نتیجہ اب تک بھی بہت ہی مضر ہوا ہے اور اگر یہی غفلت خدانخواستہ چند روز اور رہی تو جس قدر مادہ مسلمانوں کی طبیعت میں ابھی تک موجود ہے اور جو شوق اور محنت سے بہت کچھ ترقی پا سکتا ہے وہ بالکل ملیامیٹ ہو جاویگا - جن بادشاہوں کی لیاقت اور اُولو العزمی کی یادگاریں بڑے بڑے قلعے اور عمارتیں روئے زمین پر موجود ہیں اُن کی اولاد اب اسی قسم کی غفلتوں سے گھانس کھود کھود کر اپنا گذارہ کرتی ہے - اُن کے برتاؤ اُن کے رنگ اور روغن اُن کی بول چال سے ہرگز یہ معلوم نہیں ہوتا کہ یہ لوگ کسی ایسے بڑے خاندان کی بقایا ہیں - مسلمانوں کو چاہیئے کہ عبرت پکڑیں اور یہ عمدہ موقع اُن کے واسطے خدا کی عنایت سے اب موجود ہے اُس کا شکر کریں اور اُس کا شکر یہی ہے کہ اُس سے فائدہ اُٹھاویں اور اپنی اولاد کی تعلیم کی طرف ہوشیاری سے متوجہ ہوں ٭

مسلمانوں کے علم کی ترقی ابتدا میں یونانیوں کے علوم سے شمار ہوتی ہے اور اب یورپ کی قوموں کے

علوم ایسے کامل اور صاف طریق سے شائع ہوئے ہیں کہ اگر مسلمان غور اور دانائی کو کام میں لاویں تو یونانیوں کے علوم کی نسبت یوروپ کے موجودہ علوم وفنون سے بہت زیادہ فائدہ حاصل کر سکتے ہیں جن قوموں سے ہمکو علم حاصل کرنے کی ضرورت ہے وہ ہماری خوش قسمتی سے خود ہمکو علم دینے کے واسطے آمادہ ہیں۔ کتابوں کی افراط چھاپہ خانوں سے درجہ کمال کو پہنچ چکی ہے اور پہنچتی جاتی ہے سفر کا ذریعہ ریل اور جہازنے بہت ہی سہل کر دیا ہے کوئی روک ٹوک سوائے اپنی کم ہمتی اور بیجا تعصبات کے باقی نہیں ہے پس ایسے وقت میں نہایت ضرور ہے کہ ہندوستان کے مسلمان رئیس اپنی اولاد کو اعلے تعلیم کے واسطے انگلستان کو بھیجیں ۔

ایک بڑا قوی مانع ہندوستان کے مسلمانوں کو اس ارادہ میں مذہبی نقصان کا خیال ہے اور بلاشبہ ہر عاقل مسلمان پر یہ فرض ہے کہ کسی ظاہری بڑی سے بڑی منفعت کے لحاظ سے اپنے مذہب کا تھوڑا سا نقصان بھی گوارا نکرے لیکن سید محمود صاحب سلمہ اللہ تعالیٰ کی کارروائی سے وہ شبہ بھی کامل طور سے جاتا رہتا ہے جہاں تک مجھ کو علم ہے میں نہایت اطمینان سے یہ بات بیان کرتا ہوں کہ سید محمود محمود کیمبرج کی یونیورسٹی میں تمام ممنوعات شرعی سے محترز ہیں نمازیں پڑھتے ہیں اور روزے رکھتے ہیں اور اچھے مسلمانوں کی مانند بہت خوشحالی سے بسر کرتے ہیں۔ ایں کار از تو آید و مرداں چنیں کنند ۔

میرے نزدیک جو عزت سید محمد محمود صاحب کو اپنی علمی لیاقت کے سبب سے حاصل ہوئی اور آیندہ کامل طور سے حاصل ہونیوالی ہے اُس سے بہت بڑی عزت اور افتخار اُن کو خدا کی عنایت سے اُن کے عمدہ چال و چلن کے لحاظ سے حاصل ہوا ہے اللھم زد فزد ۔

اعتدال

انسان جس طرح تمام مخلوقات میں اشرف اور سب سے زیادہ صناع اور عقلمند پیدا ہوا ہے اُسی طرح تمام دنیا میں شاید اُس سے زیادہ کوئی اور مخلوق حاجت مند بھی نہیں ہے انسانیت اور خوشی اور ایمان کے ساتھ زندگی بسر کرنے کے واسطے انسان کو اپنی اُس دشوار گذار منزل میں جو شکم مادر سے شروع ہو کر لب گور پر ختم ہوتی ہے بے انتہا خوبیوں اور ضرورتیں متعلق ہوتی ہیں اور وہ اکثر باہم ایسی مختلف ہوتی ہیں کہ اگر ایک مقصد کے حاصل کرنے میں حد معین سے زیادہ کوشش کیجاوے تو دوسرے مقصد کے فوت ہو جانے کا قوی اندیشہ ہوتا ہے پس اُس حد معین سے تجاوز نہ کرنے اور اُسکو نگاہ رکھنے کا نام اعتدال ہے ۔

کوئی کام خواہ وہ تمدن اور معاشرت سے علاقہ رکھتا ہو یا معاد اور آخرت سے ایسا نہیں پایا جاتا

جسمیں اعتدال کی ضرورت نہ ہو تمام قوے جو خدا نے انسان کو عطا فرمائے ہیں اور جن کی بدولت انسان دونوں جہان میں ہر قسم کی خوشی اور آسایش اور آرام حاصل کر سکتا ہے وہ سب کے سب درحقیقت اعتدال ہی کی بدولت شگفتہ اور شاداب رہ سکتے ہیں پس قدرت کا یہ ایک ایسا سچا اور مستحکم اصول ہے کہ دنیا کا تمام کارخانہ اُسی پر قایم ہے اور یہی حکمت تھی کہ مذہب اسلام میں اعتدال کی نسبت نہایت تاکید ہوئی اور کچھ شبہ نہیں کہ دنیا کے تمام مذاہب میں مذہب اسلام ہی ایک ایسا مذہب ہے جسکی کوئی بات اعتدال سے خارج نہیں ہے اس مذہب کا کوئی کام خواہ عبادات میں خواہ معاملات میں ایسا نہیں پایا جاتا جس میں اعتدال نہو فرائض جو خدا نے مسلمانوں کیواسطے مقرر کیئے وہ سب معتدل ہیں۔ فرائض کے علاوہ اَور تمام نیکیوں اور عبادتوں کا بھی یہی حال ہے تمام عبادتیں اُسی وقت تک عبادت ہیں جب تک انسان کے قوے معطل و بیکار نہو جاویں اور اُسکے بعد رہبانیت ہے ولا رهبانية في الاسلام یہی حال مالی عبادت کا ہے خیرات و مبرات اُسی حد تک ٹھیک ہے جہاں تک انسان خود مفلس اور درماندہ اور نان شبینہ کو محتاج نہو جاوے راہ خدا میں گھر بار لُٹا لنگوٹی باندھ کاسہ چوبی لے دھونی رما جنگل میں جا بیٹھنا مذہب اسلام کا منشا نہیں۔ کما قال اللہ تعالےٰ عز و جل ولا تجعل يدك مغلولة الى عنقك ولا تبسطها كل البسط فتقعد ملوما محسورا[1]

یہی حال مسلمانوں کے دنیاوی برتاؤ کا ہے ہمارے معاملات دنیا کو بھی مذہب اسلام نے نہایت سہل کر دیا ہے تمام ستھری اور پاک چیزیں ہمارے واسطے حلال ہیں اور یہی نہیں کہ اُن کے استعمال کی فقط اجازت ہی دی ہو نہیں بلکہ اُن کے مطلق ترک کو بھی منع فرمایا تاکہ مسلمان حلال و طیب چیزوں سے حظ اٹھانے میں محروم نہ رہیں يا ايها الذين آمنوا لا تحرموا طيبات ما احل الله لكم ولا تعتدوا ان الله لا يحب المعتدين وكلوا مما رزقكم الله حلالا طيبا واتقوا الله الذي انتم به مؤمنون[2]

یہی حال اَور تمام باتوں کا ہے دنیا میں وہ تعلق جو ایک انسان کو دوسرے انسان سے عموماً ہوتا

---

[1] اور نہ رکھ اپنا ہاتھ اپنی گردن سے بندھا ہوا اور نہ کھولدے اُسکو نرا کھولنا پھر تو بیٹھ رہے الزام کھایا ہارا۔ پارہ ۱۵ رکوع ۳ +

[2] اے ایمان والو مت حرام ٹھیراؤ ستھری چیزیں جو اللہ نے تمکو حلال کیں اور حد سے مت بڑھو اللہ نہیں چاہتا زیادتی والوں کو اور کھاؤ اللہ کے دیئے سے جو حلال ہو ستھرا اور ڈرتے رہو اللہ سے جسپر یقین رکھتے ہو۔ پارہ ۷۔ رکوع ۱ +

سب سے اول جس پر انسان کے حظ زندگی کا بہت بڑا حصہ متعلق ہے وہ وہ تعلق ہے جو میاں اور بی بی میں ہوتا ہے۔ اس تعلقات کے مستحکم اور خوشگوار کرنے کے واسطے جو احکام مذہب اسلام میں ہیں جب اُس کل مجموعہ پر نظر کیا جائے تو کوئی منصف آدمی بھی گو کسی مذہب کا کیوں نہ ہو مطلق اعتراض نہیں کر سکتا۔

میں اس مضمون میں اُن کمبخت اور ناخدا ترس مسلمانوں کی حمایت کرنا نہیں چاہتا ہوں جنہوں نے اپنا برتاؤ خلاف احکام خدا اور رسول کے قایم کرکے نہ فقط اپنی عاقبت خراب کی ہے بلکہ اپنی اُن ناشایستہ حرکات کی بدولت غیر مذہب والوں کی نظروں میں جو صرف ہمارے اعمال کی بھلائی برائی پر بظاہر مذہب اسلام کی بھلائی اور برائی کو قیاس کرتے ہیں مذہب اسلام کو حقیر کر دیا ہے میں اس وقت صرف اُن احکام سے بحث کرتا ہوں جو مذہب اسلام نے مسلمانوں کے برتاؤ کے واسطے نہایت اعتدال کے ساتھ مقرر کیئے ہیں۔

کثرت ازدواج جس کی بدولت غیر مذہب والے مسلمانوں پر طعنہ کرتے ہیں جس طرح مسلمانوں کے مذہب کے بموجب جائز کیا گیا ہے ہرگز لائق اعتراض نہیں بلکہ بالکل قانون قدرت کے مطابق اور نہایت ضروری ہے اول تو مذہب اسلام نے یہ نہیں کہا کہ ایک نکاح کی قید کو توڑ کر زیادہ نکاح جائز کر دیئے ہوں بلکہ ایک غیر محدود تعدد نکاح کو جو قبل اسلام کے رائج تھا بہت کچھ گھٹا کر محدود کر دیا ہے اور درحقیقت ایک سے زیادہ نکاح کی اجازت مذہب اسلام نے کسی مسلمان کو اُس وقت تک نہیں دی جب تک شدید ضرورت نہ پائی جاوے۔ فرض کرو کہ اگر ایک بی بی سے اولاد نہ ہوتی ہو اور عورت ہی میں کوئی نقصان ہو تو مرد اگر اولاد کی خواہش میں جس سے کوئی دل خالی نہیں ہے دوسرا نکاح نہ کر سکے تو کسقدر مایوسی کی بات ہے۔ علےٰ ہذا القیاس اگر اولاد کی محرومی مرد کے کسی نقصان سے ہو تو عورت کو یہ اجازت ہے کہ قاضی کے حضور میں مرد سے طلاق دلانے کے واسطے نالشی ہو۔ فرض کرو کہ کسی مرد کی خواہش اور قوت ایسی بڑھی ہوئی ہو کہ اسکو دوسری بی بی کی حاجت ہو تو کیا گناہ ہے اگر وہ دوسرا نکاح کرے رہی یہ بات کہ عورت کو بھی اجازت کیوں ہو اس کا یہ حال ہے کہ اس معاملہ میں مرد ہی کو ترجیح دینا ضرور تھا اس کی اجازت دینے میں نطفہ کچھ متحقق نہ ہوتا میراث میں نہایت جھگڑا پڑتا قطع نظر اسکے مرد اور عورت کی بناوٹ بھی بات چاہتی ہے کہ مرد کو ترجیح کا حق حاصل ہو عورت پر مدت حمل میں اور بعد وضع حمل ایک مدت ممتد ایسی گذرتی ہے کہ وہ مقید ہو جاتی ہے برخلاف مرد کے کہ وہ ہر وقت آزاد رہتا ہے تمام دنیا میں اور اُن ملکوں میں بھی جہاں عورتوں کے حقوق مردوں سے کچھ کم تسلیم نہیں ہوتے اب تک روپیہ پیدا کرنے اور گھر کا انتظام قایم رکھنے اور کاروبار چلانے کا کام اکثر بلکہ عموماً مردوں ہی سے متعلق ہے پس یہ تمام ترکیب عضا اور لیاقتیں اور ذمہ داریاں جو مردوں میں ہیں بلاشبہ اس لائق ہیں کہ اُن کو عورتوں پر

ترجیح حاصل ہو۔

باایں ہمہ اس ترجیح سے ہمارا مطلب یہ نہیں ہے کہ عورتوں کے حق میں ناانصافی اور بےرحمی اور ظلم جائز رکھا جاوے یہ تمام باتیں مذہب اسلام کے بالکل برخلاف ہیں مسلمانوں کے مذہب میں زوجین کو نہایت تاکید ہوئی ہے کہ ایک دوسرے کے ساتھ بہت پیار اور محبت سے رہیں۔ مردوں کو نصیحت ہے کہ عورتیں اگر کوئی تلخ بات بھی کہیں تو اسپر صبر کریں۔ مرد جب دوسرا نکاح کرے تو اسپر فرض ہے کہ نفقہ اور محبت اور باری میں غرض کہ جملہ باتوں میں اپنی سب بیبیوں میں مساوات اور عدل کو نگاہ رکھے اور علے قدر مراتب سب کی خاطر اور تواضع اور دلداری کرتا رہے۔ اس موقع پر یہ اعتراض ہوسکتا ہے کہ ممکن ہے کہ ایک بی بی کا حسن جمال مرد کو دوسری بی بی کی نسبت اپنی طرف زیادہ مائل کرلیوے اور اُس حالت میں مرد اعتدال قایم نہ رکھ سکے اور بلاشبہ یہ بات صحیح ہے لیکن مذہب اسلام پر یہ اعتراض اس لیئے وارد نہیں ہوسکتا کہ اُس میں نکاح آخری کی اجازت مرد کو اُسی حالت میں ہے جبکہ مرد اعتدال کرسکے ورنہ وہ فعل معصیت میں داخل ہوگا اور درحقیقت یہ قید اعتدال بین الزوجتین کی ایسی سخت ہے کہ ہر آدمی اُسکو پورا نہیں کرسکتا پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے جو عدل اور مساوات اپنی بیبیوں میں برتی یہاں تک کہ ہر ایک کے حجرہ پر مٹی تول تول کر ڈالی اس سے عام مسلمانوں کو تعدد نکاح کی مشکلات سے مطلع کردیا اور یہ ایک منجانب اللہ اشارہ ہے اس بات کی طرف کہ حتے الامکان ایک ہی بی بی پر قناعت کرنا چاہیئے چنانچہ اکثر ایسا ہی ہوتا ہے فی صدی پانچ مسلمان بھی ایسے نہیں ہیں جو ایک سے زیادہ بیبیاں رکھتے ہوں۔

لیکن جو کہ سچا مذہب ایسا ہونا چاہیئے تھا جس میں ہر ایک موسم اور ملک اور ضرورت اور ہر ایک مزاج کی رعایت ملحوظ ہو اس لیئے یہ بات ضرور تھی کہ مرد ایک نکاح سے زیادہ کے واسطے ایک مناسب حد تک مطلقاً منع نہ کیئے جاویں تاکہ اُن ضرورتوں کا بھی علاج باقی رہے جو ایسی منع کی حالت میں پیش آتیں نیپولین بوناپارٹ اگر مسلمان ہوتا تو کبھی اس دقت میں نہ پڑتا جو اُسکو اپنی پہلی بی بی جوزی فین سے اولاد نہونے اور مریالوئیسا شہنشاہ اسٹریا کی دختر سے دوسرا نکاح کرتے وقت پیش آئی نیپولین نے مجبور ہوکر اُس قانون پر عمل کیا جو کارخانہ قدرت کے موافق اور مسلمانوں کے مذہب کے مطابق تھا۔

طلاق اُن سب ناراضمندیوں کا آخر علاج ہے جنکے سبب سے کوئی گھر اور خاندان معرض پریشانی اور تباہی میں ہو ہم پوچھتے ہیں کہ انسان آخر بشر ہے میاں اور بی بی میں اگر کوئی ایسا رنج پیدا ہوگیا

جس کا تدارک کسی طرح پر نا ممکن ہے تو کیا یہ مناسب ہے کہ دونوں اُسی مایوسی اور پر رنج حالت میں
اپنی زندگی بسر کریں یا یہ مناسب ہے کہ دونوں اُس رنج سے خلاص ہوں اور خوشی حاصل کرنے کی
فکر کریں۔ مرد اگر کسی بی بی سے نہایت آزردہ ہو اور عدل قایم نہ رکھ سکتا ہو تو وہ اپنی بی بی کو
طلاق دیکر اُس رنج سے خلاصی پاسکتا ہے بی بی دوسرا نکاح کرکے اُس مایوسانہ حالت سے
نکل سکتی ہے تاہم مذہب اسلام نے اسبات کی بہت کچھ روک تھام کی ہے کہ طلاق کی رسم عام نہو جاوے
اور ایسا مستقل رشتہ بات کی بات میں یا غصہ کی حالت میں منقطع نہ ہوجاوے اس لیئے ایک یا
دو مرتبہ اگر لفظ طلاق مونھ سے نکل بھی جاوے تو بھی پھر رجعت ہوسکتی ہے اور تیسری دفعہ کی محتاج
رہجاتی ہے اور طلاق مغلظہ کے بعد اگر میاں بی بی پھر آپسمیں راضی بھی ہوجاویں تو وہ اُس وقت تک
کافی نہیں جب تک کہ بی بی نے کسی غیر شخص سے نکاح کرکے طلاق نہ پائی ہو یہ اس لیئے کہ طلاق
کوئی ہنسی کھیل نہ ہوجاوے اور مرد یہ خوب سمجھ لے کہ طلاق کے موثق ہوجانے کے بعد پھر کسی طرح وہ
اپنی بی بی کو نہیں پاسکتا اس لیئے کہ عورت کا دوسرے مرد سے نکاح کرنا اور پھر طلاق پانا
نہایت شاذ ہے ٭

الغرض میاں اور بی بی کے تعلقات کو جیسا عمدہ مسلمانوں کے مذہب نے قایم کردیا اور جسقدر
رعایت اسبات کی کہ گھروں کے فساد دور ہوں زنا اور بدکاری سے مرد اور عورت دونوں محفوظ
رہیں اور بدسلوکی و بداخلاقی یا من آنے پاوے نبی اُمی کی بدولت مسلمانوں میں برتی گئی ممکن
نہیں کہ مسلمان اُس کا شکریہ ادا کرسکیں اور ناممکن تھا کہ بڑے بڑے عقلمند فی زمانا اور ماہران
فن اصول قوانین بھی باہمی مشورتوں سے ایسے مختصر اور عام فہم لفظوں میں اور ایسی آسانی سے ایسے
اصول قایم کرسکتے مگر افسوس ہے کہ اکثر مسلمان اپنے عمدہ مذہب کی اصلی خوبیوں کی طرف خیال
نہیں فرماتے اور ایسی ایسی وحشیانہ اور ظالمانہ حرکات کے مرتکب ہوتے ہیں جو بالکل خدا اور رسول کے
حکم کے برخلاف ہیں اور جن کی نسبت ضرور ایک نہ ایک دن اُن سے بازپرس ہونی ہے اور اپنے
اُن نامعقول افعال کو جن کے بیان کرنے سے شرم آتی ہے مذہب اسلام کے مطابق خیال کرنے
سے مذہب اسلام کو داغ لگاتے ہیں اُن بیکس لڑکیوں کو جن کے کمبخت ماں باپ مصیبت اور قحط
کے دنوں میں بیچڈالنے کے حیلہ سے چھوڑجاتے ہیں شرعی لونڈیاں سمجھا گیا ہے کیا یہ غیرت کی
بات نہیں ہے اور کیا یہ مسلمانوں کی رسوائی کا باعث نہیں ہے اور کیا یہ آفت اس لائق
نہیں ہے کہ مسلمان اُس سے اجتناب کریں اور اعتدال سے نہ گذریں ٭

حاصل یہ کہ مذہب اسلام کے بموجب تمام برتاؤ ادنےٰ سے لیکر اعلےٰ تک نہایت اعتدال کے ساتھ ہے اور جب اُس سے تجاوز کیا جاتا ہے تب ہی خرابی پیدا ہوتی ہے۔ بہت کم لوگ ہیں جو اپنے معاملات میں اعتدال برتتے ہوں اور خصوصاً ہندوستان میں تو افراط اور تفریط کی کوئی حد ہی باقی نہیں رہی نکاح کے علاوہ جس کا اوپر ذکر کیا گیا اور بہت سی باتوں میں بے اعتدالیاں ہوتی ہیں اور پھر مشکل یہ ہے کہ اُن بے اعتدالیوں کو بے اعتدالی نہیں سمجھا جاتا ؛

اب آج کل اس بات کا بہت کچھ چرچا ہو رہا ہے کہ مسلمانوں کو شایستگی اور تربیت حاصل کرنا چاہیئے اور بڑے بڑے لوگ اسباب میں ساعی ہیں اور بڑے بڑے پڑھے لکھے اُن اولوالعزم لوگوں کی کوششوں کے برخلاف ہیں اور ایک بڑا مناظرہ اور مناقشہ قایم ہوا ہے لیکن میں دیکھتا ہوں کہ وہی ایک اصول جس پر تمام باتوں کا دار و مدار ہے یعنی اعتدال دونوں فریق اُسی کو بھولے ہوئے ہیں ؛

ایک فریق تو شایستگی کے نام سے نفرت کرتا ہے اور اُسمیں کوشش کرنے کو ضلالت اور ارتداد بلکہ کفر کے قریب تک نوبت پہنچا دیتا ہے۔ اس فریق نے دنیاوی ترقی کو مذہب اسلام کے بالکل برخلاف سمجھا ہے اس فریق میں سے بہت ہی بعض تو ایسے ہیں جو خود دنیا میں مبتلا ہیں مگر بات کا مونھ سے نکالنا عیب جانتے ہیں خود ہر قسم کی کوشش مال و دولت اور نام و عزت کے حصول کے واسطے کرتے ہیں لیکن اس بات کو گوارا نہیں کرتے کہ کوئی شخص اُس کو باقاعدہ حاصل کرنے کے واسطے کوشش کرے اور اوروں کو بھی وہ قواعد سکھاوے ؛

دوسرے فریق نے برخلاف اُس کے یہ سمجھا کہ شایستہ قوموں سے ملنے اور میل و ملاپ قایم رکھنے سے اپنی قوم بھی شایستہ اور مہذب ہو سکتی ہے اور یہ خیال اُن کا بالکل درست تھا لیکن اُنھوں نے جو طریقہ اس مقصد کے حصول کے واسطے اختیار کیا اور ابتک بھی بعض بڑے بڑے نامی مسلمان بعض وقت اُسی کی پیروی کرتے ہیں وہ ایسا خراب تھا کہ اُس کے سبب سے اصل مطلب بھی فوت ہو گیا اور بجائے اسکے کہ سچے مسلمانوں کو اس مقصد کے حصول کی طرف کچھ رغبت ہوتی اور زیادہ نفرت ہو گئی اور دن بدن وہ نفرت ترقی پکڑتی جاتی ہے اور یہ ایک بڑی خرابی کی بات ہے اور کچھ شک نہیں کہ یہ تمام خرابیاں صرف اسی وجہ سے پیدا ہوئیں کہ مذکورہ بالا فریقین نے حد اعتدال سے بڑھا کر قدم رکھا ؛

مشہور بات ہے کہ بڑے بڑے قاضی القضات و نیچی نیچی ڈاڑھیوں والے وہ مولوی صاحب و قبلہ جو ہندوستانی ناچ و رنگ میں شریک ہونے کو نہایت ذلیل اور بیحیائی سمجھتے ہیں (اور بالکل سچ

سمجھتے ہیں) انگریزی ناچ ورنگ کی مجلسوں میں بے تکلف شریک ہوتے ہیں اور اُس کو مصلحت وقت سمجھتے ہیں ۔

سلطان عبدالعزیز خاں سلطان روم کی نسبت کہا جاتا ہے کہ وہ اسی مصلحت کے لحاظ سے مع اپنے رؤسا اور اُمرا کے اُس بال میں (یعنی انگریزی ناچ ورنگ کی مجلس میں) شریک ہوا جو سفیر انگلستان نے شاہزادہ ولیعہد بہادر انگلستان کے قسطنطنیہ میں تشریف لانے کے وقت اپنے اظہار مسرت کے واسطے دیا تھا ۔

اب اس موقع پر دو سوال پیدا ہوتے ہیں ۔ اول یہ کہ ایسے ناچ ورنگ کی مجلس میں بموجب مذہب اسلام کے شریک ہونا جایز ہے یا نہیں ۔ دوم یہ کہ اگر ناجایز ہے تو موجودہ وقت کی مصلحت کے لحاظ سے اُس میں شریک ہونا جایز ہے یا نہیں ۔ شق اول کی نسبت تو مجھ کو اس لیئے کچھ زیادہ بحث کرنا ضرور نہیں ہے کہ جو صاحب ان ناشایستہ حرکتوں کے مرتکب ہوتے ہیں ابھی تک انہوں نے خود بھی اُس کو شرعاً مباح نہیں فرمایا ہے ۔ شق ثانی کے لحاظ سے میں تسلیم کرتا ہوں کہ مصلحت اندیشی بلاشبہ ایک عمدہ بات ہے لیکن دیکھنا چاہیئے کہ مذہب اسلام میں اتنی گنجایش ہے یا نہیں کہ مسلمان اپنے تمام افعال مذہب کی پابندی سے کر سکیں اور کوئی خرابی پیدا نہ ہو مجھ کو ایک بات یاد آئی دہلی میں جب مولوی عبدالقادر صاحب نے اس جہان سے رحلت فرمائی تو اس خاندان کے دستور کے مطابق اُن کا جنازہ صندوق میں رکھا گیا اور اوپر سے اُس پر شامیانہ تنا مولوی محمد اسمعیل صاحب شہید علیہ الرحمۃ نے جو ایک بے نظیر شخص گذرے ہیں مولانا شاہ عبدالعزیز صاحب قدس سرہ العزیز سے اس بات کی درخواست کی کہ صندوق اور شامیانہ کی شرع میں کچھ اصلیت پائی نہیں جاتی یہ دونوں بدعتیں موقوف کی جاویں مولانا صاحب نے شامیانہ تو موقوف کر دیا اور صندوق کی نسبت یہ جواب کہلا بھیجا کہ اسکی اصل ہے حضرت یعقوب علیہ السلام کے جنازہ کو اُن کے بیٹوں نے صندوق میں رکھا تھا ۔ یہ جواب سنکر مولوی اسمعیل صاحب سے نرہا گیا اور اُنھوں نے علانیہ یہ فرمایا کہ کیا مذہب اسلام اب اسقدر تنگ ہو گیا کہ اُس میں جنازہ اُٹھانے تک کے بھی پورے پورے احکام نہیں ملتے جو ہم اور انبیاء سابق علیہم الصلوٰۃ والسلام کی شریعت کی طرف رجوع لاویں شاہ صاحب اپنے بھتیجے کی یہ بات سنکر پسینا پسینا ہو گئے اور مشہور ہے کہ اُس دن کے بعد سے یہ سب رسمیں اُس خاندان میں سے موقوف ہو گئیں ۔

جو صاحب مصلحت وقت کے حیلہ سے انگریزی ناچ ورنگ کی مجلسوں میں باوجود ممانعت شریعت کے بے تکلف شریک ہوتے ہیں اُن کا مطلب معاذ اللہ یہ ہوتا ہے کہ مذہب اسلام میں کوئی ایسا قاعدہ

مقرر نہیں ہے جس کے ذریعہ سے مسلمان غیر قوموں سے اپنا معاملہ اتفاق کے ساتھ قایم رکھ سکیں اور اپنا اعتبار اور اعزاز غیر قوموں کی نظروں میں پیدا کر سکیں ایسے مصلحت دشمن مسلمانوں کی نسبت یہ کہنا مناسب ہے کہ یا وہ پکے مسلمان نہیں یا اُنھوں نے مُسلمانوں کے مذہب کی تمام خوبیوں کو اچھی طرح نہیں سمجھا ہے ہم ایسی رائے رکھنے والوں پر سوائے افسوس کے اور کیا کہا جا سکتا ہے ہمیں کوئی مولوی ہو یا کوئی قاضی القضات یا کوئی سلطان وقت ہمکو اِن میں سے کسی کی خلاف شرع مصلحت اندیشی کی تقلید کرنا نہ چاہیے *

مسلمانوں کے مذہب میں جس قدر اُن باتوں کی تقیید ہے جن کے ذریعہ سے غیر قوموں میں مسلمانوں کا اعتبار اور اعزاز قایم رہے ایسی شاید اور کسی مذہب میں ہو یہی نکتہ ہے جس کی نسبت حافظ شیرازؒ فرماتے ہیں۔

در میانِ شرع و حکمت با ہزاراں اختلاف
نکتۂ ہرگز نشد فوت از دلِ دانائے تو

دغا اور فریب سے بچنا ہمارے مذہب کا تمغہ ہے ایک مرتبہ کسی صحابی رسول اللہ صلے اللہ علیہ وسلم کا گھوڑا چھوٹ گیا اور وہ صحابی خالی توبرہ اُسکو دکھلا دکھلا کر اسکے پکڑنے کی فکر میں ہوئے پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اُن صحابی سے پوچھا کہ اس توبرہ میں کچھ ہے اُنھوں نے جواب دیا کہ کچھ نہیں ہے آپ نے ارشاد کیا کہ اُس میں کچھ دانہ یا گھاس ضرور ڈال لو ورنہ یہ فعل دغا اور فریب سے سمجھا جاویگا پس خیال کرو کہ جس مذہب کے بانی نے جانوروں کے ساتھ ایسی ایسی خفیف باتوں میں بھی دغا اور فریب نہ کرنے کی یہاں تک احتیاط کی اُس نے انسانوں کے آپس میں کسقدر اُس کی تاکید کی ہوگی۔ پس یہ ایک ایسی عمدہ صفت ہے کہ اُسکی بدولت ہم غیر قوموں سے بہت اچھی طرح ملاپ قایم کر سکتے ہیں ہمکو چاہیئے کہ ہم اُن کے سامنے جھوٹ نہ بولیں اپنی غرض کیواسطے اُن کو دھوکہ ندیں گو اپنا نقصان ہی ہوتا ہو بات جب کہیں سچی کہیں اور کام جو کریں صفائی دل اور نیک نیتی سے کریں وفائے عہد جس کی نسبت اللہ تعالے مسلمانوں سے ارشاد فرماتا ہے اوفوا بالعہد اِن العہد کان مسئولا مُسلمانوں کے لیئے مذکورہ بالا مقصد کے حصول کے واسطے نہایت عمدہ قانون ہے جو زمانہ مسلمانوں کے عروج اور کمال کا زمانہ گذرا اُس میں بھی مسلمان اپنی اسی یکرنگی اور وفائے عہد کے سبب سے دنیا کی تمام قوموں کی نظروں میں معزز اور ممتاز تھے مسلمان کبھی اپنے دشمنوں کو اِس بات کا موقع نہ دیتے تھے کہ وہ مسلمانوں کی نسبت اِس قسم کا الزام لگا سکیں *

یعنی دولت اور ثروت ہے جس سے آدمی گمراہ ہوجاتا ہے اور اسلئے تو میں پناہ مانگتا ہوں ہی تنگی اور محتاجی سے جس سے آدمی پہلا اُٹھے خود خدا تعالےٰ نے ہمکو یہ دعا تعلیم فرمائی ہے ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ و فی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار پس یہ کون کہہ سکتا ہے کہ ہمکو اپنی دنیا کی بہتری کی طرف متوجہ ہونا نہیں چاہیے مگر اُس میں صرف اسقدر متوجہ ہوں کہ اپنے مذہبی فرائض کی طرف سے بالکل غافل ہو جاویں:

یہ ایک مسلمہ امر ہے جس کی تصدیق تاریخ سے ہوتی ہے کہ جوں جوں مسلمانوں کے قبضہ میں ملک زیادہ آنے لگے مسلمانوں کی عزت اور اسلام کی رونق زیادہ ہوتی گئی اور یہ بھی ظاہر ہے کہ جب خلفاء راشدین کی خلافت کا زمانہ گذر گیا اور کچھ دنوں بعد مسلمان بادشاہوں نے غیر قوموں کی دیکھا دیکھی شاہانہ ٹھاٹھ اور عیش و آرام میں اس درجہ مستغرق ہوئے کہ مذہب کی طرف سے غافل یا کاہل ہوگئے وہی مفتوحہ ممالک ان کے قبضہ سے رفتہ رفتہ نکلنے شروع ہوگئے ہیں نہ یہ کیفیت صرف مسلمانوں کی ہے بلکہ دنیا کی تمام قوموں و سلطنتوں کا یہی حال ہوا جب اُن قوموں و سلطنتوں میں اپنے اپنے مذہب کے برخلاف کام ہونےلگے اُن سلطنتوں میں زوال آگیا۔ پس مسلمانوں کو ہر ایک ترقی اختیار کرتے وقت اپنے مذہبی ارکان کی طرف سے بہت ہوشیار رہنا چاہیئے ؛

سنبھل کے رکھنا قدم دشتِ خار پر مجنوں

کہ اس نواح میں سودا برہنہ پا بھی ہے

عام محبت

یعنی غیر مذہب والوں کے ساتھ محبت اور دوستی

اہل ہندوستان کے مسلمانوں کے بعض مسائل کا تصفیہ اکثر اس مصلحت پر مبنی ہوتا ہے کہ غیر مذہب والوں کے ساتھ دوستی اور محبت شرعاً ممنوع ہے۔ بہت سی باتیں جن کو ہماری اصل شریعت نے مباح کر دیا ہے وہ اپنی مصلحت کے لحاظ سے مذموم بلکہ ناجائز سمجھی جاتی ہیں غیر مذہب والوں کے ساتھ کھانا اور پینا جو فی نفسہ مباح ہے اسی ایک مصلحت کے سبب سے متروک ہو رہا ہے یہاں تک کہ بعض مقدس مزاج اور محتاط طبیعتیں غیر مذہب والوں کے ساتھ آمد و رفت اور نشست و برخاست کو بھی پسند نہیں کرتیں۔ علماء اسلام کا یہ حال ہے کہ وہ دنیا اور مافیہا کے حالات سے تو مطلق آگاہی نہیں رکھتے

اُن کو یہ کچھ نہیں معلوم کہ اَور ملکوں میں کیا ہو رہا ہے اور ضرورت وقت کے لحاظ سے ہمکو کیا کرنا چاہیے وہ نیک نیتی سے یہ سمجھے ہوئے ہیں کہ اگر غیر مذہب والوں سے اس قسم کی راہ و رسم جاری کیجاوے تو اس بات کا قوی اندیشہ ہے کہ عوام اہل اسلام جو اپنے مذہبی مسائل سے ناواقف یا کم واقف ہوتے ہیں وہ غیر مذہب والوں کی صحبت میں خراب اور اپنے دین و مذہب سے منحرف ہو جاوینگے اسلیے وہ بالقصد مسلمانوں کو مباحات شرعیہ کے عمل میں لانے کی اجازت نہیں دیتے اور خود اس لیے اُن کا استعمال نہیں کرتے کہ جو بات باپ دادوں سے نہیں ہوئی اُسپر جرأت کرنا مشکل ہے اور جن عالموں کی ثابت قدمی اس مشکل پر غالب بھی آسکتی ہے وہ اس لیے اُن مباحات سے کنارہ کرجاتے ہیں کہ ہمکو کرتا ہوا دیکھکر عوام بھی ویسا ہی کرنے لگینگے اور پھر وہی خرابی پیش آویگی جس کا اندیشہ ہے۔ حالانکہ یہ اندیشہ بالکل غلط اور اس غلطی کا یہ علاج اور زیادہ غلط ہے۔ عوام کا عقیدہ جن کا عمل بالکل یومنون بالغیب پر ہے اسقدر پختہ ہوتا ہے کہ بعض اوقات ہدایہ اور صدرے پڑھنے والے طالب علموں کو اپنے بعض مذہبی مسائل کی طرف تردد ہو جاتا ہے مگر عوام کو کبھی خواب میں بھی کوئی تشویش لاحق نہیں ہوتی اور یقیناً یہی کیفیت اُن کی غیر مذہب والوں کی صحبت میں بھی باقی رہیگی پس عوام کے خوف سے اپنے مسائل کو آزادی سے بیان کرنے میں تامل کرنا بلکہ ٹال جانا اور اُس کو اپنے وہمی اندیشہ کا علاج خیال کرنا حقیقت میں سخت الزام کی بات بلکہ گناہ اور معصیت میں داخل ہے اور اپنی شریعت میں ایک قسم کی تحریف ہے ۔

اور ایسے عالموں اور عابدوں سے بھی زمانہ خالی نہیں ہے جو اُن مباحات سے صرف اس غرض سے متمتع نہیں ہوتے کہ ہمارا تشخص اور تقدس صاحبان دُوَل کے دلوں میں جو اُن کے مایۂ توکل ہیں اور اُن کے باعث رونق ہیں قایم رہے۔ اس گروہ کی ذلت تو اب خدا کی عنایت سے روز بروز کامل ہوتی چلی جاتی ہے اُمرا بھی اب اُن کو حقارت کی نظر سے دیکھنے لگے ہیں اور اہل مذاق نے اپنی اصطلاح میں اُن کا لقب تحصیلدار رکھ لیا ہے جو اوقات معین پر دَورہ کرتے ہیں اور اپنا نذرانہ معینہ وصول کرلیجاتے ہیں۔ اس مضمون میں اِن تحصیلداروں کے اعمال و افعال سے کچھ بحث نہیں ہے بلکہ گفتگو اول الذکر فرقوں کے خیالات سے ہے ۔

پس واضح ہو کہ محبت کی دو قسمیں ہیں۔ ایک محبت من حیث الدین اور یہ وہ محبت ہے جو مسلمانوں کے باہم صرف توحد مذہب کے لحاظ سے ہوتی ہے۔ ایک مسلمان عالم اور دیندار جس کو پہلے ہم نے کبھی نہ دیکھا ہو اسی محبت کے سبب سے ہمارے نزدیک واجب التعظیم ہوتا ہے۔ اسی

جوشِ مذہبی کے سبب سے اُس دیندار اور عالم کی محبت ہمارے دل میں اثر کر جاتی ہے پس یہ محبت مسلمانوں کو صرف مسلمانوں سے ہو سکتی ہے اور مسلمانوں ہی پر منحصر نہیں دنیا میں جس قدر اہل مذاہب ہیں اُن سب کی یہی کیفیت ہے کسی مذہب کا آدمی دوسرے مذہب والوں سے محبت من حیث الدین پیدا نہیں کر سکتا +

دوسری قسم کی محبت وہ ہے جو امور معاشرت اور روزمرہ کے دنیاوی برتاؤ کے واسطے خدا نے آفرینش عالم کے ساتھ ساتھ پیدا کی ہے اور وہ ایسی ضروری شئے ہے کہ نظام عالم کے بڑے بڑے ارکان اُسی پر منحصر ہیں ماں باپ کو اپنے بچوں سے بھائی کو بھائی سے میاں کو بی بی سے اور بی بی کو میاں سے اپنے خاندان والوں سے اپنے ہم محلے سے اپنے شہر والوں سے اپنے ملک والوں سے اپنے ہم جنسوں سے اور اپنے مددگاروں اور اپنے محسنوں سے جو محبت ہر انسان کو ہوتی ہے وہ اسی دوسری قسم کی محبت ہوتی ہے - البتہ محبت من حیث الدین اکثر اس محبت من حیث المعاشرت سے شامل ہو جاتی ہے - برخلاف اسکے اگر ہم یہ دعوے کریں کہ ماں باپ کو اپنے بچوں سے اس لئے محبت ہوتی ہے کہ بظن غالب آخر کو وہ اولاد اپنے ماں باپ کے مذہب کی پیروی کرینگے تو اس بات کی کیا وجہ ہوگی کہ چوپایوں اور پرندوں میں بھی جو کچھ مذہب نہیں رکھتے ایسی ہی محبت پائی جاتی ہے جیسی انسانوں میں ہوتی ہے اس سے صاف ظاہر ہے کہ محبت من حیث المعاشرت ایک دوسری قسم کی محبت اور ایک قدرتی اثر ہے جو محبت من حیث الدین سے بالکل علٰحدہ ہے لیکن یہ دونوں محبتیں باہم ایک دوسری کے مخالف اور ضد نہیں ہیں - ایک جوشِ مذہبی جو انسان کے دل میں پیدا ہوتا ہے محبت من حیث الدین کو تو پیدا کر دیتا ہے لیکن محبت من حیث المعاشرت کو جو فی نفسہٖ ایک جدا شئے ہے منقطع نہیں کرتا اور نہ اُس سچے جوشِ مذہبی میں یہ تاثیر ہوتی ہے کہ وہ کسی محبت من حیث المعاشرت کو ہم مذہبوں یا غیر مذہبوں سے منقطع کر سکے +

غالباً میرے اس اخیر بیان سے کہ جوشِ مذہبی محبت من حیث المعاشرت کو جو کسی غیر مذہب والے کے ساتھ ہو منقطع نہیں کر سکتا کمتر شخص اتفاق کریں گے - اس وقت بیشتر لوگوں کی رائے یہی ہے کہ جوشِ ایمانی ایسی محبت کو دل میں جگہ نہیں دے سکتا وہ لوگ جوشِ ایمانی اور محبت من حیث المعاشرت کو جو غیر مذہب والوں سے ہو دو متضاد خاصیتیں بتلاتے ہیں وہ کہتے ہیں کہ ان میں سے ایک کے ایجاب سے دوسری کا سلب لازم آتا ہے لیکن جہاں تک میں نے غور کیا ہے اور جہاں تک مجھ کو تجربہ ہوا ہے میرے نزدیک اُن کے اس دعوے کے لیئے کوئی دلیل موجود نہیں ہے - ایک

ہند کے مسلمانوں کے اعتقادوں کے بموجب محبت من حیث المعاشرت کو غیر
مذہب والوں سے منقطع کرتا ہے وہ حقیقت میں کوئی ایمانی جوش نہیں ہے وہ اُن متعصبانہ خیالات کا
جوش و خروش ہوتا ہے جن کو نور ایمانی سے کچھ لگاؤ نہیں ہوتا لیکن غلطی سے لوگ اُسکو مذہبی جوش
سمجھنے لگے ہیں اور میں خود بھی پہلے ایک عرصہ تک جب تک خدا کے احکام پر غور سے نظر نہیں
کی تھی ایسا ہی سمجھتا تھا لیکن جب اُسکو غور سے اور انصاف سے دیکھا تو اس جوش و خروش کو
دھوکہ کے سوا اور کچھ نہ پایا اور ان لغو خیالات کی بنا ایک بڑی باریک غلطی پر نکلی چنانچہ اس مضمون میں
ہم اسی غلطی کو مفصل بیان کرینگے ؎

غیر مذہب والوں کے سر میں سینگ نہیں ہوتے جن کی خلش سے ہم اُن سے نفرت کریں کوئی
غیر مذہب شخص اگر علانیہ ہمارے مذہب یا ہمارے دین کے پیشواؤں کی نسبت دشنام دہی کرے تو
بلاشبہ ہمارے دل کو سخت کڑوا معلوم ہوگا اور ممکن نہیں کہ ہم ایسے شخص سے محبت من حیث المعاشرت
قایم رکھ سکیں لیکن یہ نفرت ہمکو اُسکی بے تہذیبی کی وجہ سے پیدا ہوگی نہ اُسکی مغایرت مذہبی سے
کوئی غیر مذہب شخص اگر فی الواقع ہم سے ذاتی نفرت کرتا ہو اور ہماری طرف سے اُس کو دلی عناد اور
تعصب ہو تو ہمارے دل میں بھی اُس کی طرف سے سچی محبت کا اثر نہیں ہوسکتا اور اس لیئے ہم بھی اگر
اُس کے ساتھ ویسا ہی برتاؤ کریں جیسا وہ ہمارے ساتھ کرتا ہے تو کوئی زبان یا قلم ہمکو ملزم نہیں
ٹھہرا سکتا اور اگر ہم سچائی اور راستبازی کا استعمال کریں اور اپنے ظاہری برتاؤ کو اپنی دلی کیفیت سے
مطابق کریں تو یہ نہایت بہتر اور مردانہ کارروائی میں داخل ہے وان تصبروا وتتقوا فان
ذالک من عزم الامور ان جملہ مذکورہ بالا کیفیتوں میں سے جب کوئی کیفیت نہ پائی جاوے
اور کسی شخص پر سوائے دوسرے مذہب میں ہونے کے اور کوئی الزام نہ ہو تو اُس سے بیٹھے بٹھائے
کی ناحق عداوت کی وجہ اسکے سوا شاید اور کچھ نہ ہوگی کہ وہ ہمارے سچے مذہب کو جھوٹا سمجھتا ہے
اور جس مذہب کو ہم برا جانتے ہیں وہ اُس کو اچھا جانتا ہے لیکن انصاف اور عقل کے نزدیک یہ
وجہ ہرگز اُس سے نفرت اور عداوت کرنے کے واسطے کافی نہیں ہے۔ دوسرے شخص نے اگر
ہمارے مذہب کو برا سمجھا تو ہم نے بھی اُس کے مذہب کو ایسا ہی خیال کیا ہے۔ ہمکو اگر یہ طیش
ہے کہ اُس دوسرے نے ہمارے سچے مذہب کو برا خیال کیا ہے تو اُس دوسرے شخص کو بھی
ایسا ہی طیش ہوگا۔ غرض کہ یہ ایک رائے کا اختلاف ہے عداوت اور دشمنی کی کوئی وجہ اُس سے
پیدا نہیں ہوتی ؎

ایک شہر جس کی آب و ہوا درحقیقت نہایت عمدہ اور صحت بخش ہو کوئی دوسرا شخص اگر غلطی سے
اُس کو ناقص خیال کرے یا کوئی مریض کسی نہایت نافع دوا کے استعمال کرنے سے اس خیال خام سے باز رہے
کہ وہ دوا مضر ہے تو ایسی ناسمجھیوں پر بلاشبہ افسوس پیدا ہوگا نہ عداوت اور بغض ہمارا یہ خیال کہ وہ
نادان شخص اُس عمدہ آب و ہوا کے مقام کو کیوں ناقص بتلاتا ہے اور وہ مریض کیوں ایسی اچھی دوا کو استعمال
نہیں کرتا یا ہمارا یہ خیال کہ کوئی غیر مذہب والا شخص ہمارے اس عمدہ مذہب کی پیروی کیوں نہیں کرتا
بالکل ایک سے خیالات ہیں پس کوئی وجہ نہیں کہ اول دو خیالوں سے ہمکو ایسی بے چینی پیدا نہ ہو جو
عداوت کے درجہ تک پہنچ جاوے اور یہ اخیر خیال ہمکو ایسا بے آرام کردیوے کہ ہم ایک لحظہ بھی کسی
شخص کو غیر مذہب کی پیروی میں ترچھی نگاہوں بغیر نہ دیکھ سکیں +

یہ بے چین حالت اگر درحقیقت نور ایمانی اور جوش مذہبی سے کچھ علاقہ رکھتی تو ہماری بہ نسبت
انبیاء کرام صلوات اللہ علیہم اجمعین اس حالت میں مستغرق رہنے کے زیادہ سزاوار تھے حالانکہ خدا نے
قرآن شریف میں اس حالت کو پسند نہیں کیا بلکہ اُس سے منع کیا ہے کما قال اللہ تعالیٰ عز و جل۔
وان کان کبر علیك اعراضهم فان استطعت ان تبتغي نفقا فی الارض او سلما
فی السماء فتاتیهم بآیة ولو شاء الله لجمعهم علی الهدیٰ فلا تکونن من الجاهلین
یعنی اے محمد صلے اللہ علیہ وسلم اگر تمکو کافروں کا اعراض کرنا گوارا ہے تو اگر تم سے ممکن ہو تو زمین میں
کوئی سرنگ یا آسمان میں کوئی سیڑھی لگاؤ اور وہاں سے کوئی نشانی اُن کے واسطے لے آؤ۔ اور اگر خدا
چاہتا تو اُن سب کو ہدایت دیتا پس تم نادان نہ بنو +

اس بے چینی کے علاوہ ایک بڑا سبب اس نفرت کا یہ بھی ہے کہ اکثر مسلمان یہ خیال کرتے ہیں
کہ ہمکو خدا تعالیٰ نے غیر مذہب والوں کے ساتھ دوستی اور محبت کرنے کو قطعاً منع کردیا ہے جس طرح
فرمایا خدائے پاک نے لا تتخذوا الکافرین اولیاء من دون المؤمنین یا فرمایا کہ لا
تتخذوا الیهود والنصاریٰ اولیاء یا ارشاد ہوا لا تتخذوا عدوی وعدوکم اولیاء
اسی طرح اور اکثر آیتیں اسی تاکید میں موجود ہیں جن کا صاف یہ مطلب ہے کہ مسلمانوں کو غیر مذہب
والوں سے دوستی اور محبت کرنا بالکل منع ہے خواہ وہ یہود ہوں یا نصاریٰ یا مشرک" حقیقت میں
یہ خیال بہت سے مسلمانوں کے دلوں میں اثر کرگیا ہے اور علمار زمانہ نے اُسکو اور بھی غلط بنیاد کردیا اب
سچی بات کا زبان سے نکالنا تک نہایت مشکل ہوگیا ہے +

مسلمان اگر غور اور انصاف سے دیکھیں تو وہ صاف اس بات کو معلوم کرلینگے کہ اگر درحقیقت مذہب اسلام

کے مسائل کا ایسا ہی حال ہو جیسا اُن کا خیال ہے تو مذہب اسلام سے زیادہ مسلمانوں کے حق میں
کوئی دوسری آفت اور وبال نہوگا۔ جن غیر قوموں اور غیر مذہب والوں کے ساتھ مسلمانوں کو بمقتضائے
ضروریات بشری اپنا کاروبار جاری کرنا پڑتا ہے یا آیندہ پڑے یا جو غیر قومیں مسلمانوں پر حکمرانی
کریں اُن کو مسلمانوں کی طرف سے فاقت کی کیا اُمید ہوگی اور کس بھروسہ پر وہ صفائی دل سے
مُسلمانوں کے ساتھ معاملات میں راستبازی کرینگی اور وقت پر اُن کی ضرورتوں کے سرانجام میں
اُن کی مددگار ہونگی۔ ہمارے عالموں نے ایسی ضرورتوں کے لحاظ سے ایک شرعی حیلہ تصنیف کرلیا
ہے کہ ضرورت کیواسطے غیر مذہب والوں سے ضروری ملاپ جائز ہے۔ یہ راز اگر اسرار تصوف کی طرح
سینہ بسینہ چلا آتا تو شاید کچھ کام کا بھی ہوتا لیکن جب اُس سے کتابیں مرتب ہوئیں اور چھاپی گئیں
اور اُس کی بنا قرآن پاک کی اس آیت پر قایم ہوئی کہ الا ان تتقوا منھم تقاۃ تو اب وہ راز مخفی
نہیں رہ سکتا۔ نہاں کَے ماند آں رازے کزو سازند محفلہا۔ غیر قومیں کوئی احمق یا غافل نہیں
ہیں جو ہمارے داؤ میں آجاوینگی۔ وہ ایسی اندھی نہیں ہیں کہ جب مسلمان اپنی ضرورتوں کے وقت اُن کے
سامنے خوشامد اور جھوٹے اظہارات محبت اور دوستی سے پیش آویں تو وہ اُن کی اس منافقانہ
کارروائی سے نفرت نہ کریں اور ہمارے اس خودغرض اور ذلیل طریقہ کے سبب سے ہمکو وہ ذلت کی نظر وں سے
نہ دیکھیں۔ یاد رکھنا چاہیئے کہ جب تک مسلمان صفائی قلب سے کسی قوم سے نہ ملینگے تب تک ہرگز
وہ قوم ہمارے شریک حال نہیں ہوسکتی نہ وہ ہمارے کسی کام میں مدد کرسکتی ہے اور نہ ہم سے صفائی
کے ساتھ مل سکتی ہے ؞

اب خیال کرنا چاہیئے کہ جو حالت مسلمانوں کی ہندوستان میں اور نیز اَور ملکوں میں بالفعل ہے وہ
کسقدر غیر قوموں اور غیر مذہب والوں کی امداد اور دستگیری کی محتاج ہے اور جب یہ بات بھی ہمارے
ایمان میں داخل ہے کہ خدا کو یہ سب کیفیت جو مسلمانوں پر اب طاری ہے یا آیندہ طاری ہوگی سب کچھ
روز ازل سے معلوم تھی اور اسپر بھی ہم ایمان لائے ہیں کہ اب اَور کوئی نبی ہماری شریعت کی اصلاح
کے واسطے یا کوئی دوسری شریعت لیکر نہ آویگا اور ہماری شریعت اب ہر طرح کامل اور مختتم ہے اور
اُس شریعت کے وہی احکام صحیح فرض کیئے جاویں جن سے ہم نے اوپر اختلاف کیا ہے تو گویا زبان
حال سے ہم اس بات کا اقرار کرتے ہیں کہ خدا کو باوجود اس تمام عظم وشان کے اتنی بھی لیاقت نہیں
ہے جو وہ اپنے پیارے مسلمانوں کیواسطے ایسی شریعت مقرر کرتا جس کے احکام ہر وقت کی
تبدیلیوں کے لحاظ سے اُن کی بقا عزت و آبرو اور اُن کی تمام ضروریات کے سرانجام کے واسطے

کافی اور وافی ہوتے - اگر یہ نہیں تو دوسری بات تسلیم کرنی پڑیگی کہ خدا نے ہمکو دھوکہ میں رکھا اور ہمکو ایک ایسی شریعت میں پھانسا جس کے احکام خود بخود ایک وقت میں ہماری تباہی اور بربادی کا موجب ہو جاویں تمام آور قومیں ہماری دشمن ہو جاویں اور ہر شخص حقارت کی نظر سے ہمارے اوپر تھوتھو کریں نعوذ باللہ منہا مگر الحمد للہ کہ نہ ہمارا خدا ایسا بے وقوف ہے اور نہ ہماری شریعت غرہ مصطفویہ ایسی مہمل شریعت ہے -

ہر چہ ہست از شامت ناسازئی اندام ماست
ورنہ تشریف تو بر بالائے کس کوتاہ نیست

ہمارا خدا جس نے اپنے سچے نبی کے ذریعہ سے اپنے پُر حکمت احکام ہماری ہدایت اور عمل کیواسطے بھیجے سب سے زیادہ دانا اور بینا اور حکیم ہے - اُس حکیم مطلق نے جو شریعت ہمارے واسطے مقرر کی وہ جیسی وسعت میں کامل ہے ویسی ہی برتاؤ میں سہل ہے اپنے برتاؤ کے لحاظ سے جیسی وہ شریعت ایک بہت عمدہ موسم میں کسی جوان آدمی کی جوانی کے مناسب حال ہے ویسے ہی ایک نا مناسب موسم میں وہ ایک پیر ضعیف مرد کی ضعیفی کے مناسب ہے - اپنی وسعت کے لحاظ سے وہ تمام گذشتہ شریعتوں سے فراخ تر ہے اُسکی حکمت اور نہایت آسان احکام کا یہ قدرتی اثر ہے کہ مسلمان ہر ایک انقلاب کی حالت میں خوشی سے بسر کریں - مذہب اسلام کا ہرگز یہ منشا نہیں ہے کہ کسی قوم یا مذہب والے کی طرف سے دل میں عداوت اور کینہ اور بغض قایم کیا جاوے جو بالکل انسانیت کے برخلاف ہے قرآن شریف کی تمام مذکورہ بالا آیات کا مطلب یہ ہے کہ جو غیر مذہب والے مسلمانوں سے دین کے معاملہ میں لڑتے ہیں اور مسلمانوں کو اُن کے گھروں سے نکالا ہے اُن سے محبت اور دوستی نہ رکھنا چاہیئے اُن سے صرف اُس قدر معاملت جائز ہے جس سے اپنا بچاؤ رہے اور اخلاق انسانی کا ایک ایسا معتدل حصول ہے جس سے کسی مذہب کا آدمی انکار نہیں کر سکتا کیسی طرح جائز نہیں ہو سکتا کہ دو لشکر جو آپس میں متقابل ہوں اُن میں سے ایک گروہ کے بعض لوگ دوسرے گروہ والوں سے دوستانہ راہ و رسم جاری کریں اور اپنے لشکر کی سب خبریں دوسرے لشکر والوں کو پہنچاویں اور لشکر کے ضعف اور غنیم کی قوت کا باعث ہوں - پس جہاں جہاں مسلمانوں کو غیر مذہب والوں کی دوستی سے منع کیا گیا ہے وہ سب ایسی قسم کی دوستی اور محبت ہے نہ وہ دوستی اور محبت جو من حیث المعاشرت ایک انسان کو دوسرے انسان سے لازمی ہے ٭

فرمایا اللہ پاک نے قرآن بزرگ میں لا ینہاکم اللہ عن الذین لم یقاتلوکم فی الدین

ولم یخرجوکم من دیارکم ان تبروھم وتقسطوا الیھم ان اللہ یحب المقسطین انما ینھاکم اللہ عن الذین قاتلوکم فی الدین واخرجوکم من دیارکم وظاھروا علی اخراجکم ان تولوھم ومن یتولھم فاولئک ھم الظالمون"۔ یعنی اللہ تعالے تمکو اس بات سے منع نہیں کرتا کہ جو لوگ تم سے دین کے معاملہ میں نہیں لڑے اور جنہوں نے تمکو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اُن کے ساتھ تم احسان اور انصاف کرو بے شک اللہ انصاف والوں کو دوست رکھتا ہے۔ اللہ جس بات سے تمکو منع کرتا ہے وہ یہ ہے کہ جو لوگ دین میں تم سے لڑے اور تمکو تمہارے گھروں سے نکالا یا تمکو تمہارے گھروں سے نکالنے میں اوروں کی مدد کی اُن سے دوستی کرو اور جو لوگ اُن سے دوستی کرینگے وہ ظالم ہیں"۔ یہ آیت تمام آیات ترک موالات اور ترک رفاقت وغیرہ کی صاف صاف تفسیر ہے جس کے سامنے کسی اور تفسیر کی حاجت نہیں ہے ٭

پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے غیر مذہب والوں کے تحائف قبول کیئے اُن کی دعوتیں منظور کیں جو بالکل محبت کے مقدمات ہیں۔ خدا نے ہمکو یہ اجازت دی کہ جن غیر مذہب والوں سے تمہاری دینی لڑائی نہیں ہے اُن سے ملو اور اُن کے ساتھ اچھا سلوک کرو۔ ہمکو اپنے مذہب کی رو سے لازم ہے کہ جہاں ہم محکوم ہوں وہاں اپنے حاکم کی اطاعت کریں اور جہاں غیر قوموں پر حاکم ہوں وہاں اپنے محکوموں کی واجبی رعایت کریں اُن کی شراب کی ایسی ہی حفاظت کریں جیسی اپنے سرکہ کی اور اُن کے سوروں کی ایسی ہی نگہداشت کریں جیسی اپنے دنبوں کی۔ ہمکو یہ بھی تاکید ہے کہ جب ہم کسی سے عہد کرلیں تو مضبوطی سے اُسپر قایم رہیں۔ کیا یہ سب باتیں تہوع من حیث المجموع باہم محبت اور دوستی کو مستحکم کرتی ہیں ٭

خدا نے خود ہمکو اس بات سے مطلع فرمایا ہے کہ نصارے تمہارے ساتھ زیادہ دوستی کریں گے کما قال ولتجدن اقربھم مودۃ للذین امنوا الذین قالوا انا نصاری ذالک بان منھم قسیسین ورھبانا وانھم لایستکبرون بعض دوستیاں اس قسم کی بھی ہیں کہ گو ایک فریق دوستی کا اظہار کرے لیکن دوسرے فریق کو اُس سے کنارہ ہی کرنا اولے ہے لیکن خدا نے نصارے کی اُس دوستی کی علت بھی بیان فرما دی تاکہ کسی کو شبہ نہ رہے کہ وہ دوستی کس قسم کی ہوگی اور فرمایا کہ وہ اسواسطے تمہارے دوستدار ہونگے کہ اُن میں عالم ہیں اور درویش ہیں اور وہ غرور نہیں کرتے یعنی اُن کی طرف سے یہ دوستی تمہاری نسبت کمال تہذیب کے سبب سے ہوگی جیسا عام دستور ہے کہ ایک مہذب انسان دوسرے مہذب انسان سے محبت اور دوستی سے پیش آتا ہے۔ پھر کیا

مسلمان اپنے نامہذب اور وحشی ہوجاوینگے کہ جو فرقہ اُن کا دوست ہو اور دوست بھی ایسا دوست جس کی دوستی کی خبر خدا نے ہمکو دی اُس کے ساتھ بھی وہ نفرت سے پیش آویں کیا مسلمان کبھی انگلستان اور فرانس کے نصاریٰ کے اُن احسانات کو بھول سکینگے جو کریمیا کی لڑائی میں اُن کی طرف سے مسلمانوں کی سلطنت اعظم نہیں نہیں بلکہ مسلمانوں کی مذہبی عزت برقرار رکھنے اور مکہ معظمہ اور مدینہ منورہ میں اسلام کا جھنڈا قایم رکھنے کے واسطے برتی گیئی۔ اس لڑائی میں ہمارے یہ مددگار جن کو خدا جزائے خیر دے خاص اپنے ہم مذہب یعنی روسیوں کے مقابلہ پر جنھوں نے ظلم پر کمر باندھی تھی کندھے سے کندھا اور سینہ سے سینہ ملاکر لڑے اور جہاں ہمارا خون گرا وہاں اُنھوں نے اپنے خونوں کی بھی دھاریں بہادیں اور ہمارے دشمنوں کو مغلوب کیا اور حرمین شریفین پر جن کا نام لے کر ہمارے عالم وجد میں آجاتے ہیں ہمارا قبضہ قایم رکھا مگر یہ سب اس لیئے ہوا کہ سلطان روم خلد اللہ ملکہ اپنے ان مددگاروں سے نہایت صفائی اور خلوص کے ساتھ دوستانہ ملا۔ بخارا میں اس کے برخلاف اور علمار ناعاقبت اندیش کی مرضی کے مطابق کام ہوا غارت ہوگیا پھر کیا مسلمانوں پر یہ فرض نہیں ہے کہ جب کبھی خدانخواستہ اور نصیب اعدا کوئی موقع آوے نوجوان ہمارے ان مددگاروں کے پسینا گرنے کا احتمال ہو وہاں اپنے خون کے نالے بہادیں۔ اب ہم اپنے عالموں سے دریافت کرتے ہیں کہ کیا ایسے ایسے معاملات کے بعد بھی دو مختلف قوموں کے باہم سچی محبت اور دوستی نہیں ہوسکتی مگر افسوس جو شخص یہ بھی نہ جانتا ہو کہ انگلستان اور فرانس کی مدد کیسی اور کریمیا کسی جانور کا نام ہے یا کسی زبان کا لغت ہے اور کجا روس اور کجا مکہ و مدینہ وہ کیا خاک ان باتوں کا جواب دے سکتا ہے۔ ایں از صد سے وار شمس باز غونی آید۔

خدا نے ہمکو اجازت دی کہ ہم اہل کتاب عورتوں سے نکاح کریں پس جو اولاد اُن عورتوں سے ہوگی کیا وہ اپنی ماؤں سے پیار اور محبت نہ کرے گی معہذا جس قدر استحقاق بیبیوں کے خاوند پر ہماری شریعت کے بموجب ہیں اور جیسی کچھ رعایت و محبت اور حسن اخلاق ہمکو مسلمان بیبیوں کے ساتھ برتنا چاہیئے وہ سب ہمکو اُن اہل کتاب بیبیوں کی نسبت برتنا ضرور ہوگا ورنہ ہم گنہگار ہونگے پھر کیا یہ ہوسکتا ہے کہ وُہی خدا غیر مذہب والوں سے ایسے ایسے رشتوں اور قرابتوں کو جن میں محبت ثواب اور ترک محبت گناہ ہو ہمارے لیئے جائز کرے اور خود ہی ہمارے واسطے اُن قوموں کو ہمارا دوست ٹھہرادے اور پھر وُہی خدا ہمکو یہ حکم دے کہ تم اُن سے بغض اور عداوت کرو یہ خدائی کا ہیکو ہے یونانیوں کی فلکیات یا لڑکوں کا کھیل ہے۔ وھذا بہتان عظیم۔

گر مسلمانی ہمین است کہ واعظ گوید ؞ وائے گر در پس امروز بود فردائے

مسلمانوں کو یہ بات بھولنا نہ چاہیئے کہ قرآن شریف تمام کتب سماوی کا مصدق ہے جس میں انجیل کی اخلاقی ہدایتیں بھی شامل ہیں اور یہ بھی اُن کو معلوم ہے کہ جناب سرور کائنات صلے اللہ علیہ وسلم کی بعثت سے ایک بڑی غرض یہ بھی تھی کہ اخلاق انسانی اپنے حد کمال کو پہنچ جاوے مسلمان اُس نبی برحق کی اُمت میں ہیں جسکی تعریف میں خدا ارشاد فرماتا ہے۔ وانک لعلی خلق عظیم اور جس کا خطاب رحمۃ اللعالمین ہے۔ ہمارا مذہب تمام نیکیوں کا سرچشمہ اور ہر ایک قسم کے انسانی اخلاق کا مکمل اور متمم ہے پس مسلمانوں کو چاہیئے کہ گذشتہ خیالات پر صلوات کہکر آیندہ ٹھیک ٹھیک خدا و رسول کی مرضی اور منشاء کے مطابق کام کریں۔ ہمارا کمال اسی میں ہے کہ کوئی مسلمان ہو یا غیر مسلمان۔ دوست ہو یا دشمن سب کے ساتھ ہم سلوک و محبت سے پیش آویں اور جس محبت سے ابتک ہم اپنی ناسمجھی کے سبب سے محروم تھے آیندہ اُس کے حصول کے واسطے بدل کوشش کریں اور اُس کیمیائی اثر کو کام میں لاویں جو ہمارے سچے مذہب نے ہم میں غیروں کو اپنی طرف مائل کرنے کی غرض سے رکھدیا ہے۔ اب مسلمانوں کو ضرور ہے کہ جس خانہ برانداز مصلحت کے اثر نے ہماری شریعت کے وسیع دائرہ کو دو غیر مساوی حصوں میں تقسیم کرکے ایک بہت چھوٹا حصہ ہماری بسر زندگانی کے قیدخانہ کیواسطے خاص کردیا ہے اسی میں چاہیں ہم مریں چاہیں ہم زندہ رہیں اُس مصلحت خلاف کو درمیان سے اٹھاکر اور تنگ قید سے آزاد ہوکر اپنی شریعت کے پورے دائرہ کی وسعت میں خوشی اور خورمی سے گلگشت کریں اور ان خداداد نعمتوں پر اپنے خدا کا شکر ادا کریں ؞

مہمان و میزبان

مہمانی اور میزبانی کی خوبیاں اور برکتیں ایسی صریح اور صاف ہیں کہ اُن کے بیان کی کچھ حاجت نہیں ہے۔ آپس میں محبت اور ارتباط بڑھانے کے واسطے یہ رسم بہت ہی موثر ثابت ہوئی ہے۔ اس رسم سے غیر بھی اپنے ہوجاتے ہیں بلکہ دشمن بھی دوست بن جاتے ہیں اور اسی کے جاری نہ رہنے سے قریب تر عزیزوں کی قدرتی محبت میں بھی کمی آجاتی ہے۔ پس جو شے اسقدر مفید ہو مناسب ہے کہ وہ ہر ایک قسم کے نقصانات اور خرابیوں سے پاک صاف رہے ورنہ اُس کے تمام فائدے برباد ہوجاویں گے لیکن جس طریقہ پر اس عرصہ میں ہم لوگوں میں مہمانی اور میزبانی ہوتی ہے وہ کچھ مفید نہیں ہے بلکہ اعتراض کے قابل ہے اور کچھ شبہ نہیں کہ موجودہ رسم و رواج کے سبب سے اکثر اوقات

مہمان اور میزبان دونوں کو تکلیف ہوتی ہے اس لیئے ضرور ہے کہ مسلمان موجودہ طریقہ مہمانی اور
میزبانی پرغور کریں اور جس قدر اصلاح اس میں ضروری ہو وہ عمل میں لاویں ٭

اب ہم اُن خرابیوں کا بیان کرتے ہیں جو قابل اعتراض ہیں سب سے بڑی غلطی جو اکثر مہمانوں کی طرف سے
ہوتی ہے وہ یہ ہے کہ وہ اپنے میزبان کو پہلے سے اپنے آنے کی خبر نہیں کرتے حالانکہ اس بےخبر
وارد ہونے سے میزبان کو بڑی تکلیف ہوتی ہے اور خود مہمان کو بھی تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے علاوہ
اس کے اس طرح پر بےخبر کسی کے مکان پر بطور مہمان کے وارد ہونا خلاف تہذیب بھی ہے ٭

اکثر یہ ہوتا ہے کہ گھر والے کھانے سے فارغ ہو جاتے ہیں اس کے بعد مہمانوں کی آمد ہوتی ہے اور
اُس وقت ایک تازہ تشویش پیش آتی ہے ادھر تو کھانے کا کچھ سر انجام نہیں ہوتا اور اُدھر یہ خیال ہوتا
ہے کہ مہمانوں کے واسطے کھانے میں دیر نہ ہو۔ نوکر چاکر جن کو دوبارہ پھر چولھا جھونکنا پڑتا ہے
مجبوراً دل میں ناخوش ہوتے ہیں اور اگر کبھی رات کو ناوقت یہ مہمان بلا ہی پیش آگئی تو اور زیادہ مصیبت آتی ہے
اور یہ آفت خاص کر اُن مقامات میں زیادہ آتی ہے جو ریل کے اسٹیشنوں سے قریب ہیں اب یہ
ہوتا ہے کہ رات کے گیارہ یا بارہ بج گئے ہیں یا رات ڈھل گئی ہے اور پچھلا پہر ہے سب لوگ اپنے آرام
کی نیندیں لے رہے ہیں کہ یکایک دروازہ پر سے آوازیں آنی شروع ہوئیں (کواڑ کھولو کواڑ کھولو)
پھر بعض سونے والے ایسے غافل سوتے ہیں کہ مشکل سے جاگتے ہیں یا دروازہ سے بہت فاصلہ سے
ہوتے ہیں یا جاڑوں کے موسم میں مکانوں کے اندر کواڑ بند کر کے سوتے ہیں ایسی صورت میں بےخبر
آنیوالے مہمان کو گھڑیوں پکارتے پکارتے اور چلاتے چلاتے اور کواڑ کھٹکھٹاتے اور زنجیریں ہلاتے
گذر جاتے ہیں اور جب ان تمام مشکلات کے بعد کواڑ کھلے اور صاحب خانہ بھی بڑی بےلطفی اور تکلیف
کے ساتھ جگایا گیا تو اب خیال کر لینا چاہیئے کہ اُس غریب پر اُس وقت کیا گذرتی ہوگی۔ پھر کبھی یہ ہوتا
ہے کہ مکان مختصر ہے یا اُس میں پہلے سے اور مہمان فروکش ہیں اور مکان میں زیادہ جگہ نہیں ہے
یا صاحب خانہ کسی ایسی تشویش میں ہے کہ اُس کو اپنے مہمانوں سے باطمینان و خوشی ملنے کی فرصت
نہیں ہے ان تمام باتوں کے لحاظ سے ضرور ہے کہ اپنے آنے سے قبل اپنے میزبان کو حتے الامکان
اطلاع دی جاوے اور نہایت صفائی قلب اور دوستی کی بات یہ ہے کہ اگر کسی وقت میزبان یہ اطلاع دے
کہ مجھ کو ملنے کی فرصت نہیں ہے تو بغیر کسی ملال خاطر کے اپنے ارادہ کو ملتوی کرنا چاہیئے میں نے
بعض اوقات یہ بھی دیکھا ہے کہ ایسے میزبان نے اپنی تکلیف بچانے کے واسطے یا مہمان کے
آرام کی نظر سے مہمان کو کسی اور مکان میں اوتارا تو مہمان نے دل میں بہت ہی بُرا مانا حالانکہ میزبان کا

یہ برتاؤ کسی طرح اعتراض کے لائق نہیں ہوتا بلکہ بڑی عمدہ بات خیال کی جاتی ہے ؎

بعض لوگوں کا یہ خیال ہوگا کہ جن خرابیوں کا ذکر اس مضمون میں ہے وہ صرف اُن حالات سے متعلق ہیں جبکہ مہمان اور میزبان میں باہم نہایت دوستی نہ ہو مگر یہ خیال غلط ہے اس لئے کہ یہ ایسے امور ہیں جو بطور واقعات کے پیش آتے ہیں جن میں زیادہ دوستی ہونے یا نہ ہونے کو کچھ مداخلت نہیں ہے کبھی اس بے خبر آنے کا نتیجہ یہ بھی ہوتا ہے کہ اصل مقصود فوت ہو جاتا ہے جس سے ملنا مقصود ہوتا ہے وہ مکان پر نہیں ملتا اور زیادہ افسوس اس وقت ہوتا ہے جب یہ معلوم ہوتا ہے کہ آج ہی یا ابھی آپ کے تشریف لانے سے [illegible] مقام کو سوار ہو گئے اور تب حسرت کے ساتھ وہاں سے لوٹ جانا ہوتا ہے اور یہ ایک کافی سزا اپنے بلا اطلاع آنے کی اُس وقت آنیوالے کو مل جاتی ہے ؎

اس بے خبر آنے کے علاوہ چند اور خرابیاں بھی بیان کے لائق ہیں جن میں سے ایک یہ ہے کہ بعض میزبانوں کے مزاج میں تکلف بہت ہوتا ہے اور اُن کا مہمان بھی یہ بات دیکھتا ہے ان تکلفات کی وجہ سے کھانا تیار ہونے میں دیر ہوتی ہے [illegible] کبھی زیادہ عرصہ تک اپنے [illegible] کا قیام ناگوار معلوم ہونے لگتا ہے [illegible] رہتی ہے ؎

سعدی علیہ الرحمۃ کسی مقام پر اپنے ایک دوست کے ہاں مہمان ہوئے اُن کے دوست نے بہت اہتمام سے اُن کی مہمانداری کی بہت سے قسم کے کھانے پکوائے اور مٹھائیاں اُن کے ساتھ دسترخوان چُنا گیا شیخ نے جب یہ سامان دیکھے تو [illegible] صاحب خانہ نے یہ سمجھا کہ دعوت کے سامان میں کچھ کمی رہ گئی [illegible] دوسرے تیسرے وقت بیش از بیش اہتمام کیا لیکن ہر مرتبہ شیخ نے وہی افسوس ظاہر کیا آخر شیخ نے جب دیکھا کہ میزبان کو بہت تکلیف ہوتی ہے تو اُس نے اپنی اقامت کو ختم کیا اور میزبان سے رخصت ہوا کچھ عرصہ بعد اُن کے اُس میزبان کا گذر شیراز میں ہوا اور شیخ کے ہاں اُترا اور دل میں بہت ہی خوش تھا کہ اب شیراز کی دعوتوں کے سامان دیکھنے میں آویں گے جب کھانے کا وقت آیا تو شیخ گھر میں گیا اور وہاں سے وہی روزمرہ کا سیدھا سادھا کھانا لے آیا اور اپنے دوست کے سامنے رکھدیا اور کہا کہ بسم اللہ کیجئے۔ اُسوقت شیخ کے دوست کو بہت ہی حیرت ہوئی اور اُس نے آہستہ آہستہ کھانے کیطرف ہاتھ بڑھایا اور کھانا شروع کردیا شیخ نے اُس کی حیرت کو دیکھکر کھانا کھا چکنے کے بعد اُس سے کہا

کہ اے دوست دعوت شیراز سے میرا یہی مطلب تھا۔ تم نے میرے واسطے بہت سا تکلف کیا جس کا نتیجہ یہ تھا کہ اگر میں زیادہ قیام کرتا تو تم کو سخت ناگوار گذرتا اور میری مہمانی خوشی کی جگہ ملال سے مبدل ہو جاتی اسی لیے میں نے اُسوقت مجبور ہو کر اپنی مدت اقامت کو مختصر کیا اور جس غرض سے میں وہاں گیا تھا وہ بھی پوری نہ ہوئی میں اچھی طرح وہاں ٹھہر سکا نہ سیر کر سکا اور جلدی سے رخصت ہوا یہاں اب آپ جس قدر مدت تک چاہیں قیام کریں جتنے روز آپ رہینگے میری خوشی بڑھتی جاویگی۔

میرا مطلب اس حکایت سے یہ نہیں ہے کہ اپنے دوستوں کی مہمانی کے زمانہ میں اُن کی خوشی خاطر کے لیے مطلق توجہ نہ کیجائے نہیں بلکہ میرا یہ مطلب ہے کہ جو کچھ کیا جاوے ایسے اعتدال سے کیا جاوے جو آیندہ نبھ سکے اور مہمان کے قیام سے سوائے خوشی کے دوسری بات حاصل نہ ہو۔

ان تکلفات کے علاوہ ایک اور اہتمام بھی جو اکثر عمل میں آتا ہے مہمان اور میزبان دونوں کے لیے سخت تکلیف کا باعث ہوتا ہے اور وہ مہمان اور میزبان کا ساتھ کھانے پر اصرار کرنا ہے اگر اتفاق سے مہمان صاحب کہیں باہر کو چلا گیا اور آنے میں دیر ہوئی تو دوسرے صاحب اُن کے منتظر بیٹھے رہتے ہیں اور کھانا نہیں کھاتے اور جب زیادہ دیر ہوتی ہے تو جی میں نہایت تنگ ہوتے ہیں تلاش کے واسطے بار بار نوکر کو آدمی دوڑائے جاتے ہیں اور جب بڑی ہی دیر کے بعد دوسرے صاحب آتے ہیں تب کھانا نصیب ہوتا ہے اگر اتفاق سے کسی صاحب خانہ نے بلا انتظار اپنے مہمان کے کھانا کھا لیا اور مہمان صاحب بعد کو آئے تو بہت کم مہمان اس مزاج کے ہوتے ہیں جو میزبان کے اس برتاؤ سے برا نہ مانتے ہوں میں نے خود ایک دفعہ یہ دیکھا ہے کہ ایک مہمان جو باہر کو گئے ہوئے تھے چار ایک بجے تک بھی نہ آئے اور صاحب خانہ نے ظہر کی نماز بھی پڑھ لی تب مجبور ہو کر بلا انتظار مہمان کے کھانا کھا لیا اس کے بعد مہمان صاحب سیر کر کے بھوکے پیاسے واپس تشریف لائے اور تھک کر بیٹھ گئے اور فرمانے لگے کہ آج تو مر مٹے جس سے صاف معلوم ہوتا تھا کہ بھوک بھی اُن کو لگی ہوئی ہے اور تشنگی سے بھی بیتاب ظاہر ہوتا تھا لیکن جب اُنھوں نے یہ سُنا کہ صاحب خانہ نے کھانا کھا لیا میرا انتظار نہیں کیا تو نہایت ہی بُرا مانا یہاں تک کہ کھانا بھی نہ کھایا اور یہ عذر کر دیا کہ میں بھی کھانا کھا چکا ایک دوست مل گئے تھے اُنھوں نے بغیر کھانا کھلائے نہ اُٹھنے دیا۔ اب غور کرنا چاہیے کہ ان حرکتوں کا کیا نتیجہ ہوگا کیا اس مہمانی اور اس میزبانی سے کچھ محبت اور خوشی بڑھ سکتی ہے۔

ایک اور خراب طریقہ یہ ہے کہ مہمان کو کوئی موقع تخلیہ اور آرام کا نہیں ملتا اور یہ خرابی دو وجہ سے

پیدا ہوتی ہے اول اس لیئے کہ ہمارے مکانات کا طرز خراب ہوتا ہے۔ دوم ملنے جلنے کا طرز بھی اچھا
نہیں ہے۔ ہمارے مکانات اس طرح پر علیحدہ علیحدہ حصوں میں تقسیم نہیں ہوتے کہ ہر ایک شخص کے
لیئے بغیر اس کے کہ اَوروں کو تکلیف ہو آرام کے ساتھ تخلیہ ممکن ہو ایک ہی کھلا ہوا مکان ہوتا ہے وُہی
اپنے بیٹھنے اُٹھنے کا وُہی مہمانوں کے قیام کا۔ اگر کوئی بیمار ہے تو اُسی مکان میں ہے چبوترہ کے
نیچے نال بھبکا بھی اُسی کے سامنے چڑھا ہوا ہے ایک طرف کو مُلّاں لڑکے بھی اُسی مکان میں پڑھا رہے
ہیں وغیرہ وغیرہ۔ اور اس لیئے صاحب خانہ مجبور ہوتا ہے اور اپنے مہمان کے لیئے کوئی موقع تخلیہ کا آسانی
سے موجود نہیں کر سکتا۔ اس خرابی کا دور کرنا بالفعل غربا اور متوسط الحال شخصوں کے اختیار سے باہر
ہے لیکن امرا کو اسطرف توجہ کرنا ضرور ہے چنانچہ بعض امرا اپنے نو تعمیر مکانوں میں اس قسم کی رعایتیں
اب ملحوظ رکھتے ہیں یا اُن کے متعدد مکانات ہوتے ہیں جن کی وجہ سے یہ دقتیں اُن کو کمتر پیش آتی ہیں
لیکن اکثر امرا کو اب تک بھی اس طرف توجہ نہیں ہے اور اُن کی پچاس پچاس ہزار اور ایک ایک لاکھ
روپیہ کی عمارتیں اب تک بھی اکثر اُسی پرانہ نقشہ پر بنائی جاتی ہیں جن میں نہ سردی کا آرام نہ گرمی کا
نہ مہمان کے لیئے کوئی تخلیہ ممکن نہ اپنے لیئے پس اگر امرا اس طرف توجہ کریں تو آخر کار متوسط الحال
شرفا بھی اُن کی پیروی کریں اور رفتہ رفتہ غربا بھی حتے الامکان اُنھیں کی تقلید کرنے میں ساعی ہوں ؀

ایک اَور تکلیف مہمان اور میزبان کے طرز ملاقات سے پیدا ہوتی ہے جس وقت مہمان کسی اپنے
دوست یا عزیز و قریب کے مکان پر وارد ہوا صاحب خانہ اور اُس کے اور عزیز و اقارب اور دوست
و آشنا سب اُس مہمان غریب کے گرد ہوئے اور گھڑیوں اور گھنٹوں بلکہ پہروں اُس کے پاس بیٹھنا شروع
کیا ایک صاحب اُٹھکر تشریف لیگئے تو دو صاحب اَور موجود ہوئے غرض ہر وقت یہ جلسہ اُس کے پاس
رہنے لگا اب جتنا کوئی مہمان کسی کو عزیز ہوا اُسی قدر یہ اہتمام زیادہ ہوتا ہے اور زیادہ عزیز کی مٹی
زیادہ خوار ہوتی ہے۔ بہت ہی کم ہم نے وال ایسے بے تکلف مہمان ہوتے ہیں جو اس جم غفیر کا کچھ ادب
اور لحاظ نہیں کرتے اور اپنے آرام میں خلل نہیں ڈالتے۔ اور میزبان بھی ایسے بہت کم ہیں جو
اپنے مہمان کی تکان راہ اور صعوبات سفر کے لحاظ سے اُس کے آرام و آسایش کا خیال کرتے ہوں
اور بخوشی خاطر اُن کو ایسا موقع دیتے ہوں کہ جب تک وہ چاہیں آرام کریں اور خط و کتابت وغیرہ کا
جو کچھ شغل وہ چاہیں تخلیہ میں اطمینان کے ساتھ کر سکیں۔ ایک اَور بڑی مشکل یہ ہے کہ مہمان بھی چونکہ
ہماری ہی جنس سے ہوتے ہیں اور اسی قسم کے تپاک اور طرز ملاقات کے عادی ہوتے ہیں اس لیئے ایسا بھی
اکثر ہوتا ہے کہ اگر کوئی میزبان یا میزبان کا کوئی عزیز و قریب اپنے مہمان کے پاس زیادہ حاضر نہ ہے

تو مہمان صاحب بھی بُرا مان جاتے ہیں اور حماقت سے یہ سمجھکر کہ ہماری کچھ قدر و منزلت نہ ہوئی خود اپنی نظروں میں حقیر اور تھوڑے تھوڑے ہونے لگتے ہیں اس لیئے صاحب خانہ اپنے مہمان کے سرپر ہر وقت ایک بک بک کرنیوالا پہرہ متعین کرنے پر مجبور ہوجاتا ہے۔ اب دیکھنا چاہیئے کہ کیسی کچھ وقت اور تکلیف کی بات ہے اور چونکہ ہم خواہ بحیثیت مہمان اور خواہ بحیثیت میزبان اس قسم کی تکلیفیں جھیلنے کے عادی ہورہے ہیں اور اپنے بیش بہا وقت کو رائگان کھونے میں نہایت مشاق ہیں اس لیئے یہ برتاؤ ہمکو کچھ زیادہ ناگوار نہیں گذرتا ورنہ وہ شخص جو اپنے وقت کی کچھ بھی حفاظت کرتا ہو ایک دن کے واسطے بھی کبھی کسی کے ہاں اس طرح مہمان ہوکر یا ایسے کسی طعنہ شاہ کا میزبان ہوکر خوش نہیں رہ سکتا ۔

مہمانی اور میزبانی کی ان تمام مذکورہ بالا مصیبتوں کے علاوہ اور بہت سی ایسی ہی بیہودہ باتیں ہیں جو ہملوگوں میں رائج ہیں اور جن کے بیان کرنے کے واسطے ایک مستقل رسالہ مرتب ہونا چاہیئے اس لیئے میں ان کی طول و طویل تفصیلوں میں پڑنا ضروری نہیں سمجھتا اور میں خیال کرتا ہوں کہ اگر وہ بڑی بڑی خرابیاں جن کا میں نے اوپر ذکر کیا رفع ہوجاویں تو اور چھوٹی چھوٹی خرابیاں بھی جو انہیں بڑی خرابیوں سے پیدا ہوتی ہیں خود بخود رفع ہوجاویں گی لیکن ختم مضمون پر اُس تازہ مصیبت کا تذکرہ البتہ مناسب ہے جو مہمان کو رخصت کے وقت فرمان واجب الاذعان آمدن بہ ارادت و رفتن باجازت سے پیش آتی ہے ۔

مہمان نے اب ڈرتے ڈرتے اور نگاہیں نیچی کر کے صاحب خانہ سے رخصت ہونے کی اجازت چاہی مگر صاحب خانہ نے صاف انکار کیا۔ مہمان ہر چند منت کرتا ہے اور اپنی سخت سخت ضرورتیں بیان کرتا ہے لیکن صاحب خانہ راضی نہیں ہوتے اُس مجلس میں اور جسقدر صاحب موجود ہوتے ہیں وہ بھی اپنا فرض یہی سمجھتے ہیں کہ صاحب خانہ کی تائید کریں وہ بھی مہمان کو قیام کرنے پر مجبور کرتے ہیں اور اُس بیکسی کے گھنٹے میں ایک متنفس بھی ایسا نہیں دکھلائی دیتا جو خدا لگتی ہوئی کہے اور مہمان کی بیکسی پر بھی رحم کرے کوئی صاحب فرماتے ہیں کہ ابھی آپ کہاں جاوینگے کوئی فرماتے ہیں کہ خانصاحب کا کہنا نیچے نہ ڈالیئے خانصاحب رخصت سے جدا تیوری چڑھائے ہوئے فرماتے ہیں کہ کبھی کبھی تو آپ تشریف لائے اور آتے ہی جانے کی سُنائی آپ کے اس آنے سے نہ آنا بہتر تھا دنیا کے کام چلے ہی جاتے ہیں یہاں آپ کب کب آتے ہیں۔ المختصر یہاں تک اُس مہمان کو تنگ کیا جاتا ہے کہ وہ سخت رنج میں مبتلا ہوجاتا ہے اور اپنے دل میں کہتا ہے کہ الٰہی میں کس عذاب میں آگیا اور کیونکر اس سے

نجات ہوگی اور اپنے آنے پر نہایت افسوس کرتا ہے اور قہرِ درویش برجان درویش ایک دو مقام کرنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔ پھر کیا یہ قیام فریقین میں کچھ محبت اور خوشی کو بڑھا سکتا ہے۔ نہیں ہرگز نہیں بڑھا سکتا بلکہ برعکس اُس کے دلوں کو رنجیدہ کر دیتا ہے ؀

اگر کوئی سخت بے حیا مہمان ہوا اور اُس نے نالائقی سے اپنے شفیق میزبان کے اصرار پر کچھ خیال نہ کیا اور گھر والوں کی بات بھی نہ مانی اور چلنے کا ارادہ مصمم کر لیا تو اب یہ جنجال کسی طرح اُسکا پیچھا نہیں چھوڑتا کہ کھانا کھا کر جانا ہوگا اور یہ اصرار خاص کر اُن مقامات میں مہمانوں کو مصیبت میں مبتلا کرتا ہے جہاں ریل کے اسٹیشن قریب ہیں اور مسافروں کو ریل کے ذریعہ سے سفر منظور ہوتا ہے اکثر یہ ہوتا ہے کہ اثنار سفر میں کوئی دوست اپنے دوست سے ملنے کے واسطے جو کسی اسٹیشن سے قریب ہوتا ہے اُترا اور یہ ارادہ کر لیا کہ دوسرے وقت کی ریل میں چلا جاؤں گا ایسے مسافروں سے بھی جب وہی معمولی تکلف آمیز جھگڑے اور قصے پیش آتے ہیں تو اُن کو سخت حیرانی ہوتی ہے ؀

اودھر ریل کے وقت میں صرف ایک گھنٹہ یا ڈیڑھ گھنٹہ باقی ہے یہاں صاحب خانہ کے ہاں نوکر بازار سے گوشت لیکر بھی نہیں لوٹا مہمان کہتا ہے کہ برائے خدا مجھ کو رخصت کیجئے لیکن صاحب خانہ اس میں اپنی نہایت ذلت سمجھتے ہیں کہ بغیر کھانا کھلائے یا کھانا ساتھ لئے مہمان گھر سے رخصت ہو اب نوکر بھی بازار سے آگیا اور ریل کا وقت بھی بہت نزدیک پہنچا اور مہمان پر ایک سخت اضطراب کی حالت طاری ہوئی کبھی وہ اپنے اس خوف کو کہ ریل چلی جاوے گی اور میں رہ جاؤں گا شرم سے ضبط کر کر چپکا ہو رہا اور کچھ دیر کے بعد گھبرایا اور کئی دفعہ چلنے کے قصد سے اُٹھنا چاہا مگر صاحب خانہ نے نہ اُٹھنے دیا آخر جب وقت بہت ہی نزدیک آگیا اور صاحب خانہ کو بھی کچھ ندامت سی ہوئی تو وہ بھی جلدی سے اُٹھے نوکر بازار کو پھر بھاگا کچھ مٹھائی بازار سے آئی کچھ آدھا کچا آدھا پکا کھانا میزبان صاحب گھر میں سے لائے اور بہزار سرعت و شتابی مہمان نے دس پانچ لقمے کھائے اور تھوڑا سا کھا کر اُٹھ کھڑا ہوا۔ میزبان صاحب بھی مصر ہوئے کہ آپ نے کچھ نہ کھایا اور کھائیے غرض جس طرح سے ہوا وہ کمبخت مہمان صاحب خانہ سے رخصت ہوا سڑک پر دوڑ کر خدمتگار نے پان دیا اب مہمان صاحب بھاگم بھاگ اسٹیشن کو چلے راستہ میں ریل کی آواز سُنائی دی اور بھی اوسان خطا ہوئے گاڑی والے سے تقاضا ہوا کہ جلدی چلو اور کچھ دور پہنچکر انعام کا بھی وعدہ کیا گیا اُس نے بھی بے تحاشہ گاڑی دوڑائی اور ریل چھوٹنے سے بھی پہلے اسٹیشن پر پہونچا دیا اور کرایہ و انعام لیکر علیحدہ ہوا اسٹیشن کے مزدور چلائے کہ پہلی گھنٹی ہو چکی ہے جلدی چلو ٹکٹ گھر میں پہنچکر جلدی سے ٹکٹ لیا

اتنے میں دوسری گھنٹی بھی ہوئی میاں اور مزدور دوڑے جب ہی اسٹیشن کے اندر کے چبوترہ پر آئے تیسری گھنٹی ہوئی سیٹی بجی اور ریل نے آہستہ آہستہ آگے کو بڑھنا شروع کیا اب مہمان کمبخت حیران کھڑا ہے اور حسرت کے ساتھ ٹرین کی اُس نرم نرم رفتار کو دیکھ رہا ہے اسباب والے مزدوروں نے سمجھایا کہ میاں آپ ہی نے دیر کردی جانا تھا تو گھڑی بھر پہلے سے آئے ہوتے اب چلو دوسرے وقت کی ریل پر جانا یہ سنکر مہمان غریب لوٹا اور پھر گاڑی کرایہ کرکے میزبان صاحب کے مکان پر آیا۔ راستہ میں سو سو طرح کے غمگین خیالات نے اُسکو رنجیدہ کیا جب مہمان صاحب مکان پر آئے تو میزبان صاحب دُور سے دیکھتے ہی بے اختیار ہنس پڑے اور فرمانے لگے کہ کہئے ریل پر ہو آئے آپ نے تو کمال کردیا تھوڑی ہی دیر میں پہنچ بھی گئے اور پھر چلے بھی آئے ہم تو پہلے ہی کہتے تھے کہ آج نہ جاؤ ہمارا کہنا نہ مانا یہ اس کی سزا ہے ؎

اب ہم اپنے ابنائے جنس سے اس طریق مہمانی اور میزبانی پر انصاف چاہتے ہیں اور دریافت کرتے ہیں کہ آیا یہ طریقہ تبدیل اور ترمیم کے لایق ہے یا نہیں کیا ایسے برتاؤ کی حالت میں کوئی مہمان خوشی سے کسی اپنے دوست کے پاس آنے کا ارادہ کریگا۔ یہ کون سی آدمیت ہے کہ اپنے عزیز مہمان کی تمام ضرورتوں کی طرف سے آنکھیں بند کرکر قیام پر جاہلانہ اصرار کیا جاوے ایسی مصیبت کی حالت میں سفر کرنیوالوں کو انواع واقسام کی تکلیف ہوتی ہے وہ اپنے کوچ ومقام کا کوئی انتظام اپنے اختیار سے نہیں کرسکتے نہ اپنے وقتوں کی تقسیم پر قادر ہوسکتے ہیں اور اس کے علاوہ بہت سے ہرج اور نقصان جو اس قسم کی مزاحمت سے پیدا ہوتے ہیں اور ہوسکتے ہیں اُن کی وجہ سے بجائے ملاقاتوں کی خوشی کے ایک قسم کا ملال اور رنج پیدا ہوجاتا ہے پس ہماری خواہش یہ ہے کہ ہمارے اس مضمون کے پڑھنے والے ہمارے اس مضمون پر انصاف سے غور کریں اور جو رسم ورواج اصلاح کے قابل ہیں اُس میں مناسب اصلاح کریں تاکہ مہمانی اور میزبانی کی خوشیاں اَور زیادہ ہوں اور مہمان یا میزبان کسی کو تکلیف نہو اور وہ اصلاحیں جیسا ہم نے اوپر مفصل بیان کیا ہے مفصلہ ذیل مراتب میں ہونا چاہیئے ؎

اوّل حتی الامکان بلا اطلاع کسی کے ہاں آنے سے احتراز کرنا چاہیئے گو باہم کیسی ہی بے تکلفی اور یگانگت ہو جہاں تک ممکن ہو اس قدر پہلے اطلاع دی جاوے کہ جواب بھی آسکے ورنہ کم سے کم ایک دن پہلے میزبان کو اطلاع ہوجاوے اگر بدرجہ مجبوری یہ بھی نہ ہوسکے تو رات کے وقت حتے الوسع کسی کے مکان میں پہونچنے سے کنارہ کیا جاوے مگر جب ایسی کوئی سخت ضرورت

پیش آجاوے۔

دوم ۔ دعوت میں اس قدر تکلف نہ کرنا چاہیئے جس سے اپنے عزیز مہمان کا قیام تم کو ناگوار معلوم ہونے لگے بیچ بیچ کی چال ہمیشہ بہتر ہوتی ہے وخیر الامور اوسطہا۔

سوم ۔ یہ خیال بھی کہ میزبان و مہمان عموماً ساتھ ہی کھانا کھاویں ترک کرنا چاہیئے کھانے کے معمولی وقت پر اگر کوئی فریق غیر حاضر ہو تو اُس کی حاضری کا انتظار نہ کیا جاوے اور فریق غیر حاضر کو دوسرے فریق کی اس کارروائی سے آزردہ نہ ہونا چاہیئے۔

چہارم ۔ تخلیہ کے موقع کا بھی جہاں تک ممکن ہو خیال رکھنا چاہیئے تاکہ مہمان اور میزبان دونوں کو آرام ہو ہر وقت کے پاس اُٹھنے اور بیٹھنے سے تکلیف بھی ہوتی ہے اور ملاقاتوں سے بھی جی گھبرا جاتا ہے ۔ اور اُمرا طرز عادت کا بھی خیال کریں۔

پنجم آمدن بارادت و رفتن باجازت کے غلط اصول کو بھی منسوخ کرنا چاہیئے اور دونوں باتیں آنے والے ہی کی مرضی پر منحصر کرنی چاہئیں تاکہ ہر شخص اپنے کوچ و مقام کا انتظام ٹھیک ٹھیک کر سکے۔

انسان کی زندگی

انسان کی زندگی کی ٹرین بھی ریل کی ٹرین سے مشابہ ہے

ایک نوّے برس کا صوفی مشرب بڈھا جسکو اپنے اس فانی زمانہ کی نسبت ہمیشہ کے آنیوالے زمانہ کا زیادہ دھیان رہتا تھا ایک رات ریل میں سوار ہوا اسکی ٹرین راستہ میں متعدد اسٹیشنوں پر ٹھہرتی اور مسافروں کو اتارتی اور سوار کرتی ہوئی پچھلی رات میں جب کہ چاندنی پھیلی پڑی جاتی تھی اُس اسٹیشن پر پہونچی جہاں وہ بڈھا مسافر اُترنے کو تھا جب ہی ٹرین اسٹیشن میں داخل ہوئی انجن کی نرم نرم رفتار اور ٹرین کی سریلی آواز سے ملی ہوئی یہ صدائیں اُس کے کان میں آئیں "ٹکٹ کھولو ٹکٹ کھولو" وہ بڈھا مسافر اُن آوازوں کو سُنکر چونک پڑا اور گذشتہ نوّے برس کا زمانہ ایک دفعہ اُس کی نظروں کے سامنے پھر گیا ۔ اُس نے خیال کیا کہ اسی طرح مرنے کے بعد ایک دن لوگوں سے اُن کے اعمال کا حساب طلب ہوگا پھر جتنا جتنا وہ پیر مرد خیال کرتا اور فکر میں

دوڑا آتا تھا اُسی قدر اُس کو یہ معلوم ہوتا تھا کہ انسانوں کی زندگی کا اور ریل کا بالکل ایک سا حال ہے دونوں ٹرینیں ایک سی کیفیت سے منزلیں طے کر رہی ہیں ÷

اُس نے خیال کیا کہ جس طرح ریل کے مسافر ایک حد یا میعاد معین تک کا ٹکٹ لیکر سوار ہوتے ہیں اور مقام مقصود پر پہنچکر اُتر جاتے ہیں اسی طرح انسان ایک محدود زندگی خدا کے ہاں سے لیکر اس دنیا میں آتے ہیں اور وقت معینہ پر دنیا سے سدھار جاتے ہیں ÷

جس طرح ٹرین راستہ میں مختلف اسٹیشنوں پر ٹھہرتی ہے اور بہت سے مسافر وہاں سے اُترتے ہیں بہت سے سوار ہوتے ہیں اسی طرح ہر نئے دن میں جو انسانوں پر گذرتا ہے اور جسکو انسانوں کی زندگانی کا اسٹیشن کہنا چاہیئے بہت سے آدمی مرتے ہیں اور بہت سے نئے پیدا ہوتے ہیں ÷

جس طرح مسافر کو رستہ میں بہت سے خطرے پیش آتے ہیں اور ہر وقت اس لیئے اُس کو ہوشیاری کرنی پڑتی ہے کہ چور اور راہزن اُس کے مال و متاع کو نہ لیجاویں اسی طرح اپنی زندگی میں ہر عاقل انسان کو اس لیئے ہوشیار رہنا پڑتا ہے کہ شیطان وقت بے وقت اُس کے ایمان کو برباد نہ کردے ÷

ریل جس وقت کسی اسٹیشن پر پہونچتی ہے اُس اسٹیشن کے اُترنے والے اپنی گٹھری بقچہ سنبھال کر ہوشیاری سے اپنے اپنے ٹکٹوں کو دیکھ لیتے ہیں - اسی طرح انسان اپنے آخر وقت میں اکثر تائب ہوکر اَوروں کی خطائیں بخشکر اور اپنی خطائیں بخشوا کر مرنے کے لیئے تیار ہو جاتے ہیں اور ٹکٹ دیکھ لینے کی جگہ اپنے اپنے مذہبی خیالات کو تازہ کرلیتے ہیں - مسلمان کلمۂ طیبہ لَآ اِلٰہَ اِلَّا اللّٰہُ مُحَمَّدٌ رَّسُوْلُ اللّٰہِ کا اقرار کرتے ہیں ÷

جس طرح ریل کے مسافر گاڑی کھلتے ہی ٹکٹ دیکر اسٹیشن سے باہر چلے جاتے ہیں اسی طرح وہ انسان جو بہت ہوشیاری سے آخر وقت تک اپنا ایمان سلامت لے جاتے ہیں جب ہی اپنی منزل پوری کر لیتے ہیں فرشتے اُن کا نامۂ اعمال اور احوال دیکھکر اُن کو زندگی کی تکالیف سے آزاد کر دیتے ہیں اور جنت کے دروازے اُن پر کھول دیتے ہیں ÷

اگر کسی مسافر نے غفلت سے اپنا ٹکٹ کھو دیا تو ریل سے اُترتے ہی پکڑا گیا ریل والوں نے اُسکو چور سمجھکر گرفتار کیا پہرہ متعین ہوا اُس کے ساتھ کے مسافر ٹکٹ دیتے جاتے ہیں اور جلدی جلدی اسٹیشن سے باہر چلے جاتے ہیں اور وہ گرفتار رہا سب کو حسرت سے دیکھتا ہے - بعض دولتمند بھی

آئے جنھوں نے اپنا ٹکٹ گما دیا تھا اُن کو بھی ریل والوں نے روکا سپاہیوں نے اُن کو بھی ذلیل کرنا چاہا لیکن اُنھوں نے کہا کہ ہمارے پاس اَور دام موجود ہیں تب سپاہیوں نے اُن سے زیادہ مزاحمت نہ کی اور اُن کو اسٹیشن ماسٹر کے پاس لے گئے آدمی نامی گرامی تھے اسٹیشن ماسٹر نے اُن کو دیکھتے ہی پہچان لیا اور اُن کی بڑی ہی عزت کی لیکن اس بات پر اُن کو بہت شرمایا کہ آپ سے ایسی غفلت بڑے تعجب کی بات ہے اس قدر نوکر چاکر اور ریل میں ایسے ورسنی بیگ اور پاکٹ بکیں آپ کے ہمراہ تھیں کیا ان میں آپ اپنے ٹکٹ کو محفوظ نہیں رکھ سکتے تھے اور ٹکٹ کچھ بوجھل بھی نہ تھا آپ اپنی جیب میں بھی اُسکو رکھ سکتے تھے غرض کہ اسٹیشن ماسٹر نے اُن کو بہت ہی شرمایا اور آخر میں فرمایا کہ ابھی آپ میں پوری تہذیب نہیں ہے جب آپ پورے مہذب ہو جاویں گے تو پھر کبھی ایسی غفلت نہ کریں گے۔ مسافروں نے آخر کار اور نقد دام اپنے پاس سے اسٹیشن ماسٹر کو ادا کیے اور تھوڑی ہی مزاحمت کے بعد وہ بھی رخصت ہوئے ؛

مگر وہ بیچارہ مسافر جس نے ٹکٹ بھی کھو دیا ہے اور اَور دام پاس نہیں سخت مصیبت کی حالت میں ہے حسرت سے اپنے ساتھیوں کو آسانی سے چلے جاتے ہوئے دیکھتا ہے اور اپنی خوار اور ذلیل حالت پر آٹھ آٹھ آنسوؤں سے رو رہا ہے بہت ہی کڑوے کڑوے خیالات اُسکے دل پر گذرتے ہیں مگر جب ہی اپنے کیے پر پشیمان ہے اور چپ بیٹھا ہوا ہے روپیہ پاس نہیں جو دولتمند غافلوں اور کاہلوں کی طرح وہ بھی رہائی پاتا۔ اُس نے اپنا جبہ ریل والوں کے سامنے پیش کیا کہ اسکو لے لو اور مجھے آزاد کرو لیکن اُس میں ستر بہتر سوراخ تھے کسی نے بھی اُس طرف التفات نہ کیا پھر اُس نے اپنی پھٹی پرانی میلی کچیلی دستار اپنے سر پر سے اُتار کر ریل والوں کے قدموں پر ڈالی کہ اسکو قبول کرو اور بہر لئے خدا مجھے چھوڑ دو مگر کسی نے یہ بھی نہ جانا کہ کون بکتا ہے اور کیا بکتا ہے آخر اُس نے اپنی جیب ٹٹولی اور اُس میں سے کچھ منصوری پیسے نکالے اور ریل والوں کے سامنے پیش کیے کہ اب اِس کے سوا میرے پاس اَور کچھ نہیں ہے ریل والوں نے وہ پیسے اُس سے لے لیے مگر وہ بھی ہائی کے لیے مکتفی نہ ہوئے اور آخر کار اسی علت میں وہ مجسٹریٹ کے ہاں سے قید ہوا اور کچھ میعاد تک جیلخانہ کے عذاب اور ذلتیں بھگتنے کے بعد اُس نے اُس رسوائی سے نجات پائی ؛

یہی حال بجنسہٖ اُن لوگوں کا ہوتا ہے جو اپنی زندگی میں اپنے ایمان کی کچھ حفاظت نہیں کرتے نہ اپنے جیتے جی کچھ ایسے کام کر جاتے ہیں جو آخرت میں اُن کی نجات کا ذریعہ ہوں۔ جب

وہ لوگ خالی ہاتھوں اس دنیا سے سدھارتے ہیں تو جاتے ہی پکڑے جاتے ہیں ہر طرف سے پھٹکار ہوتی ہے عذاب کے فرشتے متعین ہوتے ہیں وہ اپنے ان ساتھیوں کو دیکھتا ہے جو زندگی میں اپنے ایمان کی طرف سے ہوشیار تھے اُن کے نامہ اعمال طرفۃ العین میں معائنہ ہوتے ہیں اور وہ جنت میں داخل ہوتے چلے جاتے ہیں۔ پھر بعض ایسے لوگ آتے ہیں جنہوں نے دنیا میں بہت سے عمدہ کام کیئے تھے بہت سی نیکیاں اپنے ساتھ لائے تھے اپنی قوم کے لیئے ایسے ایسے مدرسے بنا گئے تھے جن کی بدولت دین و دنیا میں اُسکو عزت ہو عام خلائق کی بھلائی میں اُنھوں نے عمریں صرف کردی تھیں مگر ادائے فرائض میں اُن سے کچھ قصور ہو گیا تھا اپنی غفلت اور کاہلی سے نماز روزہ کو جیسی طرح ادا نہیں کیا تھا فرشتوں نے اُن کو بھی پکڑا جکڑا اور چاہا کہ ان کو بھی اور گنہگاروں کی طرح ذلیل کریں مگر آواز آئی کہ خبردار یہ میرے خلص بندے ہیں ان کو میرے پاس لاؤ تب فرشتے اُن کو خدا کے پاس لے گئے خدا کی عظمت و جلال دیکھکر ان انسانوں کا رنگ فق ہو گیا بدن کانپ گیا پاؤں ڈگمگا گئے اور زبان لڑکھڑانے لگی تمام اعضا رمیں رعشہ سا آگیا تب خدا نے اُن سے ایک پُر رعب آواز کے ساتھ ارشاد کیا کہ بیشک تم نے اپنی زندگی میں اسقدر ذخیرہ اپنی نجات کا اکٹھا کر لیا ہے کہ وہ آج تمہاری اِن تقصیرات کا جن میں فرشتوں نے تمکو پکڑا کافی معاوضہ ہو گا۔ آج مَیں اپنا وعدہ ان الحسنات یذھبن السیات بھی کروں گا اور تمکو تمہاری کوششوں کا پورا صلہ دونگا لیکن مجھکو تم سے بہت ہی بڑی شکایت ہے تم میرے خلص بندوں میں تھے اور ہمیشہ اس بات کی اُمید کرتے تھے کہ ایک دن خدا کے سامنے عزت سے حاضر ہونگے تم سے ادائے فرائض میں قصور اور کاہلی ہونا نہایت افسوس کی بات ہے تم میں سے ہر ایک کی کاہلی نے میرے اَور بندوں کو بھی کاہلی کی تعلیم دی اور اپنے اس کردار سے میرے بہت سے بندوں کو اپنی بکار آمد کوششوں میں شریک ہونے اور اپنی عمدہ نصیحتوں پر عمل کرنے سے باز رکھا۔ کیا تم نے یہ جان لیا تھا کہ مجھکو تمہاری یہ کاہلی کچھ خوش معلوم ہوتی ہوگی کیا تم نے دنیا میں کسی ایسے بادشاہ کا دربار نہ دیکھا تھا یا اُسکے حال سے واقف نہ ہوئے تھے جس نے اپنے درباریوں اور اپنے نوکروں و اپنی رعایا کے واسطے کوئی ضابطہ بادشاہ کی تعظیم بجالانے کا مقرر کر دیا ہو کیا تم یہ نہ جانتے تھے کہ اگر کوئی شخص یا کوئی اعلےٰ رتبہ کا امیر اُس بادشاہ کی تعظیم اُس طریقہ سے بجا نہ لاتا تو اُس بادشاہ کا قہر و غضب کسقدر مشتعل ہوتا کیا کوئی امیر اُس بادشاہ کا گو اُس کی ذات سے کیسی ہی عمدہ عمدہ خدمتیں ظہور میں آئی ہوئیں یہ جرأت کر سکتا تھا کہ بغیر حکم بادشاہ کے اپنی کاہلی سے اُسکی مقررہ تعظیم میں کچھ قصور کرے پھر کیا

تمہارے پاس میرا کوئی فرمان آگیا تھا یا کوئی فرشتہ تمہارے کان میں کہہ گیا تھا کہ تمہارا روزہ نماز تمہاری خوشی پر منحصر ہے یا تمکو اس قدر عقل نہ تھی جو یہ سمجھتے کہ احکم الحاکمین ہماری کاہلی سے ناخوش نہ ہوتا ہوگا اگر کوئی عام آدمی ایسی غفلت میں گذارتا تو مجھ کو اُس سے اسقدر شکایت نہ ہوتی اور ایک خفیف سا عذاب اُسکو دیکر چھوڑ دیتا لیکن تم میرے برگزیدہ بندوں میں سے تھے تمہاری ان کج ادائیوں سے مجھکو بہت رنج ہوا ہے ؞

پھر خدا نے اُن سے سوال کیا کہ یا تمکو اُمید تھی یا نہیں کہ خدا کے ہاں ہم عزت سے حاضر ہونگے تب انھوں نے بہت ہی دبی ہوئی اور روتی ہوئی آواز سے جواب دیا کہ ہاں اے باری تعالےٰ ہمکو تیرے رحم اور فضل و کرم سے ایسی ہی توقع تھی تیری عنایت سے ہمکو ایسا ہی بھروسہ تھا اور ہم تیری اسی عنایت کے بھروسہ پر اپنے ارادوں میں اسقدر ثابت قدم رہ سکے ۔ پھر خدا نے اُن سے پوچھا کہ کیا تمکو عام خلائق اور قومی بھلائی میں ساعی ہونے میں انبیاء کرام سے بھی کچھ زیادہ دعوےٰ تھا جواب دیا کہ حاشا ثم حاشا اُن کی خاک پا کے برابر بھی کبھی رتبہ نہیں ہوا پھر خدا نے اُن سے پوچھا کہ کیا انبیاء کے صحابیوں سے تمہارا درجہ ان کوششوں کے لحاظ کچھ بڑھا ہوا تھا جواب دیا کہ نہیں ہماری کیا مجال تھی کہ ہم تیرے اُن مقدس بندوں کی برابری کا دعویٰ کرتے خدا نے فرمایا کہ پھر تمہاری بصارت کی قوت کہاں کھوئی گئی تھی جب ہمارے نبی اور ہمارے انبیاء کے صحابہ باوجود عام خلائق اور اپنی امت کی اصلاح حال میں اسقدر کوشش بلیغ اور سعی موفورہ کرنے کے کبھی ایک لحظہ کیواسطے بھی ہمارے فرائض کے ادا میں کاہل نہ پائے گئے تیروں اور تلواروں کے طوفان میں بھی انھوں نے نماز روزہ کو نہ چھوڑا سخت سے سخت مصیبت میں بھی وہ ہمیشہ ان فرایض کے ادا میں ثابت قدم رہے تو تم نے کیا سمجھ لیا تھا جو ہمارے خاص ان فرایض کے بجالانے میں کوتاہی کی ۔ انبیاء اور صحابہ کا اس قسم کے ادائے فرائض میں ثابت قدم رہنا ہی ایک بڑا ثبوت اس بات کا تھا کہ خدا کے بندوں کو اُس کے بجالانے میں کاہلی مناسب نہیں ۔ علاوہ اس کے میں نے قرآن میں بھی صدہا مقام پر بالتخصیص نماز کی تاکید کی اُس کی خوبیاں بتلائیں اُس کے فائدوں کو جتلایا مگر باینہمہ تم نے میرے اُن احکام کی کچھ قدر نہ کی آج تم کس مونھ سے اپنے کاموں کا صلہ مجھ سے چاہتے ہو تب یہ گنہگار کچھ جواب نہ دے سکے اور بے اختیار رو دیے اور اپنے کیے پر بہت ہی پشیمان ہوئے اور بڑی عاجزی اور زاری سے عرض کیا کہ الٰہی ہمکو اپنے کاموں کا کچھ دعوےٰ نہیں ہے تو محض اپنے کرم اور فضل سے چاہے ہمکو بخش دے اور چاہے نہ بخش دے بے شک ہم گنہگار ہیں مگر تیری ذات غفور الرحیم ہے اور

تیری اس صفت پر جو تیری عین ذات ہے ہمیشہ ہمکو سچا یقین رہا ہے۔ آج اُسی سے ہمکو اپنی نجات کی توقع ہے۔ تب اُس غفور الرحیم نے بڑے جوش میں آ کر حکم دیا کہ میں نے تمکو بخشا اور یہ بھی فرمایا کہ تمہاری خدمتیں جو اسلام کے حق میں ہوئیں سب میں نے قبول کی ہیں یہ خدمتیں جن کی تمہاری بدنصیب قوم نے کچھ قدر نہ کی ایسی بڑی عظمت کی ہیں کہ اُن میں سے ہر ایک خدمت تمہاری ایسی سَو سَو کا بلیوں کا تلافی ہو سکتی ہے لیکن شکایت اس بات کی تھی کہ تم میرے خاص بندے تھے تمہارا رتبہ میرے یہاں بہت بڑھا ہوا تھا اس لیئے تمکو اپنا کام بہت احتیاط سے کرنا مناسب تھا۔ سچ ہے جن کے رتبے ہیں اُن کو سوا مشکل ہے۔

جو لوگ اپنے ساتھ بہت سی نیکیاں لائے تھے وہ باوجود اپنی غفلت اور قصور کے بھی سب طرح خوشی خوشی جنّت کو تشریف لے گئے اور پھر وہاں جو جو کچھ اُن کی خاطر و مدارات ہوئی وہ بیان میں نہیں آسکتی مالا عین رات ولا اذن سمعت ولا خطر علی قلب بشر۔

مگر وہ بیچارہ غریب مسافر جو بالکل خالی ہاتھوں آیا مشکیں بندھی ہوئی قیامت کے اُس ہولناک میدان میں دم بخود کھڑا ہے۔

اے تہی دست رفتہ در بازار ۔ ترسمت باز ناوری دستار

دنیا میں کوئی ایسا نیک کام نہیں کیا جس کی عوض میں اُس عذاب اور ذلت سے رہائی ہوتی مدرسۃ العلوم مُسلمانان میں خلوص نیت سے کبھی ایک ٹکا نہیں دیا جس کے بدلے نجات ملتی۔ آخر جب وہ بہت گھبرایا تو اپنے دنیا کے اُن کاموں کو اُس نے یاد کیا جن کو وہ نیک جانتا تھا اُس نے فرشتوں سے کہا کہ میں نے دار الحرب سے ہجرت کی اور مکہ معظمہ میں اقامت اختیار کی تھی کیا اس کا کچھ ثواب بھی آج مجھ کو ملیگا فرشتوں نے جواب دیا کہ وہ ہجرت خدا کے واسطے نہ تھی پری رُدیاں ماہ وش لونڈیوں کے اشتیاق میں ایک وحشیانہ حرکت تھی لوگوں کی نظروں میں اُس بیہودہ کام سے تم نے اپنی عزت پیدا کی لیکن خدا کو تو تمہاری نیت کا حال معلوم ہے۔

پھر اُس نے کہا کہ میں نے بیسیوں دفعہ بھنڈارہ کیا اور راہ خدا میں فقیروں کو کھلایا کچھ اُس کا حساب دیکھو۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ وہ تمہاری ایک بیجا فضول خرچی تھی اُن تمام بھنڈاروں میں کسی ایک مستحق کو بھی کھانا نہیں پہونچا البتہ ایک کُتّا کو تم نے پلاؤ کی بچی ہوئی ہڈیاں ڈالدی تھیں اُس کا کچھ تھوڑا سا ثواب ملا ہے جس سے تمہارے عذاب میں کچھ تخفیف ہو گئی ہے۔ اُس بھنڈارہ میں کے سب ایسے لوگ تمہارا مال کھا گئے جنھوں نے بھنگ و بوزہ کے سوا نماز و روزہ کی کچھ بھی

حقیقت نہیں جانی پھر فرشتے اُسکو ایک اونچے ٹیلہ پر لے گئے وہاں سے اُس نے کچھ لوگوں کو دیکھا
جو نہایت ہی سخت عذاب میں مبتلا ہیں شخص اُن کو دیکھکر ڈر گیا فرشتوں نے کہا کہ یہی وہ فقیر ہیں
جو تمہارے بھنڈارہ میں حاضر تھے راہ خدا میں اگر کچھ دینا تھا تو مدرسۃ العلوم مسلمانان کے طالبعلموں
کے واسطے کچھ انعام اور وظائف مقرر کیئے ہوتے اگر اسکو بُرا جانتے تھے تو دیوبند ہی کے مدرسہ کے
طلبا کی خدمت کی ہوتی تم نے تو کچھ بھی نہیں کیا جس کام میں سو آدمیوں نے تمہیں واہ واہ کہی
اُسی کو تم نے پسند کیا پھر ثواب کہاں سے ملتا ✤

پھر اُس بدنصیب نے فرشتوں سے کہا کہ میں نے فلاں فلاں مولوی صاحب اور خواجہ صاحب اور
مفتی صاحب اور ملاں صاحب وغیرہم کی خدمت کی تھی بہت سا روپیہ ہر سال یہ لوگ میری سرکار میں
سے لیجاتے تھے اور وہ سب مجھ سے کہا کرتے تھے کہ یہی دینا خدا کی راہ کا دینا ہے اُس حساب کو دیکھو
اُس میں ضرور تمکو مغالطہ ہوا ہے غالباً اس حساب میں بہت سا ثواب ملیگا۔ فرشتوں نے جواب دیا کہ
میاں دیوانہ ہوئے ہو ہمکو بھی تم نے اپنی سرکار کا کوئی محرر سمجھا ہے جو ہم سے غلطی ہو جانے کا گمان کرتے
ہو اس حساب میں بھی خاک تمہارا یافتنی نہیں ہے سب حساب ہمارا دیکھا ہوا ہے جس وقت تم روپیہ
دیتے جاتے تھے ہم اُسی وقت دیکھتے جاتے تھے۔ کیا خدا نے تم کو ان سب لوگوں کا نام تبلا دیا تھا
کہ ان کا دینا ثواب ہے یا جو کچھ یہ کہیں وہ سب سچ ہے۔ ان سب پیٹ کے پاپیوں نے تمکو دغا دی
اُنھوں نے دین کے پردہ میں دنیا کمائی تمہارے خوش کرنے کے واسطے بہت سے فتوے تمہاری
مرضی کے مطابق لکھدیئے جس فتوے کو وہ درحقیقت غلط جانتے تھے اُسپر بھی اُنھوں نے تمہاری
خاطر سے مہریں کردیں۔ مدرسۃ العلوم مسلمانان میں روپیہ دینے کو بُرا بتایا تا کہ اُن کی روزی میں خلل
نہ پڑے اور خود رقیں کی رقمیں ہضم کر گئے اور کبھی ڈکار تک نہیں لی خواہ ہزاروں روپیہ کے مالک تھے
مگر زکوٰۃ کا پیسہ ہمیشہ لیتے رہے میت کے وارثوں کو ہمیشہ اس بات کا یقین دلایا کہ میت کا اسباب
ہم سے لوگوں کو دینے سے میت کی روح کو ثواب پہنچے گا کیا ایسے فریبی اور دغابازوں کا دینا اللہ کی
راہ کا دینا ہے۔ اللہ کی راہ میں عالموں کی خدمت کرنی تھی تو مدرسۃ العلوم مسلمانان میں مسلمان
عالم مدرسوں کی تنخواہوں کے واسطے سرمایہ دیا ہوتا دیوبند اور علیگڈھ ہی کے عربی مدرسے میں
کسی مدرس کی تنخواہ کی کفالت کی ہوتی یہ کہکر فرشتے اُس بدنصیب کو پھر ایک اونچے ٹیلہ پر لیگئے
وہاں سے اُس نے دیکھا کہ کچھ لوگ ایک آتشی گڑھے میں پڑے ہوئے ہیں اور خدا کا عذاب اُنپر نازل
ہو رہا ہے۔ وہ روپیہ جو اُنھوں نے دغا اور فریب سے حاصل کیا تھا سانپ اور بچھوؤں کی صورتیں

اُن کے بدن سے لپٹا ہوا ہے اور ان موذی جانوروں نے کاٹ کاٹ کر تمام بدن کو چھلنی کر دیا ہے
مگر اُن کے ہاتھ کی اُنگلیوں پر سب سے زیادہ تکلیف ہے وہ زہریلے جانوروں کے ڈنگ کے اثر
سے پانی پانی ہو کر بہ جاتی ہیں اور پھر دوبارہ یہی مصیبت برداشت کرنے کے واسطے تازہ کھلی پا کر اپنی
حالت اصلی پر آجاتی ہیں۔ یہ شخص اُن کی مصیبت اور عذاب کو دیکھکر ڈر گیا اور خوف کے مارے کانپنے
لگا اور کچھ نہ پہچان سکا کہ یہ کون لوگ ہیں تب فرشتوں نے اُس کو بتلایا کہ یہی وہ مولوی صاحب اور خواجہ صاحب
اور مفتی صاحب اور ملاں صاحب ہیں جو دغا دیکر تجھ سے ہر سال قیمیں کی رقمیں لیجاتے تھے اور تجھ کو
دھوکا دیکر اس صرف کو خدا کی راہ کا صرف بتلا دیتے تھے ان کی صورتیں اب مسخ ہو گئی ہیں اس لیئے تو
ان کو پہچان نہیں سکتا پھر اُس نے پوچھا کہ اُن کی اُنگلیوں پر کیوں ایسا عذاب ہے فرشتوں نے
کہا کہ اُنھوں نے بالکل بدنیتی اور تعصب کی راہ سے مغالطہ یا اختلاف رائے کی وجہ سے اُن انگلیوں سے
مدرسۃ العلوم مسلمانان میں چندہ نہ دینے پر مہریں کی تھیں اور اس ذریعہ سے اُنھوں نے تمام مسلمانوں
کو ذلت او ادبار میں پڑے رہنے کی تدبیر کی تھی اور اُن کی دینی اور دنیاوی ترقیات میں ہارج ہوئے
تھے اس لیئے خدا نے اُن کی اُنگلیوں پر زیادہ سخت عذاب نازل کیا ہے پھر اُس بدنصیب نے
فرشتوں سے پوچھا اُنھیں لوگوں پر کیا منحصر ہے مدرسۃ العلوم کی نسبت تو اَور بھی بہت سے عام
آدمیوں کی رائے مخالف تھی فرشتوں نے جواب دیا کہ وہ بھی انہیں حضرات کے بہکانے سے تھے
علاوہ اس کے بھی اُن لوگوں کا معاملہ تیری آنکھوں کے سامنے گذر چکا ہے جنھوں نے نماز روزہ میں
کاہلی کی تھی اور تو نے دیکھا کہ خدا اُن پر کس قدر غصہ ہوا وہ کیا بات تھی وہ بھی یہی بات تھی کہ وہ لوگ
خدا کے خاص بندوں میں تھے اُن سے ایسی حرکت کا ہونا نہایت ناپسندیدہ تھا علیٰ ہذا القیاس
یہ لوگ جو عالم اور فقیہ اور ملاں اور مفتی اور مجتہد کہلاتے تھے اور اُنھوں نے علم حاصل کیا تھا دین کی
کتابیں پڑھی تھیں ہر طرح کی سمجھ رکھتے تھے اُن کا کام یہ تھا کہ لوگوں کو نیک کام پر رغبت دلاتے نہ
یہ کہ اُلٹا اُنھوں نے اَور اُن کو گمراہ کیا اسی لیئے خدا نے ان پر سخت عذاب نازل کیا ہے اور نہیں
معلوم کہ کب تک اُن پر یہ عذاب قایم رہتا ہے ✦

تب وہ بدنصیب گنہگار جو خالی ہاتھوں خدا کے ہاں آیا بہت پچتایا اپنے اَور تمام کاموں کو جن پر
اُس کو بہت بھروسہ تھا اس طرح اوڑتی ہوئی خاک کی طرح برباد ہوتا ہوا دیکھکر بہت رویا مگر پھر کچھ یاد کر کے
اور ہمت باندھکر سنبھل بیٹھا اور ایک بلند آواز کے ساتھ فرشتوں سے اُس نے کہا کہ میں نے اپنے
جیتے جی بہت سی مسجدیں راہ خدا میں تعمیر کرائی ہیں اُن کا حساب کہاں ہے جن زمینوں پر میں نے

مسجدیں بنوائیں وہ مجھ کو کچھ بہکانے نہیں آئی تھیں جو اینٹیں او رمصالح میں نے اُن مقدس اور پاک عمارتوں میں صرف کیا تھا اُس بے زبان نے کچھ اس کام کے واسطے میری خوشامد نہ کی تھی یہ کام میرا اسطرح اکارت ہوگا۔ فرشتوں نے وہ سب حساب اُسکو دکھلا دیا جن مسجدوں میں ہزارہا روپیہ صرف ہوا تھا اور جن پر اُس کمبخت کو بہت ناز تھا وہ بالکل راہ خدا کے حساب میں سے خارج کردی گئیں تھیں اُن میں سے کسی کی نسبت تو یہ لکھا ہوا تھا کہ گاؤں کے ٹھاکروں سے بیدخلی کاشت پر نزاع ہوا تھا اُن کو رنج دینے کے واسطے یہ مسجد اُن کے مندر کے پاس بنائی گئی ہے ہم سے اس مسجد سے کچھ واسطہ نہیں اور کسی کی نسبت حساب میں یہ یادداشت تحریر تھی کہ اسپر ایک بڑا کتبہ قایم کیا گیا تھا جس پر اس کے بنانیوالے نے اپنے آپ کو حاتم دوراں اور حامی دین و ایمان لکھوایا تھا اور اُس سے یہ غرض تھی کہ میرا نام نیک اس کے ذریعہ سے دنیا میں قایم رہے چنانچہ جب تک وہ مسجد زمین پر قایم رہی اُس کا وہ مقصد دنیا میں حاصل رہا ہمارے حساب سے اُس کو کچھ سروکار نہیں ہے البتہ چند چھوٹی چھوٹی مسجدوں اور بعض پرانی مسجدوں کی مرمتوں کو راہ خدا کے حساب میں شامل کیا گیا تھا اور اُن کا ثواب بھی جاری تھا فرشتوں نے اُس بدنصیب سے کہا کہ صبح اور شام ایک ایک جام ٹھنڈے پانی کا جو تجھ کو ملجاتا ہے وہ اسی ثواب کی وجہ سے ہے یہ سنکر وہ بدنصیب پھر رونے لگا اور اپنی زندگی کی حالت پر بہت افسوس کیا مگر تھوڑی ہی مزاحمت کے بعد اُس نے بھی اس مفلس مسافر کی طرح جس کو اپنا ٹکٹ گمانے کی بدولت کچھ روز دوزخ جیلخانہ میں رہنا پڑا عذاب سے نجات پائی ؛

پھر جس طرح ریل کی ٹرین میں گاڑیاں مختلف درجہ کی ہوتی ہیں کوئی شاہی گاڑی ہے اور کوئی امراء شاہی کی۔ کوئی اوّل درجہ کی کوئی دوم درجہ کی کوئی درمیانی درجہ ہے اور کوئی سب سے آخر کا درجہ اسی طرح انسانوں کی زندگی کی ٹرین کا حال ہے وہ بھی مختلف درجوں میں منقسم ہے شاہی گاڑیوں سے انبیاء صلواۃ اللہ علیہم اجمعین کی زندگی مراد ہے جنھوں نے اپنی تمام عمریں اپنی اُمت کی اصلاح میں صرف کیں اُن سے گالیاں سنیں پتھر کھائے مگر ہمیشہ اُن کو دعائے خیر سے یاد کیا اور بڑے استقلال مگر ملائمت اور نرمی کے ساتھ اپنا کام کرتے رہے ؛

اس کے بعد اُمراء شاہی کی گاڑیوں کے مقابلہ میں نبیوں کے صحابہ رضوان اللہ علیہم اجمعین کی زندگی ہے جو بالکل انبیاء کے قدم بقدم چلے اور جن کاموں کی بنیاد اُن کے نبی ڈال گئے اُس کو اُنھوں نے ویسے ہی استقلال اور تحمل کے ساتھ پورا کیا ؛

ریل کے اوّل درجہ کی گاڑیوں کی مناسبت میں اُن عالی رتبہ لوگوں کی زندگی ہے جنھوں نے

عام مخلوق اور اپنی قوم کی بھلائی میں اپنا وقت اپنا آرام اپنا مال صرف کیا اور کر رہے ہیں جن کی بھلائی
چاہتے ہیں وہی برائی پہونچانے پر مستعد ہیں جن کے ساتھ دوستی کرتے ہیں وہی دشمنی سے پیش آتے
ہیں جن پر اپنی جان قربان کرتے ہیں وہی گلے کا ہار ہوتے ہیں جن کی حمایت کرتے ہیں وہی مخالفت پر
کمر کستے ہیں جن کے اسلام کو مضبوط کرنا چاہتے ہیں وہی کفر کے فتوے سناتے ہیں - اور یہ خدا
کے شیر اپنی قوم سے برا بھلا سنتے ہیں اور خوش ہیں کفر کے فتوے سنتے ہیں اور پھولے نہیں سماتے
قوم کی پست ہمتیاں اور نالایقیاں دیکھتے ہیں مگر ہمت نہیں ہارتے - میرے نزدیک اسی درجہ کے
انسانوں کو وارث انبیاء کہنا صحیح ہے فلسفہ اور منطق اور ریاضیات اور ادب وغیرہ میں لاجواب ہونے
اور صاحب جبہ و دستار بن جانے سے انبیاء کا ورثہ نہیں مل سکتا - فرہنگ پیغمبر دگر آماس حجرہ دیگر ست ؛

ریل کے دوم درجہ کی گاڑیوں کے مقابلہ میں فی زماننا اُن لوگوں کی زندگی ہے جو اول درجہ کے
لوگوں کی مدد کر رہے ہیں اور اُن کے ارادوں کی تکمیل میں ساعی ہیں ایسے لوگوں کا وجود بھی بہت ہی
غنیمت ہے بڑی خوشی کی بات تو یہ ہے کہ اس درجہ کے لوگ ایسی ترقی کریں جو اس ٹرین میں بہت سی
اول درجہ کی گاڑیاں اُن کے واسطے زاید لگانی پڑیں ورنہ کم سے کم اسقدر کوشش اُن کو ضرور کرنا
چاہیئے کہ اگر وہ پہلے درجہ کے لوگ جن کی عمر خدا دراز کرے اور اُن کو اچھی مدت تک صحیح و تندرست
رکھے جس وقت اپنی منزل پوری کر کے اپنی گاڑی میں سے اُتریں اور ازل کے اسٹیشن ماسٹر کو اپنا ٹکٹ
حوالہ کریں تو یہ دوسرے درجہ کے لوگ اُن کے جانشین ہو جاویں اور اس ٹرین کی اُن معزز گاڑیوں
کو خالی نہ چھوڑیں ؛

درمیانی درجہ تھوڑے روزوں سے ریل کی ٹرین میں شامل ہوا ہے یہ اُن لوگوں کی زندگی کے
ٹھیک ٹھیک مناسب ہے جو کچھ تھوڑے روزوں سے زمانہ کے حالات پر غور کرنے لگے ہیں اور
اپنے آپ کو پست حالت سے نکالنے کی فکر میں ہیں لیکن بے استطاعتی یا کم ہمتی سے ابھی اوپر کی
معزز گاڑیوں میں جانے سے جھجکتے ہیں مگر اُمید ہے کہ وہ سب اعلےٰ درجہ میں رفتہ رفتہ ترقی کرینگے ؛

سب سے اخیر درجہ ریل کا جو اب تیسرا درجہ کہلاتا ہے اُن عام انسانوں کی زندگی ہے جن کی اصلاح
اور ترقی میں معزز گاڑیوں والے کوشش کر رہے ہیں اور تھوڑے بہت فاصلہ سے اُن کے ساتھ ساتھ
اس ٹرین میں اپنی زندگانی طے کر رہے ہیں اُن کی دلی خواہش یہ ہے کہ اس ذلیل درجہ میں سے سب لوگوں
کو نکال کر معزز درجہ کی مختلف گاڑیوں میں سوار کر دیں لیکن مجبوری یہ ہے کہ خود اسقدر مقدور نہیں رکھتے
جو سب کے لیئے اعلےٰ درجہ کا ٹکٹ لے دیویں اور اس ذلیل درجہ کے بیٹھنے والے صرف ہمت نہیں کرتے ؛

غرض کہ جہاں تک غور کیجئے ریل کی ٹرین اور انسانوں کی زندگی بہت سے حالات کے لحاظ سے یکساں طریقہ سے چل رہی ہے یہاں تک کہ ہم درحقیقت کسی ملک کی ریل کی ٹرین کو دیکھکر یہ دریافت کرسکتے ہیں کہ اس ملک کے انسانوں کی زندگی کس طرح پر بسر ہوتی ہے ہمارے ملک کی ٹرین میں سب سے پست درجہ میں مسافروں کی بہت کثرت ہوتی ہے جس کا نتیجہ ملک کی حالت کے ٹھیک ٹھیک مناسب ہے یعنی سب تباہی اور ذلت میں مبتلا ہیں معزز درجہ کی گاڑیوں میں بیگانہ ملکوں کے کالی کرتی والوں کے سوا اس ملک کے سفید پوش بہت ہی کم نظر آتے ہیں چنانچہ ظاہر ہے کہ ہمارے اس تمام علی غول میں بہت کم ایسے ہیں جو درحقیقت اصلی عزت کے مستحق ہیں +

اب میں اپنے مسلمان بھائیوں سے بہ منت عرض کرتا ہوں کہ وہ اس خراب اور ذلیل حالت سے بالاتر درجوں میں ترقی کرنے کی فکر کریں اور جو لوگ اس عمدہ کام میں اُن کی دستگیری کر رہے ہیں اُن کی نصیحتوں کو تمام تر شکرگذاری کے ساتھ سُنیں اور اُن پر عمل کریں والسلام +

تہذیب و شایستگی

اصل شایستگی خیال کی شایستگی ہے

ہمارے اس زمانہ میں شایستگی اور تہذیب پر بہت بحث ہو رہی ہے اور مسلمانوں میں اُس کی نسبت ایک گرم مباحثہ قایم ہے اور لوگوں کی مختلف رائیں ہو رہی ہیں کوئی طرز لباس کو شایستگی پر بہت کچھ مؤثر سمجھتا ہے اور کوئی کھانا کھانے کے طریقوں کی تبدیلی کرنا چاہتا ہے کسی کو ایک بات مہذب اور شایستہ معلوم ہوتی ہے دوسرا اُسی کو نامہذب اور ناشایستہ ٹھہراتا ہے۔ کوئی اپنی گھیتلی جوتی اور جبہ و دستار میں خوش ہے کہ شایستگی را ہمچنیں شاید۔ کوئی انگریزی بوٹ چڑھائے اپنے کوٹ و پتلون پر غش ہے کہ تہذیب ہیں یک معنی دارد۔ مگر میری نسبت میں یہ سب قصے اور بکھیڑے ہیں اور اصل شایستگی خیال کی شایستگی ہے +

تہذیب و شایستگی کا عمدہ اور اعلےٰ منشا یہ ہے کہ انسان اس طرح پر اپنی زندگی بسر کرے جس سے اپنی ذات بھی ہمیشہ آرام اور خوشی و تندرستی کے ساتھ رہے اور دوسروں کو بھی اُس سے فائدہ پہونچے اور ایسے وسیلے بہم پہنچائے جاویں جن سے ہر قسم کی مشکلات پر غالب آنا سہل اور ہر قسم کی خوشی اور راحت حاصل ہونا آسان ہو جاوے۔ پس جس انسان کے دماغ میں ایسی قوت ہو کہ وہ ان

تمام باتوں پر قادر ہو سکے اُسی کو ہم شایستہ کہہ سکتے ہیں اور اسی کا نام خیال کی شایستگی ہے باقی وہ امور جو طرز معاشرت اور طریق تمدن سے علاقہ رکھتے ہیں وہ انسان کی بسر زندگانی کے ایسے خارجی اسباب ہیں جن پر ایک شایستہ اور مہذب آدمی ملک کے مختلف موسموں اور آب و ہوا وغیرہ کے لحاظ سے اسبات پر غور کرسکتا ہے کہ ان امور میں سے کس امر سے مجھکو آرام ملیگا اور کس سے میں بخوبی تندرست رہ سکتا ہوں اور کونسی چیز میری خوشی کو بڑھا سکتی ہے اور میرا کونسا کام دوسروں کے لیئے مفید ہو سکتا ہے - اور یہ جو رائے قایم ہو اُسپر عاقل انسان کو عمل کرنے کا حق ہے لیکن خیال کی شایستگی اور درستی سے پہلے اُن امور میں سے کسی کو تقلیداً اختیار کرنا اور کسی کو ترک کرنا انسان کو شایستہ نہیں بنا سکتا *

جس آدمی کا خیال شایستہ ہے اُس کے تمام کام خود بخود ایسی عمدہ ترتیب سے انجام پاتے ہیں جس سے وہ تمام خوشیاں اور آرام جو تہذیب و شایستگی کا نتیجہ ہیں بالضرور حاصل ہوں نا مہذب آدمی کے تمام کام ہمیشہ بے ترتیب ہوتے ہیں جن سے زندگی اور تلخ ہو - مہذب آدمی کی مثال بالکل انسان کی تندرستی کی سی ہے - جب تک انسان تندرست ہوتا ہے اُسکے تمام اعضا اپنے اپنے موقع سے وہ تمام کام خود بخود کرتے رہتے ہیں جو انسان کی راحت اور خوشی بڑھانے کا ذریعہ ہوں اور رنجوں اور تکلیفوں کو دور کریں - جن آدمیوں کا خیال شایستہ نہیں ہوا ہے اور وہ کسی شایستہ اور مہذب قوم کی چند رسموں اور دستوروں کی تقلید ہی کو شایستگی سمجھتے ہیں اُن کی مثال بالکل ایک ایسے مریض کی سی ہے جو تندرستوں کی سی حرکتیں کرنا چاہتا ہو - مگر کسی طرح اُس مریض کی یہ حرکتیں ایک تندرست آدمی کے کاموں کے برابر نہیں ہو سکتیں - اسیطرح جن لوگوں کے ابھی خیال شایستہ نہیں ہوئے اُن کے بعض تقلیدی طریقے اُن کو مہذب اور شایستہ نہیں کر سکتے *

پس مسلمانوں کو لازم ہے کہ سب سے پہلے اپنے خیالات کو عمدہ کریں اور اگر اُن کے خیال عمدہ ہو گئے تو سب قسم کی ترقیاں خود بخود اُن میں ہو جاوینگی ورنہ تقلیدی شایستگی سے کچھ کام نہیں چل سکتا کبھی ایسی ٹہنی سے پھولوں کے کھلنے کی توقع نہیں ہو سکتی جس کا سلسلہ ایک مستحکم جڑ تک نہیں پہونچتا گو دیکھنے والوں کی نظروں میں وہ کیسی ہی سرسبز اور شاداب معلوم ہوتی ہو *

اور خیالات اُس وقت تک عمدہ نہیں ہو سکتے جب تک دوسروں کے خیال سے معاوضہ نہ کیا جاوے جس طرح مال اور دولت پھیر پدل سے بڑھتا ہے اسیطرح خیال کی بھی ترقی ہوتی ہے جب آدمی تعصب کو چھوڑ کر دوسروں کی رائے اور دوسروں کے خیال پر غور کرتا ہے اور اپنے خیالات سے دوسروں کو

مطلع کرتا ہے اور پھر دونوں رایوں در دونوں خیالوں کا باہم مقابلہ ہوتا ہے اور ایک خیال صحیح اور دوسرا خیال غلط یا ایک کامل اور دوسرا لایق اصلاح معلوم ہونے لگتا ہے تب رفتہ رفتہ انسان کا خیال ترقی کرنے لگتا ہے اور جب یہ ترقی کامل ہو جاتی ہے تو انسان مہذب اور شایستہ کہلانے کا مستحق ہوتا ہے ؏

انسان کے خیال کی ترقی بالکل اس طرح سے ہوتی ہے جس طرح کوئی شخص درجہ بدرجہ سیڑھیوں پر چڑھتا ہے اور کسی بلند زینہ کو طے کرتا ہے فرق صرف یہ ہے کہ زینہ کو طے کرتے وقت انسان خود بھی دیکھتا جاتا ہے کہ کسقدر دوری میں طے کر چکا ہوں اور کسقدر دوری ابھی باقی ہے خیال کی ترقی میں انسان کو خود اچھی طرح معلوم نہیں ہوتا کہ میں نے کسقدر ترقی کی لیکن اور دیکھنے والوں کو معلوم ہو جاتا ہے ؏

انسان ایک وقت میں ایک عمدہ اور نہایت عمدہ کام کو اسقدر بُرا جانتا ہے اور اپنے نزدیک اُسکی بُرائی کا ایسا قطعی فیصلہ کر لیتا ہے کہ اُس رائے کے برخلاف تذکرہ کرنا بھی فضول سمجھتا ہے خیال کی یہ حالت اُس وقت ہوتی ہے جب تک وہ ترقی کے زینہ پر قدم نہیں رکھتا ؏

مگر جب ایسی گفتگوئیں اُس کے سامنے برابر جاری رہتی ہیں تو یہ شخص اُن کو سُن سُن کر پیچ و تاب کھاتا ہے اور اپنی مخالف رایوں کو رد کرنے لگتا ہے بہت سے دلایل اپنے خیال کی تائید میں پیدا کرتا ہے اور بڑی جد و جہد سے اپنی مخالف رایوں کے جواب دینے کی فکر میں پڑ جاتا ہے۔ یہ حالت خیال کی ترقی کی پہلی سیڑھی ہے ؏

جب کوئی آدمی اس سیڑھی پر چڑھ گیا تو اب وہ ایک ایسے مباحثہ میں پڑا جہاں بالضرورت موافق اور مخالف رائیں اُسکو دیکھنی پڑتی ہیں۔ کچھ عرصہ تک وہ پہلی ہی سیڑھی پر قدم مضبوط گاڑے ہوئے کھڑا رہتا ہے مگر آخر کار اُس کا خیال اس بات پر غور کرنے لگتا ہے کہ ان دونوں رایوں میں سے کون سی صحیح ہے اور کون سی غلط۔ یہ حالت خیال کی ترقی کی دوسری سیڑھی ہے ؏

سچائی کا یہ ذاتی وصف ہے کہ اگر انسان اُس پر بغیر کسی تعصب کے غور کرتا رہے تو بے شک اُسکو سچائی کا اقرار کرنا پڑتا ہے اور میں یہ کہتا ہوں کہ اگر سخت سے سخت تعصب کے ساتھ بھی کسی بات پر برابر غور اور مباحثہ جاری رہے تو بھی ایک نہ ایک دن سچائی غالب ہو رہیگی مگر بہت دیر کے بعد۔ پس جن رایوں پر انسان دوسری سیڑھی پر ٹھہرا ہوا غور کرتا ہے اگر اُن میں سے وہ رائے جسکو وہ پہلے بُرا جانتا تھا درحقیقت سچ ہوتی ہے تو بلاشبہ انسان اُسکو اپنی استعداد کے موافق خواہ جلد خواہ دیر

قبول کرلیتا ہے اور یہاں وہ انما یستجیب الّذین یسمعون کا مصداق بنتا ہے یعنی بات کو قبول وُہی کرتے ہیں جو سُنتے ہیں۔ یہ حالت خیال کی ترقی کی تیسری سیڑھی ہے ؛

اس سیڑھی پر پہونچکر آدمی اُس رائے کو جس کے خلاف ایک دن گفتگو تک کرنا فضول خیال کرتا تھا اب غلط سمجھنے لگتا ہے اور کچھ مدت تک وہ اسی تیسری سیڑھی پر کھڑا رہتا ہے وہ اوروں کو چوتھی سیڑھی پر چڑھتے ہوئے دیکھتا ہے مگر خود ارادہ نہیں کرتا وہ اپنے ساتھیوں کو ایک کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے جس کو وہ صحیح تسلیم کرچکا ہے مگر اُس پر عمل کرنے کو وہ اچھا نہیں جانتا۔ وہ اہل کتاب کے ساتھ مواکلت کو اب بُرا نہیں جانتا اُس کو مستحق عذاب الٰہی نہیں سمجھتا اور آخرکار اُسکی منفعتوں کا بھی اقرار کرنے لگتا ہے مگر نہ آپ اُس کے کرنے کی جرأت رکھتا ہے نہ دوسروں کے اس عمل کو پسند کرتا ہے مگر کچھ دنوں کے بعد وہ چوتھی سیڑھی پر چڑھتا ہے۔ یہاں بھی وہ اس کام کو اختیار نہیں کرتا جس کو خود اچھا جان چکا ہے مگر اتنا فرق ہوجاتا ہے کہ یہاں پہونچکر وہ دوسروں کو بھی اُس کام کی وجہ سے برا نہیں سمجھتا اُن کو ملامت کرنا چھوڑ دیتا ہے جو حقارت اور نفرت اُسکے دل میں اُس کام کے اختیار کرنے کے سبب اوروں کی طرف سے ہوتی ہے وہ اب باقی نہیں رہتی۔ ہمارے بعض دوستوں کا قول ہے کہ جن لوگوں کے خیال کی ترقی اس چوتھے درجہ تک ہوجاتی ہے وہ تہذیب و شایستگی کی یونی ورسٹی یا دارالعلوم میں داخلہ کا امتحان پاس کرلیتے ہیں ؛

اس کے بعد جب آدمی دوسروں کو وہ کام کرتے ہوئے دیکھتا ہے جس کا مفید ہونا اُسکو تسلیم ہے اور اُن کا وہ فعل اُس کو ناگوار بھی نہیں معلوم ہوتا تو تھوڑی دیر دم لیکر اب وہ پانچویں سیڑھی پر آتا ہے یہاں وہ اس تردد میں پڑتا ہے کہ میں بھی اس کام کو کروں یا نہ کروں۔ دوسروں کو مفید مفید کام کرتے ہوئے دیکھکر جی بہت للچاتا ہے مگر جرأت نہیں پڑتی۔ عقل بالکل آگے چلنے کی ترغیب دلاتی ہے مگر مصلحت[1] دامن نہیں چھوڑتی۔ اس پانچویں سیڑھی پر بڑی بے چینی سے گذرتی ہے صبح کو ارادہ ہوتا ہے کہ آج تو مسلمان ہو ہی جائیے مگر شام پھر ویسی ہی تاریک آتی ہے جیسی اندھیری پہلی شام تھی شام کو یہ قصہ ہوتا ہے کہ کل ہرچہ بادا باد مگر صبح کو آفتاب کا فہناک چہرہ پھر ویسی ہی ہیبت طاری کردیتا ہے جیسی کل تھی ؛

---

[1] یہ ایک ہنسی ہے اُن لوگوں کی جو کسی کام کی خوبی کو عقلاً تسلیم کرتے ہیں مگر مصلحت کا عذر کرتے ہیں حالانکہ عقل اور مصلحت بالکل ایک ہے ؛

لیکن آخر کار ہمت مرداں مدد خدا ایک نہایت مشکل مقام بھی طے ہو جاتا ہے اور خدا کا نام لیکر آدمی اُن کاموں کو خود کر لیتا ہے جن کو وہ ایک نادانی اور ناسمجھی سے بُرا سمجھتا تھا اور اب بہت سے مباحثوں گفتگوؤں و غور و تامل کے بعد اُن کی نہ صرف برائی سے بچنے کا خیال کرتا ہے بلکہ اُن کے مفید اور نہایت مفید ہونے پر کامل یقین کر لیتا ہے یہ حالت انسان کے خیال کی ترقی کی چھٹی سیڑھی ہے ٭

اس سیڑھی پر قدم رکھتے ہی آدمی کو معلوم ہوتا ہے کہ اب وہ زینہ ختم ہو گیا اور اب وہ ایک ایسے بلند اور خوش فضا سطح پر پہنچ جاتا ہے جس کی خوبیاں بیان سے باہر ہیں اور ہر ایک سیڑھی پر جتنی جتنی دیر ٹھہرنے کا اتفاق ہوا تھا اُس پر افسوس کرتا ہے۔ اب وہ دیکھتا ہے کہ اُس نہایت ہی دلکش میدان میں جا بجا صاف و شفاف چشمے اور نہریں جاری ہیں سبزہ نے تمام میدان پر فرش زمردیں بچھا دیا ہے مختلف قسم کے پھول اور پودے اور درخت جدا لطف دکھلا رہے ہیں۔ مرغان خوش الحان اپنی اپنی بولیوں میں اپنے پروردگار کی یاد میں مصروف ہیں وہاں اگر کوئی ناہموار مقام بھی ہے تو نہایت ہی دلچسپ دکھلائی دیتا ہے اور وسط میں ایک چشمہ کے کنارہ پر نہایت خوبصورت ایک مینار ہے اور اُس پر موٹے موٹے طلائی حرفوں میں عربی خط سے یہ عبارت لکھی ہوئی ہے ٭

دنیا میں خدا کی یہ رحمت خاص اُن مسلمانوں کے واسطے ہے جو چھیوں سیڑھیاں طے کر کے یہاں تک پہنچ جاویں ٭

میں نے ایک مقابل کے اونچے ٹیلے پر چڑھ کر اس تمام کیفیت کو دیکھا میں نے دیکھا کہ اُس گلستان ہمیشہ بہار میں جا بجا نہایت ہی قرینہ کے ساتھ بہت ہی پر تکلف بہت سے تخت اور آرام چوکیاں بچھی ہوئی ہیں۔ بہت سے لوگ مجھ کو اُن تختوں اور آرام چوکیوں پر بیٹھے ہوئے معلوم ہوئے لیکن میں اُن لوگوں کی صورت پہچان سکا نہ اُن کی بولی کچھ میری سمجھ میں آئی پر عقل سے ایسا معلوم ہوتا تھا کہ یہ لوگ مصر اور قسطنطنیہ اور ٹونس وغیرہ کی طرف کے مسلمان ہیں جو ان چھیوں سیڑھیوں کو طے کر چکے ہیں اور اب خدا کی رحمت کے مزے لوٹ رہے ہیں ٭

میں اُن بہت سے شخصوں میں سے صرف دو شخصوں کو پہچان سکا جن کے تخت میدان کے کنارہ پر اُس مقام پر بچھے ہوئے تھے جہاں وہ زینہ ختم ہوتا ہے ایک تخت پر میں نے سید احمد خاں کو دیکھا کہ تہذیب الاخلاق کی بہت سی نفیس نفیس اور سنہری جلدیں اُن کے سامنے رکھی ہوئی ہیں اُن میں سے وہ کسی کسی جلد کو اُٹھا کر کوئی کوئی مضمون ہندوستان کے مسلمانوں کو سنا رہے ہیں اور جس عمدہ مقام پر وہ خود موجود ہیں اور جس کی خوبیاں اپنی آنکھوں سے دیکھ رہے ہیں اُس کو بڑی

دلسوزی اور محبت کے ساتھ اُن لوگوں کو سمجھاتے ہیں جو اُس زینہ کے نیچے گروہ در گروہ نہایت بے ترتیبی اور بے سروسامانی کی حالت میں اپنی زندگی بسر کر رہے ہیں اور زبان حال سے یہ کہتے جاتے ہیں ۔ یالیت قومی یعلمون ؂

میں نے اُس ٹیلہ پر سے دیکھا کہ کوئی مسلمان جس کے کان میں سید احمد خاں کی آواز پہونچی ایسا باقی نہ رہا تھا جس نے اپنی جگہ سے حرکت نہ کی ہو میں نے دیکھا کہ تمام مسلمان پہلی آواز پر اُٹھ کھڑے ہوئے اور اُس خیال کی ترقی کے زینہ کی طرف کو دوڑے اور جیسی جس کی استعداد اور قوت تھی ویسی ہی اُس نے ترقی کی بعض ضعیف الجثہ اور کم ہمت یا نابینا اور لولے لنگڑے ابھی پہلی سیڑھی تک بھی نہیں پہونچے ہیں باقیوں میں کوئی پہلی سیڑھی پر ہے کوئی دوسری سیڑھی کسی نے تیسری سیڑھی تک ترقی کر لی ہے اور کوئی چوتھی سیڑھی پر پہونچ گیا ہے و بعض جو بہت ہی عقلمند اور ذکی اور چست چالاک تھے وہ پانچویں سیڑھی تک بھی پہونچ گئے ہیں جو لوگ پانچویں سیڑھی پر پہنچ گئے ہیں اُن کو سید احمد خاں ہاتھ بڑھا کر اپنی برابر اوپر لے لیتے ہیں چنانچہ میرے دیکھتے دیکھتے اُنھوں نے پانچویں سیڑھی پر سے ایک شخص کا ہاتھ پکڑ کر اوپر کو کھینچ لیا وہ بھی اُس پرفضا میدان کی راحتوں اور خوشیوں کا لطف حاصل کرنے لگا اور سید احمد خاں کی برابر اپنی آرام چوکی سے ہاتھ لگا کر کھڑا ہو گیا میں نے جب غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ آہا یہ مولوی سید مہدی علی صاحب ہیں جو اپنی چستی اور رسائی عقل سے بہت جلد چھوں سیڑھیاں طے کر گئے اُن کو میں اس عمدہ مقام میں پہونچا ہوا دیکھکر بہت ہی خوش ہوا مولوی سید مہدی علی صاحب نے بھی ایک جلد سید احمد خاں کے سامنے سے اُٹھا لی اور اُنھوں نے بھی اُس کے مضامین باواز بلند اُن لوگوں کو سنانے شروع کیے جو یا زینہ طے کر رہے تھے یا زینہ کے نیچے اُس پر چڑھنے کی فکر میں کھڑے ہوئے تھے ؂

میں نے ایک اور مولوی صاحب کو بھی دیکھا جو چوتھی سیڑھی سے پانچویں سیڑھی پر چڑھنے کی تیاری کر رہے تھے اور عنقریب پانچویں سیڑھی پر پہونچنا چاہتے تھے مگر اُنھوں نے مجھے دور سے اشارہ سے منع کیا کہ میرا نام بھی کسی سے نہ لینا اُنھوں نے بھی سید احمد خاں کی ہاں میں ہاں ملانا شروع کر دی اور جو بات وہ سید احمد خاں سے قریب ہونے کی وجہ سے اچھی طرح سنتے اور سمجھتے تھے اُس کو نیچی سیڑھیوں والوں کو سمجھانے لگے ؂

پہلی اور دوسری سیڑھیوں والوں کی کیفیت دیکھکر مجھ کو بے اختیار ہنسی آئی میں نے دیکھا کہ وہ سید احمد خاں کی آواز سنتے ہی دوڑے اور کوئی پہلی اور کوئی دوسری سیڑھی اُس زینہ کی طے

کر گیا گویا سید احمد خاں کے منشا کی پوری تعمیل میں مصروف ہیں لیکن باایں ہمہ وہ سید احمد خاں سے مخاطب ہو کر زبان درازیاں کرتے جاتے ہیں اُن میں سے کوئی کہتا ہے کہ سید احمد خاں کی ایک مت سنو کوئی کہتا ہے کہ بالکل اُس کے برخلاف کام کر دیہ کہتے جاتے ہیں اور اوپر کو چڑھتے جاتے ہیں۔ سید احمد خاں بھی اُن کی اس حالت کو دیکھکر مسکرا پڑے اور کہنے لگے کہ کیسے پاگل آدمی ہیں جس کام کو کرتے جاتے ہیں اُسی کو بُرا کہتے ہیں جس راستہ کو منع کرتے ہیں اُسی طرف کو چلتے جاتے ہیں مگر تا بکے تین سیڑھیاں ان کو بھی طے کرنا باقی ہیں سمجھدار ہوتے جلد طے کر لیتے نادان ہیں بدیر طے کرینگے "

یہ مزے مزے کی باتیں دیکھکر میں اُس ٹیلہ پر سے اُتر آیا اور اُس وقت سمجھا کہ سید احمد خاں کے تہذیب الاخلاق نے ہندوستان کے مسلمانوں میں کیا اثر پیدا کیا ہے اور آئندہ کیا اثر پیدا کرے گا +

مدرسۃ العلوم مسلمانان

اور

جناب حاجی مولوی سید علی بخش خاں صاحب بہادر

اور

جناب مولوی سیّد احمد خاں صاحب بہادر

چند روز ہوئے جو جناب حاجی مولوی علی بخش خاں صاحب بہادر نے اخباروں میں یہ مشتہر فرمایا ہے کہ مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر نے اُن کے ساتھ وعدہ خلافی کی اور جن شرطوں پر جناب ممدوح نے مدرسۃ العلوم میں آٹھ سو روپیہ چندہ دینے کا وعدہ فرمایا تھا کمیٹی خزنۃ البضاعۃ نے اپنے اجلاس ۵ ۔ اگست ۱۸۷۲ء میں اُن کے برخلاف کارروائی کی اور اس لیئے جناب ممدوح اب نہ مدرسۃ العلوم میں شریک ہوں گے اور نہ چندہ مشروطہ دینگے +

میں نے جناب ممدوح کی تحریر کو اوّل سے آخر تک دیکھا۔ میری دلی تمنا تھی کہ میں

اس تحریر کے چھپنے سے پہلے بیچ کے طور پر جناب ممدوح کی خدمت میں کچھ عرض کرتا اور اگرچہ جناب ممدوح نے مجھ کو اسبات کا موقع بھی دیا لیکن افسوس ہے کہ مجھ کو اپنے عہدہ کے کاموں سے اُس عرصہ میں مطلق فرصت نہ ملی اور یہ تحریر جناب ممدوح نے مشتہر فرما دی۔ میں نے پہلے یہ سنا تھا کہ جناب موصوف کو بعض امور کی نسبت کچھ شکایت ہے لیکن میں یہ نہ سمجھا تھا کہ اتنی لمبی شکایت ہوگی یا وہ سید احمد خاں صاحب اور کمیٹی خزنتہ البضاعتہ پر اسقدر سخت الزام عاید کرینگے جیسا اُن کی اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے بہرحال اب مَیں نے اُن کی تحریر کو اوّل سے آخر تک دیکھا اُن کی تمام تر تحریر کا خلاصہ یہ ہے کہ سید احمد خاں صاحب نے اُن سے دو شرطیں کی تھیں اور انھیں شرطوں پر جناب موصوف نے ۔ ؏ سو روپیہ چندہ لکھا تھا پہلی شرط یہ تھی کہ سید احمد خاں صاحب اور اُن کی کمیٹی خزنتہ البضاعتہ کا کوئی ممبر تعلیم مذہبی میں مداخلت نہ کرے بلکہ مذہبی تعلیم کی کمیٹی جُدا قایم ہو اور اُس میں اُور ایسے لوگ شریک کیئے جاویں جن پر عام مسلمانوں کو اطمینان اور اعتماد ہو اور سید احمد خاں اور ممبران موجودہ کمیٹی خزنتہ البضاعتہ کبھی اس مذہبی کمیٹی میں شریک نہ ہوسکیں۔ دوسری شرط یہ تھی کہ اس مذہبی کمیٹی کے ممبروں کی تعداد اور اُن کا انتخاب اور اُس کمیٹی کی کُل سربراہی یہ سب کچھ جناب حاجی صاحب موصوف کے ید قدرت میں رہے جسکو وہ اپنے نزدیک مسلمان اور لایق اعتماد سمجھیں اُسکو شریک کریں جن پر اُن کو اطمینان نہ ہو اُن کو شریک نہ کریں ؛

پھر جناب ممدوح رقم فرماتے ہیں کہ کمیٹی خزنتہ البضاعتہ نے بالکل ان شرطوں کے برخلاف کارروائی کی نہ تو مذہبی کمیٹی کے ممبروں کا مقرر کرنا اور اُن کا منتخب کرنا جناب مولانا صاحب کے اختیار میں چھوڑا گیا اور جو مذہبی کمیٹی قایم ہوئی تجویز ہوئی اُس میں سید احمد خاں صاحب اور اُن کی کمیٹی کی مداخلت قایم رہی اور اکثر وہی لوگ اُس کے ممبر ہونے قرار پائے جو پہلے سے کمیٹی خزنتہ البضاعتہ کے ممبر ہیں۔ واذافات الشرط فات المشروط۔ جب جناب مولانا کی شرطوں کو کمیٹی نے پورا نہ کیا تو جناب موصوف کو بھی چندہ ادا کرنے سے انکار ہوا جس کا ادا ہونا انھیں شرطوں کے پورا ہونے پر منحصر تھا ؛

مگر میرے نزدیک جناب مولانا ممدوح کی یہ کُل شکایت اور اُن کا یہ کُل خیال غلط ہے اور اُنکا یہ عذر چندہ نہ دینے کے لیئے کسی طرح کافی نہیں ہے اور نہ کبھی سید صاحب سے اور مولانا صاحب سے کبھی ایسی شرطیں جن پر جناب مولانا صاحب کی شرکت مدرستہ العلوم میں منحصر ہوں قرار پائیں

اور نہ ان شرطوں پر جناب ممدوح نے کبھی اپنے چندہ کا دینا منحصر کیا اس لیئے میں مناسب سمجھتا ہوں کہ اس معاملہ میں کچھ لکھوں اور اُمید ہے کہ جناب ممدوح میری اس جرأت کو معاف فرمادیں گے۔ اور جو کچھ میں عرض کر رہا ہوں اُس کو ویسی ہی انصاف کی نظر سے دیکھینگے جسکی مجھ کو اُن سے اُمید ہے۔ مگر افسوس یہ ہے کہ میں اس وقت ایک گانوں میں مقیم ہوں اور کوئی کاغذ مدرسۃ العلوم کے متعلق یہاں میرے پاس نہیں ہے اور اس لیئے میں اُس تمام خط و کتابت میں سے جن کا حوالہ اس مضمون میں دینا ضروری ہے بعض بعض عبارتوں کو بجنسہ نقل نہیں کرسکتا لیکن چونکہ وہ سب کاغذ میرے بخوبی دیکھے ہوئے ہیں اس لیئے غالب ہے کہ میں کوئی ایسی غلطی نہ کروں گا جس سے اصل مطلب میں کچھ خلل واقع ہووے +

جس عرصہ میں مولوی سید احمد خاں صاحب بہادر اور مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب بہادر کے باہم گورکھپور میں یہ مصالحت واقع ہوئی میں بھی گورکھپور میں موجود تھا اور ہر ایک مجلس اور مشورہ میں شریک رہتا تھا بلکہ خود میں ہی اس باہمی مصالحت کا محرک ہوا تھا اور اسی لیئے جب میں نے اوّل ہی ایسا سنا کہ جناب حاجی صاحب ممدوح کو شرایط صلح کی عدم تعمیل کی نسبت کچھ شکایت ہے اور وہ چندہ دینے اور مدرسۃ العلوم میں شریک ہونے سے انکار کرتے ہیں تو مجھ کو نہایت سوا افسوس ہوا +

علوِ جاہ کی تدبیر جو ہم لوگ کرتے ہیں +

ہماری سعی باطل دیکھ کر تقدیر ہنستی ہے

خیر وہ تو جو ہوا سو ہوا مگر اب اصل مطلب کی طرف متوجہ ہونا چاہیئے +

میں نے جب ابتدا جناب حاجی صاحب بہادر کی خدمت میں گورکھپور میں مدرستہ العلوم کا تذکرہ چھیڑا اور اُن سے یہ خواہش کی کہ وہ بھی اب مدرستہ العلوم میں شریک ہو جاویں اور اُس کی ترقی میں کوشش فرماویں تو جناب مولوی صاحب ممدوح نے بہت سے گلے اور شکوے کیئے اور بہت دیر تک اس باب میں گفتگو فرمائی۔ یہ گفتگو بہت لمبی تھی مگر خلاصہ کلام یہ ہے کہ جناب ممدوح نے فرمایا کہ "میں صرف اس وجہ سے اب تک مدرستہ العلوم میں شریک نہیں ہوا کہ مجھ کو اُس کے طالبعلموں کی مذہبی تعلیم کی طرف سے کبھی اطمینان نہیں ہوا اور ہمیشہ اس بات کا خوف رہا کہ جس قسم کے عقاید سید احمد خاں صاحب کے ہیں ویسے عقاید کی تعلیم اس مدرسہ میں طالب علموں کو بھی ہوگی" میں نے عرض کیا کہ نہیں آپ ایسا خیال نہ فرماویں اور سید احمد خاں صاحب کا کبھی یہ ارادہ نہیں ہوا ہے چنانچہ میں نے خود ہی اُن کے سامنے یہ تجویز پیش کی کہ اگر اس طرح سے مذہبی کمیٹی بالکل جُدا

قایم ہو اور اُسمیں صرف ایسے لوگ شریک ہوں جن پر عموماً مسلمانوں کو اعتماد اور بھروسہ ہو تو آپ کی خاطر جمع ہو جاویگی یا نہیں۔ فرمایا کہ ہاں لیکن سید احمد خاں اور کوئی ممبر کمیٹی خزنتہ البضاعتہ کا اُس میں شریک نہ ہو۔ میں نے عرض کیا کہ سید احمد خاں آپ کے نزدیک قصوروار ہیں وہ شریک نہ ہوں لیکن اَور ممبران کمیٹی خزنتہ البضاعتہ نے کیا قصور کیا ہے جو وہ عموماً ناقابل شرکت کمیٹی مذہبی قرار پاویں صرف اتنی بات سے کہ کوئی شخص کمیٹی خزنتہ البضاعتہ کا ممبر ہے دایرہ اسلام سے خارج نہیں ہو سکتا۔ مَیں نے اُن سے عرض کیا کہ کیا آپ جملہ ممبران کمیٹی سے واقف ہیں کیا آپ کے نزدیک سب بددین اور مرتد ہیں۔ میں نے عرض کیا کہ کمیٹی خزنتہ البضاعتہ میں ایسے ایسے بھی ممبر ہیں جو شاید سید احمد خاں صاحب کے ہاتھ کا چھوا ہوا پانی تک بھی نہ پیئیں اور آج تک اُنہوں نے ہمیشہ سید احمد خاں کی باتوں کو محض لغو سمجھا ہے اور کبھی اُن کی بات کا جواب تک نہیں دیا۔ ایسے لوگوں نے کیا قصور کیا ہے جو آپ اُن کو مذہبی کمیٹی میں شریک ہونے سے منع کرتے ہیں۔ اُن میں ایسے لوگ بھی ہیں جن کی دینداری اور تقوے پر ہماری طرف تمام مسلمانوں کو اطمینان ہے پس اگر یہ شرط لگائی جاوے تو وہ لوگ اپنے دل میں کیا کہینگے اور کوئی وجہ نہیں ہے کہ جب عام مسلمانوں کو اُن کی دینداری پر بھروسہ ہے تو وہ کیوں مذہبی کمیٹی میں شریک نہ ہوں پھر میں نے جناب ممدوح کے سامنے محمد عبدالشکور خاں صاحب رئیس بھیکم پور ضلع علیگڈھ اور نواب محمد محمود علیخاں صاحب رئیس چھتاری ضلع بلند شہر کا نام لیا کہ یہ لوگ بھی کمیٹی خزنتہ البضاعتہ کے ممبر ہیں آپ ان لوگوں سے واقف ہیں فرمایا کہ نہیں میں اِن کے حالات سے واقف نہیں ہوں (لیکن جناب ممدوح علیگڈھ کے ضلع میں عرصہ تک رہ چکے ہیں اس لیئے میں نہیں سمجھتا کہ اُس وقت اُن کا یہ انکار کس مصلحت پر مبنی تھا) میں نے عرض کیا کہ بس اب آپ جب اُن کے حالات تک واقف نہیں تو اُن کو ناقابل اعتماد کیونکر تسلیم کیئے لیتے ہیں۔ مجھے خوب یاد ہے کہ جناب ممدوح اُس وقت کچھ اس تقریر سے کنارہ کرنا چاہتے تھے لیکن میری یہ گفتگو اس قدر صاف صاف تھی کہ کوئی شخص اُس سے انکار نہیں کرسکتا تھا اَور بھی جو لوگ وہاں بیٹھے تھے اُنہوں نے بھی مجھ سے اتفاق کیا اور اُن میں سے جن کو جراُت ہوئی اُنھوں نے کچھ دبی دبی آواز سے اپنے اُس اتفاق رائے کو ظاہر بھی کر دیا (اس مقام کی باریکی اور خوبی کو گورکھپور والے ہی خوب سمجھینگے) آخر مولانا صاحب ممدوح کو بھی سوائے تسلیم کے اَور کچھ نہ بن پڑا اور اُنہوں نے فرمایا کہ ہاں اگر مسلمانوں کو کسی ممبر کمیٹی خزنتہ البضاعتہ پر بھی اعتماد ہو تو اُس میں کیا عذر

ہوسکتا ہے۔ بس اُن کا یہ فرمانا تھا کہ سب قصہ ختم ہوگیا اس لیئے کہ مجھ کو خوب معلوم تھا کہ ابتدا سے سید احمد خاں صاحب بہادر کی بھی رائے تھی اور متواتر کمیٹیوں میں یہ ذکر ہوا تھا کہ مذہبی کمیٹی جدا قایم ہوگی ÷

میں اُس مجلس سے بہت خوش خوش اُٹھا اور سید احمد خاں صاحب سے یہ سب کہانی بیان کی جن کو میری اس گفتگو کا خیال تک بھی نہیں تھا اور اُن کے بلا کسی قسم کے ایما اور اطلاع کے میں نے خود اس بات سے کہ مسلمانوں کے آپس میں اس قسم کی نا اتفاقی قایم رہے دق ہوکر اس تحریک میں سبقت کی تھی سید صاحب نے نہایت خوشی سے ان سب باتوں کو منظور کیا اس کے بعد چند اَور تحریکیں وغیرہ ہوئیں جن کا بیان مَیں خلاف رازداری سمجھتا ہوں اس کے بعد جناب ممدوح نے اپنا ابتدائی باضابطہ خط لکھا جس کا مضمون اب وہ یہ بیان فرماتے ہیں کہ ” سید احمد خاں اور کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کا کوئی ممبر مذہبی کمیٹی میں شریک نہ ہو“ ÷

اگر میری یاد نے خطا نہیں کی ہے تو اس خط کا مسودہ بھی خود میرے سامنے لکھا گیا تھا ایک میز پر شمع کے سامنے ایک شخص لکھتا جاتا تھا جس کا میں نام نہ لوں گا اور جناب مولانا صاحب ممدوح بتلاتے جاتے تھے اُن کی زبان سے پھر وُہی لفظ نکلا کہ سید احمد خاں اور ممبران کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کی مداخلت کمیٹی مذہبی میں نہ ہو مَیں نے پھر قلم کو روکا اور پھر عرض کیا کہ یہ بات ایک فیصلے ہو چکی ہے اور یہ ہو نہیں سکتا چنانچہ جناب ممدوح نے یہ لکھانا موقوف کیا اور صرف یہ الفاظ قایم رہے کہ سید احمد خاں اور اُن کی کمیٹی خزنۃ البضاعۃ تعلیم مذہبی میں کچھ مداخلت نہ کرے اور تعلیم مذہبی کے واسطے علیحدہ ایک کمیٹی قایم ہو الخ ÷

پس جب اس قدر بحث و گفتگو کے بعد ممبروں کا لفظ جناب مولانا صاحب کی شرط اور اُن کے خط میں سے خارج کیا گیا اور صرف سید احمد خاں صاحب اور کمیٹی خزنۃ البضاعۃ کے (جس میں جناب ممدوح کے نزدیک ملحدین اور مرتدین بھی شامل تھے) عدم مداخلت کی شرط باقی رہی تو اب مَیں نہایت ادب کے ساتھ جناب ممدوح سے یہ دریافت کرنا چاہتا ہوں کہ آیا اُن کا یہ فرمانا سچ ہے کہ کمیٹی خزنۃ البضاعۃ سے اُن کی مراد بالانفراد اُس کمیٹی کے ہر ایک ممبر سے تھی۔ اور اگر جناب موصوف اب بھی یہ فرماوینگے کہ ہاں یہی مراد تھی تو میں آسمان کی طرف دیکھکر اور ایک آہ بھر کر چپ ہو رہوں گا اور اُن سے کچھ نہ کہوں گا اس لیئے کہ وہ میرے نزدیک ہر طرح واجب التعظیم ہیں اُن کو روضہ منورہ جناب رسالت مآب سے

سید الحاج کا معزز خطاب عنایت ہوا ہے مگر یہ ضرور کہوں گا کہ سخن فہمی عالم بالا معلوم ۔

لیکن ابھی انصاف دنیا کے پردہ سے بالکل اُٹھ نہیں گیا ہے اُس مضمون کے پڑھنے والے خود انصاف کرلینگے کہ جناب سید الحاج صاحب کا کمیٹی خزنتہ البضاعۃ کی عدم مداخلت کی شرط سے اب یہ استدلال کرنا کہ اُس کمیٹی کا کوئی ممبر اس شرط کے بموجب مذہبی کمیٹی کا ممبر شریک نہیں ہوسکتا اور اُن کا بے دھڑک یہ مشتہر کردینا کہ ہم سے صاف یہ شرط ہوگئی تھی کہ اُس کمیٹی کا کوئی ممبر مذہبی کمیٹی میں شریک نہ ہو آیا صحیح ہے یا جناب سید الحاج صاحب کی دیانت اور دینداری پر ایک بہت بڑے الزام کا موجب ہے اور جو شخص سید احمد خاں صاحب کی طبیعت اور جناب سید الحاج صاحب کے اقتدار اعظم سے آگاہ ہیں کیا وہ اِس بات کو سُن کر بے اختیار ہنس نہ پڑیں گے کہ سید صاحب نے ایک جناب مولوی حاجی علی بخش خاں صاحب بہادر کے شریک کرنے کی غرض سے آنکھوں پر ایسی ٹھیکری رکھ لی ہوگی کہ محمد عبد الشکور خاں صاحب اور نواب حاجی محمد محمود علی خاں صاحب اور مولوی حافظ محمد اسمٰعیل صاحب اور مولوی محمد سمیع اللہ خاں صاحب اور اپنی کمیٹی خزنتہ البضاعۃ کے اَور اکثر دیندار اور پرہیزگار ممبروں کے ارتداد اور الحاد کو قبول کرلیا ہو جس کی وجہ سے جناب سید الحاج صاحب کمیٹی خزنتہ البضاعۃ کے کسی ممبر کو بھی مذہبی کمیٹی میں شریک کرنا نہیں چاہتے تھے اور نہ اب تک اُسپر رضامند ہیں ۔

مجھے یقین ہے کہ ہر ایک شخص جس کو خدا نے کچھ بھی عقل دی ہوگی اس مضمون کے پڑھنے کے بعد ایک لمحہ بھر بھی کبھی اس بات کا یقین نہیں کریگا کہ جناب سید الحاج صاحب کے اس عذر میں کچھ بھی سچائی اور راستبازی شامل ہے ۔

اب میں دوسری شرط اور اُس کے نقض کی نسبت کچھ بیان کرنا چاہتا ہوں اور پھر اپنے اُسی دعوے کا اعادہ کرتا ہوں جو میں شروع مضمون میں بیان کر آیا ہوں کہ جناب مولانا صاحب کی شرکت مدرسۃ العلوم کے لیئے ہرگز یہ شرط قرار نہیں پائی اور نہ اس شرط پر کبھی جناب ممدوح کا چندہ ادا ہونا منحصر ہوا تھا ۔

یہ بات کہ مذہبی کمیٹی کے ممبروں کا تعین اور اُن کا انتخاب صرف جناب مولانا صاحب کی رائے پر منحصر ہو اُن شرطوں میں سے کوئی شرط نہیں تھی جن کو جناب ممدوح نے اپنی طرف سے

منظوری کے لیے پیش کیا تھا پھر اُس کی تعمیل کمیٹی خزنتہ البضاعۃ یا سید احمد خاں صاحب کے
ذمہ کس طرح واجب قرار پا سکتی ہے۔ جناب سید الحاج صاحب بہادر بھی خدا کی عنایت سے
ایک عدالت کے قاضی القضاۃ ہیں کیا اُن کے نزدیک کبھی کسی مدعی کو اُس کے دعویٰ سے
زیادہ کی ڈگری دی جا سکتی ہے ٭

یہ بات سید احمد خاں صاحب کی نہایت صفائی قلب کی تھی کہ جب اُنھوں نے جناب
سید الحاج صاحب کی زبان سے یہ سُنا کہ میری مخالفت مدرستہ العلوم سے اب تک صرف
اسلام کی خیرخواہی کے لحاظ سے تھی تو اُنھوں نے فوراً اس بات کا یقین کر لیا کہ ایسا شخص
ضرور مسلمانوں کی خیرخواہی کریگا اور اُنھوں نے اُس وقت اپنے نزدیک جناب ممدوح کو
ہر طرح اس کام کے لایق سمجھا اور اُن کی پیش کی ہوئی شرطوں کو تمام منظور کر کے نہایت
گرمجوشی سے اپنی طرف سے یہ فقرہ اَور مستزاد کیا کہ "اس مذہبی کمیٹی کے ممبروں کی تعداد اور
اُن کا ابتداً منتخب کرنا بھی سب آپ ہی کے ذمہ ہے اور میں اَور ممبروں سے اس کی
منظوری طلب کرتا ہوں"۔ دو ممبر جو وہاں موجود تھے (اور جن میں سے ایک میں بھی تھا)
اُنھوں نے بھی اسی خیال سے اُس وقت سید صاحب کی رائے سے اتفاق کیا اور یہ سوچے
کہ کہیں خدا کسی طرح مسلمانوں کے اس باہمی اختلاف کو دُور بھی کرے جو ہماری قومی ترقی
کے کاموں میں ہارج ہے لیکن وہاں مضمون اس کے بالکل برخلاف نکلا ٭

ما ز یاراں چشم نیکی داشتیم ٭ خود غلط بود آنچہ ما پنداشتیم

اور ممبروں کے پاس سے جو جواب آئے اُن میں اکثروں نے سید صاحب کے اس
طبعزاد مستزاد سے اختلاف کیا یعنی سب نے لکھا کہ مذہبی کمیٹی بلاشبہ جدا ہونی چاہیئے
جس میں مسلمانوں کے معتمد علیہ لوگ شریک ہوں لیکن اس کو پسند نہ کیا کہ صرف مولوی
علی بخش خاں صاحب بہادر کی اکیلی رائے سے لوگوں کی دینداری یا بددینی کا فیصلہ عمل میں
آوے پس جب ممبروں نے کثرت سے اس سے اختلاف کیا تو اکیلے سید احمد خاں کی
کچھ پیش نہ چلی اور کمیٹی خزنتہ البضاعۃ نے ایک اَور نہایت ہی عمدہ طریقہ اختیار کیا ٭
ممبران موصوف کے جس قدر خط گورکھپور میں سید صاحب کے پاس آچکے تھے اور جن میں
مذکورہ بالا اختلاف بڑے شدومد کے ساتھ بہت کثرت سے موجود تھا یہ سب خط سید صاحب نے
جناب ممدوح کو ملاحظہ کرا دیے تھے اور خود میں ہی اُن خطوں کو لیکر گیا تھا اور اُن کو اس بات کا

یقین ہو چکا تھا کہ اب یہ بڑی ذمہ داری کا کام کمیٹی خزینۃ البضاعۃ صرف میرے اکیلے کی رائے پر منحصر نہ کرے گی اور پھر ان سب واقعات کے بعد گورکھپور میں وہ جلسہ منعقد ہوا تھا جس میں جناب سید الحاج صاحب بہادر نے آٹھ سو روپیہ چندہ کے لکھے پس بعد معلوم کر لینے ان سب حالات کے کون شخص ہے جو یہ ہی کہہ سکیگا کہ جناب ممدوح کا چندہ اس شرط پر مشروط تھا اور اُس شرط کا نقض عمل میں آیا اور اگر اب بھی کسی کو اس میں شبہ باقی رہ گیا ہو تو مَیں اس سے بھی زیادہ صاف اور واضح طور پر اسکو ثابت کر سکتا ہوں ؛

گورکھپور کی مجلس میں جس وقت چندہ کی فہرست پیش ہوئی تو سب سے پہلے جناب مولانا صاحب کے سامنے خود میں نے اُس فہرست کو پیش کیا جناب مولانا ممدوح نے آٹھ سو روپیہ چندہ کے اُس میں درج فرمائے اور اپنے دستخط ثبت کیے اور اُس کے بعد اُنھوں نے کچھ اَور عبارت لکھنی چاہی میں نے جُھک کر اسکو دیکھا مولانا صاحب اسقدر لکھ چکے تھے کہ مسجد اہل سُنت و جماعت کے واسطے اُسکے بعد اُنھوں نے اپنی شرطوں کی منظوری کا تذکرہ اور لکھنا چاہا میں نے اُس وقت اُن کو ذرا روکا اور آہستہ سے عرض کیا کہ شرطوں سے کون سی شرطیں مراد ہیں آپ کی شرطیں صرف وہ ہیں جو آپ کے خط میں ہیں - اور یہ میں نے اسی لیے عرض کیا تھا کہ جو بات سید صاحب نے اپنے خط میں اپنی طرف سے بڑھادی تھی اور اُس کی نسبت ہر طرف سے ممبروں کے انکار اور اختلاف چلے آتے تھے کہیں اُس کو مولانا صاحب شرط میں داخل نہ کر دیں - جناب ممدوح بھی خوب طرح اس بات کو سمجھے اور اُنھوں نے اُس کے بعد یہ لکھا کہ بعد تعمیل ہو جانے شرایط مندرجہ خط ہمارے کے ہمارا یہ چندہ فہرست چندہ میں درج کیا جاوے - پس اب جناب ممدوح مہربانی سے ارشاد فرماویں کہ کیا یہ بات سچ ہے کہ یہ دوسری شرط بھی اُن کے چندہ سے متعلق تھی اگر فرمادیں کہ ہاں تو مَیں پھر وہی عرض کروں گا جو اوپر عرض کر چکا ہوں کہ " سخن فہمی عالم بالا معلوم " لیکن کیا کوئی شخص اَب یہ کہہ سکیگا کہ جناب ممدوح کا چندہ ان شرطوں پر مشروط تھا نہیں کبھی نہیں ؛

اَب میں نہایت ادب سے جناب ممدوح کی خدمت میں عرض کرتا ہوں کہ آپکا چندہ صرف اس بات پر مشروط تھا کہ مذہبی کمیٹی جُدا قایم ہو - سید احمد خاں یا کمیٹی خزینۃ البضاعۃ کو اُس میں کچھ مداخلت نہ ہو ایسے لوگ اُس کمیٹی میں شریک ہوں جن پر مسلمانوں کا اعتبار ہو خواہ وہ

پہلے سے کمیٹی خزنتہ البضاعۃ کے ممبر ہوں یا نہوں (جیسا ہم اوپر ثابت کرآئے ہیں) پس
اب جناب ممدوح انصاف سے دیکھ لیں کہ اُن سب شرطوں کی تعمیل جیسی چاہیئے تھی ویسی
ہے بلکہ اس سے بھی زیادہ خوبی اور احتیاط کے ساتھ ہو گئی ہے یا نہیں اسوقت مذہبی کمیٹی
جُدا قایم ہے اور اُسکو ایسے لوگوں نے مقرر کیا ہے جن کا نام اس غرض کے واسطے
تین مہینے سے زیادہ اخباروں میں مشتہر ہو چکا تھا اور کسی مسلمان نے اُس پر اعتراض نہیں کیا
تھا سید احمد خاں یا کمیٹی خزنتہ البضاعۃ کو اُس کمیٹی کی کارروائی میں کچھ بھی مداخلت نہیں
ہے وہ کمیٹی اپنی کارروائی آپ کر رہی ہے اور اب مذہبی تعلیم کے لیئے کتب درسیہ کا
سلسلہ درست کر کے پیش کرنے والی ہے غرض ہر طرح سے جناب ممدوح کی وہ شرایط جن پر
اُن کا چندہ ادا ہونا منحصر تھا پوری ہو چکی ہیں۔ اب یہ وقت ہے کہ جناب ممدوح چھپا نے
آٹھ سو روپیہ کا نوٹ رجسٹری کرا کر سید احمد خاں صاحب کے پاس بھیجدیں لیکن یہاں
حسب حال مجھ کو یہ شعر یاد آیا +

گر جاں طلبی مضائقہ نیست
زر می طلبی سخن درین است

والسلام +

مضامین سید محمود صاحب

شدت اتقا

ہمکو اپنے ایک دوست کا قول خوب یاد ہے کہ پرہیزگاری اور اتقا ہر مسلمان کے لیئے لازم ہے ہم خود اس کے قایل ہیں پس اس مختصر مضمون کے لکھنے سے ہماری یہ غرض ہرگز نہیں کہ اتقا فی نفسہ اچھا نہیں بلکہ یہ ظاہر کرنا منظور ہے کہ اتقا کو حد شرعی سے زیادہ لیجانا اچھا نہیں ہے بہت سے ہمارے ہم مذہب جو کہ نہایت نیک اور پابند شرع ہیں اکثر اپنی نیک نیتی کی زیادتی کے سبب ایک بڑی غلطی میں پڑتے ہیں یعنے اتقا کو اچھا سمجھکر اسقدر حد کو پہنچاتے ہیں کہ فی الحقیقت جو غرض شارع کی اتقا کی تقید سے تھی وہ جاتی رہتی ہے شاید اس سے بڑھکر کوئی غلطی نہیں ہوسکتی کہ کسی شے کو نیک یا مفید سمجھکر اُسکو مقدار مناسب سے زیادہ اختیار کرے اور اس بات کو خیال میں نہ رکھے کہ شرع میں کسقدر جایز ہے ہمارے مذہب کے ایک بڑے شخص نے شارع اور شرع اور امت کی طبیب اور دوا اور مریض سے تمثیل دی ہے یہ تمثیل حقیقت میں نہایت عمدہ ہے اور اس ہی سے ہم اپنے قول کو ثابت کرینگے اگر کوئی مریض نسخہ میں یہ پڑھکر کہ میں تولہ بھر گلقند چار روز متواتر کھانے سے اچھا ہو جاؤں گا یہ نتیجہ نکالے کہ گلقند ایسی دوا ہے کہ میرے مرض موجودہ کو فائدہ بخش ہے تو یہاں تک اُسکا نتیجہ درست ہوگا کیونکہ بلا شبہ گلقند اُس کے مرض کے لیئے مفید ہے ورنہ طبیب ہرگز نہ لکھتا پھر اگر دوسرا نتیجہ یہ نکالے کہ تولہ بھر تو چار دن میں اچھا کرتا ہے تو چار تولہ ایک ہی دن میں اچھا کر دیگا اور آدھ سیر تو کھاتے ہی شفایاب ہوجاؤں گا یہ نتیجہ بالکل غلط ہوگا کیونکہ آدھ سیر گلقند کا ایک مرتبہ کھالینا شفا بخشنے کی عوض آدہ مضر ہوگا اور جو مقصد طبیب کا نسخہ میں گلقند کے لکھنے سے تھا وہ ہرگز حاصل نہوگا اور مریض طبیب کو خوش کرنے کے بدلے اُسکو اور ناراض کر دیگا یہ ایسی حالت اتقا کا جو کہ مقدار مناسب یعنے حد شرعی سے زیادہ ہو ہم نے شدت اتقا نام رکھا ہے؀

اگر ہماری تمثیل مذکورہ بالا سے یہ بات ثابت ہوگئی کہ اتنا اتقا جسکو ہم شدت اتقا کہتے ہیں کرنا

فائدہ کی عوض نقصان کرتا ہے تو بلاشبہ ایسا اتقا شرعاً ناجائز ہے یہی باعث تھا کہ ہمارے رسول خدا صلعم نے اس قسم کی عبادت کو جس سے کہ دنیا کے تمام کاروبار میں خلل واقع ہو منع فرمایا ہے لا رھبانیۃ فی الاسلام حدیث صحیح ہے اور اس سے یہ بات ثابت ہوتی ہے کہ شرعی حد سے زیادہ اتقا کرنا جائز نہیں بلکہ اُس کا نام اتقا نہیں کلام مجید میں بھی اس مقدار مناسب سے زیادہ عبادت کرنے کا ذکر آیا ہے یا ایہا المزمل قم اللیل الا قلیلا ؁

یہ بات تمام دلایل عقلی سے بھی ثابت ہے کہ زیادتی ہر شے کی اچھی نہیں جبکہ ہم اس بات کو مانتے ہیں کہ اللہ تعالےٰ نے ہمکو اسلام سی نعمت عطا فرمائی ہے کہ جس سے دنیا و دین دونوں کی بہتری حاصل ہو تو کیا صاف ظاہر نہیں ہے کہ ایک ہی کے پیچھے ہو رہنا نصف فائدہ کھونا ہے عین کلام اللہ میں اللہ تعالیٰ نے ہمکو دعا سکھائی ہے ربنا اتنا فی الدنیا حسنۃ وفی الاخرۃ حسنۃ وقنا عذاب النار دنیا اور دین دونوں کے لیئے دعا مانگی ہے اور اس سے بھی ہمارے قول کی تائید ہوتی ہے ؁

تمام دنیا اس بات سے متحیر ہے کہ اسلام نے وحشی عربوں کو یکبار دنیا اور دین دونوں کی خوبیاں کیونکر دیدیں اس ہی بات سے اسلام کو اور مذہبوں پر فوقیت ہے کہ اور صرف بہبودگی آخرت سکھانے کا دعوے رکھتے ہیں اور اسلام میں جسقدر احکام ہیں ان سے بہبودگی دارین حاصل ہوتی ہے اس کی ہزار ہا مثالیں ہیں ایک ادنے بات شراب و خنزیر اور قمار کی ممانعت ہے کہ اس کے فواید بیان سے باہر ہیں حکماء یورپ نے ثابت کیا ہے کہ شراب و لحم الخنزیر نہایت مضر ہیں اور یورپ کی قوموں نے شراب خواری اور قمار بازی کے بند کرنے کے لیئے قانون بنائے ہیں یہ قانون اب حال میں بنے ہیں اور اسلام میں قریب تیرہ سو برس ہوئے موجود تھے ؁

ہماری اصل غرض یہ ہے کہ حد شرعی سے زیادہ اتقا کرنا گویا کہ شارع سے بھی زیادہ متقی ہونے کا دعوے کرنا اور یہ درست نہیں ہمکو ایک نہایت بزرگ شخص کی نقل یاد ہے کہ اُنھوں نے اتقا کو اُس درجہ کو پہونچایا تھا کہ کافر کی شکل دیکھنے کو گناہ سمجھتے تھے اس اندیشہ سے کہ کافر کے ساتھ اُٹھنا بیٹھنا نہ ہو ریل کا سفر مناسب نہیں سمجھتے تھے دنیا دار لوگوں کی ملاقات ترک کر کے رات دن نماز وظیفوں میں مشغول رہتے تھے اگرچہ یہ بزرگوار بسبب اپنی نیکی کے بیشک تعظیم اور ادب کے لایق تھے لیکن اُن کے حال پر بلاشبہ افسوس کرنا چاہیئے ایسا شخص جو کہ تمام دنیا کی صحبت چھوڑ بیٹھتا ہے گویا ایک نہایت خود غرض شخص ہوتا ہے کہ جسکو اوروں کو فائدہ دینا کچھ منظور نہیں صرف اپنی آخرت کے درست کرنے کے لیئے

یہاں محنت کرتا ہے بے شک و شبہ اللہ تعالے نماز و وظیفہ سے خوش ہوتا ہے مگر اس سے صرف اُن گوشہ نشین صاحب کا فائدہ ہے اور نہ کسی اَور کا +

بڑا فائدہ نیک ہونے کا اوروں کو نیکی سکھانا اور اُن کی خدمت کرنا ہے اور نہ خود غرضی سے صرف اپنی عاقبت کی فکر کرنا جو شخص لوگوں کی صحبت اس طرح پر ترک کر بیٹھتا ہے اُس سے وہ فائدہ کبھی ظہور میں نہیں آتا جو کہ نیک آدمی کی صحبت سے حاصل ہوتا ہے نیک آدمی کو نیکی کرتے دیکھکر اور نیک باتیں کرتے سُنکر خود نیکی کو دل چاہتا ہے اور نیکی پھیلتی ہے رسول خدا صلعم اور اصحاب کرام نے دکھا دیا کہ کیونکر اس دنیا میں زندگی بسر کرنی چاہیئے +

ایک اَور صاحب کا ذکر ہمنے سُنا ہے کہ جنھوں نے حج کا اس طرح پر قصد کیا تھا کہ ہر قدم پر دو رکعت نماز پڑھتے جاتے تھے مگر یہ اُن سے پورا نہوا اور اگر ہوتا بھی شاید صرف بحکم انما الاعمال بالنیات اُن کو ثواب ہوتا ورنہ ایسے جوگیوں کی طرح حج کو جانا کہاں درست ہے اگر حج کرنے کا ثواب بقدر اُن تکالیف کے جو کہ قصداً انسان اپنے پر ڈالے ہوگا تو ہندو جوگیوں کی طرح زمین پر لوٹ کر حج کو جانے سے تو شاید سب سے زیادہ ثواب ہو مگر اسلام میں ایسی لغو ناحق کی تکلیف اُٹھانی درست نہیں لا یکلف اللہ نفساً الا وسعہا +

بعض ہمارے ہم مذہب مسلمان بھائی بلا شبہ نیک نیتی سے تعصب کو اتقا اور جاہل رہنے کو پرہیزگاری سمجھتے ہیں حالانکہ صاف ظاہر ہے کہ اگر ہم سچے اور پکّے مسلمان ہیں تو شاید ہماری صحبت سے کافر مسلمان ہو جاوے کافر کی زبان یا علوم تحصیل کرنے کو گناہ سمجھتے ہیں حالانکہ اگر ہم اصل دیندار اور پختہ ایماندار ہیں تو مخالفین اسلام کے علم کو سیکھ کر اُن کے ساتھ مناظرہ کرنے کے خوب قابل ہونگے اور اسلام بدلے کمزور ہونے کے اَور مستحکم ہوگا +

انگریزی علوم تحصیل کرنے کو ہمارے متعصب بھائی مسلمان گناہ سمجھتے ہیں حالانکہ خلفائے بغداد کے زمانہ میں جس قدر علم عربی میں آیا وہ سب زبان گریک یعنی یونانی سے ترجمہ کیا گیا اور اُس زمانہ کے اکثر علما گریک کو جو کہ کفار کی زبان تھی بدرجہ تکمیل تحصیل کرتے تھے اگر ایسا نہوتا تو جسقدر طب ہمارے ہاں موجود ہے کچھ نہ ہوتی اور فلسفہ اور منطق کا تو نام بھی نہ ہوتا +

الغرض جو فوائد کہ اپنے مخالف کے بھیدوں کے معلوم کرنے سے ہوتے ہیں وہ سب تعصب سے جاتے رہتے ہیں اور ہم خود جہل مرکب میں پڑے رہتے ہیں +

لیکن یہ جاہلانہ تعصب فی زمانا محض ہمارے ادبار و کم بختی کے سبب ہم مسلمانوں میں آگیا

ورنہ زمانہ قدیم میں کفار کی زبان تحصیل کرنا کچھ بُرا نہ سمجھا جاتا تھا حضرت شیخ سعدی رحمہم اللہ نے زبان لیٹن نہایت محنت سے تحصیل فرمائی تھی اور وہ لوگ جنہوں نے کہ تصنیفات ارسطو اور افلاطون اور سقراط کا ترجمہ عربی میں کیا وہ تو گریک سے خوب ہی واقف ہو نگے +

ہمکو اس مختصر مضمون کے لکھنے سے نہ تو اُن صاحبوں کو جن کو اتقا کا دعویٰ ہے ناراض کرنا منظور ہے اور نہ یہ ہے کہ ہم اپنے تئیں ناصح بننے کے لائق سمجھتے ہیں بلکہ چند اپنے خیالات اُن صاحبوں کے لیئے درج کرتے ہیں جو کہ جاہل رہنے او متعصب ہونے کو تقوے سمجھتے اور اُن کو جو کہ عین اہل اسلام کی ترقی اور بھلائی کے خواہاں ہیں مخالفین اسلام میں شمار کرتے ہیں +

دوستی کا برتاؤ

تہذیب الاخلاق کے نمبر اول جلد دوم میں ہم ایک مضمون دوستی پر لکھ چکے ہیں اُس میں ہم نے صرف اصول اور فوائد دوستی پر بحث کی تھی اس مضمون میں دوستی کے برتاؤ کی نسبت اپنے خیالات ظاہر کرنے منظور ہیں +

سب اس بات کو مانتے آئے ہیں کہ دوستی انسان کی راحت کو دوچند اور مصیبت کو نصف کردیتی ہے یعنی ہماری خوشی میں دوست بھی ہمارے ساتھ خوش ہو کر اُس خوشی کو دوچند کردیتا ہے اور غمی میں دوست کی ہمدردی سے رنج کا آدھا بوجھ ہم پر سے ٹل جاتا ہے اگرچہ یہ قول بالکل سچائی پر مبنی ہے مگر اس سے یہ نتیجہ نہیں نکلتا کہ بہت سے دوست رکھنے بہتر ہیں۔ عقلاء متقدمین میں سے ایک کا قول ہے کہ "بہت سے ہوا خواہ بنا مگر دوست بہت کم سب کے ساتھ امن سے رہ مگر ہزار میں سے ایک کو اپنا اصلاح کار بنا" یعنی دوستی کم آدمیوں سے کر اور کسی کو دشمن نہ بنا کیونکہ دوستی کا نباہنا مشکل ہے دوستوں کی تعداد کے ساتھ ہماری مشکل بڑھتی جاتی ہے اور دشمن سے اپنے تئیں محفوظ رکھنے میں ہمیشہ دقت ہوتی ہے بگڑے ہوئے دوست سے زیادہ کوئی خطرناک دشمن نہیں وہ ہمارے عیوب اور بھیدوں سے واقف ہوتا ہے اور ہزار ہا ایسی مضرتیں پہنچا سکتا ہے جو کہ ناواقف دشمن کے اختیار میں نہیں ہو سکتیں +

سب سے آسان دوستی وہ ہے جسکا ہمنے اپنے مضمون سابق میں اول ذکر کیا تھا یعنی وہ جو کہ بغیر آپس کی شناسائی کے ہوتی ہے ایسی محبت میں ہمیشہ ہمکو اختیار رہتا ہے کہ کس قدر دوستی رکھیں اور اُس کے بالکل موقوف کرنے میں کچھ اندیشہ نہیں ہوتا کیونکہ اُس حالت میں کوئی اپنا

دشمن نہیں بنتا مگر یہ دوستی ادنےٰ قسم کی دوستیوں میں شمار ہوتی ہے اور چونکہ جس قدر دوستی کی مقدار قلیل ہوتی ہے اُسیقدر اُس سے حظ اور فائدے بھی کم حاصل ہوتے ہیں پس صرف اسی دوستی پر قناعت کرنی نہ چاہیئے ؛

البتہ دوسری قسم کی دوستی جس کا اب ہم ذکر کرتے ہیں سب سے زیادہ کارآمد ہے اور عام برتاؤ میں آتی ہے یعنی وہ محبت و الفت جو کہ بسبب ربط و ارتباط کے پیدا ہوتی ہے اور جس سے صحبت کی خوشی اور صلاح کی درستی مترتب ہے سب سے مقدم شرط اس دوستی کی یہ ہے کہ دونوں شخص اپنے مرتبہ دنیوی کو بالکل بھول جاویں اور گو ایک دوسرے سے دولت و منزلت میں بدرجہا بڑھکر ہو اپنی حالت دوستی میں ایک دوسرے کو برابر سمجھے بعد اس شرط کے ثابت قدمی اور صداقت طینت ہے یعنی تلون مزاجی اور بدباطنی دونوں میں نہو۔ ایسے دو شخصوں میں کامل دوستی نہیں ہوتی جن میں سے ایک اپنے تئیں دوسرے سے اعلےٰ سمجھے یا جو کہ ثابت قدم اور صاف باطن نہو لیکن بہت کم لوگ ایسے ہوتے ہیں کہ جو دوستی میں اپنے رتبہ کو خیال میں نہ رکھیں اور یہی مقدم باعث ہے کہ مختلف درجے کے آدمیوں میں دوستی کا ہونا شاذونادر ہے ؛

ہم پہلے بھی لکھ چکے ہیں کہ سچے دوست سے بڑھکر دنیا میں کوئی دولت نہیں وہ رنج و خوشی میں یکساں ہماری ہمدردی کرتا ہے مگر ہمکو اُس سخت عیب کا ذکر نہ بھولنا چاہیئے جو کہ دوستی کے ایک بڑے حظ کو خراب کر دیتا ہے ہماری مراد اُس بیہودہ مشغلے سے ہے جسکو دل لگی یا ہنسی یا مزاخ کہتے ہیں ہم ہنسی یا مزاخ کے فی نفسہٖ دشمن نہیں بلکہ ضرور ہے کہ جب دو دوست بالکل گھل مل جاویں تو آپس میں اپنی خوشی کے لیئے کچھ ہنسی کی باتیں کریں مگر ہم اُس طرز ہنسی کے برخلاف ہیں جس سے اکثر محبت میں فرق آتا ہے۔ یہ وہ طریقہ مزاخ کا ہے جس سے دوست بجائے خوش کرنے کے رنج دیتا ہے یعنی اپنے دوست کی کسی ہیچ بات سے ہنسی کرنی مثلاً ہمارے دوست میں ایک عیب ظاہری ہے۔ اب ہنسی میں اُس عیب کی طرف کسی قسم کا اشارہ کرنا گویا اُسکے بُرے ہونے کو جتانا ہے اور یہ بالکل نامناسب ہے کیونکہ وہ ہنسی ہنسی نہیں جو کہ ہیچ ہو بلکہ ایک نوع کی گالی ہے اور اپنے دوست کی ہجو اور اہانت کرکے اُسکو رنج دینا ہوتا ہے ؛

علاوہ اس طرز ہنسی کے آجکل ایک اَور طرز دوستی کا یعنی آپس میں گالم گلوچ کا ہونا کمال محبت سمجھی جاتی ہے اس جگہ اُس کی مذمت کرنی ہم ضرور نہیں سمجھتے کیونکہ ایسی بحث زیادہ تر اُس موقع پر چسپاں ہوگی جہاں کہ شریف شخص کی تہذیب کا ذکر ہو ؛

ایسے بھی لوگ ہیں جو کہ نہایت مختصر عرصہ میں بڑی دوستی کا دعویٰ کرنے لگتے ہیں اور گو دل میں
محبت نام کو بھی نہ ہو مگر ساتھ ہر قسم کی ہنسی کا اپنے تئیں مجاز سمجھتے ہیں۔ اکثر ایسے ہی
لوگ رنج دل میں ڈالنے والی ہنسی کے بہت شوقین ہوتے ہیں اور خود بیہودہ خوشی حاصل کرتے
ہیں مگر اس سے بھی بدتر ایک اور بیہودہ عادت ہے کہ ہنسی کے پردہ میں کسی کو طعنہ دینا یا
ایسی بات اشارتاً کہتے ہیں جو کہ درحقیقت بیان کرنی منظور تھی مگر اپنی بدباطنی کے سبب صاف
نہ کہہ سکتے تھے یہ بات ناخوب سمجھی جاتی ہے اگرچہ ہر شخص کو اپنی زندگی میں ایسے لوگوں سے
پالا پڑتا ہے ۔

اصل ہنسی وہ ہے جو کہ ایسی بات کی نسبت ہو جو ہمارے دوست کا عیب نہیں یا جس کے
ذکر سے اسکو رنج نہ ہو۔ ایک قسم کی بات گڑھنے سے اگر ہمارے دوست کو کچھ جھنجھلاہٹ آوے
تو وہ غصہ ہرگز موثر نہیں ہوتا اور نہ اس سے کچھ حرج ہو بلکہ تھوڑے عرصہ کے بعد سب کو اس سے
خوشی ہوتی ہے خود اس دوست کو جس کی کہ ہنسی کی گئی تھی لطف آتا ہے ہمکو یہ بھی بیان کرنا ضرور
ہے کہ ہنسی میں کوئی جھوٹی بات بیان کرنی دشوار نہیں ہوا کرتی جس کی غلطی صریح ہو ایسا جھوٹ
جھوٹ نہیں کیونکہ وہ اپنے جھوٹ ہونے کو خود صاف کرتا ہے اور اس سے کسی قسم کا حرج نہیں ہوتا ۔

ایک اور بات پر غور کرنا چاہیے۔ یہ قول سب دوستوں میں مشہور ہے کہ دوست کا مال اپنا ہی
ہوتا ہے۔ یہ نہایت اعلیٰ اور عمدہ خیال ہے مگر افسوس کی بات ہے کہ اس کا بھی برتاؤ بری طرح
ہوتا ہے اکثر یہ معلوم ہوتا ہے کہ ایک شخص اس سبب سے کوئی اچھی شے نہیں رکھتا کہ اس کے ملاقاتی
اس کے پاس وہ شے نہیں رہنے دیتے "دوست اچھی شے نہیں چھوڑتے" یہ اکثر سننے میں آتا
ہے۔ کوئی شے اس سے زیادہ شریف اور اعلیٰ نہیں کہ محبت میں اپنے اور اپنے دوست کے
مال کو ایک سمجھے اور اپنی سب چیزوں کو گویا اس کے لیے سمجھے مگر اس سے زیادہ کوئی برا بات
نہیں کہ باوجودیکہ ہمکو معلوم ہے کہ ہمارے دوست کو ایک شے نہایت پسند ہے اور اس لیے
اسکو عزیز رکھتا ہے پھر بھی ہم اس سے اس شے کی درخواست کریں غور کرنے کی بات ہے کہ
اس کا اصول کس قدر غلط ہے اگر ہم اپنے دوست کی ایسی شے کو پسند کریں جس سے اسکو کسی قسم کی
آسایش یا خوشی ہو تو کس قدر محبت کے خلاف ہے کہ اس سے وہ لیکر دوست کی خوشی یا آسایش
میں خلل انداز ہوں اگر وہ شے ہماری دانست میں عمدہ ہے ہمکو چاہیے کہ یہ خواہش کریں کہ ہم سے
پہلے ہمارا دوست اچھی شے رکھے اور خوشی اور آسایش حاصل کرے نہ یہ کہ اس سے وہ لیکر

محبت کے برخلاف بات کریں۔ باوجودیکہ ہماری دانست میں اپنا اور دوست کا مال ایک ہے لیکن تاہم اُس سے وہ چیزیں لینی چاہئیں جو کہ ہماری ہی دانست میں عُمدہ ہیں مگر اُسکو کچھ چنداں عزیز نہیں یا اُس حالت میں اُن کی درخوست کی جاوے جبکہ ہمکو کچھ شک نہ ہو کہ اُس خاص شے کے لینے سے ہمکو اپنے دوست کی آسایش سے (جو کہ اُس چیز خاص سے اُسکو ہوتی ہو) بدرجہا بڑھکر ہوگی اکثر اس طرح بھی محبت میں فرق آتے دیکھا ہے کہ ایک شخص نے اپنے دوست سے ایک شئے کی درخواست کی اور اُس نے انکار کیا تو ظاہر ہے کہ محبت میں فرق پڑا سچی دوستی کا ایسی حالت میں یہ مقتضی ہے کہ اگر درخوست کنندہ کو یہ معلوم نہ ہو کہ فلاں شے دوست کو نہایت عزیز ہے اور اس ناواقفیت کی حالت میں درخوست کرے تو معلوم ہوتے ہی اپنی درخوست کو واپس کرلے اور اُس شے کے نہ لینے پر مصر ہو اس بات کو غور سے سمجھ لینا چاہیئے کہ کسی شئے کا جو کہ ہمارے دوست کو عزیز ہے مانگنا اُسیقدر محبت کے خلاف ہے جس قدر کہ اُس دوست کا اُس شے کو درخوست کے بعد نہ دینا۔ اگر کوئی وجہ خاص ایسی درخوست یا انکار کی ہو تو سچے دوستوں کو لازم ہے کہ صاف بیان کردیں ورنہ یہ کہ محبت میں خلل آنے دیں ؛

کیا اچھا قول ہے کہ "دوست حقیقی ایک بہت مضبوط پناہ ہے اور جس نے ایسا دوست پالیا گویا ایک بڑا خزانہ پایا سچا دوست زندگی کے امراض کی دوا ہے اور جو لوگ دل سے نیک ہیں اپنی نیکی کے صلہ میں ایسا دوست پاوینگے" یہ سب سے خوبصورت اور غور و تامل کے لایق اس مقولہ کا اخیر حصہ ہے اس میں کچھ شک نہیں کہ اپنی طبیعت کی نیکی اور دل کی صفائی کے بغیر ہمکو سچا اور وفادار دوست نہیں ملتا ۔

دل را بدل رہیست درین گنبد سپہر

وہ شخص جو کہ خود صاف اور نیک ہے ضرور کبھی نہ کبھی اپنا سا دوست پاویگا اور گو اپنی صفائی کے سبب اُسکو کبھی بدلوگوں سے مضرت پہنچے مگر بلاشبہ سچے دوست کے ملنے سے محروم نہ رہے گا مگر بد باطن کو کبھی اچھا دوست نصیب نہیں ہوتا اگر اُسی کی سی خاصیت کا شخص ملا تو وہ اُسکی نسبت اتنا ہی شبہ کریگا جتنا کہ یہ اُسکی نسبت اور کبھی کھل کر دوستی نہیں ہونے کی ۔ اگر بد باطن شخص کسی صاف باطن سے ملے تو اُسکو اُس کی نسبت بھی اپنی بدطینتی کے سبب شبہ رہیگا اس بات کی فکر میں رہیگا کہ اُسکے بھید معلوم کروں اسی خواہش میں مبتلا ہو کر چھپ چھپ کر باتیں سنیگا اور اگر اتفاقاً کوئی ایسی بات سن پائی جو اُس کی دانست میں اُس کے برخلاف ہوئی تو اُس کو اپنی غیبت تصور کرکے

اپنے دل میں اپنے تئیں مبارکباد دیگا کہ کس ہوشیاری سے بھید معلوم کیا گو وہ بات جو کہ اس نے چھپ کے سنی (اور اس طرح پر بات سننے اور چوری میں کچھ فرق نہیں) ایسی ہو کہ اس صاف باطن شخص کو اُس سے روبرو کہنے میں بھی کچھ تامل نہوتا ایسے شخص کو کبھی سچے دوست کی سی نعمت نصیب نہیں ہوتی تعجب نہیں کہ تھوڑے عرصہ تک صاف باطن اس بد باطن شخص کو اچھا اور صادق دوست سمجھے مگر نہایت جلد اُسکے حرکات سے اُسکی خاصیت کھل جاتی ہے اور صاف آدمی اپنی اس ملاقاتی سے متنفر ہو جاتا ہے ✦

جتنا دوست پُرانا ہوتا جاتا ہے اُتنی ہی قدر بڑھتی جاتی ہے اور گو اکثر ہمکو نئے دوست کی وفا پر اتنا ہی بھروسہ ہو جاتا ہے جتنا کہ پُرانے دوست پر مگر تاہم پرانے دوست کے ساتھ زیادہ تجربہ زندگی کا ہوتا ہے اور اسی وجہ سے کہ وہ قدیم ہے اُسکی قدر زیادہ ہوتی ہے مگر کھری دوستی بڑے اندیشہ کی شے اور اُس کے برقرار رکھنے کے لیئے ہمکو بڑی احتیاط لازم ہے۔ ایک دفعہ دوستی ٹوٹنے کے بعد گو عقلمند اور عالی ہمت شخص اُس شخص کا جو کہ اُسکا دوست تھا قصور معاف کر دیگا مگر پھر دوستی کا ہونا مشکل ہے اور میری دانست میں اُس شخص سے جو کہ ہمارے ساتھ دوستی کا دعوےٰ کر کے ہمارے ضرر کی بات دانستہ کرے دوستی پھر نہ کرنی چاہیئے گو اُس کا قصور بالکل دل سے معاف کر دے اور صلح کر لے۔ اگر یہ معلوم ہو جاوے کہ وہ حرکت جس سے ہم نے ناراض ہو کر ملاقات ترک کی تھی حقیقت میں دشمنی کی نہ تھی تو پھر محبت کے جاری کرنے میں کچھ حرج نہیں اور ایسی بات کو اگر کوئی شخص معاف نکرے تو وہ بہت بے رحم اور بے مروت سمجھا جانا چاہیئے ✦

ایک عقلمند کا مقولہ مشہور ہے کہ "اپنے دشمنوں سے دُور رہ اور دوستوں سے ہوشیار" گو یہ قول ایک دانا شخص کا ہے مگر ہم اس کے اخیر حصہ سے متفق نہیں۔ وہ دوستی کیا جس میں کہ دوست پر کچھ بھروسا نہ کیا جاوے اور وہ محبت کیا کہ جس میں اپنے دوست کی وفا پر شبہ رہے۔ شاید یہ قول دنیا کے کاروبار میں نہایت ٹھیک ہو مگر اس میں کچھ شک نہیں کہ ہمارے خیالات دوستی کے قطعاً برخلاف ہے۔ اس مقولہ سے گویا یہ سکھانا ہے کہ دوست کو بھیدوں سے مطلع نکرے مگر ایسی حالت میں سب سے بڑا فائدہ دوستی کا جاتا رہتا ہے۔ وہ شخص نہایت نادان بلکہ خائن ہے جو کہ اپنے دوست کے بھیدوں سے دوسروں کو مطلع کرتا پھرے۔ ہمکو اختیار ہے کہ جس کو چاہیں اپنا رازدار بنا دیں مگر یہ بے شک امانت کے برخلاف ہے کہ اپنے دوست کے بھیدوں کو غیروں پر کھول دیں الغرض اپنے دوست کی بڑی خاطرداری لازم ہے اور کوئی بات اُسکو رنج

دینے والی نہ کرنی چاہیئے - مصرعہ

دل ہی تو ہے نہ سنگ و خشت درد سے بھر نہ آئے کیوں

بڑے دوست کی ذراسی محبت کے برخلاف بات سے بڑا رنج ہوتا ہے اور ایک دفعہ ایسی دل شکنی کے بعد دوستی کا جاری رہنا دشوار ہے کیونکہ - دل را شکستہ نہ کہ گوہر شکستہ + ہمنے اپنے مضمون سابق ہیں (جس کا یہ مضمون گویا تمہ ہے) اُن فوایٔد کا ذکر کیا تھا جو کہ ہمارے دوست سے ہمکو ہوتے ہیں یہ سب فائدے اکثر دوست کے اپنے بغیر کچھ تکلیف اُٹھائے یا کچھ دولت صرف کیئے نہیں ہوتے اور اس لیئے اُن کے سبب ہمپر اُس کا بڑا احسان ہوتا ہے ایسے احسان کے معاوضہ میں صرف اُس سے محبت زیادہ کرنی چاہیئے اور مقولہ مشہور "حساب دوستاں دردل" نہایت غلطی پر مبنی ہے اگر اس مقولہ کے معنی یہ سمجھے جاویں کہ جب کوئی دوست ہمارے لیئے اپنی کچھ دولت صرف کرے یا کسی اَور طرح ہمکو ممنون کرے تو اُس کے احسان کو ہم اپنے دل میں رکھیں اور موقع پر اُس کو اُتار دیں - ہم اس بات کے بیان کرنے سے باز نہ رہینگے کہ یہ معنی اس مقولہ کے ہماری رائے میں محض غلط ہیں - جس وقت کہ ہم اس اصول کو قبول کرلیں تو ظاہر ہے کہ اپنے دوست کا احسان لینا گویا قرض لینا ہے اور ضرور ہے کہ ایسے احسان کا بوجھ اسقدر ناگوار ہوتا ہے کہ برداشت نہیں ہوسکتی قرض کو تو بوقت مقدور اُتار بھی سکتے ہیں مگر ایسے احسان سے تو جان چھٹانی مشکل ہوتی ہے اس لیئے بدلے اس کے کہ ضرورت کے وقت اپنے دوست کی سعی و کوشش کو کام میں لاویں ایک خواہش اسکے برخلاف پیدا ہوجاتی ہے فی الحقیقت دوستی مثل بازار میں سودا خریدنے کے ہوجاتی ہے احسان لیا اور اُتار دیا جیسے سودا لیا اور دام ادا کیئے - دوست کی دوستی سے کیا فائدہ اگر اُس کے احسان کو لیکر ہم اپنے پر اُس کا اُتارنا واجب سمجھیں اور کیا یہ محبت کے برخلاف نہیں ہے کہ اُسکے احسان کو ہم اپنے پر بار یا فرض سمجھیں ہاں یہ محبت کا مقتضی ہے کہ جہاں تک ہمسے ہوسکے اپنے دوست کی بہبودگی کے لیئے کوشش کریں مگر اس سعی کو اس نیت سے کرنا کہ اُس کا احسان ہم پر سے ٹل جاوے بدباطنی میں داخل ہے - احسان ہم پر سے کبھی ٹل نہیں سکتا کیونکہ احسان کنندہ کو احسان کرتے وقت کچھ معاوضہ ملنے کی توقع نہیں ہوتی وہ صرف ازراہ محبت ایک کام ہمارے فائدہ کا کرتا ہے - اس سے ہم اُسکے ممنون ہوتے ہیں ایسا احسان صرف اس سبب سے کہ اول کیا گیا ہے بعد کے ہزار احسانوں سے بھی نہیں اُترتا بعض لوگ اس نیت سے احسان کسی پر کرتے ہیں کہ وہ شخص ہمیشہ اُن کا ممنون رہے ایسی حالت میں گو اُس شخص کو ہمیشہ احسانمند رہنا زیبا

ہے مگر اُس احسان کی خود قدر گھٹ جاتی ہے ایسے ہی احسان کرنیوالے بعد کو احسان جتایا کرتے ہیں
اور واقع میں احسان کر کے بھول جانا یا سوائے محبت کے اور کسی قسم کی عوض کی اُمید نہ رکھنا بہت
عالی ہمت اور شریف لوگوں کا کام ہے ؎

گو اوپر کے فقروں میں دوست کے احسان اُتارنے کی خواہش کو ہم بُرا کہہ آئے ہیں مگر ہم اُس
بدباطنی کی بھی مذمت کرتے ہیں جو کہ خواہش مذکورہ بالا کی ضد ہے یعنی اس بات کی خواہش رکھنا کہ
جس دوست پر ہم احسان کر چکے ہیں اُس کا احسان نہ لینا چاہیئے تاکہ ہمارا احسان اُس پر سے اُتر نہ جاوے
جس شخص میں ایسی خواہش ہوتی ہے وہ کبھی سچا دوست نہیں ہوتا اور اُس کا احسان نہایت ناگوار گذرتا
ہے کیا اُس نے ہمکو بےبس یا بےمقدور سمجھا احسان کیا تھا یا یہ کہ ہمکو فقیر و ذلیل اور اپنے تئیں امیر
کبیر اور ہم سے مرتبہ میں اعلےٰ سمجھتا ہے کہ ہم جو اُس کی خدمت محبت سے کرنی چاہتے ہیں اُسکے
قبول کرنے میں اُس کو عار ہے ہاں اگر دوست کو تکلیف دینے میں ہمکو تامل ہو تو یہ عین محبت ہے مگر اس
غرض سے اُس سے کسی بات کی درخواست نہ کرنی یا اُس کی دولت کے نہایت قلیل حصہ کو بھی اپنے
لیئے صرف نہ ہونے دینا کہ ہمپر اُس کا احسان نہ ہونے پاوے یا یہ کہ ہمارا احسان اُس پر سے نہ اُتر جاوے
بدباطنی اور نفاق میں داخل ہے ؎

ایک اور بات کا ہم مختصر ذکر کرتے ہیں۔ زندگی کے تجربہ سے اکثر معلوم ہوا ہے کہ جب کبھی دوستوں
میں لین دین شروع ہوا دوستی میں غالباً خلل واقع ہوتا ہے اس لیئے ہماری دانست میں دوست کو
ہمیشہ قرض حسنہ دے کہ اگر بالفرض وہ ادا نہ کر سکے تو محبت شکنی نہ ہو یہ بہتر ہے کہ اگر دوست قرض مانگے
تو صاف بیان کر دے کہ مقدار خاص سے زیادہ وہ دے نہیں سکتا اور اگر ایسے انکار سے کوئی
دوست ناراض ہو تو اُسکا قصور ہے ؎

ہمنے ایک بڑے شخص کے مونھ سے یہ مقولہ سُنا ہے کہ "دوست را میازما" مگر اسکے معنی ہرگز یہ نہیں کہ
اُسکے احسان لینے سے یا وقت ضرورت مدد کی درخوست کرنے سے عار رکھو بلکہ یہ معنی ہیں کہ بلا ضرورت
صرف اپنے دوست کی وفا آزمائی کے واسطے اُس سے کوئی درخواست نہ کرنی چاہیئے کیونکہ آزمانا
صرف شبہ کی حالت میں ہوتا ہے اور وہ دوست صادق نہیں جو اپنے دوست کی وفا پر شبہ کرے۔
زمانہ خود ہر شخص کی خاصیت کو کھول دیتا ہے پھر ہم کیوں اپنے دوست کی نسبت بدگمانی کریں جب تک
ممکن ہو اُسکو اپنا دوست سمجھیں اور اگر اخیر کو وہ بدباطن نکلے تو صرف خاموش اور علیحدہ ہو جاویں مگر اول
ہی آدمی کے پہچاننے میں ہمکو احتیاط چاہیئے تاکہ آخر کو ندامت نہ ہو ع چرا کارے کند عاقل کہ باز آید پشیمانی ؎

یونی ورسٹی کیمبرج

کیمبرج ایک قدیم چھوٹا سا قصبہ قریب باٹھ میل کے لنڈن سے واقع ہے۔ چھ سو برس سے زیادہ گذرے کہ ایک امیر پادری نے ایک مدرسہ قایم کیا اور اپنی جائداد اُسکو دیدی جس کی آمدنی سے خرچ چلتا تھا اور اُس آمدنی سے معلموں کی تنخواہ اور غریب طلبا کو وظیفے ملتے تھے۔ رفتہ رفتہ اس مدرسہ کی جائداد کی قیمت بڑھتی گئی اور امیر لوگ بھی اپنی اولاد کو تعلیم کے لیئے بھیجنے لگے۔ پھر اَور مدرسے بھی قایم ہوئے اور اب وہاں سولہ کالج ہیں جن سے قریب تین ہزار آدمی کے تعلق رکھتے ہیں مدرسہ کی بنیاد اس طرح پر پڑی ہے کہ کسی شخص نے اپنی جائداد ایک مدرسہ کی بنا کے لیئے دی۔ اُس کی آمدنی سے ایک مکان بنا جس میں کہ طالب علموں اور معلموں وغیرہ کے رہنے کی جگہ ہو اور پھر اُس آمدنی میں سے اُس مدرسہ کا خرچ چلتا ہے۔ اُس ہی آمدنی میں سے سالانہ انعام اور طلبا کے وظیفے دئیے جاتے ہیں ہر مدرسہ کے انتظام کی صورت یہ ہے کہ ایک عہدہ دار جسکو کالج کا ماسٹر کہتے ہیں تنخواہ پاتا ہے اس عہدہ دار کا کام پڑھانا نہیں ہے بلکہ مدرسہ کے انتظام کا اور اُسکی جائداد وغیرہ کی آمدنی کا نگران حال رہنا ہے اس عہدہ دار کو قریب ہزار روپیہ ماہواری کے اور ایک عمدہ مکان جو کہ کالج سے متعلق ہوتا ہے بلا کرایہ رہنے کو ملتا ہے۔ یہ شخص سب سے بڑا عہدہ دار ہے اور اپنے مرنے تک اُس عہدہ پر مامور رہتا ہے ◆

پھر کالج کے فیلو ہوتے ہیں یہ وہ لوگ ہیں جو کہ امتحان میں نہایت عُمدہ رہتے ہیں ور ہر شخص قریب تین ہزار روپیہ سال کے وظیفہ پاتا ہے۔ ان لوگوں کو رہنے کے لیئے کالج میں مکان ملتے ہیں اور اگر چاہیں تو پڑھاویں ورنہ بلا کسی خاص کام کے اُن کو سالانہ تنخواہ ملے جاتی ہے مگر جب شادی کرتے ہیں تو بند ہو جاتی ہے اور وہ فیلو نہیں رہتے۔ یہ لوگ ہمیشہ نہایت عالم ہوتے ہیں اور اُن کو بلا کسی خاص کام کے تنخواہ دینے سے یہ غرض ہے کہ وہ علم کی ترقی کریں اور عمدہ کتابیں عام فائدہ کے لیئے لکھیں۔ مگر اصل سبب یہ ہے کہ اُن کو تنخواہ اس لیئے دیجاتی ہے کہ بہت سے جوان شخص فیلو ہونے کے لیئے کوشش کریں اور علم تحصیل کریں۔ مثلاً جو امتحان کہ فلوشپ حاصل کرنے کے لیئے ہے وہ نہایت مشکل ہے بلکہ شاید دنیا میں اُس سے زیادہ مشکل امتحان علوم میں نہیں ہے ہر سال کے شروع میں سو طالب علم داخل ہوتے ہیں اور تین برس کے بعد ڈگری حاصل کرتے ہیں۔ ڈگری کے امتحان میں جو طالب علم کہ عمدہ رہیں اُن کو فیلو بنایا جاتا ہے۔ مگر ابھی تک فیلوشپ (یعنی عہدہ فیلو) صرف اُن لوگوں کو

دیا جاتا ہے جو کہ زبان لیٹن اور گریک میں یا علوم ہندسہ و ریاضی میں عمدہ امتحان دیں۔ اس بات کی بحث ہے کہ اَور علوم میں اچھا امتحان دینے والوں کو بھی ملے اور یقین ہے کہ چند سال میں اَور علوم کی تحصیل کرنے والوں کو بھی فیلو بنایا جاویگا ؛

ہر کالج میں مختلف تعداد فیلو کی ہے۔ مگر اوسط قریب پندرہ فیلو فی مدرسہ میں ہیں۔ ان سب کا کام ملکر بندوبست کالج کا کرنا ہے۔ ان کی ایک کونسل ہوتی ہے جس کا پریسیڈنٹ کالج کا ماسٹر ہوتا ہے۔ اور ہر امر کا تصفیہ کثرت رائے پر منحصر رہتا ہے ؛

فیلو ہر مدرسہ کی مختلف جماعتوں کو پڑھاتے ہیں مگر اس کی تنخواہ اُن کو الگ ملتی ہے۔ جو فیلو کہ طالب علموں کو درس دیتے ہیں وہ اکثر سب سے زیادہ عالم ہوتے ہیں اور اُن کو ٹیوٹر یعنی اُستاد کہتے ہیں ؛

جب کہ کالج کا ماسٹر مرتا ہے تو ان فیلوں میں سے ایک شخص اُن کی رائے سے چُنا جاتا ہے اور وہ ماسٹر بنا دیا جاتا ہے اور اپنے مرتے دم تک اُس عہدہ پر رہتا ہے غرضکہ ہر امر متعلق مدرسہ فیلوں کی رائے سے قرار پاتا ہے ؛

جب کوئی فیلو شادی کرتا ہے تو اسکو اپنی فیلوشپ چھوڑنی پڑتی ہے اور اسکی جگہ پھر اَور کوئی شخص جس نے کہ نہایت اعلےٰ امتحان دیا ہو فیلوں کی رائے سے مقرر ہو جاتا ہے۔ ہر سال قریب ایک یا دو فیلوشپ کے خالی ہوتے ہیں اور اُن کی جگہ جو طالب علم کہ اُس سال میں عمدہ امتحان دیتے ہیں مقرر ہو جاتے ہیں ؛

اکثر یہ ہوتا ہے کہ کوئی شخص علم دوست دو یا تین ہزار روپیہ کالج کو اس غرض سے دیتا ہے کہ اُس کی سالانہ آمدنی سے اُس طالب علم کو جو کہ مضمون خاص میں سب سے عمدہ امتحان دے انعام ملے۔ اکثر یہ انعام کتابوں کا ہوتا ہے۔ ایسے انعام کا نام اکثر اُس کے مقرر کرنیوالے کے نام پر رکھا جاتا ہے ؛

ہر کالج کے ساتھ ایک کتب خانہ متعلق ہے جس میں سے طالب علم کتابیں مستعار لا سکتے ہیں۔ اس کتب خانہ کا ایک داروغہ ہوتا ہے جو کالج سے تنخواہ پاتا ہے ؛

ہر کالج میں ایک ہال یعنی بڑا کمرہ ہوتا ہے جس میں کہ شام کا کھانا سب طالب العلم اور فیلو ساتھ کھاتے ہیں۔ اسی کمرہ میں سالانہ امتحان وغیرہ ہوتے ہیں ؛

ایک اَور کمرہ واسطے کونسل فیلوں کے ہوتا ہے اور مہینہ میں ایک یا دو دفعہ سب فیلو جمع ہو کر

اُمور مدرسہ کی بحث کرتے ہیں +

ہر مدرسہ سے ایک چھوٹا سا گرجہ متعلق ہوتا ہے جس میں سب طالبعلم جوکہ عیسائی مذہب رکھتے ہیں صبح اور شام عبادت کرتے ہیں۔ فیلوں میں سے ایک شخص جوکہ پادری ہو عبادت کراتا ہے اور گرجہ کا انتظام رکھتا ہے +

کالج کا ایک پھاٹک ہوتا ہے اور ایک دربان مقرر ہوتا ہے جوکہ وقت معمولی پر شام کو دروازہ بند کر دیتا ہے۔ اکثر قریب نو بجے شام کے پھاٹک بند ہو جاتا ہے بعد اس کے کالج میں کوئی شخص نہیں آسکتا +

ہر طالب علم پاس دو کمرہ ہوتے ہیں۔ ان کمروں کا مختلف کرایہ ہے اور طالب علم موافق اپنی حیثیت کے کمرے لیتے ہیں۔ ان کمروں میں سے ایک میں پلنگ اور مونھ دھونے کی میز اور کپڑوں کی الماری وغیرہ ہوتی ہے۔ اور دوسرے میں میز اور کتابوں کی الماری اور کرسیاں اور اکثر ایک کوچ ہوتی ہے۔ یہ کمرہ پڑھنے لکھنے اور دوستوں سے ملنے کے لیئے ہوتا ہے۔ اس کمرہ کے دروازہ کے دو کواڑ ہوتے ہیں۔ ایک باہر کی طرف اور ایک اندر کی طرف۔ جب طالب علم اپنے کمرہ میں نہیں ہوتا تو باہر کے کواڑ کو بند کر جاتا ہے۔ یا یہ کہ اگر اس کو یہ منظور ہے کہ کوئی شخص اس کے پڑھنے میں ہرج نہ ڈالے تب بھی وہ باہر کا کواڑ بند کر کے اندر تحصیل کرتا ہے۔ یونی ورسٹی کا دستور یہ ہے کہ اگر باہر کا کواڑ بند ہو تو لے کھٹکھٹاتے نہیں کیونکہ اگر طالب علم کچھ یاد کر رہا ہو تو اس کی تحصیل میں خلل نہ ہو صبح کا کھانا اور دوپہر کی چائے وغیرہ طالب علم اپنے کمرہ میں کھاتے پیتے ہیں۔ لیکن شام کا کھانا ہال میں کھانا ضرور ہے۔ یہ طریقہ بود و باش کا ہے۔ اب میں مختصر طرز پر طریقہ تعلیم بیان کرتا ہوں +

جب کوئی طالب علم کالج میں داخل ہوتا ہے تو اس سے پوچھا جاتا ہے کہ وہ کس علم کو تحصیل کرنا چاہتا ہے۔ اکثر طالب علم جوکہ زبان لیٹن و گریک یا علوم ہندسہ و ریاضی یا اور کوئی علم پڑھنا چاہتے ہیں تو وہ مدرسہ میں داخل ہونے سے پہلے بھی کچھ پڑھ چکے ہوتے ہیں۔ کیونکہ زبان لیٹن و گریک اس ملک میں اسی طرح پر بچپن میں پڑھائی جاتی ہے جیسے کہ ہمارے ہاں فارسی اور عربی پڑھائی جاتی ہے۔ غرض کہ ہر طالب علم یہ بات بیان کرتا ہے کہ میں فلاں علم تحصیل کرنا چاہتا ہوں۔ اس کو پھر اپنی پسند کے موافق کمرے مل جاتے ہیں اور ان میں وہ خود اسباب خرید کر رکھ لیتا

لہ یہ دستور ہے کہ جب کوئی شخص کمرہ میں آنا چاہتا ہے تو پہلے ہاتھ سے کواڑ پر کھٹ کھٹ کرتا ہے +

ہے[1]- کالج میں ہر صبح کو اوّل اُس کو گرجہ جانا ہوتا ہے[2]- پھر بعد صبح کے کھانے کے کالج میں تعلیم کے مختلف کمروں میں درس ہوتا ہے - دو سبق روز ہوتے ہیں اور اُن کے یاد کرنے میں دن اور شام صرف ہوتی ہے ٭

لیکن اوّل ہر طالب علم کو خواہ کوئی علم وہ اختیار کرے ایک امتحان دینا ہوتا ہے جس میں کہ اُس کو اوّل کامیاب ہونا شرط ہے - اس امتحان کے مضامین کچھ بہت مشکل نہیں ہیں مگر ایسے عام ہیں کہ ہر تعلیم یافتہ شخص کو اُن سے واقفیت ہونی چاہئیے - مضامین یہ ہیں ٭

۱ - زبان لیٹن جس میں ایک کتاب جو کہ مقرر کر دی جاتی ہے ٭

۲ - زبان گریک اسمیں بھی ایک کتاب پہلے سے مقرر کی جاتی ہے ٭

۳ - قواعد زبان لیٹن و گریک ٭

۴ - اناجیل اربع میں سے ایک انجیل اپنی اصلی زبان گریک میں ٭

۵ - ایک کتاب جسمیں کہ عیسائی مذہب کے دلایل بیان ہیں ٭

۶ - حساب جبر و مقابلہ تحریر اقلیدس وغیرہ مضامین مذکورہ بالا کچھ چنداں مشکل نہیں ہیں اور ان میں امتحان بآسانی ہو جاتا ہے مگر بعد اس امتحان کے مضامین مذکورہ ذیل میں سے طالب علم ایک علم تحصیل کرتا ہے ٭

مضمون اوّل

علوم میتھے میٹکس جس میں داخل ہیں قریب ۶۰ مختلف شاخیں علوم کی مثلاً علم ہیئت گردش سیاروں کی علم آب و ہوا - علم متعلق بہ گردش زمین وغیرہ ٭

مضمون دوم

زبان لیٹن و گریک مع تاریخ یونان و روم کبیر اور حالات مختلف مصنفوں کے جو کہ اگلے زمانہ میں عمدہ کتابیں لکھ گئے ہیں مثلاً سقراط اور ارسطو وغیرہ ٭

مضمون سوم

---

[1] ہر کالج کے متعلق ایک اسباب والے کی دوکان ہوتی ہے جہاں سے کل اسباب خرید کیا جاتا ہے - طالب علم کو مدرسہ چھوڑتے وقت دو تہائی قیمت اُس کے اسباب کی ملتی ہے اور وہ اسباب پھر وہی دوکاندار خرید لیتا ہے ٭

[2] جو لوگ کہ عیسائی نہیں ہیں مثلاً یہودی یا مسلمان اُن کو گرجہ میں جانا نہیں پڑتا ٭

علم مارل سائینسز جس میں شامل ہیں فلسفہ (معہ اصول حکومت) اور منطق اور پولیٹیکل اکانومی یعنی علم انتظام مدن وغیرہ ◆

مضمون چہارم

نیچرل سائینسز یعنی علوم قدرت جس میں داخل ہیں ◆

علم کیمسٹری یعنی کیمیا ◆

ایضاً منرالوجی یعنی علم معدنیات ◆

ایضاً جیالوجی یعنی علم حجارات ◆

ایضاً باٹنی یعنی علم نباتات ◆

ایضاً زوالوجی یعنی علم حیوانات (معہ اندرونی تشریح اُن کے جسموں کے) ◆

مگر مذکورہ بالا میں سے اکثر صرف دو یا تین ایک شخص اختیار کرتا ہے ◆

مضمون پنجم

علم الٰہیات یعنی علم متعلق بہ مذہب عیسائی اس امتحان کو وہ لوگ دیتے ہیں جو کہ پادری ہونا چاہتے ہیں۔ اسمیں زبان عبری اور یونانی کی شرط ہے تاکہ توریت و انجیل کو اصلی زبانوں میں پڑھ سکے سوائے عیسائیوں کے اور کوئی اس امتحان کو نہیں دے سکتا ◆

مضمون ششم

اصول قوانین و تواریخ۔ اس مضمون میں داخل ہیں۔ پرانے قوانین جو کہ روم کبیر میں جاری تھے اور جن پر قوانین اقوام یورپ مبنی ہیں اور وہ قانون جس سے مختلف قوموں کے تنازع فیصل ہوتے ہیں اور انٹرنیشنل لا کہلایا جاتا ہے۔ اس مضمون میں تاریخ قانون بھی داخل ہے ◆

مضمون ہفتم

علوم طب و تشریح وغیرہ۔ اسکی مختلف شاخیں اور مضامین ہیں مگر اُن کا بیان کرنا ضرور نہیں ◆

مذکورہ بالا سات مضامین سے طالب علم ایک پر اپنی پوری توجہ دیتا ہے اور کالج میں داخل ہونے کے قریب تین سال کے بعد مکان سینٹ ہوس میں (یعنی اُس عالیشان مکان میں جہاں یونیورسٹی کے امتحان ہوتے ہیں اور جہیں کہ ڈگری عطا کرنے کی رسم پوری کی جاتی ہے) امتحان دیتا ہے اور بحالت کامیابی ڈگری عطا ہوتی ہے اور ایک گون یعنی چغا اور ایک ٹوپی بطور سند عطا ہوتی ہے جن کے پہننے کا وہ مستحق ہوتا ہے اور بڑے جلسوں میں اُس کو پہنتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں

ہے[1]۔ کالج میں ہر صبح کو اوّل اُس کو گرجہ جانا ہوتا ہے[2]۔ پھر بعد صبح کے کھانے کے کالج میں تعلیم کے مختلف کمروں میں درس ہوتا ہے۔ دو سبق روز ہوتے ہیں اور اُن کے یاد کرنے میں دن اور شام صرف ہوتی ہے ۔

لیکن اوّل ہر طالب علم کو خواہ کوئی علم وہ اختیار کرے ایک امتحان دینا ہوتا ہے جس میں کہ اُس کو اوّل کامیاب ہونا شرط ہے۔ اس امتحان کے مضامین کچھ بہت مشکل نہیں ہیں مگر ایسے عام ہیں کہ ہر تعلیم یافتہ شخص کو اُن سے واقفیت ہونی چاہیئے۔ مضامین یہ ہیں ۔

۱۔ زبان لیٹن جس میں ایک کتاب جو کہ مقرر کر دی جاتی ہے ۔

۲۔ زبان گریک اسمیں بھی ایک کتاب پہلے سے مقرر کی جاتی ہے ۔

۳۔ قواعد زبان لیٹن و گریک ۔

۴۔ اناجیل اربع میں سے ایک انجیل اپنی اصلی زبان گریک میں ۔

۵۔ ایک کتاب جسمیں کہ عیسائی مذہب کے دلایل بیان ہیں ۔

۶۔ حساب جبر و مقابلہ تحریر اقلیدس وغیرہ مضامین مذکورہ بالا کچھ چنداں مشکل نہیں ہیں اور ان میں امتحان بآسانی ہو جاتا ہے مگر بعد اس امتحان کے مضامین مذکورہ ذیل میں سے طالب علم ایک علم تحصیل کرتا ہے ۔

مضمون اوّل

علوم میتھے میٹکس جس میں داخل ہیں قریب ۲۰ مختلف شاخیں علوم کی مثلاً علم ہیئت گردش سیاروں کی علم آب و ہوا علم متعلق بہ گردش زمین وغیرہ ۔

مضمون دوم

زبان لیٹن و گریک مع تاریخ یونان و روم کے اور حالات مختلف مصنفوں کے جو کہ اگلے زمانہ میں عمدہ کتابیں لکھ گئے ہیں مثلاً سقراط اور ارسطو وغیرہ ۔

مضمون سوم

---

[1] ہر کالج کے متعلق ایک اسباب والے کی دوکان ہوتی ہے جہاں سے کہ اسباب خرید کیا جاتا ہے۔ طالب علم کو مدرسہ چھوڑتے وقت دو تہائی قیمت اُس کے اسباب کی ملتی ہے اور وہ اسباب بھی دوکان دار خرید لیتا ہے ۔

[2] جو لوگ کہ عیسائی نہیں ہیں مثلاً یہودی یا مسلمان اُن کو گرجہ میں جانا نہیں پڑتا ۔

علم مارل سائینسز جس میں شامل ہیں فلسفہ (معہ اصول حکومت) اور منطق اور پولیٹیکل اکانومی یعنی نظام مدن وغیرہ •

مضمون چہارم

نیچرل سائینسز یعنی علوم قدرت جس میں داخل ہیں •

علم کیمسٹری یعنی کیمیا •

ایضاً منرالوجی یعنی علم معدنیات •

ایضاً جیالوجی یعنی علم جمادات •

ایضاً باٹنی یعنی علم نباتات •

ایضاً زوالوجی یعنی علم حیوانات (معہ اندرونی تشریح اُن کے جسموں کے) •

مگر مذکورہ بالا میں سے اکثر صرف دو یا تین ایک شخص اختیار کرتا ہے •

مضمون پنجم

علم الٰہیات یعنی علم متعلق بہ مذہب عیسائی اس امتحان کو وہ لوگ دیتے ہیں جو کہ پادری ہونا چاہتے ہیں۔ اسمیں زبان عبری اور یونانی کی شرط ہے تاکہ توریت و انجیل کو اصلی زبانوں میں پڑھ سکے سوائے عیسائیوں کے اور کوئی اس امتحان کو نہیں دے سکتا •

مضمون ششم

اصول قوانین اور تواریخ۔ اس مضمون میں داخل ہیں۔ پرانے قوانین جو کہ روم کبیر میں جاری تھے اور جن پر اب اقوام یورپ مبنی ہیں اور وہ قانون جس سے مختلف قوموں کے تنازع فیصل ہوتے ہیں اور انٹرنیشنل لا کہلایا جاتا ہے۔ اس مضمون میں تاریخ قانون بھی داخل ہے •

مضمون ہفتم

علوم طب و تشریح وغیرہ۔ اسکی مختلف شاخیں اور مضامین ہیں مگر اُن کا بیان کرنا ضرور نہیں •

مذکورہ بالا سات مضامین سے طالب علم ایک پر اپنی پوری توجہ دیتا ہے اور کالج میں داخل ہونے کے قریب تین سال کے بعد مکان سینٹ ہوس میں (یعنی اُس عالی شان مکان میں جہاں یونی ورسٹی کے امتحان ہوتے ہیں اور جہیں کہ ڈگری عطا کرنے کی رسم پوری کی جاتی ہے) امتحان دیتا ہے اور بعد کامیابی ڈگری عطا ہوتی ہے اور ایک گون یعنی چغا اور ایک ٹوپی بطور سند عطا ہوتی ہے جن کے پہننے کا وہ مستحق ہوتا ہے اور بڑے جلسوں میں اُس کو پہنتا ہے جس سے معلوم ہوتا ہے کہ فلاں

یونی ورسٹی کی ڈگری حاصل کی ہے۔ بعد حصول ڈگری وہ شخص اپنی عمر بھر کے لیئے یونی ورسٹی کا ممبر گنا جاتا ہے اور اُسکو سب حقوق حاصل رہتے ہیں +

اب مختصر حال بیان کرتا ہوں اُن مختلف باتوں کا جو طالب علموں نے خود قایم کی ہیں۔ اس غرض سے کہ جلسوں میں اسپیچ یعنی گفتگو کرنا آوے ایک سوسیٹی قایم کی ہے جس میں مختلف مضامین پہ بحث ہوتی ہے۔ یہ سوسئٹی بالکل پارلیمنٹ کے نمونہ پر ہے اور ہر ممبر کو استحقاق گفتگو کا ہے۔ اکثر وہ لوگ جو کہ پارلیمنٹ کے ممبر ہونے کی تمنا رکھتے ہیں یا بیرسٹر ہونے کو ہوتے ہیں اس سوسئٹی میں گفتگو کی مشق کرتے ہیں۔ مسٹر گلیڈ اسٹون وزیر اعظم حال ایک ایسی ہی سوسئیٹی میں جو کہ اکسفورڈ یونی ورسٹی میں ہے اپنے زمانہ طالب علمی میں گفتگو کی مشق کیا کرتے تھے اور لارڈ مکالی ہمارے ہاں کی یونین سوسئیٹی کے زمانہ طالب علمی میں ایک نامی ممبر تھے اور پریسیڈنٹ مقرر ہوئے تھے۔ یہ عہدہ ممبروں کے ووٹوں سے ہوتا ہے مگر اکثر سب سے بڑے بولنے والے کو ملتا ہے ؛

اسیطرح پر جسمانی مشق کے لیئے کلب ہیں اور طالب علم اکثر اپنی فرصت کے گھنٹوں میں دریائے کیم پر (جسپر کیمبرج واقع ہے) کشتی کھیلتے ہیں +

مذکورہ بالا مختصر حال طرز تعلیم یونیورسٹی کیمبرج کا ہوا۔ اب مَیں چند سطریں اپنی رائے کے بیان کرنے میں لکھتا ہوں کہ ہم ہندوستان کے مسلمان کیونکر اپنی تعلیم کر سکتے ہیں +

تجویز

اِس بات کے ثابت ہونے میں اب کچھ شک نہیں رہا کہ جو علوم کہ زبان یونانی سے اگلے زمانہ میں عربی میں ترجمہ کیئے گئے تھے اُن میں سے اب بہت سے تو غلط ثابت ہو گئے ہیں اور باقی کی اب اقوام یورپ نے اِس قدر ترقی کر لی ہے اور تکمیل کو پہنچایا ہے کہ پُرانے علوم بڈھی عورت کی سی باتیں معلوم ہوتے ہیں۔ اس بات کو خیال کرنا چاہیئے کہ ہمارے علم کی کتابوں میں صرف وہ باتیں ہیں جو کہ حکماء یونان نے اپنے خیال و قیاس سے نکالی تھیں۔ ہاں اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی حکما اور فلاسفہ نے اُن کی بہت ترقی کی مگر وہ بھی قریب ہزار برس سے بند ہو گئی اور جو کتابیں کہ اب عربی درس میں ہیں وہ سب نہایت پرانی تحقیقات پر مبنی ہیں۔ مثلاً علم جغرافیہ ہمارے ہاں نہایت غیر مکمل حالت میں ہے اور عربی کتابوں میں ایسی حالت میں ہے

ٖ۱ میں علوم دین کی نسبت کچھ بحث نہیں کرتا اور نہ اُن کو شامل کرتا ہوں ؛

جو کہ تین ہزار برس ہوئے یونان میں تھا جب کہ امریکہ کا کچھ حال معلوم نہ تھا اور آسٹریلیا کا کچھ گمان بھی نہ تھا۔
یورپ کی ترقی اور تربیت سے تمام دنیا پر سفر کیئے گئے اور جزائر وغیرہ دریافت کیئے گئے - جس قدر کہ
متقدمین کو زمین معلوم تھی اُس سے اب قریب چوگنی کے معلوم ہے مگر غیاث اللغات میں زمین کے نقشہ کو
انگریزی نقشوں سے ملانے سے معلوم ہوتا ہے کہ علم جغرافیہ میں کس قدر ترقی ہوئی ہے - غرضکہ سب علوم
جو کہ ہمارے ہاں موجود ہیں وہ سب نہایت پرانی حالت زنگ آلودہ میں ہیں اُس سے زیادہ بدقسمتی کی بات یہ ہے
کہ اُن علوم کو بھی اب مُسلمانوں نے تحصیل کرنا چھوڑ دیا اور دن بدن علوم دین پر بھی زوال ہے یہ تو
مسلمانوں کے علم کا حال ہے - اُن کی معاش کا حال اور بھی بدتر ہے اور دن بدن بدتر ہوتا جاتا ہے ایک
نہایت بڑا حصہ مسلمان شرفاء کا وہ ہے جو کہ اپنی جائداد کی آمدنی پر گذر کرتے ہیں - بلکہ شاید سب سے دولتمند
مسلمان صاحب جائداد ہیں اس بات کو خیال کرنا چاہیئے کہ ان میں سے کوئی بھی اپنی اولاد کی تعلیم قرار واقعی نہیں
کرتا - یہ بیشک اصل حال ہے - اب اس بات پر خیال کرنا چاہیئے کہ موافق شرع شریف مسلمان کی جائداد بعد
انتقال کے اولاد میں تقسیم ہو جاتی ہے - تو اس سے یہ نتیجہ صاف ہے کہ امیر سے امیر مسلمان کی اولاد
دو یا تین پشت میں غریب ہو جاویگی اور مُلکی لوگوں کی کاہلی مشہور ہے - میں ایسی حالت تنزل سے یہ
نتیجہ نکالتا ہوں کہ پچاس برس کے عرصہ میں مسلمان نہایت بے تربیت یافتہ اور ذلیل و خوار اور مفلس ہو جاوینگے
اور خدانخواستہ یہ بات بھی ممکن ہے کہ تھوڑے اَور زمانہ میں اُن کا ہندوستان میں وہ حال ہو جاوے گا
جو کہ ذلیل ترین اقوام ہندوستان کا اب ہے - میں اپنی اس رائے کو اس بات سے سہارا دیتا ہوں کہ محمد تغلق
کی اولاد اب دہلی کے قریب پُرانے قلعہ میں (جس کا نام تغلق آباد ہے) بستی ہے اور اُن میں سے کسی کو
پڑھنا لکھنا نہیں آتا اور وہ گھاس کھود کر اپنی روٹی کماتے ہیں اور یہ بھی کہ شاہزادگان خاندان تیموریہ
نہایت ذلیل طرز پر دہلی میں روٹی کماتے ہیں اور کسی کو کسی قسم کا علم نہیں ؎

جب کہ ہم اس بات کو خیال میں رکھیں کہ کوئی مسلمان خاندان موجودہ کسی قسم کی ترقی نہیں کرتا اور یہ بھی
کہ کوئی نیا خاندان جاگیر یا جائداد نہیں پاتا (جیسا کہ مغلیہ بادشاہوں کے وقت میں ہوتا تھا) اور یہ کہ مسلمان
دن بدن گورنمنٹ کے معزز عہدوں پر سے کم ہوتے جاتے ہیں تو میری رنج آمیز رائے ہرگز نادرست نہیں
معلوم ہوگی ؎

اس بات کے مانے جانے کے بعد سوال یہ ہے کہ کیا علاج ؟ اسکا جواب ہم یہ دیتے ہیں کہ "تعلیم" مگر
اس کے ساتھ ہی ہم یہ کہتے ہیں کہ جو طرز تعلیم کہ گورنمنٹ نے اختیار کیا ہے وہ ہرگز ہماری حاجات اور ضروریات
کے موافق نہیں - گورنمنٹ کالجوں میں تعلیم صرف انگریزی اچھی ہوتی ہے اور اس میں کچھ شک نہیں کہ عربی اور

نامی کی نہایت خراب تعلیم ہوتی ہے مسلمان نوجوان گورنمنٹ کالجوں میں اپنے مذہب کی تعلیم نہیں پاسکتے اور
سب سے بڑی بات یہ ہے کہ سب علوم انگریزی میں پڑھائے جاتے ہیں جس سے اُن علموں کی مشکلات
دو چند ہو جاتی ہیں یہ سچ ہے کہ بہت سے ایسے علوم ہیں کہ جن کی کتابیں ہماری زبان اردو میں موجود نہیں
مگر اس کا جواب یہ ہے کہ اگر چاہو تو نہایت کم عرصہ میں بہت سی کتابیں ترجمہ ہو سکتی ہیں۔ اس میں کچھ شک
نہیں کہ یہ بات کہ گورنمنٹ اپنے مدارس میں دینی تعلیم نہیں دیتی ہرگز گورنمنٹ پر اعتراض نہیں ہے بلکہ
ہر تربیت یافتہ اور دانا گورنمنٹ کو ضرور ہے کہ مذہب کے لگاؤ سے بچے ۔ مگر یہ بات کہ زبان اُردو میں
علوم کیوں نہیں پڑھاتے بلاشبہ بڑا اعتراض ہے اور گورنمنٹ خود اس بات پر اب توجہ دیگی ●

ہماری غرض یہ ہے کہ مسلمان اپنی تعلیم خود سب سے بہتر کر سکتے ہیں اور اگر کوشش و سعی کریں
تو نہایت آسانی سے وہ کام کر سکتے ہیں جو کہ گورنمنٹ مشکل سے بھی نہیں کر سکتی ●

اس ملک کو دیکھو کہ جتنے بڑے مدرسہ اور دار العلوم ہیں اُن کو گورنمنٹ سے لگاؤ نہیں اور یہاں کے
لوگ اپنی تعلیم خود کرتے ہیں اسی یونی ورسٹی میں گورنمنٹ ایک حبہ نہیں دیتی اور اس میں کچھ شک نہیں کہ دنیا کی
سب سے بڑا دار العلوم ہے ●

پس اب میں کمیٹی ترقی تعلیم مسلمانان کی خدمت میں یہ عرض کرتا ہوں کہ آپ اپنی عالی ہمتی اور حب وطن کو
اس بات کی کوشش میں کام میں لاویں کہ مسلمان اپنی خراب حالت پر غور کریں اور اُس کا علاج اس بات میں
سمجھیں کہ ہم میں تعلیم پھیلے ۔ ہم خود مدرسہ قایم کریں اور اپنی اولاد کی تعلیم کریں ●

مگر سب سے مقدم بات یہ ہے کہ ایک بڑا مدرسہ کسی عمدہ شہر میں قایم کیا جاوے جسمیں کہ طالب علم
اس اصول پر تعلیم پاویں جیسا کہ اس یونی ورسٹی میں یعنی یہ کہ مدرسہ میں رہنا ہو اور سب ساتھ کھانا کھاویں اور
ہر طالب علم الگ الگ ایک و دو کمرہ لیکر رہوے ۔ اور یہ کہ علوم سب زبان اُردو میں پڑھائے جاویں اور
انگریزی صرف بطور ایک زبان غیر کے پڑھائی جاوے بلکہ یہ کہ جس کا دل چاہے پڑھے اور جس کا دل چاہے
نہ پڑھے اور جس کا دل چاہے عربی و فارسی میں تکمیل کرے جس کا دل چاہے دین کے علوم تحصیل کرے غرض
یہ ہے کہ ایک ایسا مدرسہ ہو جہاں کہ صرف مسلمان اپنی حسب خواہش تعلیم پا سکیں اور اپنے دین کی تعلیم
بھی شامل رکھیں ●

فرض کیجیے کہ علیگڈھ میں یہ مدرسہ قایم ہو تو اس میں کچھ شک نہیں کہ وہاں ہندوستان کے سب اطراف
سے مسلمان بآسانی آسکتے ہیں پنجاب اور اودھ جو سب سے ریل علیگڈھ کو جاتی ہے
اور بنگالہ کچھ دشوار نہیں ●

یہ بات کہنا کہ مسلمانوں کو مقدور نہیں بالکل غلط ہے کیونکہ ہر محرم میں ہندوستان کے مسلمان فضول باتوں میں لاکھوں روپیہ صرف کر دیتے ہیں اور جو کچھ کہ فضول خرچیاں شادیوں میں ہوتی ہیں اُن کا دسواں حصّہ بھی نہایت عالیشان دار العلوم قایم ہونے کے لیئے کافی ہے۔ اصل یہ ہے کہ سب سے زیادہ دُل کی سعی چاہیئے مسلمان کسقدر شوق سے مسجدیں بناتے ہیں مگر اس بات کا خیال نہیں کرتے کہ جب علم دین بدن گھٹتا جاتا ہے تو مدرسہ بنانے سے دس گُنا زیادہ ثواب ہوتا ہے۔ اگر مسلمانوں کا علم دین خدانخواستہ جاتا رہا تو مسجدیں کس کام آویں گی اور کیا فائدہ ہوگا ٭

جیسے مدرسے یہاں ہوتے ہیں اگر ایسا ایک بھی مدرسہ مسلمان قایم کرلیں تو کل قوم کی ترقی ہو اور دنیا و دین کے مصائب سے نجات پانے کی صورت نکلے ٭

مضامین مولوی خواجہ الطاف حسین صاحب حالی پانی پتی

انبیاء

نبی کی ضرورت پر ایک وجدانی شہادت

جو باتیں انسان کو مذہب نے تعلیم کی ہیں اور جن کو وہ الہامی جانتا ہے وہ عموماً یا تو خدا تعالےٰ کی ذات وصفات سے علاقہ رکھتی ہیں یا اُس جزا و سزا سے جس کا وقت موت کے بعد مقرر کیا گیا ہے اور اس لیئے ہم تمام مذہبی تعلیمات کو علم مبدا و معاد کہتے ہیں پس نبی کی ضرورت ثابت کرنے کے لیئے ہمکو دو باتوں کا ثبوت دینا کافی ہے - ایک یہ کہ مبدا و معاد نفس الامر میں ایسی دو حقیقتیں ہیں جن کا علم حاصل کرنا انسان پر واجب ہے - دوسرے یہ کہ مبدا و معاد کا علم نبی کے سوا کسی اَور ذریعہ سے حاصل نہیں ہو سکتا +

جس طرح مثلاً عمل کیمیا کے ذریعہ سے ہم اس بات کا مشاہدہ کرا سکتے ہیں کہ پانی بسیط نہیں ہے بلکہ دو مختلف گاسوں یعنی اوکسیجن اور ہائیڈروجن سے مرکب ہے اس طرح ہم یہ ہرگز نہیں دکھا سکتے کہ یہ مبدا ہے اور یہ معاد لیکن ہم ان دونوں چیزوں کے وجود پر انسان کی اصل فطرت کو گواہ کر سکتے ہیں اور اُسکی گواہی ہمارے نزدیک مشاہدہ سے بھی زیادہ یقینی ہے +

تفصیل اس اجمال کی یہ ہے کہ انسان کا حال جو شخص کی نگاہ سے دیکھا جاتا ہے تو ادنیٰ تامل کے بعد یہ معلوم ہوتا ہے کہ جس طرح اُسکو اکثر چیزوں کا علم اکتساب سے حاصل ہوتا ہے اور اُسکو کسبی علم کہتے ہیں اسی طرح بعضی باتوں کا علم اُس کی فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے جس کو

فطرتی یا وہبی یا قدرتی علم کہہ سکتے ہیں مثلاً ضرورت کے وقت کھانا پینا +
دھوپ اور مینہہ میں سایہ ڈھونڈنا جاڑے میں گرم ہونے کی تدبیریں کرنی یہ باتیں اُسکو قدرت کے سوا کسی نے نہیں سکھائیں کیونکہ ہم یہی باتیں اُس کے ابنائے جنس یعنی اَور حیوانات میں بھی مشاہدہ کرتے ہیں جن کا معلم اور اُستاد قطعاً قدرت کے سوا اَور کسی کو نہیں ٹھہرا سکتے اور جب ہم گھونسلا بنانے میں بئے کی کاریگری اور شہد حاصل کرنے میں مکھی کی حکمت اور جالا پورنے میں مکڑی کا ہنر دیکھتے ہیں اور اکتساب کی راہیں چاروں طرف سے مسدود پاتے ہیں تو ہمکو اِس بات میں بالکل شک نہیں رہتا کہ قدرتی علم صرف میل طبعی ہی کا نام نہیں ہے بلکہ بعضے ایسے دقایق اور صنائع بھی اس میں داخل ہیں جو بادی النظر میں قوت مفکرہ کے نتایج معلوم ہوتے ہیں +
پھر جب ذرا اَور تامل کیا جاتا ہے تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اسی قدرتی علم کے لحاظ سے انسان اور اُس کے ابنائے جنس میں دو طرح کا امتیاز رکھا گیا ہے ایک یہ کہ اَور حیوانات کا قدرتی علم ہمیشہ ایک خاص حد پر محدود رہتا ہے کبھی اُس سے تجاوز نہیں کرتا مثلاً جو گھونسلا ابابیل نے نوح علیہ السلام کی کشتی میں بنایا ہوگا اُس میں اور اِس زمانہ کے گھونسلوں میں ہرگز کچھ تفاوت نہوگا بخلاف انسان کے کہ اُس کا قدرتی علم ہمیشہ ایک ہی حالت پر نہیں رہتا مثلاً اگر پانچ چار ہزار برس پہلے کی بعض انسانی عمارتیں اس زمانہ کی عمارتوں سے ملائی جائیں تو شاید اِس بات کا یقین بہت مشکل سے آئے کہ یہ دونوں کام ایک ہی نوع کے افراد نے بنائے ہیں۔ دوسرے یہ کہ اَور حیوانات کو صرف وہ باتیں سکھائی گئی ہیں جو اُن کے مصالح جزئیہ اور اغراض محسوسہ کے لیئے مفید ہوں اور بری بھلی طرح اُن کی حاجت رفع کردیں جیسے بھوک کے وقت دانہ یا گھاس یا گوشت وغیرہ کھالینا پیاس کے وقت پانی پینا شبق کی حالت میں اپنی مادہ کے ساتھ نزدیکی کرنی دھوپ اور مینہہ یا سردی کے بچاؤ کے لیئے گھونسلا یا بل یا بھٹ وغیرہ بنانا اپنے بچوں کی ایک خاص مدت تک پرورش کرنی۔ بخلاف انسان کے کہ اُس کے سینہ میں ان باتوں کے سوا وہ علوم بھی القا کیئے گئے ہیں جن کے ذریعہ سے وہ اپنے مصالح کلیہ اور منافع آیندہ کا سراغ لگا سکتا ہے جیسے جھوٹ یا زنا یا خیانت کو بُرا جاننا اور سچ یا عدالت یا امانت کو اچھا جاننا +
پھر جب ذرا اَور تامل کیا جاتا ہے تو انسان کے قدرتی اور اکتسابی علم میں تین طرح کا امتیاز ہونا ضروری معلوم ہوتا ہے ایک یہ کہ قدرتی علم کی اصل تمام نوع میں متحقق ہونی ضرور ہے کیونکہ ہم اس علم کے آثار اَور حیوانات میں اسیطرح مشاہدہ کرتے ہیں مثلاً شہد کی مکھی جس طریقہ سے شہد حاصل

کرتی ہے اور مکڑی جس ہنر سے جالا پورتی ہے وہ طریقہ اور وہ ہنر اُن کے تمام بنی نوع میں پایا جاتا ہے مگر چونکہ انسان کو خدا تعالےٰ نے عقل عنایت کی ہے اور عقل کا مقتضیٰ تمام افراد میں یکساں نہیں ہوتا اس لیئے وہ قدرتی اصل ایک صورت پر قایم نہیں رہتی مثلاً عورت اور مرد کو بغیر کسی تخصیص کے ایک دوسرے پر حرام جاننا ایک عام قانون ہے جوکہ انسان کو قدرت نے تعلیم کیا ہے مگر اُس تخصیص کی صورتیں ہر قوم میں جُدا جُدا ہیں مسلمانوں کے ہاں اَور طریقہ ہے ہندوؤں کے ہاں اَور دستور ہے عیسائیوں کے ہاں اَور قاعدہ ہے بخلاف اکتسابی علم کے کہ وہ نوع کے بعض افراد میں متحقق ہوتا ہے بعض میں نہیں ہوتا جیسے علم جیولوجی اور علم برق کہ یہ دونوں علم اہل یورپ کے ساتھ مختص ہیں یا ایک زمانہ میں مختص ہتے یا جیسے حرکات کواکب کا علم یا علم ہندسہ کہ ایک زمانہ میں اہل مصر کے ساتھ مختص تھا۔ دوسرے یہ کہ جب انسان کو کوئی ایسی بات تعلیم کیجائے جو قدرت نے اس کو پہلے سے سکھا رکھی ہے تو ضرور ہے کہ وہ بات بغیر دلیل اور برہان کے اس کے دل میں دلنشین ہوجاوے بخلاف اکتسابی علم کے کہ جب تک اُس پر کافی دلیلیں قایم نہ کی جاویں تب تک اُسکی صداقت پر ہرگز دل گواہی نہیں دے سکتا مثلاً اگر ہمارے سامنے کوئی یہ کہے کہ گرمی کی شدت میں سرد ہوا سے نہایت فرحت حاصل ہوتی ہے تو خواہ وہ اُس کا طبعی سبب بیان کرے خواہ نہ کرے ہمکو اُسکے تسلیم کرنے میں کچھ تردد نہیں ہوتا لیکن اگر وہ ہم سے یہ آکر کہے کہ ہوا دو مختلف گاسوں یعنی ایزوٹ اور آکسیجن سے مرکب ہے تو ہم اس بات کے خواہاں ہونگے کہ وہ عمل کیمیا کے ذریعہ سے ہوا کے اجزا تحلیل کرکے ہمکو دکھا دے تیسرے جو علم انسان کو قدرت نے تعلیم کیا ہے ضرور ہے کہ وہ سچا اور مطابق واقع کے ہو بخلاف اکتسابی علم کے کہ اُس میں غلطی اور خطا کا احتمال بھی ہو سکتا ہے مثلاً صحت کی حالت میں ٹھنڈے پانی سے پیاس کا بجھانا جو انسان کو قدرت نے تعلیم کیا ہے اس میں کبھی خطا واقع نہیں ہوتی لیکن مرض کی حالت میں جب پیاس اس قدر بڑھ جائے کہ صرف ٹھنڈے پانی سے فرو نہ ہوسکے اور اُس کا علاج کسی ٹھنڈی دوا سے کیا جائے تو ممکن ہے کہ وہ بالکل فائدہ نہ بخشے یا پیاس کو اَور زیادہ کردے ؂

ان سب باتوں میں غور کرنے کے بعد جب ہم اپنے اصل مقصود کی طرف متوجہ ہوتے ہیں تو ہم کو اس بات کا اقرار کرنا پڑتا ہے کہ جہاں قدرت نے انسان کو اَور ہزاروں باتیں تعلیم کی ہیں انہیں باتوں میں سے مبدا و معاد کا اجمالی علم بھی ہے یعنی اس قدر جاننا کہ کوئی ہمارا صانع ہے اور مرنے کے بعد ہمکو کچھ نہ کچھ اپنی بُرائی بھلائی کا ثمرہ ملنے والا ہے یہ انسان کی اصل فطرت میں ودیعت کیا گیا ہے

کیونکہ جہاں تک ہماری نگاہ پہنچتی ہے ہم یہ دیکھتے ہیں کہ آدمی عام اس سے کہ مذہب کا پابند ہو یا نہو اور عام اس سے کہ الوہیت کا قائل ہو یا منکر بہرحال جس وقت وہ کسی ایسی خطرناک حالت میں پھنس جاتا ہے جس سے جانبر ہونے کی کوئی تدبیر نظر نہیں آتی اور جن وسائل پر اس کو بھروسہ تھا وہ سب منقطع ہو جاتے ہیں تو جس طرح لوہا مقناطیس کی طرف کھنچتا ہے اسی طرح اس کی عالی توجہ اور باطنی ہمت چاروں طرف سے سمٹ کر ایک ایسی ان دیکھی اور ان سمجھی ذات کی طرف کھنچتی ہے جس کو وہ اڑے وقت کا سہارا اور اپنی تمام تدبیروں کا منتہا سمجھتا ہے اسی طرح جہاں تک ہمکو معلوم ہے ہم نوع انسان کے کسی فرد کو اس بات سے خالی نہیں پاتے کہ وہ بعضی برائیوں سے نہ کسی دنیوی مضرت کے اندیشہ سے بلکہ ایک ایسے خوف کے سبب سے بچتا ہے یا بچنے کا ارادہ رکھتا ہے جس کا کھٹکا اُسکو مرنے کے بعد ہے۔ اور بعضی بھلائیاں نہ کسی دنیوی منفعت کے لیئے بلکہ ایک ایسی توقع پر کرتا ہے یا کرنیکا ارادہ رکھتا ہے جس کے پورے ہونے کی اُمید اس کو مرنے کے بعد ہے۔ اسی مطلب کو ہم یوں بھی ادا کر سکتے ہیں کہ ہر فرد انسانی بعضے کاموں کو نہ کسی دنیوی مضرت یا منفعت کے لحاظ سے بلکہ محض دل کی شہادت سے مذموم یا محمود جانتا ہے حالانکہ کسی شے کو بُرا یا بھلا جاننا اُس کے نتایج کے بُرا یا بھلا جاننے پر موقوف ہے پس اس کے سوا کوئی بات ذہن میں نہیں آتی کہ معاد کا اجمالی علم جو اُس کی فطرت میں رکھا گیا ہے صرف اُس کی ہدایت سے وہ اُن کاموں کو بُرا یا بھلا جانتا ہے ؛

اس ساری تقریر سے یہ نتیجہ نکلا کہ مبدا و معاد کا اجمالی علم انسان کو قدرت نے تعلیم کیا ہے کیونکہ اگر اکتساب سے حاصل ہوتا تو اُس کے آثار تمام بنی نوع میں بلا استثناء ہرگز نہ پائے جاتے۔ لیکن یہاں یہ شبہ پیدا ہوتا ہے کہ شاید یہ خیالات انسان کی اصل فطرت میں ودیعت نہ کیئے گئے ہوں بلکہ مذہبی تعلیمات کے سبب رفتہ رفتہ تمام دنیا میں پھیل گئے ہوں مگر یہ شبہ ہمکو ایک ایسی دلیل کی طرف ہدایت کرتا ہے جس سے ہمارے مطلب کو اور زیادہ تقویت حاصل ہوتی ہے۔ ہم اوپر لکھ چکے ہیں کہ قدرتی علم کا ایک یہ بھی خاصہ ہے کہ جب کوئی بات اُس کے موافق انسان کو تعلیم کی جاتی ہے تو وہ اُس کو بغیر دلیل اور برہان کے تسلیم کر لیتا ہے پس اگر یہ بات مان لیجائے کہ خیالات مذکورہ مذہبی تعلیمات کے سبب دنیا میں شائع ہوئے ہیں تو بھی ہمارا مطلب کہیں نہیں جاتا کیونکہ اگر یہ دونوں اصول یعنی مبدا و معاد مجملاً انسان کی فطرت میں مخفی نہ ہوتے تو کسی طرح ممکن نہ تھا کہ سارا جہان ایسی دو نادیدہ باتوں کے تسلیم کرنے پر متفق ہو جاتا جن کا نمونہ سلسلہ محسوسات میں کہیں نظر نہیں آتا ؛

ہم اوپر یہ بھی لکھ چکے ہیں کہ قدرتی علم میں اکتسابی علم کی طرح غلطی اور خطا کا احتمال کبھی نہیں ہوتا بلکہ وہ

ہمیشہ سچا اور مطابق واقع کے ہوتا ہے پس جبکہ ہم یہ بات ثابت کر چکے کہ مبداء و معاد کا اجمالی علم قدرتی ہے اکتسابی نہیں ہے تو ضرور ہے کہ جیسا مبداء و معاد کی نسبت ہمارا اعتقاد ہے اسیطرح واقع میں بھی کوئی ہمارا صانع ہے اور مرنے کے بعد ہماری برائی بھلائی کا ثمرہ ہمکو ملنے والا ہے اور جب یہ بات ثابت ہو گئی کہ مبداء و معاد کا اعتقاد صحیح اور مطابق واقع کے ہے تو ہماری عقل ہرگز جایز نہیں رکھتی کہ جس فیاض حکیم نے بغیر طلب اور خواہش کے اس اجمالی علم کی چاٹ لگا کر ہمکو اُس کی تفصیل کا مشتاق بلکہ ایسا حاجتمند کیا جیسے بیمار دوا کا اور پیاسا پانی کا محتاج ہوتا ہے وہ باوجود ہماری طلب و خواہش کے اُس کی تفصیل کا دروازہ ہم پر نہ کھولے ہمارے نزدیک اگر مبداء و معاد کا تفصیلی علم حاصل کرنے کے وسائل ہم سے منقطع کیے جائیں تو ہمارا حال یا تو بعینہٖ اُس پیاسے کا سا ہو جسکو ایک سرد اور شیریں اور شفاف پانی کے چشمہ سے دو گھونٹ پلا کر اُس چشمہ کی راہیں چاروں طرف سے مسدود کر دیں یا اُس غلام کا سا حال ہو جسکو اُسکا آقا کسی دور و دراز مسافت پر ایک خطرناک رستہ سے بھیجے اور سوا اس کے کہ اُس رستہ کا خطرناک ہونا اُس کو کسی طرح جتا دے اُن خطرات کی حقیقت یا اُن کے موقع و محل سے آگاہ نہ کرے اور کوئی تدبیر اُن سے بچنے کی اُس کو نہ سوجھائے ۔ کیا ہمارا ولی نعمت جس کو ہم جود و کرم کے ساتھ متصف اور بخل و ضنت سے منزہ جانتے ہیں وہ ہمارے ساتھ ایسا معاملہ کر سکتا ہے نہیں ہرگز نہیں کر سکتا بلکہ ضرور ہے کہ وہ ہمارے لیئے کوئی ایسی شمع روشن کرے جو اس اجمال کے دھندلکے پر تفصیل کی روشنی پھیلا کر ہمارے جہل و تردد کو علم و یقین کے ساتھ مبدل کر دے ؛

یہاں شاید ہمارے دل میں یہ خیال گذرے کہ وہ شمع ممکن ہے کہ ہماری عقل ہو جو کہ ہم میں اور ہمارے ابنائے جنس یعنی اور حیوانات میں ما بہ الامتیاز ہے اور جس کے سبب سے ہمکو تمام محسوسات پر شرف و فضیلت حاصل ہے اور جس کی بدولت ہمارے بنی نوع پر موجودات عالم کے اسرار روز بروز کھلتے چلے جاتے ہیں مگر ہمکو اُمید نہیں کہ اس خیال کو ہمارے دل میں پانی کے بلبلہ سے زیادہ قیام ہو کیونکہ ہم جو اپنے گریبان میں مونھ ڈالکر دیکھتے ہیں تو اپنی عقل کو مبداء و معاد کی حقیقت کے ساتھ وہ نسبت پاتے ہیں جو آنکھوں والے کو ایک اندھیری کوٹھری کے ساتھ ہوتی ہے کیا کسی کو یہ اُمید ہے کہ آنکھوں کی روشنی ایک کلبۂ تیرہ و تار میں کچھ کام دے سکتی ہے؟ نہیں ہرگز نہیں دے سکتی ۔ اسیطرح آدمی کی عقل مبداء و معاد کی حقیقت کا سراغ ہرگز نہیں لگا سکتی ۔ بڑے بڑے حکیم اور فیلسوف اور بڑے بڑے محقق اور دانشمند جنھوں نے سارے جہان کی چیزوں کو چھان مارا اور حقایق اشیا پر جو جہالت کے پردے پڑے ہوئے تھے اُن کو مرتفع کیا اور قانون قدرت

سے وہ اصول اور وہ قاعدے استنباط کیے جن کے سبب سے انسان کے چہرہ پر خلافت رحمانی
کا منصب دار ہونا کھل گیا۔ جب اُنھوں نے قدم اپنی حد سے آگے بڑھایا یعنی بجاے اسکے کہ کسی
شمع غیبی سے اپنا چراغ روشن کریں اپنی اٹکل سے مبدا و معاد کا سراغ ڈھونڈنے لگے تو صرف
یہی نہیں کہ وہ منزل مقصود تک نہ پہنچ سکے بلکہ اُنھوں نے ایسی ٹھوکریں کھائیں اور اُن کی رایوں نے
ایسی غلطیاں کیں کہ جب اُن کے اور مقالات کے ساتھ اُن رایوں کو دیکھا جاتا ہے تو اُن میں وہ
نسبت معلوم ہوتی ہے جو کہ عاقل و مجنون کے کلام میں ہونی چاہیئے اور بڑی دلیل اس بات کی کہ یہ
گروہ یعنی اس مطلب میں ناکام رہا یہ ہے کہ اُس کے بے شمار گروہ میں سے شاید دو شخصوں کی رائیں ایسی
نکلیں جو کہ باہم اتحاد کلی رکھتے ہوں یہاں ہمکو مناسب معلوم ہوتا ہے کہ اس مطلب کے زیادہ تر
دلنشین کرنے کے لیئے قدیم مصر والوں کا تھوڑا سا ضروری حال رولن صاحب کی تاریخ سے بطور
انتخاب کے نقل کیا جائے ؛

جس طرح اس زمانہ میں اہل یورپ اپنے تئیں پورا شایستہ اور اپنے ماسوا تمام عالم کو وحشی یا نیم وحشی
خیال کرتے ہیں اسیطرح اہل مصر غیر قوموں اور غیر ملکوں کے لوگوں کو وحشی کہا کرتے تھے چنانچہ جب
نکیو بادشاہ تخت پر بیٹھا تو اُس نے اوّل دریائے نیل کی نہر بدستور سابق مدد جاری رکھی مگر
پھر ایک غیبی فال سے خوف کھا کر اُس نہر کا بنانا چھوڑ دیا کیونکہ اُس کو یہ بات معلوم ہوئی کہ اس نہر
کے بننے سے وحشی قوموں کے لیئے مصر میں آنے کی راہ کھل جائے گی ؛؛ پہلے لوگ مصر کو فنون و
آداب سلطنت کا ایک عمدہ مدرسہ جہاں سے علوم کو نشو و نما اور روز بروز ترقی ہو سمجھتے تھے اور حقیقت میں
بھی عمدہ عمدہ فن وہاں ایجاد ہوتے تھے اور اس ملک سے نہایت عمدہ عمدہ ہنر اور عجیب عجیب فن اُن
لوگوں کو جو علم و ہنر میں ترقی کرنے کی کوشش کرتے تھے حاصل ہوتے تھے یونان کے بڑے بڑے
لوگوں نے مثل ہومر اور فیثاغورس اور افلاطون اور وہاں کے اچھے اچھے مقننوں نے مثل
لائیکرگس اور سولن وغیرہ اور بہت سے نامیوں کے جن کا بیان یہاں ضروری نہیں بنظر تکمیل علوم مصر کا
سفر اختیار کیا اور خدا تعالےٰ نے بھی (کتاب مقدس میں) اُس کی تعریف کی ہے کیونکہ اُس نے حضرت
موسیٰ علیہ السلام کی تعریف میں یہ فرمایا تھا کہ وہ مصریوں کے ہر طرح کے علم و ہنر میں کامل تھا ؛
مصری ایک عجیب طرح کی موجد طبیعت رکھتے تھے اور ہر کام میں نئے نئے ایجاد نکالتے تھے اُنھوں
نے اپنی طبیعت کو مفید کاموں کے ایجاد کی طرف متوجہ کیا تھا اور اُن کے زمانہ کے علماء نے جو
کہ مصر کے مایہ تھے مصر کو عجیب عجیب ایجادوں سے معمور کر دیا تھا۔ اُنھوں نے کسی ایسی چیز سے جس سے

طبیعت انسانی کی تکمیل ہوتی ہے یا جس سے آرام اور خوشی حاصل ہوتی ہے مصر کو محروم نہ رکھا تھا۔
ستاروں کی حرکات پر وہ لوگ سب سے پہلے مطلع ہوئے اور سب سے پہلے اُنھوں نے
ہی علم ہندسہ ایجاد کیا۔ موجودات عالم کے حالات اور خواص دریافت کرنے میں یہ لوگ بہت کوشش
کرتے تھے ؛ ؛ ؛ مصریوں نے فن عمارت اور رنگ آمیزی اور سنگ تراشی اور اَور تمام فنون کو کمال
پر پہنچایا تھا ؛ ؛ جن لوگوں نے قواعد سیاست و حکومت کو خوب سمجھا اُن میں سب سے اوّل مصری
تھے۔ اس قوم نے یہ بات سب سے پہلے دریافت کی کہ فنون قواعد سلطنت کا اصلی مطلب یہ ہے
کہ اپنی زندگی مزے سے کٹے اور رعیت آباد رہے ؛ ؛ ؛ مگر دین کے مقدمات میں جس قدر
مصری احمق تھے کوئی نہ تھا۔ بتوں کی بہت کثرت تھی اور اُن کے غول اور اُن کے درجے جُدا جُدا تھے
ان بتوں میں اوسرس اور اسس جن کو وہ چاند سورج تصور کرتے تھے بہت بڑے بُت تھے۔ اُن کی
پرستش عموماً ہوتی تھی اور اس میں کچھ شبہ نہیں کہ انہیں سیاروں کی پرستش سے بت پرستی نے
ظہور پایا۔ اُن کے سوا بیل اور کُتا اور بھیڑ اور بلی اور باز اور مگر اور ہمّا لگ کی بھی پرستش ہوتی
تھی اور ان میں سے بعض جانور ایسے تھے کہ خاص خاص شہروں میں پوجے جاتے تھے اور یہ نقشہ تھا
کہ ایک قوم ایک جانور کو قبلہ و کعبہ سمجھکر دیوتا کی طرح پوجتی تھی اور دوسری قوم اُسی کی صورت سے
نفرت کرتی تھی ان جانوروں میں سانڈ اپیس نہایت ممتاز ہوتا تھا۔ اُس کے نام کے بڑے بڑے
عالی شان مندر بنائے جاتے تھے اور اُس کے مرجانے کے بعد بہ نسبت اُس کے ایام حیات
کے اُس کی عزت اور توقیر زیادہ ہوتی تھی۔ تمام مصر اُس کے سوگ میں ماتم کرتا تھا اور اُسکی تجہیز و
تکفین اس دھوم دھام سے ہوتی تھی کہ اُس پر مشکل سے یقین آتا ہے۔ ٹولیمی لیگس کی بادشاہت میں
جب وہ جانور ضعیف ہو کر مرا تو اُس کے ساز و سامان میں سوائے اخراجات معمولی کے ایک لاکھ بارہ ہزار
پانسو روپیہ صرف ہوا تھا۔ جب اُس کی تجہیز و تکفین سے فراغت ہوتی تھی تو اُس کی جگہ دوسرے کے
مقرر کرنے کی فکر ہوتی تھی اور تمام مصر اُس کی تلاش میں جاتا تھا اس سانڈ میں چند علامتیں ہونی ضرور
تھیں جن کے سبب وہ اَور سانڈوں سے ممتاز ہوتا پیشانی پر ہلال کی شکل پشت پر عقاب کی
صورت زبان پر بھونری کا نقشہ ہونا ضرور تھا اور جب قسمت سے ایسا سانڈ ہاتھ آجاتا تھا تو تمام مصر
میں گھر گھر خوشی ہوتی تھی اور ماتم جاتا رہتا تھا۔ جب شاہ کیمبس۔ اتھوپیا کی مہم سے ناکام آیا تو وہ ایسے
دنوں میں مصر پر گذرا کہ مصری سانڈ اپیس کی خوشیوں میں کھیل کود رہے تھے۔ یہ ناکام دل سوختہ اُن کو
خوشیاں کرتے دیکھکر یہ سمجھا کہ یہ لوگ میری ناکامی پر ہنستے ہیں۔ اُس نے اُس نئے سانڈ کو جس نے

اپنی خدائی کا لطف بہت کم اُٹھایا تھا قتل کرا دیا اور تمام مصریوں کو بن خدا کا کر دیا ؀ ؀ ؀
مصریوں نے صرف جانوروں کے آگے خوشبوئیں جلانے پر ہی اکتفا نہ کیا تھا بلکہ اپنے باغوں کے
نباتات کو بھی دیوتا سمجھتے تھے۔ نہایت تعجب کی بات ہے کہ جو لوگ تمام دنیا سے فضل و ہنر میں فائق
ہوں اور وہ آپ کو ایسا ہی سمجھتے بھی ہوں وہ ایسی حماقت میں گرفتار ہو جائیں اور جھوٹے معبودوں
کی پرستش میں ایسے اندھا دھند پڑ جائیں کہ تھوڑی سی سمجھ والا بھی اُسکو پسند نکرے جانوروں اور
کیڑے مکوڑوں کا مندروں میں پوجنا اور کمال احتیاط سے اُن کو پالنا اور اُن کے قاتلوں سے
قصاص لینا اور مرنے کے بعد اُن جانوروں کو عطریات سے بھرنا اور بڑی دھوم دھام سے قبروں
میں دفنانا اور رفتہ رفتہ پیاز اور لہسن کو بھی پوجنا اور اڑے وقتوں میں اُن سے مدد مانگنی اور اُن پر
بھروسا کرنا ایسی نادانی کی باتیں ہیں کہ اس زمانہ میں اُن پر مشکل سے یقین آتا ہے۔ مگر اگلے لوگ ان سب
باتوں پر گواہی دیتے چلے آئے ہیں۔ لوشین صاحب لکھتے ہیں کہ اگر تم کسی ایسے عالیشان
مندر میں جاؤ جو سونے چاندی سے جگمگا رہا ہو اور چاند سورج اس کی ٹیپ ٹاپ کی تاب
نہ لا سکیں تو تمکو اُس مندر کے دیوتا کے دیکھنے کا بہت شوق ہوگا اور تم نہایت مشتاق ہو کر
جب اندر جاؤ گے تو کیا دیکھو گے کہ لگ لگ یا بلی یا بندر بڑی شان و شوکت اور تمام کروفر سے
وہاں جلوہ فرما ہیں۔ خدا تعالےٰ نے بیشک اس بات کے دکھانے کو کہ انسان اگر اپنی عقل پر
چھوڑ دیا جائے تو اُس کا یہ روپ ہو جاتا ہے کہ اہل مصر جیسے لوگوں کو جنہوں نے عقل انسانی کو نہایت
اعلےٰ درجہ پر پہونچا دیا تھا ایسی نفرت انگیز اور بیہودہ بُت پرستی میں پھنسا رہنے دیا تاکہ لوگوں
کی تماشا گاہ بنیں" ؀

مصریوں کا یہ عبرت انگیز حال جوردن صاحب کی تاریخ سے نقل کیا گیا اہل یونان کا حال بھی
اس کے قریب قریب تھا اور یہ اس بات کا نہایت کامل ثبوت ہے کہ انسان کی عقل معاش
کیسی ہی اعلےٰ درجہ پر کیوں نہ پہنچ جائے مبدا و معاد کا علم حاصل کرنے میں ہرگز کافی نہیں ہو سکتی۔
تاریخ یونان میں لکھا ہے کہ جب ہائیرو بادشاہ سسلی نے حکیم سائیمونیڈیز سے باری تعالےٰ کی
حقیقت دریافت کی تو اُس نے پہلے دن ایک روز کی اور دوسرے دن دو روز کی مہلت چاہی
اور اسیطرح ہر روز مہلت مانگتا رہا آخر ایک دن بادشاہ نے بار بار مہلت مانگنے کی وجہ پوچھی تو
اُس نے کہا کہ یہ مضمون سمجھ اور فکر سے اسقدر بعید ہے کہ جس قدر اس میں غور کرتا ہوں اُسیقدر
تحیر زیادہ ہوتا ہے اور تاریکی چھائی جاتی ہے۔ اور کنفیوشیس جو حکمائے چین کا سرگروہ اور

اہل چین کا مقتدا ہے اور جس کی تعلیمات کا مدار محض عقل و رائے پر ہے جب اُس سے لوگوں نے آخرت کا حال پوچھا تو اُس نے اُس کا جواب دینے میں اپنی کمال دانائی اور انصاف ظاہر کیا۔ اُس نے کہا کہ جب دنیا ہی کی ہزاروں چیزیں ہماری نظر سے مخفی ہیں تو وہاں تک ہماری عقل کیونکر پہنچ سکتی ہے ؛

بہر حال اگر ہمارے اس بیان سے جو اوپر بیان کیا گیا ہے ذرا بھی اور دلیل سے یہ بات ثابت ہو جائے کہ واقع میں کوئی ہمارا سلسلہ ہے اور مرنے کے بعد ہم کو اپنی برائی بھلائی کا ثمرہ ضرور ملنے والا ہے تو بیشک ہم کو ان دونوں باتوں کا تفصیلی علم حاصل کرنے کے لیے اپنی عقل ناقص کے سوا کوئی اور ذریعہ ڈھونڈنا پڑے گا اور وہ ذریعہ نہیں ہے مگر وجود صاحب الہام۔ والحمد للہ علی الاتمام

زمانہ

جب زمانہ بدلے تم بھی بدل جاؤ

زمانہ کی نیرنگیاں مشہور اور اُس کی تلون مزاجیاں ضرب المثل ہیں۔ وہ سدا ایک حال پر نہیں رہتا وہ ہمیشہ ایک چال پر نہیں چلتا۔ وہ گرگٹ کی طرح ہر دم رنگ بدلتا رہتا ہے۔ وہ اُس پتھر کی طرح جو پہاڑ کی چوٹی سے لڑھکا دیا جاتا ہے ہزاروں پلٹے کھاتا ہوا چلا جاتا ہے۔ وہ جو روپ بھرتا ہے اُسکے چہرہ پر کھل جاتا ہے۔ وہ جو ٹھاٹھ بدلتا ہے اُس کا رنگ ساری مجلس پر چھا جاتا ہے۔ وہ کبھی دن کی روشنی میں اور کبھی رات کی تاریکی میں، کبھی گرمی کی تپش میں اور کبھی جاڑے کی ٹھٹھر میں ظہور کرتا ہے۔ ہر کیفیت میں اُس کا رنگ جدا ہی رہتا ہے۔ جب وہ دن کا بانا بدلتا ہے تو رات کے سارے عمل باطل کر دیتا ہے۔ سوتوں کو نیند سے جگاتا ہے۔ نکموں کو کام پر لگاتا ہے۔ طبیعتوں سے سستی کو دور کرتا ہے اور دلوں کو امنگوں سے بھر دیتا ہے۔ جب وہ رات کا برقع پہنتا ہے تو دن کی ساری کائنات حرف غلط کی طرح مٹا دیتا ہے۔ مزدوروں کا دل محنت سے اُچاٹ کرتا ہے جفاکشوں کو استراحت کی طرف کھینچ لاتا ہے۔ اور ساری دنیا پر غفلت کا پردہ ڈال دیتا ہے۔ گرمی میں اُس کی بازی کا نقشہ کچھ اور ہے۔ اور جاڑے میں اُس کی حکومت کا ڈھنگ کچھ اور ہے۔ مبارک وہ ہیں جنہوں نے اُس کے تیور پہچانے۔ اور اُس کی چال ڈھال کو نگاہ میں رکھا۔ جدھر کو وہ چلا اُسکے ساتھ ہو لیے۔ اور جدھر سے اُس نے رخ پھیرا اُس سے

جس طرح دنیا کی بہبودی کا مدار مقتضائے وقت کی موافقت پر ہے اسیطرح دینی کامیابی بھی اسی پر موقوف ہے۔ کتاب مقدس (توریت) میں خداتعالیٰ نے حضرت موسیٰ علیہ السلام کی بڑی تعریف اس بات پر کی ہے کہ وہ مصریوں کے تمام علوم میں کامل تھا۔ اس سے ثابت ہوا کہ نبوت جیسا جلیل القدر منصب بھی اسی شخص کو عطا ہوتا ہے جس میں زمانہ کے حسب حال ہونے کی پوری پوری قابلیت ہوتی ہے ؀

ہمارے نبی برحق نے جو دعوت اسلام میں کامیابی نمایاں حاصل کی اُس کا بڑا ذریعہ عبارات قرآنی کی حلاوت اور ملاحت تھی جس کا مدار بالکل مقتضائے وقت کی موافقت پر تھا کیونکہ اُس وقت شعر و شعاری کے شور سے تمام عرب گونج رہا تھا۔ اور فصاحت و بلاغت کے دعوے نہایت توجہ سے سُنے جاتے تھے۔ کوئی کمال علم ادب کے ہم پلہ نہ سمجھا جاتا تھا۔ اور کوئی ہتیار تیغ زبان کے برابر کارگر نہ ہوتا تھا ؀

آنحضرت (صلعم) کے بعد پہلی اور دوسری خلافت میں جو اسلام کو ترقی روزافزوں نصیب ہوئی اور کوئی فتنہ ایسا حادث نہوا جو اُس کے زور و طاقت کی مزاحمت کرتا اُس کا اصل سبب اس کے سوا کچھ نہ تھا کہ منصب خلافت کے لیے آگے پیچھے ایسے دو شخص انتخاب کیے گئے جن کا چلن اور برتاؤ بالکل مقتضائے وقت کے موافق تھا اور اس سبب سے زمانہ اُن کا معین و مددگار بن گیا تھا چنانچہ اسی مصلحت کے لیئے آنحضرت صلے اللہ علیہ وسلم نے جناب مرتضوی کے استخلاف کی نسبت دلی کا ارادہ فرمایا اور شیخین کی نسبت کچھ تردد ظاہر نہ کیا ؀

عمر فاروق کی شدت چونکہ مقتضائے وقت کے موافق تھی اس لیئے مزرعہ اسلام کے حق میں ابر رحمت کا کام کر گئی اور عثمان ذی النورین کی مروت جو انھوں نے مروان بن الحکم وغیرہ کے ساتھ برتی چونکہ مقتضائے وقت کے موافق نہ تھی اس لیئے اُس فتنہ عظیم کی اصل قرار دی گئی جو آپ کے [illegible] پیدا ہوا [illegible] آپ کا قتل تھا ؀

ابتدائے زمانہ میں مقتضائے وقت [illegible] اسلام [illegible] اس خیال سے کہ رسول مقبول کے ارشادات تمام و کمال [illegible] طب و یابس کی کچھ تمیز نہ کرتے تھے۔ پھر دوسرے زمانہ کا مقتضیٰ [illegible] روایتوں کی تنقید اور اُن کے راویوں کی چھان بین کی جائے۔ صحیح کو سقیم سے [illegible] سے۔ اور معروف کو منکر سے۔ اور ثابت کو موضوع سے جدا کیا جائے۔ اگر وہ پہلا طبقہ [illegible] مقتضائے وقت کا لحاظ نہ کرتا تو علم نبی کا ایک

بڑا حصہ ضائع ہو جاتا۔ اور اگر یہ دوسرا گروہ کھڑا نہوتا تو حق و باطل اور صدق و کذب کا امتیاز دشوار ہو جاتا ؞

بڑی دلیل اس بات کی کہ مقتضائے وقت کا لحاظ ضروریات دین سے ہے وہ روایت ہے جسکو مسلم نے ابی ہریرہ (رض) سے اور (اُسکے قریب قریب) محب طبری نے ابو موسے اشعری (رض) سے روایت کیا ہے۔ اس روایت کا حاصل یہ ہے کہ آنحضرت صلعم نے ایک موقع پر ارشاد فرمایا کہ جو شخص صدق دل سے لا الٰہ الا اللہ کہیگا وہ ضرور بخشا جائیگا۔ عمر فاروق یہ مضمون سُنکر حضرت کی خدمت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا کہ اس بشارت سے لوگ اعمال صالحہ کی بجاآوری بیں تصور کرینگے۔ آپ نے فاروق اعظم کی اس رائے کو پسند فرمایا اور تا وقتیکہ روایات کی تدوین کرنے کی ضرورت نہ پڑی یہ بشارت تمام اُمت میں عام نہ ہوئی ؞

الغرض دنیا کی بہبودی یا دین کی کامیابی مقتضائے وقت کی موافقت بغیر حاصل نہیں ہوسکتی مگر اس موافقت سے ہماری یہ مراد ہرگز نہیں ہے کہ مثلاً بیدینی والحاد کے زمانہ میں دین و مذہب سے ہاتھ اُٹھا بیٹھیں۔ اور عیش و عشرت کے زمانہ میں جفاکشی اور محنت سے دست بردار ہو جائیں یا جہاں خوشامد کا بازار گرم ہو وہاں خوشامدی بن جائیں۔ اور جہاں مسخرہ پن کا زور ہو وہاں غیرت اور حمیت کو بالائے طاق رکھدیں۔ نہیں۔ بلکہ ہماری رائے میں کوئی بُرے سے بُرا زمانہ ایسا نہیں ہوتا جس میں مقتضائے وقت کے موافق کوئی نہ کوئی جائز طریقہ کامیابی کا موجود نہ ہو۔ مثلاً جب فلسفہ یونانیہ یونانی زبان سے عربی زبان میں منتقل ہوا اور بطلیموس و ارسطو کے خیالات عرب اور عجم کے گلی کوچوں میں منتشر ہو گئے تو الحاد اور بے دینی نے لوگوں کے دلوں میں چٹکیاں لینی شروع کیں یہاں تک کہ نصوص قرآنی اور احادیث نبوی پر دھڑا دھڑ اعتراض ہونے لگے اور جا بجا دین میں رخنے نکلنے لگے۔ اُس وقت علما کے فروغ اور کامیابی کے دو طریقے پائے جاتے تھے ایک ناجائز دوسرا جائز۔ ناجائز طریقہ یہ تھا کہ مسائل فلسفیہ کی تائید کرکے الحاد کی آگ کو اَور مشتعل کر دیتے اور آزادی جیسی من بھاتی چیز کو دنیا میں پھیلا کر دنیوی فروغ حاصل کرتے اور جائز یہ تھا کہ شریعت اور حکمت میں تطبیق۔ یا مسائل حکمیہ کی تغلیط کرکے الحاد کی آنچ سے دین کو بچاتے۔ اور معترضوں کی زبان بند کرتے۔ چنانچہ علمائے اسلام نے (شکر اللہ سعیہم) یہی جائز طریقہ اختیار کیا اور فلسفہ یونانیہ کے مقابلہ میں ایک جدا فلسفہ قایم کیا جو اہل اسلام میں علم کلام کے نام سے مشہور ہے ؞

ساتھ پھر گئے۔ گرمی میں گرمی کا سامان کیا۔ اور جاڑے میں جاڑے کی تیاری کی۔ دن کو دن کی طرح بسر کیا۔ اور رات کو رات کے طور پر کاٹا۔ اور بدنصیب وہ ہیں جنھوں نے اُس کی پیروی سے جی چرایا۔ اور اُس کی ہمراہی سے ناک چڑھائی۔ گرمی چمکی پر اُنھوں نے جاڑے کے کپڑے نہ اتارے اور ہلکے پھلکے نہ بنے۔ دن نکلا پر اُنھوں نے کروٹ نہ بدلی۔ اور خواب شبینہ سے بیدار نہ ہوئے اب وہ بہت جلد دیکھینگے کہ پیچھے کون رہا اور منزل تک کون پہونچا۔

جو لوگ زمانہ کی پیروی نہیں کرتے وہ گویا زمانہ کو اپنا پیرو بنانا چاہتے ہیں مگر یہ اُن کی سخت خام خیالی ہے۔ چند مچھلیاں دریا کے بہاؤ کو نہیں روک سکتیں اور چند جھاڑیاں ہوا کا رخ نہیں پھیر سکتیں۔ اسی لیئے ایک پختہ کار شاعر نے کہا ہے کہ "زمانہ با تو نسازد تو با زمانہ بساز" اور عرب کے ایک حکیم کا قول ہے کہ "دُر مع الدھر کیف ما دار" (یعنی زمانہ جدھر کو پھرے اُس کے ساتھ پھر جا)۔

شیخ اکبر فرماتے ہیں کہ سرھیولی لکل صورۃ (یعنی اپنی ذات میں ایسی قابلیت پیدا کر کہ جس رنگ کو چاہے فوراً قبول کر لے) اس لیئے فرمایا کہ زمانہ کبھی انقلاب سے خالی نہیں رہتا۔ اور اُس کا مقابلہ انسان ضعیف البنیان سے نہیں ہو سکتا پس انسان میں ایسی قابلیت ہونی ضرور ہے کہ جیسی ضرورت دیکھے ویسا بن جائے۔ تاکہ زمانہ کا کوئی انقلاب اُسکو سخت صدمہ نہ پہنچائے۔ آندھی کے پُرزور حملے اُنھیں تناور درختوں کو نقصان پہنچاتے ہیں جو اپنی جگہ سے ٹلنا نہیں چاہتے۔ پر چھوٹے چھوٹے لچکدار پودے جو ہوا کے ہر جھونکے کے ساتھ جھک جاتے ہیں ہمیشہ برقرار رہتے ہیں۔

اس بات کا انکار نہیں کیا جاتا کہ عارضی یا چند روزہ کامیابی مقتضائے وقت کی مخالفت میں بھی حاصل ہو سکتی ہے۔ مگر جو لوگ دنیا میں آکر کامیابی کا پورا پورا استحقاق حاصل کر گئے وہ وہی تھے۔ جنھوں نے مقتضائے وقت کو ہاتھ سے نہ دیا۔ اور جیسا زمانہ دیکھا ویسے بن گئے۔

حکیم اوحدالدین انوری جس نے اپنے زمانہ کے تمام علوم میں کامل دستگاہ حاصل کی تھی۔ اور پھر عجم کے اُن تین شاعروں میں شمار کیا گیا جو پیمبر شعر مانے گئے ہیں۔ اگر مقتضائے وقت کی پیروی نہ کرتا تو یہ شہرت اور عزت اُسکو ہرگز حاصل نہ ہوتی۔ وہ خراسان کی ایک بستی (رزکان) میں ٹھیرا ہوا تھا کہ اتفاق سے اُس عہد کے ملک الشعرا ابوالفرج سنجری کا لشکر بھی وہیں آکر ٹھیرا۔ انوری نے دریافت کیا تو معلوم ہوا کہ یہ سارا جلوس سنجری کے ساتھ ہے۔ کہا "سبحان اللہ علم کا مرتبہ ایسا پست اور

میں قسمت مفلس ہے؟ اور شاعری کا رتبہ ایسا ذلیل۔ اور اس شخص کو یہ جاہ و حشمت ہے؟ اب مجھ کو بھی قسم ہے جو شاعری بن کر نہ دکھاؤں"۔ چنانچہ اسی رات کو ایک قصیدہ سلطان سنجر کی مدح میں لکھ کر تمام کیا جس کا مطلع یہ ہے ٭ گر دل و دست بحر و کاں باشد ٭ دل و دستِ خدایگاں باشد ٭ پھر تمام عمر شاعری کی بدولت خوشحال و فارغ البال رہا اور دنیا میں شہرت اور بلند نامی حاصل کی ٭

ایک مجلس میں شیخ ابوالفضل کے کمالات اور ترقیات کا مذکور تھا۔ ایک صاحب بولے کہ "وہ با ایں ہمہ کمالات اگر اس زمانہ یعنی انیسویں صدی عیسوی میں ہوتا تو شاید عدالتوں میں عرضی نویسی کر کے اپنا پیٹ پالتا"۔ ہم نے کہا "اگر وہ اس زمانہ میں ہوتا تو ہرگز اپنی کامیابی کا ذریعہ اس لیاقت کو نہ گردانتا جس کی بدولت اس نے سولھویں صدی عیسوی میں ترقیات حاصل کی تھیں بلکہ اس عہد میں وہ کم سے کم ایم اے یا ایل ایل ڈی کا درجہ ضرور حاصل کرتا اور کچھ نہیں تو لندن کے کسی نامی گرامی اخبار کا کارسپانڈنٹ ضرور ہوتا۔" یہ ہمارا ایک سرسری جواب تھا جو اس وقت بلا تامل زبان سے نکل گیا مگر اب غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ یہ جواب بالکل صحیح تھا۔ ابوالفضل کی ذات میں ہر زمانہ کا رنگ بدلنے کی ایسی قابلیت تھی کہ وہ جس زمانہ میں ہوتا اس زمانہ کی حیثیت کے موافق ضرور اپنے ہمچشموں میں ممتاز ہوتا۔ وہ ایک رقعہ میں جو غالباً اس نے اپنے باپ کے نام لکھا ہے تحریر کرتا ہے کہ "بعض لوگ میری نسبت یہ کہتے ہیں کہ ایک طالب علم کو اس قدر منصب جلیل تک پہنچا دینا بادشاہ کو زیبا نہ تھا اس لیے میری بھی اب یہی تمنا ہے کہ سپہ گری کا کوئی کار نمایاں دکھاؤں"۔ اس کا یہ قول نرا دعوے ہی دعویٰ نہ تھا بلکہ اس نے مرتے وقت نرسنگھ دیو بندیلے کے مقابلہ میں اپنی قابلیت کا جوہر سب پر ظاہر کر دیا۔ مقابلہ کے وقت اس کے اکثر ہمراہی بھاگ گئے تھے۔ اور چند آدمی جو بچے تھے وہ اس کو یہ صلاح دے رہے تھے کہ اس قدر تھوڑی جمعیت سے بندیلے کا مقابلہ کرنا مصلحت نہیں مگر وہ نہایت ترشی سے یہ کہہ کر کہ "مگر گریزم" بندیلا کی فوج مخالف میں جا گھسا۔ لیکن چونکہ بیمار و عمر رسیدہ ہو چکا تھا گھوڑا ٹھوکر کھا کر گرا اور اس کے گرتے ہی مخالفوں نے شیخ کا کام تمام کر دیا ٭

سلطان شہاب الدین غوری کو مورخوں نے بہت سخت اور تند مزاج لکھا ہے۔ اور اس کے ثبوت کے لیے اس کی وہ زیادتی پیش کرتے ہیں جو فتح اجمیر کے بعد اس سے ظہور میں آئی یعنی جتنے آدمی جو فتح کے بعد بچ رہے تھے ان سب کو تیغ بیدریغ کے حوالے کر دیا۔ مگر باوجود اس کے اس کی سختی اور تند مزاجی کو اس سبب سے مذموم نہیں سمجھنا چاہیے کہ فتنہ و فساد کے زمانہ میں دار السلطنت کا بانی تھا اس کے لیے ایسے ہی مزاج کا بادشاہ ہونا سزاوار تھا ٭

جلال الدین اکبر کا زمانہ (جیسا کہ اکثر مؤرخوں نے لکھا ہے) ظاہرا بے دینی اور الحاد کا زمانہ ثابت ہوتا ہے اور اس سبب سے ممکن ہے کہ بہت سے لوگوں کی کامیابی کا ذریعہ یہی بے دینی اور الحاد ہو مگر تاریخ کے دیکھنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اُسکے عہد میں کامیابی کا بڑا ذریعہ شجاعت و بہادری یا فضل و کمال و علم و ہنر تھا کیونکہ اسکے درباریوں و مقربوں میں کوئی آدمی ایسا نہیں معلوم ہوتا جس نے بدون کسی کمال یا ہنر کے محض بے دینی اور الحاد کے ذریعہ سے معتدبہ امتیاز حاصل کیا ہو بلکہ اُس کے ارکان دولت میں ایسے آدمی البتہ پائے جاتے ہیں جو اپنے مذہبی قواعد کے نہایت پابند تھے اور جنہوں نے صرف اپنے فضل و ہنر کی بدولت بادشاہ کے دل میں جگہ پائی تھی جیسے ملا فتح اللہ شیرازی مسلمانوں میں اور راجہ ٹوڈرمل ہندوؤں میں۔ یہ دونوں شخص اکبری دورہ میں مذہب کے نہایت متعصب گنے جاتے تھے۔ با ایں ہمہ ملا نے اپنے علوم عقلیہ و نقلیہ کے سبب اور راجہ نے حساب سیاق کی مہارت سے یا دانشمندی اور حسن تدبیر کی جہت سے دربار بادشاہی میں جو مرتبہ حاصل کیا وہ سب پر روشن و ہویدا ہے ❊

بہرحال جہاں کامیابی کے دو چار ناجائز طریقے پائے جاتے ہیں وہاں ایک دو طریقہ جائز بھی ضرور موجود ہوتا ہے اور جو کامیابی اُن ناجائز طریقوں سے حاصل ہوتی ہے وہ اُس کامیابی کے برابر کبھی پائدار و مستحکم نہیں ہوتی جو جائز طریقوں سے حاصل ہو سکتی ہے۔ ہمنے بارہا تجربہ کیا ہے کہ جن درباروں میں مثلاً خوشامد کا بازار گرم تھا اور جہاں حاکم کی مرضی کے خلاف بولنا جرائم کبیرہ کے ارتکاب سے زیادہ خطرناک سمجھا جاتا تھا جب وہاں کوئی سچا اور آزاد طبیعت کا آدمی پہنچا اگرچہ اُس کو چند روز اپنی آزاد طبیعت کی کسی قدر روک تھام کرنی پڑی لیکن آخر اُس کی راستی اپنا رنگ جمائے بغیر نہ رہی رفتہ رفتہ اُسی کا قول معتبر ٹھہرا اور اُسی کی صلاح زیبا سمجھی گئی ❊

ان تمام شہادتوں سے ہم بآسانی یہ نتیجہ نکال سکتے ہیں کہ ہندوستان کی اکثر قومیں جو روز بروز اقبالمند ہوتی جاتی ہیں اور مسلمانوں کی قوم جو اقبالی کے بھنور اور ذلت کی دلدل سے کسی طرح نہیں نکلتی اس کا سبب اس کے سوا کچھ نہیں کہ اَور لوگ اپنی حالت کو زمانہ کے موافق بناتے جاتے ہیں پر مسلمان اپنی وضعداری کو ہاتھ سے نہیں دیتے ❊

اے ہندوستان کے مسلمانو۔ کیا تم ابھی اُسی عالم میں ہو جس میں تمہارے آبا و اجداد زندگی بسر کر گئے ہیں؟ اور کیا تم اُسی کھیتی کے پروان چڑھنے کے منتظر ہو جس میں تمہارے بزرگوں نے تخم افشانی کی تھی؟ مدت ہوئی کہ وہ عالم گذر گیا۔ اور وہ کھیتی ویران برباد ہوئی۔ ذرا آنکھیں کھولو اور دیکھو کہ تم کون ہو

اور کہاں ہو۔ تمہاری گرہ میں جو دام ہیں وہ بازار میں آج پھوٹی کوڑی کو نہیں چلتے۔ تمہاری دکان میں جو مال ہے اُسے کوئی مفت خریدنا نہیں چاہتا۔ تمہارے چراغ میں جو تیل تھا وہ جل لیا۔ تمہاری کھیتی میں جو پانی تھا وہ سوکھ گیا۔ دیکھو! تمہاری ناؤ بودی ہے اور دریا دم بدم چڑھتا جاتا ہے۔ تمہارا قافلہ پیادہ ہے اور منزل کٹھن آتی جاتی ہے ٭

اس تمہید سے ناظرین کو فوراً یہ خیال پیدا ہوگا کہ ہم آگے چلکر اپنی قوم کو انگریزی پڑھنے کی۔ میز کرسی لگانے کی۔ کوٹ پتلون پہننے کی۔ چھری کانٹے سے کھانے کی ترغیب دینگے کیونکہ ظاہر زمانہ کا حال مقتضی یہی معلوم ہوتا ہے۔ مگر اُن کو یاد رہے کہ ہماری مراد اس تمہید سے یہ ہرگز نہیں ہے بلکہ ہم یہ کہتے ہیں کہ وہ جس بُری حالت میں ہیں اُس سے نکلنے کی جو سیدھی راہ اُنہیں نظر آتے اُسی راہ کو اختیار کریں اور جس طرح ہو سکے اپنا قدم آگے بڑھائیں کیونکہ زمانہ آواز بلند کہہ رہا ہے کہ من استوا یوماہ فھو مغبون (یعنی جس کے دو دن ایک لت پر گذرے وہ خسارہ میں رہا) اور در و دیوار سے یہ صدا آرہی ہے کہ۔ قدم مع پیشتر نہ ٭

دنیا میں آج کل ایک عام گھوڑ دوڑ کا تماشا ہو رہا ہے۔ ہر گروہ کے شہسوار جوق جوق اس میں آتے ہیں اور اپنے اپنے ہنر دکھاتے جاتے ہیں۔ کچھ اُن میں سے کچھ دم آتے ہی برق خاطف کی طرح ایک آن واحد میں گذر گئے۔ کچھ اُن سے پیچھے پہنچے۔ کچھ راہ میں ہیں مگر اُفتاں و خیزاں چلے جاتے ہیں۔ کتنوں نے اپنے گھوڑوں کی ابھی باگ اُٹھائی ہے۔ کتنے چلنے کی تیاری کر رہے ہیں لیکن بہتیروں کو ابھی گھوڑ دوڑ کی خبر بھی نہیں پہونچی۔ اُن کے گھوڑے تھان پر بندھے ہیں۔ اور وہ خود آرام سے پڑے سوتے ہیں۔ شاید وہ اس وقت بیدار ہونگے جب گھوڑ دوڑ کا وقت نکل جائیگا اور وہ ہاتھ ملتے رہجا دینگے۔ اے مسلمانوں ہمکو خوف ہے کہ وہ ناکام گروہ کہیں تمہاری ہی قوم نہو۔ اور وہ ہاتھ جو ملے جائینگے تمہارے ہی ہاتھ نہوں ٭

اے مسلمانوں تمکو یہ بھی معلوم ہے کہ جو شے تمکو اُبھرنے نہیں دیتی وہ کیا ہے؟ اور جس کے سبب تم جنبش نہیں کر سکتے وہ کون سی بندش ہے؟ یاد رکھو وہ تمہاری بیہودہ تقلید ہے جس نے تمکو مذہبی اُمور ہی میں مجبور اور بے اختیار نہیں کیا بلکہ تجارت میں۔ زراعت میں۔ علم و ہنر میں۔ حرفہ اور پیشہ میں غرض ہر کام میں تمہاری عقلوں پر پردہ اور ہر راہ میں تمہارے پاؤں میں بیڑی ڈال رکھی ہے اور تمکو اُس پرند جانور کی طرح بے بس کر رکھا ہے جس کے پر کٹے ہوں اور آنکھیں سی ہوئی ہوں۔ نہ تم میں طاقت پرواز ہے نہ نگاہ دوربین ہے تقلید نے تمکو تمام دینی اور دنیوی

ترقیوں سے فارغ البال کر رکھا ہے اور تمہارے کان میں یہ پھونک دیا ہے کہ جو کچھ کرنا تھا سو اگلے کر گئے اب اُس سے زیادہ کرنا غیر ممکن ہے تمہارے نزدیک جس قطع کی کشتی طوفان نوح میں بنائی گئی تھی اُس سے بہتر کوئی قطع انسان کے ذہن میں نہیں آسکتی۔ اور جو پیشہ آج سے ہزار برس پہلے تمہارے بزرگوں نے اختیار کیا تھا اُس کے سوا کسی حیلہ سے تم روٹی نہیں کما سکتے تمہارے نزدیک تمام عقل انسانی پہلے طبقوں پر تقسیم ہو گئی اور اُنھوں نے تمہارے لیئے کوئی موقع ایسا نہیں چھوڑا جس میں تمکو اپنی انسانیت سے کچھ کام لینے کی ضرورت پڑے شیخ نے قانون میں بدن انسان کی تشریح جو لکھدی سو لکھدی۔ اور محمد حسین دکنی بُرہان قاطع میں لغات فارسی کی تحقیق جو کر گیا سو کر گیا۔ اب کون ہے جو قانون سے کچھ بڑھا کر لکھ سکے یا برہان میں کوئی عیب نکال سکے۔ تم صرف اُنہیں لوگوں کی تقلید نہیں کرتے جنکے ساتھ تمکو حسن عقیدت ہے بلکہ طب میں جالینوس کی منطق میں ارسطو کی ہندوستان کی رسموں میں ہندوؤں کی تقلید کو بھی اسی قدر ضروری جانتے ہو جس قدر مذہب میں امام اعظم کی تقلید تمہارے نزدیک واجب و لازم ہے اگر کسی کو اس بات میں تامل ہو تو نکاح بیوگان کے معاملہ میں غور کرے اور دیکھے کہ اُسکا مجوز کون ہے اور مانع کون ہے اور ہندوستان کے عام مسلمانوں نے مجوز کے حکم کی تعمیل کی ہے یا مانع کا کہنا مانا ہے *

اسی تقلید کی بدولت تم میں ایک اور مرض پیدا ہو گیا ہے جس نے تمہاری رہی سہی ہمت خاک میں ملا دی اور تمکو بالکل اپاہج کر دیا۔ پوچھو وہ کیا ہے؟ وہ خانہ خراب وضعداری ہے جس کی ہدایت سے تم ترقی کرنیوالوں کو متلون المزاج سمجھتے ہو اور ڈھور ڈنگروں کی طرح سدا ایک حالت پر رہنے کو کمال نفس انسانی قرار دیتے ہو *

ہندوستان کے وضعداروں کی یہ رائے ہے کہ آدمی اپنی زندگی میں جو طریقہ یا جو عادت اختیار کرے اُس کو آخر عمر تک ترک کرنا نہیں چاہیئے۔ جوانی میں اگر ڈاڑھی چڑھانے کی عادت ہو جائے تو سن شیخوخت تک اس وضع کو نباہنا ضرور ہے اور بچپن میں اگر کامدار ٹوپی پہننے کا لپکا پڑ جائے تو بڑھاپے کے جھریائے چہرہ کو بھی اس سے محروم رکھنا نہیں چاہیئے۔ چنانچہ معتبر راویوں سے سنا گیا ہے کہ دو بزرگوار نجف خانی جن کا سن شریف ساٹھ سینٹھ سے متجاوز ہو گیا تھا اور نہایت متقی اور متورع آدمی تھے مرحوم شاہ عبدالعزیز صاحب کے درس میں حاضر ہوا کرتے تھے۔ شاہ صاحب بھی اُن کی کمال تعظیم کرتے تھے۔ باایں ہمہ تقدس دونوں حضرات ڈاڑھی گھٹواتے تھے۔ بعضے منہ پھٹ آدمیوں نے جو اُن پر اعتراض کیا تو یہ فرمایا کہ ہم خود اس حرکت سے منفعل ہیں مگر کیا کریں جو وضع قدیم سے

چلی آتی ہے اُس کے خلاف کرتے ہوئے شرم آتی ہے۔ اسی طرح ایک شریفوں کی بستی میں ایک
صاحب سن رسیدہ بڑے نمازی اور پرہیزگار تھے مگر عشا کی نماز کبھی نہ پڑھتے تھے لوگوں نے سبب
پوچھا تو یہ فرمایا کہ بچپن میں تو اس سبب سے نہ پڑھی کہ کھانا کھاتے ہی شام سے سو رہتے تھے۔ جوانی
میں لہو و لعب مانع رہا۔ اب بڑھاپے میں نئی بات کرتے ہوئے جی ہچکچاتا ہے۔ خیر ہم اپنے قدما کی اس
رائے پر اعتراض نہیں کرتے کیونکہ اُس وقت زمانہ کا مقتضا یہی تھا۔ سلطنت مغلیہ پر زوال آچکا تھا
ترقی کی راہیں فتنہ و فساد کے سبب چاروں طرف سے مسدود تھیں۔ طبیعتوں پر مایوسی و افسردگی
چھائی ہوئی تھی۔ ایسے وقت میں تنزل کے جس قدر آثار مسلمانوں میں پائے جاتے تھوڑے تھے۔
مگر ہم کو اپنے ہمعصروں کے حال پر بے اختیار رونا آتا ہے جو اس ترقی و آزادی کے زمانہ میں بھی وضعداری کے
حصار سے باہر نہیں نکلتے اور مقتضائے وقت کو نہیں دیکھتے۔ آپ ترقی کرنی چاہتے ہیں نہ اوروں
کی ترقی کو پسند کرتے ہیں۔ جو شخص اپنی پست حالت سے نکلکر اچھی حالت میں آنا چاہتا ہے اُس کو
تلون مزاج اور بے استقلال ہی نہیں بتاتے بلکہ اُس پر انواع و اقسام کی رائیں لگاتے ہیں
جن میں سب سے ہلکی الحاد کی پیشین گوئی ہے ۔

شائستہ ملکوں کی ترقی کی یہ صورت ہے کہ جو شخص پانچ سات برس کہیں پردیس میں جا
رہ آتا ہے وہ اس قابل نہیں رہتا کہ وطن میں پہنچکر اُسی وقت وہاں کی عام مجلسوں میں شریک ہو جائے
جتنے دنوں وہ باہر رہتا ہے اُتنی مدت میں وہاں اس قدر ترقی ہو جاتی ہے کہ یہ وہاں پہنچکر ایک
دوسرا عالم دیکھتا ہے اور اپنے تئیں اس شعر کا مصداق پاتا ہے ۔

عبارت کوتہ و دل تنگ و خاصان ملک شیبا
چہ داند مرد صحرائی طریق کارسازی را

سچ یہ ہے کہ آیۃ کل یوم ھو فی شان کے معنی ایسے ہی ملکوں میں جا کر کھلتے ہیں اور انسان کا
اشرف المخلوقات اور خلیفۃ الرحمان ہونا وہیں جا کر ثابت ہوتا ہے نہ کہ ہندوستان میں اور خاص کر
ہمارے بھائی مسلمانوں میں جن کی حالت کو دیکھکر خدا تعالےٰ کی قدرت اور اُسکی فیاضی ایک خاص
حد تک محدود معلوم ہوتی ہے اور اس آیت کے معنی صرف اعتقاداً تسلیم کرنے پڑتے ہیں کہ "ولقد
کرمنا بنی آدم وحملنٰہم فی البر والبحر ورزقنٰہم من الطیّبات وفضلنٰہم علیٰ کثیر
ممن خلقنا تفضیلا" بارخدایا ہماری قوم کو تقلید بیجا اور وضعداری بے سروپا سے نجات
دے اور اُن کو دینی و دنیوی ترقیات پر آمادہ کر۔ اُن کا ادب اُن کو قدما سے آگے بڑھنے نہیں دیتا

اور اُن کی وضعداری پستی سے بلندی کی طرف نہیں جانے دیتی۔ کاش یہ بے ادب اور متلون مزاج بھی بن کر قدم آگے بڑھائیں۔ اور اُس جوہر قابل کی قدر پہچانیں جو تونے بنی نوع انسان کے تمام اگلے اور پچھلے طبقوں کو یکساں عنایت کیا ہے ؞

سرِ روحانیاں داری ولے خود را نہ دیدستی
بخوابِ خود درآ تا قبلۂ روحانیاں بینی

مضمون فارقلیط اللہ

مباحثہ

نئی تہذیب اور پرانے خیالات کا

ایک دوست ایک اپنے قدیم دوست پاس آئے اور دیکھا کہ وہ قدیم دوست کسیقدر نئی تہذیب میں ہیں کچھ دل میں آزردہ ہوئے اور کہا کہ آج کل ہندوستان میں تہذیب کی کچھ بڑی دھوم دھام ہے۔ کوئی کہتا ہے کہ پتلون پہننا اور چھری کانٹے سے کھانا میز کرسی پر بیٹھنا بہت بڑی تہذیب ہے اور بہت لوگ کہتے ہیں کہ یہ سب باتیں دین اسلام کے برخلاف ہیں اپنے بزرگوں کے دستوروں کو چھوڑنا بہت بُری بات ہے بھلا فرمائیے تو آپ کس رنگ میں ہیں ؛

جواب:۔ آپ نے اخلاق ناصری اور اخلاق جلالی ضرور ملاحظہ کی ہوگی اُس زمانہ میں علماء اسلام نے حکماء یونان کے اقوال کو نہایت اچھا سمجھا تھا اور اُن کو اختیار کیا تھا اور جو کہ حکماء یورپ کے اقوال اُن سے بھی عمدہ ہیں اس لیئے اس زمانہ کے مسلمانوں کو لازم ہے کہ یوروپ کے حکماء کے اقوال کی عزت کریں ؛

سوال۔ آپ نے تہذیب کے کیا معنی سمجھے ہیں ؛

جواب۔ وہی جو اخلاق جلالی و اخلاق ناصری میں لکھے ہیں یعنی سیاست نفس سیاست منزل سیاست مدن۔ مگر اتنا فرق ہے کہ اُس زمانہ کے لوگوں نے لکھا پر کیا کچھ نہیں یورپ کی قوموں نے ان تینوں باتوں کو بدرجہ کمال پہنچا دیا ؛

سوال۔ کیا تہذیب انگریزی بوٹ اور کالا کوٹ ہی پہننے میں ہے جسپر لوگ ہنستے ہیں اور بُرا کہتے ہیں ؛

جواب۔ ہنسنا تو ایک حماقت کی بات ہے مگر سمجھنا چاہیئے کہ ہر ایک چیز کی جُدا جُدا

تہذیب ہے لباس اور روزمرہ کے دستورات کی تہذیب بمنزلہ الف بے کے ہے اگر یہ شروع نہ ہو تو سبق تہذیب کا آگے چل نہیں سکتا +

میں نے جو یہ کہا کہ ہر ایک چیز کی جُدا تہذیب ہے اُس کی چند مثلیں سُنو ہندوستان میں پہلے سب آدمی مٹی کے چراغ میں تیل ڈال کر طاق میں رکھتے تھے جس سے طاق چکنا اور دیوار کالی ہوتی تھی۔ ہزاروں پتنگے اُس میں چمٹ کر رہ جاتے تھے اُس میں تہذیب ہوئی اور لکڑی کا دیوٹ بنایا گیا طاق کا چکنا ہونا اور دیوار کا کالا ہونا تو موقوف ہوا مگر دیوٹ ایک ایسی بے ڈول چیز تھی جس پر سیروں چیکٹ جم جاتا تھا ہزاروں جانور چمٹ چمٹ کر مر جاتے تھے۔ جب اُٹھا کر دوسری جگہ لیجائیے تو ہاتھ کالا اور چکنا ہو جاتا تھا پھر اُس میں بھی تہذیب ہوئی کہ پیتل کا دیوٹ بنایا اور فتیل سوز اُس کا نام رکھا اُس میں بھی وہ سب نقص تو رہے مگر اتنا ہوا کہ آٹھویں دسویں روز سلیقہ والے گھروں میں بھوبل ڈال کر اور مانجھ کر صاف کر لیتے تھے اب حکما ریورپ نے اُس کی اور زیادہ تہذیب کی یلمپ نکالا جس کا تیل سب چھپا ہوا ہے ایک کل کے ہلانے سے بتی اوپر تلے چڑھ اُتر آتی ہے پھر روشنی کی چیزیں ترقی کی کراسین کا تیل نکالا جس میں مطلق چکنائی نہیں پھر اُس سے بھی بڑھ کر گیس نکالی کہ وہ صرف ایک ایسی ہوا ہے جو نظر بھی آتی ہے مگر نہایت عمدہ بغیر تیل بتی کے جلتی ہے اور اب ایک اور قسم کی روشنی نکلتی ہے جو ان سب سے بڑھ کر ہے یہ تمام درجے جو ہم نے بتائے چراغ کی تہذیب کے تھے اگر ہمارے ملک کے لوگوں سے کہا جاتا کہ چراغ میں تہذیب کرو تو وہ اپنی نادانی سے ہنستے اور کہتے کہ چراغ میں کیا تہذیب ہوگی تہذیب کی باتیں تو اور ہیں اسی طرح وہ لوگ بھی احمق ہیں جو یہ بات کہتے ہیں کہ لباس تہمت بھاری ہیں۔ کھانے پینے میں کیا تہذیب ہے۔ تہذیب کی باتیں تو اور ہیں +

دیکھو ہندوستان میں بیٹھنے کی چیز پیڑھی تھی۔ کرسیاں اور کوچیں اُس کی تہذیب ہیں چمڑے کی جامدانی تمام ہندوستان میں عمدہ چیز گنی جاتی تھی۔ اب چمڑے کے بکس اور انواع اقسام کے بوٹ میٹنو اور بیگ اُس کی تہذیب ہے کاٹھ کے صندوق سب استعمال کرتے تھے اُسکی تہذیب جابڑوں دار الماری ہے جس میں سب چیز علیحدہ علیحدہ احتیاط سے رہتی ہے +

ہندوستان میں توڑہ دار بندوق اور اخیر کو چقماق کے شیر بچہ تھے۔ اب دیکھیے کہ اُس کی تہذیب ہو کر کیسی کیسی عمدہ بندوقیں اور عجیب و غریب طمنچے ایجاد ہوئے ہیں آپ نے پیندی

کی طرف سے بھرنے والی بندوقیں رکھیں جن کا کارتوس خود آتا جاتا ہے اور چھوٹنے کے بعد خود گر پڑتا ہے اور بغیر رنجک اور پٹاخہ لگائے چل جاتا ہے ❖

آپ ہندوستانی گاڑی اور یکہ و رتھ پر ضرور سوار ہوئے ہیں جس میں بیچارا بیل چلتا ہے اُسکی تہذیب بگھی و چرٹ ہے اور اس وقت ریل سب سے اعلے اُن کی تہذیب کا درجہ ہے پس اُن نامہذب چیزوں کا استعمال تہذیب ہے یا مہذب چیزوں کا ❖

سوال - بے شک اُن تہذیب یافتہ چیزوں کا استعمال تہذیب میں داخل ہے اور روز بروز تمام قوموں میں اور مسلمانوں میں اُن کا استعمال ہوتا جاتا ہے مگر بوٹ اور کوٹ پتلون پہننا اور میز کرسی پر چھری کانٹے سے کھانا خاص انگریزوں کا دستور ہے ہمکو اُن کی تقلید کرنی کیا ضرور ہے جناب پیغمبر خدا صلعم نے چھری کانٹے سے میز پر بیٹھکر نہیں کھایا علاوہ اس کے جو لوگ ایسا کرتے ہیں اُن کی نسبت علما من تشبہ بقوم کی دلیل سے کفر کا فتوے دیتے ہیں ❖

جواب :- آپ نے تو بہت سی باتیں گڈمڈ کردیں مگر سب کا الگ الگ جواب سُنئیے ❖

انگریز اس دلیل سے تو میز کرسی پر کانٹے چھری سے نہیں کھاتے کہ حضرت عیسٰے یا حواریین نے اس طرح پر کھایا ہے پھر آپ کیوں دنیاوی برتاؤ کی باتوں میں جناب رسولخدا صلعم کا ذکر لاتے ہیں جو حالت اور جو طریقہ زندگی اور گذر اوقات اور کھانے پینے کا جناب رسولخدا صلعم کا تھا وہ کسی کا ہے - جو کچھ چیزیں آپ کھاتے ہیں اور پہنتے ہیں اور ڈوری سے کھنچے ہوئے پلنگ پر سوتے ہیں اور چار چار جھالردار تکیہ اِدھر اُدھر ہوتے ہیں اور دو دو گل تکیہ اُس پر مزید ہیں دن رات پان بازی ہوتی ہے دوگوشتا پلاؤ نوش ہوتا ہے کبھی جناب رسولخدا صلعم نے بھی ایسا کیا ہے پس ایسی باتوں میں آں حضرت صلعم کا نام مبارک لیتے ہوئے ہمکو شرم کرنی چاہیئے - ہمارا مُنہ اس لائق نہیں ہے - یہ سب اُمور دنیوی ہیں عقل و حکمت سے علاقہ رکھتے ہیں دین و مذہب سے اُن کو کچھ تعلق نہیں ہے ہم کب کہتے ہیں کہ تم انگریزوں کی تقلید کرو بلکہ دنیاوی باتوں میں جو عقل کے نزدیک بہتر ہو اُسپر چلو ❖

آپ اور تمام ہندوستان کے لوگ انگریزوں کا بنایا ہوا کپڑا پہنتے ہیں کیونکہ وہ نہایت عمدہ ہوتا ہے لباس سے دو چیزیں متعلق ہیں - ایک کپڑے کی عمدگی جس کا لباس بنایا جاوے دوسرے لباس کی قطع - پہلی بات کو تو آپ قبول کرتے ہیں کہ انگریزی کپڑے سے بہتر کپڑا نہیں مگر انگریزی

لباس کی جو قطع ہے اُس سے بہتر کوئی قطع بھی نہیں جس طرح کہ خدا تعالیٰ نے انسان کے بدن کو بنایا ہے اُسی طرح انگریزی لباس کی قطع ہے اور یہی سبب ہے کہ انگریزی لباس ہر عضو کے موافق اور بدن میں ٹھیک و چست ہوتا ہے برخلاف ہندوستانی لباس کے کہ ایک اُس کی قطع بھی اعضاء بدن کے موافق نہیں ہے پس اس طرح پر لباس کی قطع کرنا بھی ایک صنعت ہے جس طرح کہ ہزاروں آدمی کپڑے کی صنعت کو پسند کرتے ہیں اسی طرح بہت سے آدمی قطع کی صنعت کو بھی پسند کرتے ہیں ✦

یہاں تک گفتگو ہوئی تھی کہ مجیب صاحب خاں نے ایک کتاب اُٹھالی اور کھول کر دکھایا کہ یہ تصویر سلطان عبد المجید خاں مرحوم قیصر روم کی ہے اور یہ تصویر نکلاس شہنشاہ روس کی ہے اب بتاؤ کہ ان دونوں کے لباس میں کیا فرق ہے ۔ چند صفحے اُلٹ کر سلطان عبد العزیز خاں سلطان حال کی تصویر دکھائی یہ تصویر اُس وقت کی تھی جب وہ لندن گئے تھے پھر ایک ورق اُلٹ کر اسمٰعیل پاشا خدیو مصر کی تصویر دکھائی پھر عبد السلام بادشاہ مراکو کی تصویر دکھائی کہ سب انگریزی قطع کا لباس کوٹ پتلون پہنے ہوئے ہیں اور کہا اب تمام مسلمانی ملکوں کے سرداروں اور امیروں نے یہی لباس اختیار کیا ہے ۔ یہ سب کافر ہیں ۔ نعوذ باللہ ✦

ایک اَور صاحب جو وہاں بیٹھے ہوئے چُپکے چُپکے باتیں سُن رہے تھے بول اُٹھے کہ صاحب جس حالت میں سلطان روم اور تمام مسلمان بادشاہ اور اُن کے اُمراء اور وزراء ایسا لباس پہنتے ہیں جہاں بڑے بڑے علماء بھی موجود ہیں اور خود سلطان عادل کا مرتبہ مجتہد سے فائق ہے تو اَب اسمیں بحث کرنا[1] محض فضول ہے ✦

سوال ۔ صاحب یہ سب سچ مگر کیا کیجئے ہندوستان کے ملا تو من تشبہ بقوم کا فتوے دیکر کافر بنائے دیتے ہیں ✦

جواب ۔ جناب یہ ملا نہیں ہیں بلکہ ٹھُ ملا ہیں یہ ترجمہ درمختار کا جسکو مولوی محمد احسن صاحب نے چھاپا ہے موجود ہے حنفی مذہب میں یہ کتاب نہایت معتبر ہے اور اسی پر حنفی مذہب کا مدار ہے اس کی جلد اول صفحہ ۲۰۸ میں یہ عبارت لکھی ہے کہ " مشابہ ہونا اہل کتاب سے

[1] اس مباحثہ کے وقت سید احمد خاں کے کسی دوست کی روح وہاں حاضر تھی وہ بول اُٹھی کہ اسی لیے بتقلید مسلمانان سید احمد خاں نے بھی یہ لباس اختیار کیا ہے ۱۲۔ مہتمم ✦

ہر چیز میں مکروہ نہیں مثلاً کھانا اور پینا اور دوسری ضروریات مدنی مسلمانوں اور اہل کتاب کی یکساں ہیں تو مشابہت سے کچھ ہرج نہیں بلکہ بُری بات میں مشابہت مکروہ ہے" علاوہ اس کے احادیث شریف میں بھی آیا ہے کہ جناب پیغمبر خدا صلعم نے اَور ملکوں کا لباس پہنا ہے یعنی جُبّہ شامیہ اور جبہ رومیہ اور کسروانیہ اور قبائے فروج جس کا پیچھے سے دامن چاک تھا زیب تن مبارک فرمایا ہے اور انہی دلیلوں سے علماء روم نے فتوے دیا ہے ہندوستان کے کٹھ ملا اگر تعصب سے اپنی آنکھیں بند کرلیں تو اس کا کیا علاج ہے ۔ بعد اس کے کتاب فتوح المصر اور فتوح الشام کھولی اُس میں لکھا تھا کہ حضرت خالد رضی اللہ عنہ طلائی لباس حاکم بعلبک کا پہنے ہوئے تھے پھر کیمیائے سعادت نکالی اُس کے رکن سوم اصل دہم میں لکھا ہوا تھا کہ جناب سلطان الانبیاء صلعم کے واسطے کفار جو کپڑا ہدیہ بھیجتے آپ اُسے بھی پہن لیتے صحابہ کبار بھی جو کپڑا کفار کی لوٹ میں پاتے بے تکلف پہن لیتے ۔

ایک صاحب حاضرین میں سے بول اُٹھے کہ جب ہندوستان کے بہت لوگ متفق ہو جاوینگے تب قدیم لباس چھوڑا جاویگا ورنہ قدیم چال چھوڑنی لازم نہیں ۔

صاحب خانہ نے کہا کہ حضرت ہزار عاقل تو ایک بات پر متفق ہو جاتے ہیں مگر جاہل دو بھی ایک بات پر متفق نہیں ہوتے ۔ ہندوستان میں تو بات باطلہ بہت ہیں ممکن نہیں کہ ایک بات پر گو وہ کیسی ہی اچھی ہو چند شخص متفق ہو جاویں ایک زمانہ تھا کہ کھڑکی دار جُبّے تھا اور کچھ دار جامہ اور گھیتلا جوتے کا رواج تھا پھر نیمہ بھی پہننے لگے اور رنگ برنگ کے چیرے اور لپٹواں پگڑیاں باندھنے لگے پھر دو پلڑی ٹوپی اور چو کلیا انگرکھا اور غرارہ دار پاجامہ شروع ہوا کسی کمیٹی نے یہ لباس نہیں شروع کیا تھا کسی ایک شخص نے استعمال کیا دیکھا دیکھی سب کرنے لگے مگر جو لوگ جامہ اور نیمہ پہننے کے عادی تھے وہ ان لوگوں کو ہزاروں نام رکھتے تھے اور بُرا بھلا کہتے تھے پھر چند روز کے بعد انہیں جامہ پہننے والوں نے اُس لباس کو پہنا اور اُن کی اولاد نے تو بالکل اُسی کو اختیار کر لیا اب اگر کوئی جامہ پہن کر نکلے تو لڑکے تالیاں بجا کر پیچھے پڑ جاویں میرا لباس دیکھیے کہ اگرچہ ہندوستانی لباس سے کسی قدر فرق ہے مگر انگریزی قطع کا بھی نہیں ہے صرف قدیمی لباس میں کسی قدر ترمیم کی ہے خفتان ایک قدیمی لباس ہے اُس کا طول نصف قد کی برابر رکھتا ہوں کلیاں چوبغلہ بدستور ہندوستانی قطع کا ہے اکثروں میں صدری کا سا زنگا ہوا ہے بعض میں بٹن ہیں اور بعض

پلیٹ دار ہیں دونوں طرف سینہ پر اور پشت پر دو پانچ چوڑی پلیٹ ہے یہ خاص ترکوں کا ایجاد ہے اور کمر کی پٹی بھی ترکوں کا دستور ہے اور پاجامہ معمولی وضع کا ہے باریک کپڑا بسبب نفوذ کرنے سرد و گرم ہوا کے انسان کے لیئے مضر ہے اس لیئے غف کپڑا کی پوشاک بناتا ہوں جاڑے میں بانات اور کشمیرہ کا لباس پہنتا ہوں ؛

سوال ۔ ہندوستان میں جو لباس مروج ہیں اس میں کیا برائی ہے اور اس میں تبدیل اور تہذیب کی کیا ضرورت ہے ؛

جواب ۔ آپ کو گاڑی اور رتھ کے بدلے چٹ اور بگھی رکھنے اور ڈیوٹا و فتیل سوز کے بدلے لیمپ اور فانوس جلانے کی کیا ضرورت ہے صرف اُن کی عمدگی کے سبب سے تبدیل کی گئی ہے پس لباس کے تبدیل کرنے کی بھی یہی ضرورت ہے ڈھیلا لباس آدمی کو چست نہیں رکھتا اور جاڑے میں رضائی یا دوشالہ میں لپٹ کر آدمی آدمی نہیں رہتا بلکہ ایک گٹھری ہو جاتا ہے ؛

مہمان نے کہا کہ اس میں کچھ شک نہیں کہ اونچا لباس اور چست سب طرح سے اچھا ہوتا ہے سواری شکار میں بھی فائدہ دیتا ہے مگر یہ تو فرمائیے کہ چھری کانٹے سے کھانے کی کیا ضرورت ہے بلکہ خلاف سنت ہے اور ہاتھ سے کھانا سنت ہے ؛

جواب ۔ ہاتھ سے کھانا سنت موکدہ نہیں ہے جس کے ترک میں گناہ ہو آپ ہزاروں کام سنت موکدہ کے خلاف کرتے ہیں اور کچھ خیال بھی نہیں کرتے مگر ہاتھ سے کھانے کی سنت آپ کو یاد ہے جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے ہاں چالیس چالیس روز تک چھوہارہ اور پانی کے سوا اور کچھ نہ ہوتا تھا جو کی بغیر چھنے آٹے کی روٹی اکثر نوش فرماتے تھے مگر آپ روز مرہ قورمہ اور پلاؤ اور متنجن بریانی زعفرانی فیرینی وغیرہ روغن سے مرغن کھانے نوش فرماتے ہیں کبھی مسنون کھانا کھانے کا خیال نہیں آتا مگر کھانے کے مسنون طریقہ پر بحث ہوتی ہے اور وہی ٹھیک مثل آپ پر صادق آتی ہے جو حامی اسلام سید احمد خاں نے لکھی ہے کہ کھانے فرعونی اور طریقہ مسنونی ۔ ایک طرف دس انگریز اور ایک طرف دس مسلمان اور ایکطرف دس ہندو کھانا کھانے کو بٹھا دو کہ اپنے اپنے طریق پر کھا دیں اور تمہارے دل میں جو باتیں سمائی ہوئی ہیں اُن کو تھوڑی دیر کے واسطے علیحدہ طاق میں کھدو اور مورخوں کی آنکھ سے بلا تعصب دیکھو کہ تینوں قوموں میں سے کس کے طریقہ میں نفاست اور صفائی ہے پیرے

تین دوست ایک انگریز کے یہاں مہمان ہوئے ایک اُن میں سے سرگھٹے ہوئے مولوی صاحب بھی تھے انگریز اپنی میز و کُرسی پر یہ تینوں اُس کے سامنے فرش پر بیٹھے اور کھانا کھانا شروع کیا مولوی صاحب کے ہاتھوں پر شوربا بہنے لگا اور وہ بار بار چاٹنے لگے یہ دیکھکر وہ انگریز پہلے تو ہنسا آخر اُس کو اسقدر گھن آئی کہ کھانا چھوڑ کر کمرہ سے باہر نکل گیا جیسا آپ ہندوؤں کو ننگے بدن چوکے میں بیٹھا دیکھکر اُن کی طرز خورش پر حقارت سے ہنستے ہیں ایسا ہی انگریز ہلدیوں کے کھانے کے طریقہ کو حقارت کی نظر سے دیکھتے اور اُس پر ہنستے ہیں اور کھانے والوں کو گنوار کہتے ہیں ۔

مہمان نے کہا یہ تو آپ نے سچ فرمایا کیونکہ جب کئی مسلمان باہم کھانا کھانے بیٹھتے ہیں۔ تو اُن میں سے بعضے ایسے غلیچے پن سے کھاتے ہیں جس کو دیکھکر نفرت آتی ہے انگلیاں شوربہ سے بھرتی جاتی ہیں اور وہ چاٹتے جاتے ہیں پلاؤ میں شوربہ ہاتھ سے ملاتے ہیں اور اُسی لتھڑے ہوئے ہاتھ سے اُس کو کھاتے ہیں چاروں اُنگلیوں سے فرنی کے سڑپے بھرتے ہیں جی تو چاہتا ہے کہ میں بھی چھُری کانٹے سے کھایا کروں مگر لوگوں کے بُرا کہنے سے ڈر لگتا ہے ۔

جواب ۔ یہ آپ کا خیالی ڈر ہے لوگوں کا یہ دستور ہے کہ پہلے تو ایک شخص پر ہنسا کرتے ہیں اور پھر آپ بھی ویسے ہی ہوجاتے ہیں ۔

سوال ۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا کھانا کیسا ہے ۔

جواب ۔ انگریزوں کے ساتھ کھانا خدا اور رسُول کے حُکم سے جائز ہے قرآن شریف میں صاف حکم موجود ہے طعام الذین اوتوا الکتاب حل لکم اور خود جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم اور حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالےٰ عنہ نے مسمات زینب یہودیہ کی دعوت کھائی جس نے گوشت میں زہر ملایا تھا چنانچہ اُس زہر کے اثر نے بہت سی تکلیف جناب رسالت مآب کو دی اور بھی یہودیوں نے دعوت کی ہے اور آنحضرت صلعم نے قبول فرمائی ہے اور جب کبھی جناب پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم نے اور اپنے عہد خلافت میں حضرت عمر رضی اللہ عنہ اہل کتاب یعنی یہود یا نصاریٰ سے صلح کرتے تو شرائط صلح میں یہ شرط بھی اُن سے قبول کراتے کہ جو کوئی مسلمان اُن کے یہاں جاوے اُس کی مہمانی اور دعوت کیا کریں حضرت ابوبکر صدیق کے عہد خلافت میں جب حاطب بطور ایلچی کے مقوقس

بادشاہ مصر کے پاس گئے جو نصرانی تھا اور دسترخوان بچھایا گیا اور اُس پر سونے چاندی کے برتنوں میں کھانا چُنا گیا اور سب کھانے پر بیٹھے تو حضرت حاطب سے کہا گیا کہ تم بھی کھانے میں شریک ہو اُنھوں نے انکار کیا تب بادشاہ نے مسکرا کر کہا کہ میں جانتا ہوں جو تمپر حلال ہے اس لیئے سوائے گوشت پرندوں کے کوئی اور چیز حرام ہم تم کو نہ کھلا دینگے حاطب نے جواب دیا کہ ہمیں سونے چاندی کے برتنوں میں نہیں کھانا اللہ تعالے نے اُن کا وعدہ ہم سے جنت میں کیا ہے پس بدل دیا اُنھوں نے کھانا مٹی کے برتنوں میں اور حضرت حاطب نے کھایا اور ہمیشہ سے ہمارے سلطان روم اور خدیو مصر اور شاہ ایران اور اُن کے امرار اور رعایا ہر کوئی اہل کتاب یعنی انھیں انگریزوں اور یہودیوں کے ساتھ کھاتے ہیں اور کچھ پرہیز نہیں کرتے ۔

سوال - اہل کتاب اس زمانہ میں سور کا گوشت کھاتے ہیں اور شراب پیتے ہیں تو پھر کیونکر ہم اُن کے ساتھ کھا سکتے ہیں ؟

جواب - یہ کوئی بات نہیں ہے اہل کتاب ان چیزوں کا استعمال پیغمبر خدا صلے اللہ علیہ وسلم کے زمانہ میں بھی کرتے تھے اگر اُن کے استعمال کی وجہ سے اُن کے ساتھ حلال چیزوں کا کھانا جائز نہ ہوتا تو قرآن شریف میں اُن کے کھانے کی حلت کا حکم نازل نہ ہوتا اور جناب رسالت مآب کبھی کسی یہودی یا نصرانی کی دعوت قبول نہ فرماتے اب ہندوستان میں بھی جاٹ وغیرہ بعض ہندو قومیں سور کھاتی ہیں اور کایستھ کثرت سے شراب پیتے ہیں اور ہندو گائے کا پیشاب بھی پاک سمجھکر پی لیتے ہیں اور ہم دیکھتے ہیں کہ کوئی مسلمان اُن کے گھر کا اور اُن کے ہاتھ کا پکا ہوا کھانا کھانے میں کچھ بھی کراہت نہیں کرتا ۔

سوال - میں نے سُنا ہے کہ جوتا پہنے نماز پڑھنا گناہ ہے اور آپ بوٹ پہنے بیٹھے ہیں کیا اسی طرح آپ نماز بھی پڑھ لیتے ہیں آپ نے کس سے سُنا ہے کہ جوتا پہنے نماز پڑھنا منع اور گناہ ہے - لوگوں کی زبانی سُنا ہے ۔

جواب - آپ نے رواجی مسلمانوں کی زبانی سُنا ہوگا جو احکام دین پر رسم و رواج کو مقدم سمجھتے ہیں درمختار میں صاف لکھا ہے مسجد میں جانے والے کو چاہیئے کہ اپنے جوتہ کو دیکھ بھال لے کہ کہیں نجاست سے آلودہ تو نہیں ہے اور جوتہ اور موزہ پہن کر نماز پڑھنا بشرطیکہ وہ طاہر ہوں افضل ہے اور وجہ افضلیت کی یہ ہے کہ طبرانی نے ایک حدیث اس مضمون کی روایت کی ہے

کہ جوتوں کو پہن کر نماز پڑھو اور یہود کی مشابہت مت کرو ہاں شامی نے البتہ لکھا ہے کہ جوتا پہن کر مسجد میں جانا اس زمانہ کے عرف میں داخل بے ادبی ہے اور مسجد کے فرش کی آلودگی کا خوف ہے مگر یہ تو فرمایئے کہ جناب پیغمبر صلعم کا حکم واجب التعمیل ہے یا شامی اور عراقی کا۔ شامی درمختار کا شارح ہے اگر اس نے اپنی رائے یا زمانہ کا دستور لکھ دیا تو وہ اصل شریعت کا حکم نہیں ہو سکتا اس دستور کے قایم ہونے کی وجہ یہ ہے کہ جناب پیغمبر صاحب کے زمانہ عرب میں فرش بچھانے کا دستور نہ تھا۔ مگر جب مسلمان عرب سے باہر نکلے اور شام اور مصر اور ایران فتح کیا تو اپنی پرانی طرز معیشت کو چھوڑ کر اچھے لباس پہننے اور عمدہ فرش مکانوں میں بچھانے لگے اس فرش کو صاف رکھنے کے لحاظ سے پیادہ پھرنے کے بعد جوتا اُتار کر فرش پر آنے اور بیٹھنے کا دستور ہو گیا ۔ یہی دستور مسجد میں بھی جاری ہو گیا مگر خلفائے بنی اُمیہ کے ہاں اس کا رواج نہیں ہوا اُن کے روبرو جوتا یا موزہ اُتار کر جانا بے ادبی میں داخل تھا مجھ کو آپ دیکھتے ہیں کہ اس کرہ میں فرش ہے اور قالین بھی بچھا ہے جس پر میں بوٹ پہنے بیٹھا ہوں جب نماز کا وقت آتا ہے تو اسیطرح بوٹ پہنے ہوئے نماز پڑھ لیتا ہوں ❊

مہمان نے کہا اب مجھ کو یقین ہوا کہ جو کچھ عرف عام میں مشہور ہے محض غلط ہے اور وجہ اس غلطی کی یہی ہے کہ لوگ علم دین سے ناواقف ہیں توہمات میں پھنسے ہوئے ہیں مگر اب اکثر کتابیں اُردو میں ہوتی جاتی ہیں تو مولوی صاحب کی بھی ضرورت گھٹتی جاتی ہے اب تو میں بھی ایسا ہی کروں گا کہ مکان پر جوتا پہنے نماز پڑھا کروں گا لیکن مسجد میں رعایت عوام کی وجہ سے جوتا اُتار دیا کروں گا تاکہ جاہل تکرار نہ کریں۔ میں نے کہا کہ بعض ناخواندہ جاہل اسقدر متعصب نہیں ہوتے جسقدر کہ لکھے پڑھے جاہل متعصب ہوتے ہیں ❊

سوال ۔ یہ تو فرمایئے کہ انگریز مہذب اور ہندوستانی نامہذب کیوں کہلاتے ہیں ❊

جواب ۔ اس بات کی تحقیق نہایت آسان ہے ایک ایسے انگریز اور ہندوستانی کے گھر میں جا کر دیکھو جو حیثیت عمدہ رکھتے ہوں یا برابر تنخواہ پاتے ہوں تو تم انگریز کے بنگلہ میں دیکھو گے کہ بنگلہ کے تمام اطراف نہایت صاف ہیں احاطہ کے دروازہ سے برانڈہ تک عمدہ سڑک بنی ہوئی ہے ایک چھوٹا سا چمن لگا ہوا اور خوش نما روشیں اور پٹریاں ہیں بنگلہ کے اندر ہر کمرہ میں نہایت صاف اور اچھا فرش بچھا ہے جس غرض کے لیئے جو کمرہ ہے اسمیں اُسی قسم کا ساز و سامان مہیا ہے میزیں اور کرسیاں اور الماریاں اور شیشہ آلات سب اپنی اپنی

موقع سے سجی ہیں بچہ اور اُن کی آیا نہایت صاف و اُجلا لباس پہنے ہیں کھانے کے وقت کھانے کی میز نہایت خوشنمائی اور صفائی سے آراستہ ہوگی جو دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے خانساماں خدمتگار۔ کوچوان یہاں تک کہ سائیس اور خاکروب تک لباس اور وردی سے ٹھیک اور درست ہونگے۔ ہتیار اور سواری غرضکہ ہر ایک چیز نہایت نفیس اور صاف ہوگی اور ہندوستانی کے یہاں ہر چیز برعکس اس کے خراب اور میلی اور ابتر پاؤ گے جس کی تفصیل کرنا مناسب نہیں۔

سوال۔ یہ تو آپ نے صحیح فرمایا انگریز نہایت صفائی سے عمدہ طرز پر رہتے ہیں گویا دنیا کی زندگی کا لطف اُنہیں کو حاصل ہے مگر یہ تو فرمائیے کہ ہندوستانی انگریزوں کو دیکھتے ہیں پھر کیوں نہیں صفائی سے زندگی بسر کرتے۔

جواب۔ خدا تعالے نے انسان میں ایک قسم کی خود بینی پیدا کی ہے جس کے سبب سے ہر ایک شخص اپنی ہر ایک بات کو گو وہ کیسی ہی بُری کیوں نہو پسند کرتا ہے اور دوسروں کی باتوں کو گو وہ کیسی ہی اچھی کیوں نہوں اچھی نہیں جانتا دیکھو حبشی اپنے کالے رنگ موٹے ہونٹ بھیڑ کے سے بالوں کو عمدہ اور خوبصورت سمجھتا ہے میں آپ کو ایک مثال سے اسی بات کو سمجھاتا ہوں آپ قوم ڈھیر کے لوگوں کے پاس جائیے جو بالکل غیر مہذب بلکہ وحشی ہیں اور اُن کو سمجھائیے کہ تم پھوس کے نہایت خراب جھونپڑہ میں رہتے ہو ایک لنگوٹی باندھے ہو اسباب خانہ داری تمہارا نہایت خراب ہے زمین پر پھسکڑا مارکر بیٹھے ہو اس سبب سے تمہارا بدن میلا ہے تمکو چاہیئے اچھا مکان بناؤ اچھے کپڑے پہنو اپنی اولاد کو علم پڑھاؤ پاک صاف رہو تو وہ لوگ آپکی ان باتوں کی ہنسی اُڑاوینگے اور سمجھینگے کہ آپ کو جنون ہو گیا ہے اور یہ جواب دیں گے کہ ہماری موجودہ حالت بزرگوں سے ایسی ہی چلی آتی ہے یہی بہت اچھی ہے اگر آپ اُن کی طرز معیشت اور دستوروں کی کچھ بُرائیاں بیان کریں گے تو آپ کو دھکے اور گالیاں دیکر نکالدیں گے کچھ بھی نہیں سُنینگے۔ مگر اُنہیں میں سے ایک نوجوان ڈھیر کو پولیس میں کانسٹبل مقرر کردو اور اُسکو اُردو لکھنا پڑھنا حسب دستور پولیس کے سکھاؤ تو اُس کو وردی کے پہننے رہنے سے چند روز میں ننگے پھرنے کی عادت چھوٹ جاوے گی اور کچھ ضابطہ فوجداری بھی یاد کرلیگا اس کے بعد وہ ہیڈ ہوجاوے یہاں تک کہ انسپکٹری کے عہدہ پر ترقی پاوے اور کچھ انگریزی پڑھ لے تب اُس سے آپ دریافت کریں کہ جب ہم تمہارے گھر تمکو سمجھانے گئے تھے تو تم اور تمہارے بھائی برادر اپنی موجودہ حالت کو

اچھا بتاتے تھے اور اب تم عمدہ لباس پہنے ہو عمدہ اسباب رکھتے ہو عمدہ مکان میں رہتے ہو اور اب کہو کیا کہتے ہو تو آپ یقین فرمادیں کہ وہ ضرور کہیگا کہ مجھ کو اُس وقت عقل اور تمیز نہ تھی میرے اہل برادری سب احمق اور جاہل ہیں وہ حالت کسی طرح اچھی نہیں ہوسکتی عمدہ حالت یہی ہے جو اب میری ہے اب میرا ارادہ ہے کہ مال کا قانون یاد کرکے تحصیلداری کا امتحان دوں صاحب کلکٹر میری کارگذاری سے نہایت خوش ہیں فوراً تحصیلدار کردینگے اور اُمید قوی ہے کہ پھر چند روز میں ڈپٹی کلکٹر ہو جاؤں گا +

مہمان نے کہا کہ فی الواقع یہ مثال تو آپ نے بہت ہی ٹھیک بیان کی بیشک یہ جہالت اور نادانی کا سبب ہے جو ہم اچھی باتوں کے حاصل کرنے سے انکار کرتے ہیں اور اپنی موجودہ خراب حالت کو اچھا جانتے ہیں +

میں نے کہا کہ تمام مسلمان ترک روم اور شام اور مصر اور ٹونس وغیرہ کے مدت سے بیدار ہو چکے ہیں اَور ملکوں کے مسلمان بھی بیدار ہوتے جاتے ہیں مگر ہندوستان کے مسلمانوں کا حال کمال افسوس کے قابل ہے کہ خواب غفلت میں پکی نیند میں پاؤں پھیلائے سوتے ہیں پرچہ تہذیب الاخلاق اُن کو جگاتا ہے مگر جیسے سوتا ہوا غافل آدمی جگانے والے سے ناراض ہو کر لاتیں مارتا ہے برا کہتا ہے اُن کے بھی جو کچھ موتہ میں آتا ہے کہتے ہیں مگر آنکھیں نہیں کھولتے ہاں جن لوگوں کی نیند بہت غفلت کی نہیں تھی وہ بیدار ہو کر کوشش کرنے لگے ہیں اور اَوروں کو جگاتے ہیں +

مضمون مولوی محمد ذکاء اللہ صاحب

ریویو

منشی محمد ذکاء اللہ صاحب کا لکھا ہوا

کیا مبارک دن عید کا یکم شوال سنہ ۱۳۰۱ نبوی اور سنہ ۱۲۸۵ ہجری تھا کہ ایک دانشمند باغبان نے اپنے دست مبارک سے ہماری قوم کے لیئے اس سرزمین ہند میں تہذیب الاخلاق کا وہ بیج بویا کہ پہلے کبھی نہ بویا گیا تھا- اور اُس کی آبیاری ایسی جانفشانی سے کی کہ وہ جلدی سے زمین میں سے پھوٹا اور سبز کونپلیں اور ہرے پتے جھٹ پٹ نکل آئے - ادھر شگوفے کھلکر گل ہوئے - اُدھر ہزاروں بُلبلوں کے جمگھٹ اُس پر جمع ہوئے - اور اُنہوں نے اپنے شیریں نغموں کا ایسا شور اور غلغلہ مچایا کہ وہ لوگ جو خواب غفلت میں ایسے پڑے سوتے تھے کہ خواب بھی نہیں دیکھتے تھے جاگ اُٹھے اور اس نغمہ سرود سرائی کے سننے میں ایسے دل و جان سے مصروف ہوئے کہ پھر اُن کو خواب غفلت نہ آیا - اِدھر کانوں کے لطف کا یہ سامان ہو رہا تھا کہ اُدھر زبان کی چکھوتیوں کے لیئے اُس درخت کے نورس پھل بھی آموجود ہوئے - ان پھلوں میں وہ مزہ تھا کہ جن کی زبان کا ذائقہ برسوں سے بگڑا ہوا تھا اُن کو بھی ایسی لذت آتی تھی کہ کبھی اُن کا جی نہ بھرتا تھا - یہ سب کچھ تھا مگر جس سرزمین میں یہ درخت لگا تھا وہ پتھریلی تھی - اور وہاں صرصر اور طوفان باد بھی اکثر آیا کرتے تھے - اس لیئے درخت کے سرسبز اور شاداب رکھنے میں باغبان کو مشقت شاقہ اُٹھانی پڑتی تھی - ہر وقت تردد اور تفکر رہتا تھا کہ کسی طوفان کے جھٹکے میں میرا یہ پلا پلایا نونہال نہ اجاوے آخر کار اپنی تجربہ کاری و پیرانہ سالی و دور اندیشی سے باغبان کو یہ خیال آیا کہ میں کب تک اس پتھریلی زمین میں اپنے درخت کو تر و تازہ اور سیراب رکھوں گا اور طوفان باد سے بچانے کے لیئے جیوں گا - بہتر ہے کہ میں خود ہی اس درخت کو جڑ سے اُکھیڑوں اور اسکو سکھاؤں اور اسکی نایاب لکڑی کو اپنی قوم میں تقسیم کر دوں اور وہ کاریگری اور صناعی بتلا دوں کہ جس سے نہایت کام کی خوبصورت خوبصورت چیزیں تراش تراش کر بنائیں اور اُس سے فائدہ اور حظ اُٹھائیں - سوائے اسکے اس درخت کے بیج بھی ایسے پھیل گئے ہیں کہ اور باغبان اُن کو لگا کر اپنی قوم کو اُس سے متمتع کرینگے - غرض اُس نے یہ سوچ کر کہ اگر میں نہ رہا تو کون اس لکڑی کی سڈول چیزیں بنانی سکھائیگا اُسکے

کاٹنے کا قصد کیا تاکہ جو درخت سے پورے فائدے حاصل ہونے ہیں وہ سب اُس کی قوم کو حاصل ہوں۔ غرض کہ خدا تعالیٰ وہ دن کرے کہ یہ باغبان اپنے منصوبوں کا ثمرہ دیکھے اور اپنے درخت کی لکڑی کی سڈول ترشی ہوئی چیزوں سے اپنی قوم کو آراستہ پاوے۔ جس وقت کہ یہ نرالا بیج یہاں بویا گیا تھا تو کوئی نہیں کہہ سکتا تھا کہ اُسکا کیا رنگ ہوگا۔ اور وہ کیسے پھل پھول لاویگا۔ اور کیسے شگوفے کھلاویگا۔ مگر اب تو وہ ماشاء اللہ سات برس کا ہرا بھرا پھولا پھلا درخت کھڑا ہے اہل نظر اُس کے برگ و بار کی کیفیت بتلا سکتے ہیں اور کہہ سکتے ہیں کہ اُس سے کیا کیا ثمرے پیدا ہوئے۔ اور اُنھوں نے کن کن شیریں زبانوں کے کام و دہان کو شکر سے پُر کیا۔ اور کن تلخ کاموں کو وہ حنظل سے زیادہ کڑوی معلوم ہوئی اُس کے رگ و ریشہ کس کس طور سے لوگوں کے دلوں میں پھیل کر مضبوط جڑ پکڑ گئے۔ اور اُسکی ڈالیاں کہاں کہاں پھیلیں۔ ان سب باتوں کے دیکھنے کی مجھے فرصت نہیں ہے مگر میں تو فقط یہ دیکھتا ہوں کہ اُس کے سایہ تلے اُردو زبان کے علم انشا نے کیونکر نشو و نما پایا۔ اور خیالات لوگوں کے کیونکر اُسکے پھلوں کے کھانے سے پرورده ہوئے۔ اگرچہ یہ دو باتیں مختلف رنگ کی معلوم ہوتی ہیں مگر حقیقت میں وہ ہم رنگ ہیں اس لیئے کہ خیالات میں اور الفاظ میں ایک قدرتی پیوند ہے کہ وہ جُدا نہیں ہو سکتا۔ خیالات ہی الفاظ کو زبان سے نکالتے ہیں اور الفاظ ہی خیالات پیدا کرتے ہیں۔ وہ ایک ہی چیز ہے کبھی دماغ میں ہوتی ہے کبھی زبان میں۔ وہ زبان سے نکلتی ہے دماغ میں جاتی ہے۔ اور دماغ سے نکلتی ہے زبان پر آتی ہے۔ خلاصہ اس اوپر کی تقریر کا یہ ہے کہ ہر قوم کا علم ادب اور انشا اُس قوم کے خیالات اور اخلاق کا آئینہ ہوتا ہے۔ جب کوئی قوم پستی کے گڑھے میں گرتی ہے اور عیش و عشرت اور کاہلی و سُستی کے نشہ میں مست ہوتی ہے تو اُس کے سارے علم ادب میں بُری باتیں رچ جاتی ہیں۔ چنانچہ جب ہندوستان میں اہل اسلام کا تنزل شروع ہوا ہے تو اُن کی زبان کے سارے علم ادب کی کتابوں میں سوائے عاشقانہ غزلوں۔ واسوختوں۔ مدحیہ قصیدوں۔ ہجو کے قطعوں۔ بے سُود قصہ و کہانیوں کی مثنویوں کے کچھ اور نہیں ساری ہمت شاعرانہ اور جودت اور ذہانت طبع انھیں مضامین میں صرف ہوتی ہے۔ رات دن انھیں میں تلاش مضمون رہتی ہے۔ شاید کوئی کتاب ہزل اور رنڈی سے خالی ہوگی جسمیں عورتوں کے طعنے مہنے اور لونڈوں کی گالی گلوچ نہ ہوگی۔ جن کمبخت خانہ خراب نوجوانوں کو ان مضامین میں لطف آجاتا ہے وہ تو مجنون بن کر قیس و فرہاد کو بھی عشقبازی میں مات کرنا چاہتے ہیں۔ سوائے اسکے اخلاق کے بدہو جانے کے سبب سے جن الفاظ کا مفہوم نیک بھی ہوتا ہے اُسکے لیئے بھی معنی تازہ وہ گھڑ لیئے جاتے ہیں کہ جن سے اُن کا مفہوم بھی بد ہو جاتا ہے۔ ہزاروں الفاظ جن کے معنی تتھے سے اور پاک تھے اس آخر زمانہ میں غلط اور ناپاک معنی میں مستعمل ہونے لگے۔ مثالیں سیکڑوں ہیں چند اُن میں سے لکھی جاتی ہیں +

حضرت - شیطان کو کہتے ہیں - ولی اللہ اور معصوم - بیوقوف اور سادہ لوح کہلاتے ہیں - مہتر بھنگی کا نام ہے خلیفہ - حجام اور درزی کا لقب ہے - پاکباز - سبزی چھاننے کی صافی کہلاتی ہے - مولوی پڑھے ہوئے جن کہلاتے ہیں - تہذیب الاخلاق کا نام تخریب الاخلاق رکھا گیا ہے - اب اس کے دو سبب ہوسکتے ہیں کہ یا تو نکوکاری سے ایسی نفرت لوگوں کو ہوگئی ہے کہ وہ الفاظ کے معنی متبرک اور متقدس کو بھی نہیں دیکھ سکتے یا ریاکاری اور مکاری اُن میں ایسی بڑھ گئی ہے کہ جو حضرت بنتے ہیں وہ شیطان ہی ہوتے ہیں - جو ولی اللہ اور معصوم ہونے کا دعویٰ کرتے ہیں وہ احمق ہی ہوتے ہیں - غرض اخلاق اور علم ادب کی ترقی اور تنزل ساتھ ساتھ ہوتی چلی آئی ہے جو لوگ مونہ زبان سے سُنا ہیں وہ ان باتوں کو خوب سمجھتے ہیں اب ہم بالتفصیل لکھتے ہیں کہ اس تہذیب الاخلاق نے ان دونوں باتوں میں کیا کیا اپنے اثر دکھائے اور اُن کے کیا کیا ثمرے اور نتیجے عمل میں آئے ؏

اوّل - جو بڑا اُس نے کام کیا اور حقیقت میں وہ بڑا ہی کام ہے وہ یہ ہے کہ مغربی خیالات کو مشرقی زبان میں اس خوبی سے بیان کیا ہے کہ اُن کی حسانت اصل سے بھی زیادہ ہوگئی ہے بعض فاضلوں کی رائے ہے کہ اُردو زبان میں یہ قابلیت ہی نہیں کہ مغربی خیالات اُس میں سمائیں اب اس پرچہ نے خود اس کام کو کرکے دکھلا دیا کہ مغربی خیالات خواہ کسی قسم کے ہوں وہ سب اُردو زبان میں ادا ہوسکتے ہیں بشرطیکہ کوئی ادا کرنیوالا لایق اور قابل ہو - سید محمد خان صاحب میں ایک استعداد اور ملکہ خداداد ایسا ہے کہ وہ ان مغربی خیالات کو اپنی زبان میں اس خوبی اور بے تکلفی سے ادا کرتے ہیں اور اپنی جودت طبع اور عالی دماغی سے کوئی اصلاح یا کوئی بات ایسی زیادہ کر دیتے ہیں کہ وہ مضمون مغربی زبان سے زیادہ تر شگفتہ اور متین ہو جاتا ہے مشرقی خیالات پہلے اپنے زمانہ میں بڑی قدر و منزلت رکھتے تھے مگر آج کل وہ ذلیل اور ارذل سمجھے جاتے ہیں اور اجیرن علوم ہوتے ہیں - جو اُن میں مشغلہ رکھتے ہیں وہ اپنی حماقت کو بڑھاتے اور عقل کو گھٹاتے ہیں - اس لیئے اس ملک میں بڑی ضرورت اس امر کی تھی کہ کوئی ذخیرہ مغربی خیالات کا ایسا جمع ہو کہ اُس سے سرمایہ دانش حاصل ہو سو اس پرچہ کی بدولت سات جلدیں جن کے قریب دو ہزار صفحہ ہونگے نہایت عمدہ کاغذ پر نفیس ٹیپ کے چھاپہ کی موجود ہیں اور اُن میں بہت سے مضمون خیالات مغربی سے بھرے ہوئے ہیں اُن کے سبب سے ہندوستانی اخباروں کی اور خانگی خط و کتابت کی اور نو تصنیف کتابوں کی طرز تحریر میں بڑا فرق ہوگیا ہے - اب تک بندی سے لوگ ہاتھ اُٹھائے جاتے ہیں اور بھاری بھاری لفظوں اور موٹے موٹے کلموں سے مضامین کی گردن نہیں توڑتے - بیہودہ استعارات اور تشبیہات کی چھری سے اُردو کا خون نہیں کرتے - ترکیب الفاظ بے حشمت معنی نہیں دکھلاتے - پہلے جو اس امر کے عادی تھے کہ الفاظ کے پھولوں کو

اُنھوں نے گونتھا گانٹھا کبھی اُس کا سہرہ بنا لیا کبھی ہار کبھی بدھی غرض وُہی معمولی دس پانچ چیزیں بنائیں کچھ دیر اُن کو دیکھ کر دل خوش کر لیا اور کچھ خوشبو سونگھ کر دماغ کو معطر کر لیا پھر تھوڑی دیر کے بعد دیکھا تو سوا اُس ڈھیری ہوئی بو کے کچھ نہ تھا۔ غرض کہ لوگوں نے لفاظی کی لال مینا اُڑانی چھوڑ دی ہے اور مضمون نگاری پر توجہ کی ہے اور سیدھی سادی سلیس عبارت عام پسند اختیار کی ہے۔ کوئی دن ایسا نہیں جاتا کہ ہم کوئی اخبار یا خط یا کوئی کتاب ایسی نہ دیکھتے ہوں کہ اس پرچہ کی تحریر کا پرتو نظر نہ آتا ہو۔ بعض بر ملا اقرار کرتے ہیں کہ ہم سید احمد خانی تحریروں سے مستفیض اور مستفید ہوئے جو ایسے مضمون لکھتے ہیں بعض ہٹ دھرمی کرتے ہیں۔ اگر کوئی میری تحریر میں کوئی خوبی بتلائے تو اسے بھی کہہ دوں کہ میں نے انہیں سے حاصل کی ہے۔ ایک گروہ ان تحریروں کا مخالف ہے مگر قاعدہ ہے کہ جب حقیقت کوئی سچی اور سیدھی راہ پر رہنمائی کرتا ہے تو گمراہ اُس کے مخالف ہوتے ہیں۔ مگر آخر کار خود بھی اُسی پر چلنے لگتے ہیں۔ ہم کو یقین واثق ہو گیا ہے کہ سب آخر کو اس پرچہ کی طرز تحریر کو اختیار کر لینگے ؂

دوسرا فائدہ۔ پہلے اس پرچہ کے نکلنے سے کوئی یہ بھی نہیں جانتا تھا کہ قوم کا مفہوم کیا ہے اور وہ کیا ہوا کرتی ہے۔ قومی ہمدردی۔ قومی عزت۔ قومی محبت۔ قومی [illegible] بھلائی۔ قومی خوشی۔ نہ یہ الفاظ خود اور نہ اُن کے مترادف اُردو زبان میں موجود تھے کہ جن سے معلوم ہوتا کہ بھی کوئی چیزیں یہاں کے انسانوں میں ہوتی ہیں۔ اس پرچہ کا کوئی نمبر کیا شاید کوئی مضمون خالی ان [illegible] باتوں سے نہیں۔ ان مضامین کے ادا کا سیدھا اور صاف طریقہ اختیار کیا گیا اور اس [illegible] زبان میں بلاغت و فصاحت کے ساتھ ادا کیا گیا کہ وہ لوگوں کی خاطر نشان اور دلنشین ہو گئی۔ سیکڑوں دل اس قومی جوش سے بھر گئے۔ اخباروں کے اخبار قومی مضامین سے پر ہو گئے۔ خانگی خط و کتابت میں سلسلہ وار تحریریں انہیں مضامین کی ہونے لگیں۔ کہیں شریف اور بھلے مانس دس پانچ جمع نہ ہوتے ہونگے کہ وہاں اس قومی ہمدردی کا ذکر نہ کرتے ہونگے۔ کوئی ٹرین ایسی نہ ہوگی جو اس ذکر سے خالی جاتی ہوگی۔ اس پرچہ کے فقرے بہت سی ضرب المثلیں آج کے زمانہ میں بن گئیں۔ ہر کس و ناکس کے منہ پر وہ چڑھ گئیں۔ اور وہ قومی مقولے بن گئے جن کی حکومت لوگوں کے دلوں پر بادشاہوں کے فرمان سے زیادہ ہے۔ جس انجمن کی تحریر و تقریر کو سنئے وہ گویا تہذیب الاخلاق ہی کی نقل معلوم ہوتی ہے۔ جس شخص نے کوئی کار خیر کسی مجمع میں کرنا چاہا اُس نے قومی مضمون کو چھیڑ دیا اور اُس کام کا سر انجام ہو گیا۔ آجکل اُسکے الفاظ اور فقروں سے وہ کام لیا ہے کہ بڑے بڑے آدمیوں سے ہونا مشکل تھا۔ جہاں جہاں ترکوں کے یتیموں اور بیواؤں اور زخمیوں کے لیئے انجمن چندہ

مرتب ہوئیں اور کوئی صاحب دل اور منصف تقریر کرنے کے لیئے کھڑا ہوا اُدھر اُس نے اس پرچہ کے
دو چار فقرے لفظاً یا معناً بیان کیئے اُدھر ہزاروں روپیہ کے توڑے بھرنے شروع ہوئے اور لاکھوں
آنسو ٹپکنے لگے۔ جس وقت ہم اُس پر غور کرتے ہیں تو یہ معلوم ہوتا ہے کہ اس پرچہ نے فقط یہیں کے
آدمیوں کو فائدہ نہیں پہونچایا بلکہ بنی نوع انسان کو فائدہ پہنچایا۔ ہزاروں زخموں پر مرہم کھا سینکڑوں
اندھوں کی آنکھوں کو روشنی پہنچائی۔ بہت سے بے ست پاؤں کو بادست و پا کیا۔ مریضوں کو
دوا کی۔ بھوکوں کو غذا دی۔ ننگوں کو پوشاک پہنائی۔ درماندوں کو آسایش و آرام دیا۔ عورتوں
کی عصمت و عزت کا محافظ بنا۔ یتیموں کا مربی ہوا۔ اور کیا کیا لاکھوں کام اس نے کیا کیا۔ انصاف
کسی میں ہو تو دیکھ لے۔ آج کل جو مسلمان ترکوں کی خبرں کے لیئے گلی گلی کوچے کوچے اُسی طرح پھر
رہے ہیں جس طرح کہ بمبئی اور مدراس میں بھوکے روٹی کے لیئے۔ اور اُن کی ہزیمت سے رنج اور اُنکی
نصرت سے مسرت کرتے ہیں۔ یہ بات کس نے سکھائی ہے۔ کبھی کسی نے یہ قومی جوش پیدا کیا تھا۔ یہ
سارا کام اسی پرچہ تہذیب الاخلاق کا ہے۔ جس وقت یہ قومی عزت و جوش و ہمدردی کا چرچا
مسلمانوں میں اس پرچہ نے پھیلایا تو ہمارے ہموطن بھائیوں ہندوؤں کو بھی اپنی قوم کا خیال پیدا ہوا
اور اُنھوں نے مجلسیں اور جلسے ایسے جمانے شروع کیئے کہ جس سے قوم کی بھلائی ہو۔ اول اُنھوں نے اپنے
مجمعوں میں سید احمد خاں کی جے پکاری اور دُہائی مچائی کہ ہائے ہم میں کوئی سید احمد خاں نہیں۔ چند روز
کا عرصہ گذرا ہے کہ الہ آباد میں ایک بڑے لایق عالم و فاضل پنڈت نے یہ بیان کیا کہ ہم مسلمانوں سے
دولت میں کہیں زیادہ ہیں علم میں بہت بڑھ کر ہیں۔ تعداد میں اُن کو ہم سے کچھ نسبت نہیں
مگر ہائے افسوس صد افسوس ہم میں سید احمد خاں کوئی نہیں۔ ایک ہم میں کیا سید احمد خاں نہیں
اگر ہم سب بھی ملیں تو بھی سید احمد خاں نہیں بن سکتے۔ اس بیان کو ایسی شد و مد کی آواز سے اُنہوں نے
ارشاد کیا تھا کہ اب تک اُس کی تاثیر ہمارے کانوں سے نہیں گئی۔ اب آپ بتلائیے کہ اس مجلس
غیر اسلام میں کس چیز نے اس اعزاز کے ساتھ نام سید احمد خاں کا کہلایا۔ وہ اسی پرچہ نے۔ سید
کی تمام قومی ہمدردی کا اظہار اسی پرچہ کی بدولت ہوا ہے۔ جو سچ بولتے ہیں اور سچ کو سمجھتے ہیں اُنکے
سامنے یوں ہی اور جو جھوٹ بولتے ہیں اور سچ کو مشکل سے سمجھتے ہیں اُن کے سامنے قسم کھا کر میں یہ
کہتا ہوں کہ قومی عزت۔ قومی ہمدردی۔ قومی محبت و موانست کے خیالات جو ہندوستان میں
لوگوں کے دلوں میں پیدا ہوئے ہیں وہ سید احمد خاں ہی کے اقوال و افعال سے پیدا ہوئے ہیں۔
ان خیالات ہی کے پیدا ہونے سے معلوم ہوتا ہے کہ شاید ہماری قوم کی فصل بہار آنیوالی ہے ◆

سوم۔ نیچر (فطرت) کے مضامین جو اِس پرچہ میں درج ہوئے اُن سے لوگوں نے جانا کہ اصل مضمون نگاری اِس کا نام ہے۔ جو بیان کہ دل کے اندر تاثیر کرنے کی قدرت رکھتا ہے وہ یہی ہے انسان کے خیالات کے مخرج کو اور اُن سے جو خوشیاں حاصل ہوتی ہیں اُن کے فرق کو بھی بتلاتا ہے جذبات انسانی کا مصور بھی ہے۔ گو قافیہ سنجوں نے اپنی عادت کے موافق اول اوّل اُس کا قافیہ کچھ بد باندھ دیا تھا۔ مگر تھوڑے دنوں بعد وہ سمجھ گئے کہ جو کچھ ہے یہی ہے پھر تو وہ بھی نظم میں نیچر کے سبب اِن میں قدم رکھنے لگے اور مضامین عشقیہ اور خیالیہ سے ہاتھ اُٹھانے لگے۔ اس لفظ کو اوّل اوّل لوگوں نے اُس پرچہ کی بدولت ہی سنا تھا اس لیئے پہلے تو گھبرائے مگر جب سمجھے کہ وہ کیا ہے اور اُس کے سبب سے بیان میں کیا شگفتگی اور تاثیر پیدا ہوتی ہے تو پھر قائل ہو گئے۔ اور اُن لغو بیہودہ تحریروں کو چھوڑنے لگے کہ جن کے اندر دو صفحے کیا دو سطریں بھی نہ ہوتی تھیں کہ ایک ان نیچرل (برخلاف فطرت) کوئی مضمون نہ ہو۔ سیکڑوں آدمی ایسے ہو گئے ہیں کہ ایسے مضامین سے اُن کو غشیان ہوتا ہے تو جوان تو کبھی اپنی طرز تحریر کو چھوڑینگے لیکن بوڑھے مجبور ہیں کہ وہ کیونکر اپنی خلاف وضع اختیار کریں اور وہ اختیار بھی نہیں کرسکتے مجبور ہیں +

چہارم۔ باہمی ارتباط اور اتحاد اور مُلاقات اور معاشرت میں جو بُرائیاں تھیں اُن کو بتایا اور سمجھایا کہ سچی محبت اور مؤانست کبھی پیدا نہیں ہو سکتی جب تک آپس میں ہمسری اور آزادی نہو۔ پھر طریقہ آزاد خیالات بنانے کا بتلایا۔ اور عوام النّاس میں اُس قوت کے پیدا کرنے کی تدبیریں بتائیں کہ جس سے وہ عُمدہ کاموں کی قدر کرسکیں۔ اور وہ دل اُس نے پیدا کر دیئے کہ جن کو قومی اتحاد کا شوق اور ترقی کا کوئی رہ زمانہ حال کے موافق دامنگیر ہو (مولوی مہدی علی اور مولوی فرید الدین اور مولوی سمیع اللہ خاں کو جو پہلے جانتے تھے اور اب جانتے ہیں میرے قول کی تصدیق کرینگے) اس کے سوا جو اُس نے بڑا کام کیا وہ یہ ہے کہ اہل اسلام کا جو طریقہ حکام کے ساتھ ملنے جلنے کا منافقانہ تھا اُسکی بیخ کنی میں جہاں تک ممکن تھا کوشش کی۔ قاعدہ ہے کہ جب ایک قوم دوسری قوم کی محکوم ہوجاتی ہے تو محکوم قوم کی عزّت اور آبرو اُسیقدر بڑھتی جاتی ہے جسقدر کہ وہ شائستگی میں علم و فضل و لیاقت میں حاکم قوم کے ساتھ مماثلت اور مشابہت پیدا کرتا ہے اور اُتنی ہی نفرت بڑھتی جاتی ہے جتنی کہ وہ مباینت کرتا ہے مسلمانوں نے کائیتوں کی کیوں قدر کی؟ اسی سبب سے۔ پس مسلمان جس قدر کہ ان باتوں میں انگریزوں کی تقلید کرینگے اُسیقدر عزّت اور آبرو حاصل کرینگے کیونکہ تقلید ایک سچّی خوشامد ہوتی ہے جو سب کو پسند آتی ہے۔ اور جتنا حاکموں سے منافقانہ برتاؤ

کرینگے اور اُن کی بہی لیاقت نہ پیدا کرینگے اپنی عزت کھوئینگے اور خاک مذلت پر لوٹینگے اور دین و دنیا دونوں کو روبیٹھینگے۔ جب اہل اسلام کے ایسے فقرے حاکموں کے کانوں تک پہونچتے ہیں۔ کہ کافروں کے ساتھ موالات لسانی چاہیئے اور مجانست قلبی نہیں چاہیئے تو اُن کو یقین ہوجاتا ہے کہ کوئی سچا مسلمان ہمارا ہوا خواہ نہیں ہو سکتا ہے۔ پس جب حاکم کا یہ خیال محکوم کی نسبت ہو تو کیسا اُس کے حق میں مضر ہے۔ مگر الحمد للہ کہ سید احمد خاں کی تحریروں نے بہت سے مسلمانوں کے دل سے ان نفاق آمیز باتوں کو دور کیا اور حکام کو بھی سمجھایا کہ یہ نفاق مذہب اسلام میں داخل نہیں ؛

پنجم۔ اُس نے تمام زمانہ گذشتہ کی سرگذشتوں کو خوب دکھلایا اور حال کی حالت بد کو بتلا کر شرمندہ کیا اور استقبال کی بہبودی اور بہتری سے دل و جان کو تقویت دی۔ اُس نے تمام اہل اسلام کی برائیوں کو نہایت سچی محبت اور دلسوزی اور پیار سے بیان کردیا اور سمجھا دیا کہ جو محب اسلام اپنی محبت قلبی کے سبب سے عیوب اہل اسلام کو چھپاتے ہیں اور ظاہر کرنیوالوں سے ہشت مشت کرنے کو تیار ہوتے ہیں وہ ایسے غم کو نہاں کرتے ہیں کہ جو آیندہ ناسور بن جائیگا اور خاک میں پنہاں کریگا محبت ہیں نادان ماؤں کی ہے کہ جو اپنے بچوں کی برائیاں چھپا چھپا کر اُن کو بدمعاش بنا دیا کرتی ہیں اور پھر آپ ہی روتی ہیں۔ غرض کہ اُس نے سب امراض اہل اسلام اور اُن کے علاج حکیمانہ بتلا دئیے ؛

ششم۔ جب تہذیب قومی کے مضامین لکھے اگرچہ مسائل مذہبی کی بحث اُن پر بڑی مجبوری اُن سے گریز نہو سکی۔ ان بحثوں کو اُس نے نہایت خوبی اور بردباری اور عجیب و غریب مذاق سے نباہا۔ جو بحث کہ طوالت کے سبب سے بے لطف ہونے لگی اُسے چھوڑ دیا ؛

ہفتم۔ شایستہ اور مہذب قوموں میں بعض اکابر علماء اور حکماء کی خواہ تعصب کے سبب سے یا غلطی رائے کے سبب سے یہ رائے ہے کہ اسلام ایسا مذہب ہے کہ اہل اسلام میں اُس کے سبب سے اعلےٰ درجہ کی شایستگی نہیں پیدا ہو سکتی تھی۔ پھر جس جوانمردی اور عمدہ دلایل سے اُس نے ان بڑے بڑے لایق آدمیوں کی دلیلوں کو رد کیا ہے اُسکی تعریف میں نہیں کر سکتا ؛

ہشتم۔ مسلمانوں کی بڑی بدنصیبی اور کمبختی تھی کہ اُن کے دلوں میں انگریزی زبان اور علم کی تحصیل سے وحشت ایسی بیٹھ گئی تھی کہ وہ کوسوں اُن سے بھاگتے تھے اپنے علوم اور زبان کی تعصب کی جڑیں ایسی مضبوطی سے اُن کے ذہنوں میں پھیل گئی تھیں کہ اُن کا اُکھڑنا آسان کام نہ تھا مگر الحمد للہ کہ اس کام میں یہ پرچہ ایسا کامیاب ہوا کہ کسی اور کام میں نہیں ہوا اُس نے پشاور سے لیکر

اس کماری تک سارے ہندوستان کے مسلمانوں کے دلوں سے اس وحشت اور تعصب کا بالکل استیصال کردیا ؛

پس اب میں اس امر پر اپنے مضمون کا خاتمہ کرتا ہوں کہ یہ ایک مخزن اور ذخیرہ اُردو زبان کے علم ادب میں ایسا ہے کہ اُس کے مضامین قسم وار جُدا جُدا ہو کر چھاپے جائیں اور تمام ہندوستان کے درس اور تدریس میں جاری ہوں اور اُن مضامین کو قسم وار تقسیم کرنے والا اپنے اوپر یہ امر واجب و فرض جانے کہ ایک دیباچہ اِن مضامین کے اوّل لکھے جس میں وہ یہ بات ثابت کردے کہ سید احمد خاں بانی تہذیب الاخلاق مذہب اسلام میں مجتہد اور امام ہے اور دنیا کے کاموں میں دانشمند اور فرزانہ دُور اندیش ہے علم حکمت میں حکیم ہے علم اخلاق میں موریلسٹ (علم اخلاق کا جاننے والا) ہے اور قدرتی علوم میں نیچرلسٹ (عالم علم قدرت) ہے۔ زبان دانی میں ایک نئی اُردو کا موجد ہے اُسکی طرز تحریر جدید ہے اخلاق میں خوش طبعی اور خوش طبعی میں اخلاق اس طرح سے ملایا ہے کہ ایک گنوار سے لیکر عالم تک اُس سے لطف اُٹھاتا ہے۔ زبان کی وسعت دینے کے طریقے ایسے جانتا ہے کہ آج تک کوئی اُس کے برابر نہیں ہوا۔ میر مومن ایک کہانی اور سودا اور میر قصاید اور مثنویاں لکھ گئے اگر اس میدان میں آن کر کھڑے ہوتے تو ضرور سید کے قدموں پر گرتے۔ جس خوبصورتی سے انگریزی الفاظ کو اُردو زبان میں ملایا ہے اُس سے زبان کو مرصع بنا دیا ہے یہ سارا مجموعہ اُردو زبان کا شکسپیر اور بیکن کے ایسے اُس نے بنا دیا ہے۔ اُن سے دین و دنیا دونوں کا فائدہ اُٹھ سکتا ہے۔ روزمرّہ کی گفتگو جو بُرے کلمات اور بد محاورات اور ناپاک قسموں اور بُرے کوسنوں سے بھری ہوئی تھی اُسکو درست کرتا ہے۔ جن تعصّبات اور خیالات بد کی خاک سے ہمارے دلوں کے چشمے اَٹے پڑے ہیں اُن کو نکوکاری کے پانی سے صاف کرتا ہے اب خدا سے دعا ہے کہ جس مہربان قبلہ و کعبہ نے ہمارے لیئے یہ سب کچھ کیا ہے دنیا میں خوش حال رہے اور جب تک اُس کی ساری دلی تمنّائیں پوری ہوں ہمارے سر پر زندہ رہے اور ہمکو بھی توفیق دے اور دل و دماغ کو ایسا بنا دے کہ جو کچھ وہ ہماری دنیا و عقبیٰ کے لیئے کرے اُسکو ویسا ہی سمجھیں جیسا کہ ہمکو سمجھنا چاہیئے ؛ آمین ثم آمین ؛

تمت

ڈیوٹی

ڈاکٹر سموئل سمائلز کی مشہور اخلاقی کتاب ڈیوٹی کا اردو ترجمہ کتاب ہذا کو بحیثیت اپنے اعلیٰ مضامین کے اس قابل کہ کوئی فرد بشر اسکے مطالعہ سے خالی نہ رہے دیکھو کہ یہ کتابیں فروخت ہوئی ہیں اس میں مندرجہ ذیل مضامین ہیں۔ فرض ضمیر منیزہ - فرض عملی - دیانتداری صداقت - راستی دلیری تحمل - انجام نیک و باری بیسوئنا ردلا جہازران - سپاہی نیک عملی میں بہادری ہمدردی - خیرخواہی عام طالب علم اور اخلاقی سبق لینے والوں کے لئے نہایت عمدہ نا لیق ہے سلیس اردو میں طیار ہے قیمت .. .. .. عمہ

سفرنامہ شیخ ابن بطوطہ

اپنی طرز کی سب سے پہلی کتاب جو دنیا کے کتب خانہ کو بہم پہنچی تھی اپنے زمانہ کی چشم دید تاریخ مسلمانوں کی شاہنشاہی فتح و نصرت - بزرگی و حکومت ترقی تہذیب علمیت و فضیلت ایجاد و اختراع جاہ و جلال شان و شوکت اولوالعزمی و ہمت - ہمدردی و اخوت - رحم و انصاف بخشش و سخاوت - فیاضی و کشادہ دلی - اتفاق و یگانگی - دینداری - اتقا و پرہیزگاری کا تصویر خانہ یعنی آٹھویں صدی ہجری کے ایک مسلمان سیاح کا سفرنامہ .. .. .. علاوہ محصولڈاک قیمت .. .. .. عمہ

تفسیر الجن والجان

اس کتاب میں نہایت معقولیت سے بحث کی گئی ہے کہ قرآن شریف میں لفظ جن سے کیا معنی لئے جانے چاہیئے اور قرآن شریف کی تمام آیات جمع کر کے اس کے متعلق بحث کی گئی ہے مصنفہ سر سید احمد خانصاحب ۵

تحریر فی اصول التفسیر

یعنی نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی صاحب بہادر اور سر سید احمد خانصاحب کی خط و کتابت بابت تفسیر القرآن مصنفہ سر سید احمد خان اور اصول ساختہ سر سید مقاصد تفسیر جس شخص نے سر سید کی تفسیر دیکھی ہے اس کا فرض ہے کہ اس کو بھی ضرور دیکھے ۵

لکچروں کا مجموعہ

اس مجموعہ میں سید احمد خانصاحب بہادر کے کل لکچر جمع کئے گئے ہیں دعائیں جو سید صاحب نے وقتاً فوقتاً خداوند تعالیٰ کی بارگاہ میں مانگیں لکچروں کے شروع میں درج ہیں دعائیں بہت ہی پر اثر ہیں پڑھنے سے طبیعت فوراً اپنے مالک کی طرف رجوع ہو جاتی ہے .. .. .. عا

فضیلت یا معلم الطلباء

لاجواب مستند کتاب صرف وسطی باقاعدہ تعلیم پانیوالی طالب علموں کے بلکہ پرائیویٹ سٹڈی سے علم پڑھنا چاہنے والے شائقین کے لئے نہایت مفید ۱۲

لکچر نماز

یعنی وہ لکچر جس میں نماز کی خوبیوں کو جامع بیان کیا گیا ہے اور منشی سراج الدینصاحب ایڈیٹر اخبار چودھویں صدی نے ایک بڑے عظیم الشان جلسہ میں سنایا قیمت ۳

مسلمانوں کی گذشتہ تعلیم

مرتبہ مولانا مولوی شبلی نعمانی صاحب یہ مضمون محمڈن ایجوکیشنل کانگریس منعقدہ لکھنو میں پڑھا گیا زیادہ لکھنا فضول قابل دید ہے ۸

تہذیب الاخلاق ہفت سالہ

از ابتدائے ۱۲۸۷ھ ہجری لغایت ۱۲۹۳ھ ہجری

تہذیب الاخلاق کی گذشتہ ہفت سالہ اشاعت نے ملک اور قوم کے دلوں پر جو اثر ڈالا ہے اس کے مفید اور عمدہ ہونے کا اس سے زیادہ
کیا ثبوت ہو سکتا ہے کہ کانفرنس ۱۳۱۳ھ کے سالانہ جلسہ میں اس کی اجرائے ثانی اور ایک طرح سے اجرائے ثالث پر نہایت شد و مد
سے ایک خاص لکچر دیا گیا حاضرین جلسہ اور خود سید احمد خان صاحب پر بلا مبالغہ اس لکچر کا جو اثر ہوا اس کا نتیجہ ہے کہ اس وقت تک
"تہذیب الاخلاق" کے کئی پرچے پبلک کی مسرت افزائی کا باعث ہو چکے ہیں۔

بیشک اس میں شک نہیں کہ یہ ملک و قوم کا خیر خواہ "تہذیب الاخلاق" قالب طبع سے ظہور پذیر ہوا تھا۔ مگر قوم کی ابتدائی حالت سے اس کی اشاعت
اس وقت اس حد تک محدود تھی کہ اشاعت کی سینکڑے لینے اور کہ مدد کو پوری تعداد بلکہ نصف تک بھی شمار کرنے کا موقع نہیں دیتے تھے
اور اسپر جس بزرگوار نے پرچوں کی حفاظت میں زیادہ احتیاط کو چھوڑا اسال بھر میں ایک دو رسالہ بیکری کی نذر ہوا اور رسالہ جلد نا مکمل رہ گیا
ادھر زمانہ کی تغیرات سے خیالات نے پلٹا کھایا اور اس جو ہر بے بہا کی تلاش کا شوق دلوں میں بڑھتا گیا مجھے بخوبی یاد ہے کہ سرسید احمد خان
صاحب کو نواب مظہور حسین صاحب مرحوم کمبل پوش کی کورٹ الہ آباد کو عطیہ میں ایک ہفت سالہ نا مکمل تھی جس کی قیمت حضرت نے مبلغ [illegible]
روپیہ قرار دیکر اشتہار درج اخبار فرما دیا تھا مگر اشتہار دینے کی دیر تھی کہ خواستگار ٹوٹ پڑے "بلانا صد بیمار" کی شکل سے اپنی صورت
آ دکھائی۔ سید صاحب کو اس قدر شائقین سے پیچھا چھڑانا مشکل ہو گیا اور پہلے درخواست دہندہ کے سوا باقی سب کے منہ تکتے رہ گئے۔

غرض تہذیب الاخلاق کی کمیابی اور شائقین کی بیتابی اور قوم کی ضرورت نے مجھے اس بات پر آمادہ کیا کہ ہفت سالہ تہذیب الاخلاق کو
ایک دفعہ پھر قالب طبع سے آراستہ کروں اور اس اخلاقی اور تمدنی تمثال کے جلوہ سے مشتاقان جمال کی آنکھوں کو روشنی دوں۔

غرضیکہ کل ایڈیشن ہفت سالہ چار جلدوں میں شائع کرنا پسند کیا۔ جو چھپ کر طیار ہو گئی ہیں۔

جلد اول تہذیب الاخلاق یعنی عالیجناب نواب محسن الملک مولوی سید مہدی علی خاں صاحب بہادر کے کل مضامین
ریویو خطوط وغیرہ جو بالکل طیار ہیں اور فروخت ہو رہے ہیں۔ قیمت فی جلد عہ

جلد دوم تہذیب الاخلاق یعنی عالیجناب ڈاکٹر آنریبل سر سید احمد خاں صاحب بہادر کے کل مضامین آرٹیکل وغیرہ سوائے
لکچروں کے طیار ہے۔ قیمت فی جلد ۸ے

جلد سوم تہذیب الاخلاق یعنی عالیجناب نواب اعظم یار جنگ مولوی چراغ علی خان صاحب بہادر کے کل مضامین مندرجہ تہذیب الاخلاق
از ابتدائے ۱۲۸۷ھ ہجری لغایت ۱۲۹۳ھ ہجری طیار ہے قیمت فی جلد عمر

جلد چہارم تہذیب الاخلاق اس میں مولانا خواجہ حالی۔ مولوی ذکاء اللہ۔ سید محمود بیرسٹرایٹ لا۔ نواب انتصار جنگ
مولوی مہدی حسن صاحب وغیرہ وغیرہ کے مضامین ہیں قیمت فی جلد ۱۲ار

ہر ایک جلد کو مذہبی۔ اخلاقی۔ تمدنی۔ تاریخی مضامین کے لحاظ سے مسلسل ترتیب دیا گیا ہے خط کی صفائی۔ کاغذ کی عمدگی اور حسن طبع میں پوری کوشش کی گئی ہے۔

درخواستیں خریداری راقم کے نام پر ہوں۔

المشتہر

خادم قوم فضل الدین تاجر کتب قومی مالک اخبار اشاعت کشمیری بازار لاہور

هو المستعان

البرهان علی اعجاز القرآن

مولفہ

عالیجناب ڈاکٹر صادق علی صاحب

جو

خریداران اخبار چودھویں صدی راولپنڈی
کے درمیان مفت تقسیم کرنیکے لئے طبع کیا گیا ہے

سنہ ۱۳۱۴ ہجری

مطبع چودھویں صدی راولپنڈی مین چھپا

بسم اللہ الرحمٰن الرحیم ط

البرہان علی اعجاز القرآن

ہم مسلمانوں کا ابتدائے تعلیم اسلام سے آجتک مخالفوں کے روبرو یہ دعویٰ بڑے اعتماد
اور یقین کے ساتھ پیش ہوتا چلا آیا ہے کہ قرآن مجید لفظ بلفظ کلام الٰہی ہے اور اوسکے ثبوت میں
جو دلیل قرآن شریف نے خود بتائی ہے وہی سب مسلمان بیان کرتے رہے ہیں۔ وہ دلیل یہ ہے
کہ یہ کلام الٰہی خود معجزہ ہے۔ یعنی اسطرح کے کلام کا بنانا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔ اگر کوئی
جماعت انسانی میں ایسے دوسرے مددگاروں کے جو اونکے خیال میں اس کام میں مدد دے سکتے ہوں ایسی
کلام بنانیکی کوشش ہی کریں تو کبھی کامیاب نہوں بلکہ اس کلام کے ایک حصہ معتدبہ کے برابر بھی نہیں
بنا سکتے تب ایسی کلام کا بنانا انسانی طاقت سے اور دوسری مخلوق جو متکلم خیال کیجا سکے اسکی طاقت
سے باہر اور برتر ہے تو انسان اپنی فطرتی عقل سے سمجھ سکتا ہے کہ یہ کلام الٰہی ہے اگر اس دلیل کو منطقی
شکل میں بیان کیا جاوے تو اسکی یہ شکل ہوگی۔ اسطرحکی کلام کوئی انسان نہیں بنا سکتا اور جسطرح کی
کلام کوئی انسان نہیں بنا سکتا۔ اور جسطرحکی کلام انسان نہ بنا سکے وہ خدا کی کلام ہے یعنے اسطرحکی
کلام خدا کی کلام ہے یعنی اسطرحکی کلام جسکو قرآن کہتے ہیں یا جو قرآن کے نام سے موسوم ہے اور
موجود ہے خدا کی کلام ہے۔ اس استدلال میں تین فقرے ہیں۔ اگر اسکے پہلے دو فقرے صحیح ثابت ہوجاویں
تو تیسرا فقرہ جو نتیجہ اور مدعا ہے خود ثابت ہوجائیگا اور چونکہ پہلے دو فقرے ایسے بدیہی نہیں ہیں کہ
ہر ایک سلیم العقل بمجرد انکے سننے اور سمجھنے کے اونکو تسلیم کرلیوے اسلئے پہلے انکی صحت ثابت ہونی چاہئے
اب فقرہ نمبر ۱ یعنی اسطرحکی کلام انسان نہیں بنا سکتا اسکے ثبوت دو قسم کے ہیں ایک نقلی دوسرے
عقلی۔ نقلی ثبوت سے میری مراد وہ ثبوت ہے جسمیں تاریخی شہادت ہیں جو عقلاً قابل اعتماد اور یقین
کے ہوسکتے ہوں اور یہ مراد نہیں ہے کہ وہ ثبوت محض نقل کی صحت کے اعتقاد پر تسلیم کرلیا جاوے
مگر شواہد نقلی کے بیان کرنے سے پہلے ثبوت مدعی کیلئے اس امر کا ثابت کرنا ضروری ہے کہ جو قرآن اسوقت

موجود ہے یہ بعینہٖ وہی کتاب ہے جو رسول عربی کی حیات میں کامل ہو چکی تھی۔ تمام اہل علم نصاری
یہودی۔ ہندو۔ بدھ۔ وغیرہ جو مذہب اسلام اور مسلمانوں سے کچھ بھی واقفیت رکھتے ہیں اس
امر سے انکار نہیں کر سکتے کہ بانی اسلام ملک عرب میں ہوا ہے اور اوسکی زبان عربی تھی اور قرآن
عربی زبان میں ہے اور چونکہ قرآن کو نازل ہوئے تیرہ سو برس سے زیادہ نہیں گذرے ہیں
یعنے بہت زیادہ عرصہ نہیں گذرا ہے اور مسلمانوں کی تعداد جو اس کتاب پر ایمان رکھتی ہے بیس کروڑ
سے زیادہ ہے اور یہ قوم کرہ زمین کے مختلف براعظموں اور جزیروں میں پھیلی ہوئی ہے اور باوجودیکہ
قانون قدرت کے موافق جیسے دوسرے مذہبوں میں بھی دیکھا جاتا ہے اس مذہب میں بھی مختلف
فرقے جو کسیقدر باہم مختلف ہیں پائے جاتے ہیں مگر ان تمام مسلمانوں کے پاس مختلف ملکوں میں اور
فرقوں میں ایک ہی قرآن ہے۔ یہانتک کہ ایک لفظ کا تفاوت بھی قرآن کے کسی دو نسخوں میں خواہ
وہ کیسی مختلف زمانوں اور ملکوں کے لکھے ہوئے کیوں نہ ہوں پایا نہیں جاتا اس سے یقینی طور پر ثابت
ہوتا ہے کہ جو قرآن نبی عربی کے زمانے میں کامل ہو چکا تھا وہی قرآن بلا کمی و بیشی یا تبدل و تغیر یا تحریف
کے آجتک موجود ہے کیونکہ اگر رسول عربی کے بعد کسی زمانے میں کسی ملک اور کسی فرقے میں اس
کتاب میں ذرا بھی تغیر ہوتا تو وہ تغیر صرف اوس زمانے کے یا اوسی ملک یا فرقے کے نسخوں میں پایا جاتا
اور اوس زمانے سے پہلے نسخے اور دوسرے فرقے یا ملک والوں کے نسخے اوس سے مختلف ہوتے لیکن
ایسا اختلاف کبھی نہیں پایا گیا اسلئے یقیناً ثابت ہوا کہ یہ قرآن بعینہٖ وہی ہے جو رسول عربی کے زمانے
میں نازل اور کامل ہوا تھا شاید اس موقعہ پر کسی مخالف مذہب اسلام کو اسلام کی تاریخ کی اچھی واقفیت ہو

نوٹ۔ اگرچہ عیسائیوں اور یہودیوں کی کتب مقدسہ بھی آجکل کے مختلف فرقوں اور ملکوں میں ایک ہی ہیں یا قریباً ایک
ہی ہیں لیکن ہمیشہ سے انکی کتابیں ایک نہیں ہیں انکی عبارتیں محرف اور دوسرے بزرگوں کی تحریروں سے بخوبی روشن ہے کہ پہلے زمانوں میں
انکی بہت متعدد نسخے پائے جاتے تھے جو سب باہم مختلف ہوتی تھیں کوئی نہیں معلوم کر سکتا تھا کہ ان مختلف نسخوں میں سے کونسا صحیح ہے
بعد میں کونسل ہوکر کچھ نسخے صحیح و درست کئے گئے اور انکا رواج دیا گیا اسکے بعد چھاپہ ایجاد ہوا تب سے ان نسخوں کا عام رواج ہوا انکو
باوجود اسکے اگر مختلف ترجموں کا مقابلہ کرو تو اب بھی بہت کچھ اختلاف پایا جاتا ہے اور انمیں بعض کتابیں ایک فرقہ
صحیح تسلیم کرتا ہے دوسرا انکو نہیں یا ایک فرقہ کسی کتاب کو الہامی کہتا ہے دوسرا صرف عام تاریخ کی سی بھی اسکی زیادہ قدر نہیں کرتا انکے
مصنفوں کا آجتک پتہ نہیں کہ کون تھے اور انکی تالیف کا زمانہ اور مقام آجتک کسیکو ٹھیک معلوم نہیں علاوہ اسکے جو کتابیں آج صحیح
تسلیم کیجاتی ہیں انمیں بہت الفاظ و آیات ایسے موجود ہیں جنکو خود عیسائی اور یہودی محقق [illegible] مسئلہ کی [illegible] دیکھو

بعض کا بعض الہامی حصہ ہے [illegible]

کے باعث یہہ اشتباہ ہو کہ عثمان رضی اللہ عنہ جو رسول عربی کے بعد تیسرے خلیفہ ہوئے ہیں وہ جامع قرآن
کے لقب سے ملقب ہیں ممکن ہے کہ اونہوں نے قرآن کے جمع کرنے میں کچھہ تغیر یا تحریف کی ہو اور چونکہ اسوقت
تک کل مسلمان ایک خلیفہ کے تابع اور محکوم تھے اسوجہ سے اونکی یہہ کارروائی کارگر ہو گئی ہو تو یہہ اشتباہ
اسلام کی تاریخ پر ذرا غور کرنے سے دفع ہو جاتا ہے کیونکہ قرآن کو پانچ وقت نماز میں پڑہنا ہر ایک مسلمان کا
فرض ہے اور قرآن کی تعلیم ہر ایک مسلمان کی ہدایت کیلئے ضروری خیال کیگئی ہے. علاوہ اسکے تلاوت قرآن
کی جسقدر ہو سکے ہر ایک مسلمان کیلئے موجب ثواب کا ہے اسلئے جزیرہ نمائے عرب کے تمام بالغ مرد اور عورتیں جو
رسول عربی کی حیات میں مسلمان ہو چکے تھے کم و بیش اُن سبہوں نے قرآن حفظ کیا ہوا تہا اور چونکہ قرآن
شریف توریت اور وید کیطرح بڑی ضخیم کتاب نہیں ہے اور عربی زبان ہونیکے باعث اوسکا یاد کرنا بہی عربوں کیلئے سہل تہا
اور اسکے یاد کرنیکے لئے ہر طرحکی تاکید اور ترغیب ہوتی رہتی تہی اور اہل عرب عموماً لکہنا پڑہنا بہی نہیں جانتے تھے
اور نہ کاغذ وغیرہ کتابت کا سامان میسر ہوتا اسوقت سہل تہا اور یہہ امر سب کے لئے ضروری تہا کہ جہانتک
ہو سکتا قرآن شریف کو حفظ کرنے اور تواریخ اسلام اور حدیثوں سے تو ثابت ہوتا ہے کہ صحابہ میں ایسے
سینکڑوں اشخاص موجود تھے جنکو بصحت تمام اول سے آخر تک قرآن شریف حفظ تہا. البتہ رسول عربی
کے زمانے میں قرآن شریف بہ ترتیب سورہ موجودہ ایک کتاب میں جمع ہوا ہوا نہیں تہا. نہ اسکے پاروں
اور رکوعوں کی تقسیم ہوئی تہی. نہ آیات و الفاظ و حروف کا شمار ہوا تہا اور ضرورت نہ ہونیکے باعث
حرکات و سکنات کے نشان بہی نہیں کئے گئے تھے. اسکی وجہ یہہ تہی کہ رسول عربی کے زمانے میں
قرآن شریف ایک مرتبہ نازل نہیں ہوا بلکہ ٹکڑے ٹکڑے ہو کر نازل ہوتا تہا اور جسقدر جسوقت
نازل ہوتا تہا اسیقدر اسیوقت کسی چمڑے پر یا شانے کی ہڈی پر یا کسی اور چیز پر لکہہ لیا جاتا تہا
اور بہت سے اصحاب اسکو حفظ یاد کر لیتے تھے. اور رسول مقبول تو ضرور ہی یاد رکہتے تھے. جنگلی بدو
لوگ بہی حتی الامکان نماز اور تلاوت کے لئے یاد کرتے تھے مگر جیسا تمام ملکوں میں ہوتا ہے ایسا
ہی وہاں بہی جنگلی لوگوں کے تلفظ اور حجاز سے دور رہنے والے عربوں کے تلفظ مکہ مدینہ والوں سے
ذرا مختلف ہوتے تھے اسلئے ممکن تہا کہ اُن میں سے بعض کے تلفظ میں کسیقدر اصلی الفاظ سے تفاوت
بہی ہو جاتا ہو یا بعض جنگلی وحشی یا ضعیف العمر یا ضعیف حافظہ والے یاد کرنیکے بعد سہو کے باعث کچھہ
غلط بہی پڑہنے لگے ہوں. مگر جب سینکڑوں انصار و مہاجرین مکہ مدینہ والے اور دوسرے عرب کے

شہروںکے رہنے والے بدل وجان محنت کرکے اور محض اسی کتاب کو اپنے دین وایمان اور نجات کا
موقوف علیہ سمجھکر یاد کرتے اور اوروں کو سکھلاتے تھے تو ممکن نہیں ہے کہ ایک جم غفیر تمام قرآن
کا حافظ بصحت تمام رسول کے آخری زمانے میں موجود نہ ہوا ہو لہذا رسول مقبول کی وفات کے
بعد جب خلیفہ اول ابوبکر صدیق عہدۂ خلافت پر مقرر ہوئے اور مسیلمہ کذاب کی لڑائی میں کچھ حافظ
شہید ہو گئے تو حضرت عمر کو اور انکی صلاح سے خلیفہ اول کو یہ خیال پیدا ہوا کہ اگر خدانخواستہ
اس طرح سے لڑائیوں میں بہت سے یا تمام حافظ شہید ہو گئے تو قرآن کی صحت میں کہیں فرق نہ آجائے
یا قرآن ضائع نہ ہو جائے۔ اسلئے انہوں نے زید بن ثابت جو حافظ قرآن تھے انکی مدد سے اور
جو قرآن پتوں اور چمڑوں وغیرہ پر لکھا ہوا حضرت کے زمانے سے ایک صندوق میں محفوظ تھا اسکو
منگواکر دوسرے حافظوں سے اور ان لکھے ہوئے ٹکڑوں سے مقابلہ کرکے بصحت تمام ایک جگہ
نقل کرا لیا تھا۔ اور آیندہ کے لئے قرآن کے ضائع ہونے سے اطمینان ہو گیا تھا لیکن حضرت عثمان
خلیفہ ثالث کے زمانہ میں یہ بات معلوم ہوئی کہ اہل عراق اور اہل شام اور دوسرے شہروں کے مانند
میں قرآن کی نسبت اس طرح کا اختلاف ہے کہ اہل شام کہتے تھے کہ ہم نے قرآن مقداد بن اسود سے
پڑھا ہے یہی صحیح ہے اور اہل عراق کہتے تھے کہ ہم نے ابی موسےٰ اشعری سے پڑھا ہے یہی صحیح ہے
اور علیٰ ہذا القیاس دوسرے شہروں میں بھی ہوا۔ ممکن ہے کہ سورتوں کی ترتیب میں ان لوگوں میں
اختلاف ہوگا یا کسی کو آیتیں ہیں کوئی کوئی آیت کسی سورہ کی یاد نہ ہوئی ہو یا بھول گیا ہو۔ یا جسکو
اختلاف قرأت کہتے ہیں صرف وہی اختلاف ہوا ہو ایک قسم کا اختلاف تھا جسکا رفع کرنا مناسب
بلکہ ضروری تھا اسلئے عثمان رضی اللہ عنہ نے وہی قرآن حضرت حفصہؓ زوجہ رسولؐ کے پاس
سے منگوایا جو حضرت ابوبکر صدیق نے بامداد حفاظ کتابت کرکے بڑی صحت کے ساتھ لکھوا لیا تھا
پھر دیکھا تھا اور اسکی کئی نقلیں کراکر مختلف ملکوں اور شہروں میں بھجوادیں اور اسکی [illegible]
کراکے تقسیم کرادیں اور بعض لوگوں کے پاس جو کچھ ناقص اور بے ترتیب سورتیں لکھی ہوئی تھیں انکو
جمع کراکے آگ میں جلوا دیا تھا تاکہ آیندہ کو اختلاف باقی نہ رہے۔ [illegible] نے عثمان [illegible]
کی نسبت [illegible] بعض کہا کہ [illegible] کچھ غلطی ہوئی ہے [illegible]
[illegible] حافظ قرآن کے موجود تھے [illegible]

تفسیروں میں لکھا چلا آتا ہے مگر وہ اختلاف کسی لفظ کی ایسی کمی بیشی کا نہیں ہے جو مخل معنی ہو زیادہ تر حرکات وسکنات اور اعراب کا اختلاف ہے جسکو ہر ایک منصف شخص دیکھکر کہہ سکتا ہے کہ یہہ تو کچھہ اختلاف نہیں ہے۔ علاوہ اسکے اسی زمانہ میں چند سال کے بعد اہل مصر میں سے کچھہ لوگوں نے بغاوت کر کے حضرت عثمان کو قتل بھی کر دیا اور اپنے دشمنونکو جو کچھہ بہانہ بغاوت اور قتل کا ملا اونہوں نے کیا مگر کسی نے یہہ الزام نہ دیا کہ عثمانؓ نے قرآن میں تحریف یا کمی بیشی کی ہے۔ دور کیوں جاؤ شیعوں کا گروہ اور خارجیوں کا۔ وہ جو اسی زمانہ میں یا تہوڑے عرصہ بعد پیدا ہو گیا تہا اور دونوں حضرت عثمانؓ کے بڑے مخالف تھے۔ اور یہہ دونوں فرقے آجتک عرب میں اور دوسرے ملکوں میں موجود ہیں مگر اون کے پاس بہی وہی قرآن موجود ہے اور اس میں کوئی کمی بیشی نہیں ہے۔ اور نہ وہ عثمان کو تحریف قرآن کا الزام دیتے ہیں۔ پہر کسطرح سے اشتباہ ہوسکتا ہے کہ عثمان نے قرآن میں کچھہ تصرف کیا ہو۔

اس تمہید بالا سے یہہ امر تو درجہ یقین کو پہنچگیا کہ جو قرآن رسول عربی پر نازل ہوا تہا اور اونکے زمانہ حیات میں کامل ہوچکا تہا وہی قرآن بعینہ آجتک تمام اہل اسلام کے پاس موجود ہے۔ اور نیز یہہ بہی خیال ہے کہ اصحاب ایسے صاف طینت اور نیک نیت تھے کہ جو بات اونکو دین کی معلوم ہوتی تہی اوسکو کبھی چھپایا نہیں کرتے تھے خواہ وہ امر متنازعہ فیہ ہو یا سب کے نزدیک مسلم ہو۔ چنانچہ شرعی مسائل کا اختلاف اسلام کے مختلف فرقوں میں آجتک اسی بنا پر چلا آتا ہے مثلاً حنفی نماز میں رفع یدین نہیں کرتے آمین بالجہر نہیں کہتے شافعی یہہ دونوں کام کرتے ہیں۔ مالکی نماز میں ہاتہہ لٹکا کر کہڑے ہوتے ہیں۔ اور حنفی شافعی ہاتہہ باندہتے ہیں۔ علی ہذا القیاس نماز کی دعاؤں میں اختلاف ہے اسیطرح سے اور بہت سے مسایل شرعیہ میں اختلاف ہے اور اوس اختلاف کی وجہ یہہ ہے کہ جس صحابی کو جسطرح پر معلوم ہے کوئی کام معلوم ہوا وہ اوسی طرح سے کرتا رہا۔ جو کام رسول نے کسی بار جس طرح کیا تہا [illegible] سب میں سکو [illegible] کام [illegible] اسی طریق سے کرتا [illegible] بعد کسی نے کسی اصحابی کی پیروی کی اور [illegible] سے [illegible] میں اختلاف ہوکر کئی فرقے ہوگئے

اگر امور دین میں سب اصحاب خلیفوں کے افعال و اقوال کی پیروی کرنی لازم جانتے اور
اپنی پہلی معلومات کو چھوڑ دیا کرتے تو نماز جیسی عبادت میں جس کا روز پانچ مرتبہ ہر ایک
مسلمان پر ادا کرنا لازم ہے کسیطرح کا اختلاف نہ رہتا۔ لیکن ایسے خفیف معاملوں کے ہزاروں
اختلاف موجود رہے اور آجتک موجود ہیں تو ممکن نہیں کہ عثمان کی تحریف کئے قرآن کو سب
مان لیتے اور اپنے پہلے یاد کئے ہوئے بھلا دیتے۔ کم سے کم اتنا تو ضرور ہوتا کہ بہت سی
آئتیں تفسیروں اور روائتوں میں نقل ہوتی ہوئی چلی آتیں کہ پہلے پڑھی جاتی تھیں -
خلیفوں نے بعد میں انکو نکال دیا یا بدل دیا۔ بعض آئتیں رسول کے زمانے میں نہ تھیں کہ بعد میں
الحاق ہوئیں۔ اس مقدمے کے بیان کرنے کی ضرورت اسلئے ہوئی کہ کوئی شخص یہہ غلطی نہ
سمائے کہ قرآن جو اپنے معجز ہونے کا دعوے کرتا ہے۔ شاید یہہ دعوے بعد میں بڑہا دیا گیا
ہوگا اور جب تمام عرب مسلمان ہوگئے تب اونہوں نے اعتقاد و یا پاس مذہب کے باعث
اس دعوے کا ابطال نہ کرنا چاہا ہو۔

یہی قرآن دعوے کرتا ہے کہ میں منزل من اللہ ہوں خدا کا کلام ہوں۔ اگر تمکو
شک ہے تو اوسکے کسی ایک حصہ کے برابر اسکے جیسا بنا لاؤ۔ دوسرے مددگاروں سے
بھی مدد لے لو۔ مگر تم ہرگز ایسا نہیں کرسکوگے۔

اوسوقت بہت یہود اور نصاریٰ عرب میں موجود تھے جو پشتوں سے وہیں بستے تھے
یا خود عرب میں سے ہی دین بدلکر نصاریٰ یہود ہوگئے تھے اور نہیں بہت لکھے پڑھے بھی
تھے۔ اور اونمیں سے جو ایمان نہ لائے تھے مقابلہ سے مجبور ہوکر عناد و حسد کے باعث اوس ملک
کو چھوڑ کر چلے گئے تھے۔ اونہوں نے اتنی تکلیف ناحق اوٹھائی۔ خود عربی زبان بولتے تھے ایک
سورۃ قرآن کی مانند بناکر دکھلا دیتے اور کہتے کہ یہہ قرآن کیسا کلام الٰہی ہے۔ دیکھو ہم بھی ایسا
کلام بنا لیتے ہیں پھر یا تو رسول عربی کو بشرط محال اپنا دعوی چھوڑنا پڑتا یا اونکو دعوت کرنے سے
شرمانے اور اگر یہہ کہو کہ شاید اونہوں نے ایسا قرآن بنایا ہو بلکہ کئی بنائے ہونگے مگر رسول
مقبول نے زبردستی سے اونکو نکال دیا۔ اور اونکے ساتھ انصاف نہ کیا تو چاہئے تھا کہ
جیسے وہ لوگ دوسرے ملکوں میں چلے گئے تھے وہیں جاکر دور سے مقابلہ کرتے اور قرآن

کہ غصہ کی حالت میں اُس کو رحم نہیں آتا لیکن قرآن شریف میں جہاں قہر کے ساتھ وعید سنائے گئے ہیں وہیں رحم کے ساتھ معافی کے وعدے اور نعمتوں کی خوشیاں بیان کی گئی ہیں۔ یا شاعروں اور مصنفوں کو دیکھا گیا ہے کہ کوئی کسی خاص مضمون کے لکھنے میں بڑا بلیغ ہوتا ہے کوئی کسی مضمون کے لکھنے میں استاد مانا جاتا ہے کوئی ہجو اچھی لکھتا ہے کوئی رزم کا خاکہ خوب کھینچتا ہے کوئی عشقیہ مضامین خوب لکھ سکتا ہے۔ کوئی قدرتی موجودات کی عمدہ تصویر کھینچتا ہے مگر ہر ایک قسم کے مضمون لکھنے پر کوئی یکساں قادر نہیں ہوتا مگر قرآن کا حال اس کے خلاف ہے اس میں ہر ایک قسم کا مضمون ابلغ طور پر بیان کیا گیا ہے۔ یہ سب باتیں صحیح ہیں اور خود قرآن سے ثابت ہیں کہ یہ تمام خوبیاں اس کتاب میں موجود ہیں اور بے شک ان میں سے بعض خوبیوں پر بھی انسان کی کلام حاوی نہیں ہو سکتی لیکن یہ وجوہات ایسی ہیں جیسے کوئی شخص کہے کہ گھوڑا خدا کی مخلوق ہے انسان ایسا جانور پیدا نہیں کر سکتا۔ اگر کوئی اس کی وجہ پوچھے تو یہ جواب ملے کہ ایسی خوب صورت شکل آدمی نہیں بنا سکتا یا ایسا نرم اور سخت ملا ہوا جسم آدمی سے نہیں بن سکتا یا اس طرح سے حرکت کرنے والی تصویر انسان نہیں بنا سکتا یا اس طرح کی باریک اور ہموار بال کسی سے نہیں بن سکتے۔ یہ سب کچھ سچ ہے اور اس کے تسلیم کرنے سے کسی معقول شخص کو انکار نہ ہوگا۔ لیکن ان جزوی خوبیوں کے بیان کرنے سے پوری بصیرت حاصل نہیں ہوتی البتہ غور کرنے سے ایک اور بڑی قوی دلیل نکلتی ہے جس کو دلیل قاطع کہنا چاہئے اور جس پر غور کرنے سے یقین کلی حاصل ہو جاتا ہے کہ بے شک قرآن انسانی کلام نہیں ہو سکتا اور ایسی کلام بنانا انسان کی طاقت سے باہر ہے۔

اس دلیل کو سمجھنے کے لئے پہلے ایک مقدمہ کا سمجھ لینا ضروری ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک انسان دو قاعدوں کو قدرتی طور پر یقینی اور صحیح تسلیم کرتا ہے۔ ایک یہ کہ ہر ایک واقعہ کے لئے کوئی سبب ہوتا ہے اور دوسرے یہ کہ جو امر آج علت ہوا ہے ایک معلول کا وہ امر زمانہ ماضی میں بھی اُسی معلول کی علت تھا اور زمانہ آئندہ میں اسی طرح سے ہوگا۔ یعنی جب وہ پہلا امر واقعہ ہوگا تو دوسرا ضرور اُس کے بعد ہوگا۔ پہلے قاعدے کو سلسلہ علت و معلول

کہنا چاہئے جس کو ہر ایک شخص ضروری اور عام مانتا ہے اور دوسرے کو وحدت قانون قدرت سمجھنا چاہئے سلسلہ علت و معلول کے ضروری ہونے کا تو خیال یہاں تک عام ہوا ہے کہ جب کوئی نیا وقوعہ جہان میں واقع ہوتا ہے تو ہر ایک شخص اُس کی علت تلاش کرنے لگتا ہے کہ ایسا کیوں ہوا - اس سے ثابت ہوتا ہے کہ ہر یک فرد بشر کو اس امر کا یقین ہے کہ ہر ایک وقوعہ کے لئے کوئی علت ہونی چاہئے اور اسی طرح سے جب کسی کو معلوم ہوتا ہے کہ فلاں امر فلاں وقوعہ کی علت ہے تو جب کبھی ماضی یا حال یا استقبال میں اُسی امر کے واقع ہونے کا علم ہوتا ہے تو اُس کے ساتھ اُس کے معلول کے وقوعہ کا یقین بھی ہو جاتا ہے یہاں تک کہ اگرچہ ایک مرتبہ آگ کو ہاتھ میں پکڑنے سے تکلیف اُٹھاتا ہے تو دوبارہ آگ کو ہاتھ لگانے سے ڈرتا ہے - اس سے معلوم ہوتا ہے کہ اُس کو یقین ہے کہ جس آگ نے ایک مرتبہ پکڑنے سے جلا دیا تھا وہ پھر بھی پکڑنے سے جلا دے گی انسان کے تمام علوم نظری* حاصل کرنے کے لئے خدا نے بھی دو مبادی اس کی طبیعت میں رکھے ہیں اگرچہ حکما نے اس کی تحقیق میں اختلاف کیا ہے - بعض کہتے ہیں کہ یہ دونوں علم خدا نے انسان کی فطرت میں پیدا کئے ہیں اور بعض کہتے ہیں کہ تجربہ سے حاصل ہوتے ہیں یعنی انسان طفولیت سے ہمیشہ دیکھتا ہے کہ ہر ایک وقوعہ کے لئے کوئی سبب ہوتا ہے اور جو امر آج کسی وقوعہ کی علت ہوتا ہے وہی امر ہمیشہ بلا تخلف اُس وقوعہ کی علت ہوتا ہے غرض کسی طرح سے ہو مگر یہی دونوں علم باقی علوم نظری حاصل کرنے کا ذریعہ ہوتے ہیں -

اگر کوئی شخص یہ کہے کہ سلسلہ علت و معلول کا تسلیم کر بھی لیا جاوے کہ ضروری اور عام ہے تو شاید صحیح ہو مگر وحدت قانون قدرت کو تو بہت آدمی نہیں مانتے - مثلاً آگ سوجلانے کا باعث ہے مسلمان لوگ اعتقاد رکھتے ہیں کہ حضرت ابراہیم کو آگ نے نہیں جلایا تھا اور اسی طرح سے ہر ایک مذہب والے خرق عادات جن کو کرامات

* علوم نظری سے وہ علوم مراد ہیں جو محض حواس ظاہری و باطنی کے ذریعے سے بلا تامل و فکر حاصل نہیں ہو سکتے -

اور معجزات کہتے ہیں اُن کو درست مانتے ہیں تو اُس کا جواب یہ ہے کہ اول تو خرق عادت کا تسلیم کرنا خود دلالت کرتا ہے کہ یہ لوگ عادت آلہی کو مانتے ہیں اور جبھی تو خلاف قانون قدرت کا نام انہوں نے خرق عادت رکھا ہے ۔

اور اگر قانون قدرت کی وحدت پر یقین نہ رکھتے ہوتے تو ایسے وقوعوں کا نام خرق عادت کیوں رکھتے ۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ یہ لوگ بھی عادت آلہی یا وحدت قانون قدرت کو مانتے ہیں مگر خاص حالات اور خاص وجہ سے شاذ و نادر موقعوں خرق عادت کے وقوع کا امکان مانتے ہیں ۔ اور ایسا جواز خرق عادت کا ماننا اصلی مطلب میں زیادہ حارج نہیں ہوتا ۔ کیوں کہ اُن کے اعتقاد میں بھی عادت آلہی کی یک رنگی ایسی ضروری ہے کہ خرق عادت کو بڑا عجیب در بجز خاص حالات کے اس کا واقع ہونا نہیں مانتے ۔ ورنہ اُن کے نزدیک معجزہ کرامت کا نام خرق عادت کے بجائے حسب عادت ہو جانے بلکہ جس کو اصطلاح میں وہ خرق عادت کہتے ہیں اس کو بھی حقیقت میں حسب عادت جانتے ہیں اور اُس کی توجیہ اس طرح سے کرتے ہیں کہ جو خاص حالات مقتضی خرق عادت کے ہیں وہی قانون قدرت کے موافق اُس عجیب وقوعہ کی علت ہو جاتے ہیں اور جب وہ خاص حالات موجود نہ ہوں تو واقعات عام عادت کے موافق واقع ہوتے رہتے ہیں ۔ علاوہ اس امر کے میرا یہ دعویٰ ہے کہ ہر ایک انسان وحدت قانون قدرت کو فطرت اور طبیعت سے تسلیم کرتا ہے ۔

جب یہ بات قرار پا چکی کہ سلسلہ علت و معلول کا اور وحدت قانون قدرت کی ہر ایک شخص اپنی فطرت سے تسلیم کرتا ہے تو اب یہ جاننا چاہئیے کہ انسان عموماً علامات کے ذریعے سے مجہول کو معلوم کیا کرتا ہے اُس کو صرف علامات کا علم ہوتا ہے اور اُن معلومات کا سُراغ لگاتا ہے ۔ علامت کے سوا کوئی شخص کسی شے کو نہیں جان سکتا بلکہ صرف علامات کو ہی جانتا ہے ۔ مثلاً ایک مکان کو میں جانتا ہوں ۔ لیکن جب غور سے دیکھو تو میں اُس مکان کا کیا جانتا ہوں صرف اس قدر جانتا ہوں کہ اتنا چوڑا اور لمبا ہے اور اتنا بلند ہے ایسا سخت اور مضبوط ہے ایسا رنگ ہے وغیرہ وغیرہ یہ سب

علامات ہیں جو حواس کے ذریعے سے معلوم ہوتی ہیں اور جس شے کی یہ علامات ہیں اسکے وجود کا یقین صرف ان علامات سے ہوا ہے ۔ اگر ان علامات سے قطع نظر کرو تو وہ موصوف جس کی وہ صفتیں ہیں اس کو ہم کچھ بھی نہیں جانتے ۔ قرآن شریف میں بھی خدا تعالےٰ نے ایسا ہی فرمایا ہے کہ آدم کو یعنے انسان کو اسماء یعنے علامات سکھلانے یعنے اس کی خلقت میں علامات کے حاصل کرنے کا سامان (حواس) مہیا کر دیا ۔ بس اس سے زیادہ اس کو علم حاصل کرنے کا کوئی ذریعہ نہیں بخشا ۔

جس قدر علوم آج تک جہان میں نکلے ہیں سب علامات کے علوم ہیں یعنی علامات کے ذریعے سے مجہولات کا سراغ لگایا جاتا ہے ۔ علم طب میں علامات سے مرض تشخیص کیا جاتا ہے ۔ علم نباتات میں علامات کے ذریعے سے نباتات کا علم آتا ہے علیٰ ہذا القیاس سب علموں کا حال ہے ۔ اور جواہر مجہول دریافت کرنا چاہتے ہیں اس کی علامتوں ہی کی تفتیش کرتے ہیں اور علامتوں میں ہی سلسلہ علت و معلول اور وحدت قانون قدرت کا یقین کیا جاتا ہے ۔

جب امور مذکورہ بالا قرار پا چکے تو اب ہمکو امر متنازعہ فیہ کی طرف رجوع کرنا چاہیے یعنی یہ دیکھنا چاہیے کہ آیا قرآن ایسی کلام ہے کہ جیسی انسان کی کلام ہوتی ہے یا ہو سکتی ہے یا ایسی نہیں ہے تو بحسب امور متذکرہ بالا اس امر کے طے کرنے کے واسطے ہمکو دیکھنا چاہیے کہ قرآن میں انسان کی مصنوعات کی علامات پائی جاتی ہیں یا نہیں اگر انسان کی مصنوعات کی علامات اس میں پائی جاویں تو یقیناً ثابت ہوگا کہ یہ انسان کی کلام ہے ۔ اگر ایسی علامات اس میں نہ پائی جاویں تو یقین ہوگا کہ انسان کی کلام نہیں ہے اور نہ انسان ایسی کلام کے بنانے پر قادر ہے ۔ کیونکہ بحسب قاعدہ وحدت قانون قدرت جو علامات انسان کی مصنوعات میں آج پائی جاتی ہیں وہی پہلے بھی پائی جاتی تھیں اور وہی ہمیشہ پائی جاویں گی اور اس کا عکس یہ ہے کہ جس چیز میں وہ علامات نہ پائی جاویں گی وہ شے کبھی پہلے زمانہ انسان کی صنعت سے بنی نہ اب ۔ اور نہ آیندہ بن سکتی ہے ۔

اس امر کی تحقیق کرنے کے لئے ایک ایسے معقول قاعدہ کی طرف رجوع کیا جاتا ہے

کہ جس کی درستی سے کوئی منصف فہیم کسی مذہب کا پابند ہو یا بالکل لامذہب ہو انکار نہیں کرسکتا۔ وہ قاعدہ یہ ہے کہ پہلے ہم اپنے اور دوسروں کے تجربوں کے ذریعے سے اشیائے مصنوعی اور قدرتی کی جماعت بنا لیں جیسے علم نباتات یا علم حیوانات میں نباتات اور حیوانات کے انواع کی جماعت بندی کرلی جاتی ہے اور تب اس جماعت بندی کے علم کے ذریعے سے ہر ایک نئی چیز کی پہچان کی جاتی ہے کہ یہ چیز کس نوع کا فرد ہے۔ ایسا ہی قاعدہ اور تمام علوم عقلیہ میں ہے۔

انسان کے تجربے سے جو علامات مصنوعی اشیا میں پائی گئی ہیں اور جو علامات قدرتی اشیا میں پائی جاتی ہیں بحسب ضرورت نقشہ ذیل میں مختصر طور پر لکھی جاتی ہیں۔

مصنوعات انسانی	مخلوقات الٰہی
علت غائی اُن کی محدود ہوتی ہے جس کو بنانے والا تو پہلے سے مدنظر رکھتا ہے اور دوسرے اشخاص بھی جو اُس کی سی عقل رکھتے ہیں اُسی علت کو سمجھتے میں اور وہی کام اُن سے لے سکتے ہیں جیسے سٹیم انجن حرکت دینے کے واسطے بنایا گیا ہے وہ سوا سے حرکت کے اور کام نہیں دے سکتا اور ہر ایک انجینیر اس سے وہی کام لیتا ہے۔ مکان گرمی سردی ہوا دھوپ بارش سے پناہ دینے کے واسطے یا اور خاص مطالب کے واسطے بنایا جاتا ہے سوا سے اُن مطالب کے دوسرے کام میں نہیں آسکتا وعلیٰ ہذا القیاس۔	اُن کی علت غائی پر انسان کو احاطہ نہیں ہوتا جہاں تک اُن میں غور لو اُن کے آثار کے تجربہ کرتے جاؤ کہیں ختم نہیں ہوتے۔ نئی نئی باتیں پیدا ہوتی جاتی ہیں۔ دیکھو درخت قدرتی مخلوق میں انہیں سے بعض سے سائے کا بھی فائدہ ہوتا ہے حیوانات کی غذا میں بھی کام آتے ہیں دوائیں بھی عجیب عجیب تاثیروں کی اُن سے پیدا ہوتی ہیں۔ کپڑا بھی اُن سے بنتا ہے۔ تعمیر میں بھی کام آتے ہیں ایندھن بھی دیتے ہیں کئی اقسام کے رنگ بھی ان سے پیدا ہوتے ہیں اور جہاں تک کیمسٹ لوگ ان سے مفید

کام اُس سے عام سمجھ کے آدمی لے
سکتے ہیں وجہ اس کی یہ ہے کہ ان
کی عقل محدود ہے اس کی مصنوعات
کے فواید بھی محدود ہیں -

اشیا ر حاصل کرنے کی سعی کرتے ہیں نکالتے
جاتے ہیں کہیں خاتمہ نہیں ہوتا۔ صرف
انسان کی عقل اور محنت کی ضرورت ہے
اُس کی وجہ یہ ہے کہ اُن کے خالق کی عقل
غیر محدود ہے اُس کی مخلوق کے فوائد
بھی اور خواص بھی غیر محدود ہیں -

اس صفت کے زیادہ تر واضح کرنے
کے لئے دو تین نظیریں پیش کی جاتی ہیں۔
ایک پوست کا درخت ہے جس سے پوستو کا
عرق اور افیون مخدر چیزیں اول حاصل کی
جاتی تھیں - اب کچھ عرصہ سے کیمیا والوں
نے اُس کی طرف زیادہ توجہ کی ہے اس کے
اجزا میں تحلیل ترکیب کا عمل کرکے بہت نئی
چیزیں حاصل کی ہیں - مثلاً مارفیا اسی کا جوہر
ہے جو بڑا منوم اور مخدر ہے اور قے کو بند کرتا
ہے - اسی کا ایک اور جوہر ہے جو ایک رتی کے
بیسویں حصہ کی مقدار میں دیا جاوے تو فوراً
قے لاتا ہے اور مخدر منوم نہیں ہے ایک اور
جوہر ہے جو نہایت مقوی ہے اور ایک جوہر
ہے جو نہایت مضعف ہے ایسی ہی مختلف
اثروں کے بہت مرکبات اس سے حاصل کیے
گئے ہیں اور ابھی خاتمہ نہیں ہوا برابر نئے نئے
فوائد کی چیزیں اس میں سے نکلتی چلی آتی ہیں۔

علی ہذا القیاس ذرات کا جہاں تک تجربہ کیا
جاتا ہے عجیب عجیب مفید چیزیں ان سے
بنتی جاتی ہیں نئے نئے خواص اُن کے
ظاہر ہوتے چلے جاتے ہیں۔ ظروف اوزار
ہتھیار بنانے میں تعمیر وغیرہ میں تو پہلے سے
یہ چیزیں کارآمد ہوتی تھیں لیکن قوت برقی
قوت مقناطیسی ان میں جو اب معلوم ہوئی
ہے ان کے ذریعے سے جو فواید حاصل
ہوئے ہیں روشنی گرمی جذب دفع وغیرہ
انہوں نے وہ کرشمے دکھائے ہیں جو
ظاہر میں کرامت اور معجزے سے کم نہیں
معلوم ہوتے۔

(۳) ان کے بنانے میں انسان ہر
طرح کی کفایت کو مدنظر رکھتا ہے
اس واسطے اپنی سمجھ کے موافق
اُن کے بنانے میں ضرورت سے
زیادہ اپنی محنت اور وقت کو صرف
نہیں کرتا اس واسطے انسان کے
مصنوع کا کوئی حصہ فضول اور زائد
از حاجت نہیں ہوتا کلوں کے
بنانے میں مکانات تعمیر کرنے میں
غذا تیار کرنے میں۔ کپڑا بنانے میں
اور اسی طرح سے ہزارہا مصنوعات

قدرتی مخلوق میں انسان کی سمجھ کے موافق
کفایت کا خیال بالکل نہیں ہوتا۔ اس کے
بہت سے اجزا فضول معلوم ہوتے ہیں
غرض ان میں ہر طرح کی فضولی سمجھ میں
آتی ہے یہاں تک کہ جن اجزا کے فواید
بھی سمجھ میں آتے ہیں تو ان میں اتنی کثرت
دیکھی جاتی ہے کہ ضرورت سے زیادہ معلوم
ہوتی ہے۔ مثلاً عورت کے رحم میں خوردبین
کے ذریعے سے معلوم ہوا ہے کہ ستر ہزار
کے قریب انڈے ہوتے ہیں جن میں سے
نسل پیدا کرنے میں صرف پانچ سات یا زیادہ

میں وہی ایک قاعدہ کفایت کا جاری ہے اس کی وجہ یہ ہے کہ انسان کی طاقت محدود ہے اس لیے اسکی مصنوعات میں فضولی نہیں پائی جاتی ۔

سے زیادہ پندرہ بیس کام آتے ہیں باقی رائیگان جاتے ہیں ۔ علی ہذا القیاس درختوں میں پھل اس قدر آتا ہے کہ ان سے اتنا پھل نہیں پیدا ہوتا ہے ۔ ور پھل بھی اتنا پیدا ہوتا ہے کہ وہ سب پختگی کو نہیں پہونچتا اور جس قدر پختہ ہوتا ہے وہ بھی سب کار آمد نہیں ہوتا ۔ یہ حال خودرو درختوں کا ہے البتہ انسان جو اپنے لئے زراعت کرتا ہے وہ اپنی ضرورت سے زیادہ نہیں کرسکتا اس لئے اس میں جیسے انسان کی صنعت شامل ہوتی ہے ویسی اس میں کمی معلوم ہوتی ہے ۔ لیکن اصلی خواص میں درختوں کے زیادہ فرق نہیں آتا ۔ مگر انسان اپنے لیے ضرورت سے زیادہ محنت نہیں کرسکتا اس لئے دوسری وجہ سے اس کے پھل بیکار نہیں جاتے جیسے خدا کی قدرت غیر محدود ہے ویسے ہی اس کی فیاضی غیر محدود ہے ۔

(۳) ان کی اشکال ریاضی کی سیدھی سادی شکلوں کے موافق ہوتی ہیں جیسے دائرہ ہے مثلث ہے مربع ہے ان شکلوں کو انسان بنا سکتا ہے اور ان کی پیمایش کرسکتا ہے اور

ان کی اشکال بڑی پیچیدہ اور بخیال انسانی بے قاعدہ معلوم ہوتی ہیں ۔ ان کے اجزا میں کوئی نظام اور ترتیب نہیں معلوم ہوتی دیکھو جو قدرتی درختوں کے جنگل ہیں ان کی حدود کسی اقلیدس کی شکل کے موافق

ـنکے اجزا میں ایک طرح کا نظام اور
ترتیب ہوتی ہے۔ جیسے انسان
جو باغ بناتا ہے اوسکا احاطہ مربع یا مسطیل
یا کسی اور ہموار شکل کا بناتا ہے کیاریں
اور روشیں بھی اسی خاص اشکال کی بنا
ہے ہر ایک کیاری میں ایک ایک یا
کئی کئی قسم کے پھول ترتیب لگاتا ہے
ایک تختہ گلاب کا ہے تو دوسرا تختہ موتی
کا ہے تیسرے میں سوسن ہے تو روشوں
کے کنارے ہر گل داؤدی ہیں یا
درمیان میں کوئی نہر جاری ہے تو
جا بجا ظرف سنترے یا آرو
یا لوکاٹ لگے ہیں جہاں آم کے درخت
ہیں وہاں اس قسم کے درخت نہیں ہیں
جہاں جامن ہیں وہاں شریفے نہیں اور
ملا کر بھی کئی قسم کے درخت لگاتا ہے
تو اونہیں بھی ترتیب کا ضرور لحاظ کرتا ہے
وجہ اسکی یہی ہے کہ عقل اسکی
ضعیف اور خاص اقسام کی خوبصورتی
کو ادراک کر سکتی ہے۔

محدود نہیں ہوتیں۔ اسکے درمیان کہیں پھول
ہیں تو اون میں ہی بہت سے پھل دار درخت
ہیں۔ انہیں ہی بے پھل درخت بھی نظر آتے ہیں
جہاں سال یا دیار کے عالی شان درخت ہیں
اونکے بیچ میں چھوٹے چھوٹے پھل دار درخت
ہیں اور اونکے درمیان اور چھوٹے مختلف قسم
کے جھاڑی بوٹے ہیں۔ جن میں آپس میں
بہ نظر انسان کوئی مناسبت اور نظام نہیں
معلوم ہوتا۔ اسیطرح جیسے دریا پہاڑ سمندر جھیل وغیرہ
کا حال ہے۔ اسکی وجہ یہ ہے کہ اس عالم
کے خالق کے عقل اور علم غیر محدود ہیں اسکے
افعال کی خوبی کو ناقص عقل نہیں سمجھ سکتی۔

(۴) ان میں صرف خاص زمانہ اور خاص
حالات کے ساتھ مناسبت ہوتی ہے
اور زمانہ اور حالات کے بدلنے پر

انکو خاص زمانہ اور خاص حالات سے
ایسا تعلق نہیں ہوتا کہ اس زمانہ اور
حالات کے بدلنے سے بیکار ہو جائیں۔

یںچیزیں بیکار ہوجاتی ہیں اور بہت دیا
درازمدت تک کارآمد نہیں ہوسکتیں کیونکہ
نسان کی عقل اور قدرت ایسی محدود ہے
لہ اوسکی مصنوعات بمشکل ایسی ہوسکتی
ہیں کہ جنسے محدود اور تھوڑے عرصہ
کے لئے کاربرآری ہوسکے۔

اور معدوم ہوجائیں بلکہ صانع مطلق کی حکمت سے
جواشیاء پیدا ہوتی ہیں اونکے فوائد غیر محدود زمانے
میں برابر اپنی علت غائی کو ظاہر کرتے چلے جاتے ہیں۔

۵) انسانی مصنوعات ہمیشہ مردہ بیجان
ہوتی ہیں اپنی حفاظت کرنے یا بڑھنے یا کہ
حالت کے موافق ہوجانیکی طاقت اُنمیں
نہیں ہوتی اسلئے انہیں وجود میں آنے
ہی فنا اور تنزل اور تحلیل کے آثار شروع ہوجاتے
ہیں اور چونکہ خارجی آثار کے ساتھ موافق ہوجانے
کی طاقت انہیں نہیں ہوتی اسلئے مدت دراز
تک ایک حالت پر قایم نہیں رہتے بہت
جلد فنا یا بیکار ہوجاتے ہیں۔

ان کلام میں ایک قسم کی جان اور قوت ہوتی ہے۔ جو
اپنی حفاظت خود کرتی رہتی ہے اور تغیر زمانہ اور حالات
کے موافق اپنے آپکو بنالیتی ہے حیوانات کی جان
تو ظاہر ہے۔ نباتات میں قوت طبعی اونکے تغیر
اغذیہ لو بدل یا تحلیل کے لئے ظاہر موجود ہے۔ جمادات
میں بھی ایسی قوت ہوتی ہے کہ جس سے وہ بڑھتے
اور اپنے وجود کی حفاظت کرتے ہیں اور سردی گرمی
خشکی تری وغیرہ حالات کے تغیر کے ساتھ آپ
ایسے متغیر ہوجاتے ہیں کہ تغیر حالات اونکو جلد
تباہ نہیں کرسکتے۔

اگرچہ قدرتی اور مصنوعی اشیاء میں بے انتہا علامات متباینہ موجود ہیں۔ لیکن اس مقام
امتیاز حاصل کرنیکے لئے یہہ پانچ علامتیں مذکورہ کافی خیال کیگئی ہیں۔

اب وحدت قانون قدرت کے قاعدے کے موافق انسانی کلام میں ہمیشہ انسانی مصنوعا
کی علامات پائی جانی چاہیئے۔ اور اگر کوئی کلام الٰہی موجود ہو تو اوسمیں قدرتی اشیاء کی
علامات موجود ہونی ضروری ہیں۔ چنانچہ جسقدر تصنیفات انسانی دیکھی گئی ہیں انمیں وہ پانچوں علامتیں
مصنوعات انسانی کی پائی جاتی ہیں جیسے ۱) علت غائی اونکی محدود ہے۔ جو غرض اسکی
تصنیف سے مصنف کو مدنظر ہوتی ہے وہی غرض وہ سب لوگ اوس سے سمجھتے ہیں۔

کوئی نئی نئی باتیں اس سے ہمیشہ پیدا نہیں ہوتی رہتیں۔ (۲) کفایت شعاری اسکی تصنیف میں مدنظر رہتی ہے۔ ضرورت سے زیادہ بار بار ایک ہی مضمون کی بحث و تکرار نہیں ہوتی۔ (۳) اسکی عبارت کی ایک خاص طرز اور اوسکے اجزاء میں ایک قسم کی ترتیب جو انسانی مذاق کے موافق ہوتی ہے پائی جاتی ہے۔ (۴) اور ایسی ہر ایک تصنیف ایک خاص زمانہ اور خاص حالات کے ساتھ ایسی مناسبت رکھتی ہے کہ مدت دراز تک اوسکی قدر اور ضرورت یکساں نہیں رہتی۔ (۵) اور یہہ کتابیں ایسی بے جان ہوتی ہیں کہ انمیں کوئی طاقت اپنی حفاظت کرنے کی اور تغیر حالات کے ساتھہ موافقت پیدا کرنیکی نہیں ہوتی۔

اب قرآن شریف کو دیکھو تو ان علامتوں میں سے کوئی علامت اس میں نہیں پائی جاتی لیکن قدرتی اشیاء کے تمام لوازم اسمیں نظر آتے ہیں مثلاً (۱) علت غائی اسکی ایسی وسیع ہے کہ مفصل طور پر کوئی انسان سپر احاطہ نہیں کر سکتا۔ اگرچہ اجمالی طور پر یہہ کہا جاتا ہے کہ قرآن شریف کی غرض ہدایت ہے لیکن جہانتک اسمیں غور کرتے چلے جاؤ نئے نئے اسرار اور نکات ظاہر ہوتے چلے جاینگے۔ اور کبھی انکا انجام نہ ہوگا۔ تیرہ سو سال سے علماء اسبات کی شہادت دیتے چلے آئے ہیں اور طرز بیان اسکا ظاہر کر رہا ہے کہ ان باتوں کا کبھی اختتام نہ ہوگا۔ (۲) اور اسکی نظم میں فیاضی اور کثرت اسطرح کی پائی جاتی ہے جو ظاہر بینوں کی نظر میں بالکل بیفائدہ اور فضول معلوم ہوتی ہے۔ ایک ایک حکم کو اتنی مرتبہ تکرار سے بیان کیا گیا ہے کہ سمجھانیکے لئے اس تکرار کی کوئی ضرورت نہیں معلوم ہوتی ہے (۳) اور اسکی نظم بے قاعدہ اور اجزا کی ترتیب ایسی بے سروپا ہے کہ انسانی طبیعت اس ڈہنگ کو اپنی تصنیف میں کبھی پسند و اختیار نہیں کر سکتی۔ نہ اس میں باب اور فصول کی تقسیم ہے۔ نہ مضامین کی مناسبت کا لحاظ ہے۔ نہ خلط مبحث سے احتراز ہے۔ کسی نبی کا قصہ ہے تو وہیں دوزخ بہشت کا ذکر آگیا ہے سکے ساتھہ ہی براہین وجود باری بیان ہوتے گئے ہیں۔ وہیں جبر و قدر آگیا۔ غرض کسی طرح کی ترتیب مضامین اسمیں نہیں پائی جاتی۔ (۴) اور اس کتاب کے مضامین ایسے نہیں ہیں کہ اونکو کسی خاص زمانہ یا خاص حالات کے ساتھہ ایسی خصوصیت ہو کہ اوس زمانہ کے بعد اور اون حالات کے بدلنے پر یہہ کتاب بیفائدہ اور بیکار ہو جائے۔ بلکہ اسکی تعلیم ایسی ہے کہ ہر ایک زمانہ ہر ایک قوم اور ہر ایک ملک کے ساتھہ یکساں

مناسبت رکھتی ہے۔ ۵۔ اور نیز یہ کتاب ذی روح بھی ہے یعنے اپنے وجود کے قائم رکھنے
کی قوت اسمیں موجود ہے۔ ہر ایک تغیر حالت کے ساتھ موافقت کر لیتی ہے اور انسان کی
ہر ایک حالت میں اسکے شفیق ہادی اور تسلی بخش ہمدم ہوتی ہے۔

یہ پانچویں صفت یعنے مصنوعات انسانی کا بے جان اور مخلوقات الٰہی کا ذی روح ہونا
ذرہ زیادہ غور کے قابل ہے۔ جبتک یہ بات سمجھ میں نہ آوے کہ ذی روح یا قوت کیا شے ہے
تب تک قرآن شریف کا ذی روح ہونا بھی سمجھ میں نہیں آ سکتا۔ اب دیکھو کہ ہر ایک شخص
کو اپنے شخصی مشاہدات اور دوسرے ہمسایہ ممالک کے اور زمانہ ماضی کے بنی نوع کی [illegible]
سے یہ بات معلوم ہوتی ہے کہ اس جہان [illegible] ایک ایک ذرہ کو
قدرت سے ایک طاقت عطا کی گئی ہے جس کی بدولت وہ شخص کی بقا کا انتظام ایک
مدت مقررہ تک اور نسل کے اجرا [illegible] جاری رہتا ہے۔ مگر یہ قاعدہ کلیہ نہیں
ہے کہ بقائے شخص اور اجرائے نسل ہر ایک نوع میں پایا جاوے۔ بلکہ جن انواع کی پیدائش
کی اغراض کو انکے اشخاص کی قصر عمری لازم ہے انہیں اجرائے نسل کا قاعدہ رکھا
گیا ہے۔ تاکہ اشخاص کی قصر عمری کے باعث نوع کا عدم نہ ہو جاوے لیکن جن انواع کی
اغراض انکی فنا کو لازم نہیں پکڑتیں ان کے اشخاص کی عمر ایسی طویل ہوتی ہے کہ انسان اپنی تاریخ
اور تجربہ سے انکے فنا کی مدت کہ کبتک ہے معلوم نہیں کر سکتا۔ مثلاً [illegible] قسم اول میں داخل
ہیں۔ اور زمین آفتاب ماہتاب اور دیگر اجرام مادی قسم دوم میں۔ ان دونوں قسموں میں بھی خوبیاں موجود
کی گئی ہیں کہ اپنی عمر مقررہ تک انکے بقائے شخص میں مدد دیتی ہیں۔ مثلاً حیوانات میں قوائے
غاذیہ ہاضمہ دافعہ ماسکہ بھوک پیاس وغیرہ اسی مطلب کیلیے پیدا کیے گئے ہیں۔ اگر
گرم ملک کے حیوان کو سرد ملک میں لے جاویں تو [illegible] قوتوں کے باعث انکے بدن پر زیادہ
بال پیدا ہو جاتے ہیں تاکہ زیادہ سردی کے اثر سے انکو محفوظ رکھیں اور اگر سرد ملک کے
حیوان کو گرم ملک میں لے آویں تو انکے جسم کے بال خود بخود کم ہو جاتے ہیں۔ اسیطرح سے سرد
ممالک کے باشندوں کے جسم میں چربی زیادہ ہوتی ہے اور گرم ملک والوں کے جلد کے نیچے چربی
کم ہوتی ہے سرد موسم میں سانپ وغیرہ بے حس ہو کر جسم کی اندرونی حرارت کو محفوظ رکھتے ہیں اور

گرمی میں عرق آنے سے حرارت جسم کی اپنی حد سے نہیں بڑھنے پاتی۔ علی ہذا القیاس علم
حیوانات نباتات جمادات ہیئت وغیرہ کے مطالعہ سے بے حد حکمتیں بقاے شخص کی تدبیر
کی روح یا قوتوں کے ذریعے سے ظاہر ہوتی ہوئی مشاہدہ کیجاتی ہیں اور ثابت ہوتی ہیں۔
لیکن یہہ صفات انسانی مصنوعات میں کبھی نہیں پائی جاتیں۔ بلکہ وجود میں آتے ہی
انپر فنا کے آثار شروع ہو جاتے ہیں۔ اور خارجی اصلاح بدون جسم کے ذریعے سے کچھ عرصہ
کار آمد ہو کر بالکل بیکار ہو جاتے ہیں۔ اسی طرح سے جب ہم قرآن شریف کا مقابلہ دوسری
تصنیفات انسانی کے ساتھہ کرتے ہیں تو ان میں ذی روح اور غیر ذی روح ہونے کا تفاوت
پاتے ہیں۔ انسانی تصنیفات کروڑہا معدوم ہو گئیں اور فنا ہو گئیں اور ہوتی جاتی ہیں اور ہوتی
جائیں گی۔ اور اگر شاذ و نادر کسی پرانی کتاب کا وجود جیسے ہومر یونانی کی ایلیڈ وغیرہ پایا
بھی جاتا ہے تو وہ صرف ایسی صورت میں پایا جاتا ہے جیسے مصریوں کی مومیائی کی ہوئی نعشیں
کھدی ہوئی ملجاتی ہیں۔ یا عجائب خانوں میں پرانے قسم کے ہتھیار یا حیوانات کی ہڈیاں مختلف
اغراض کے لیے احتیاط کے ساتھہ محفوظ رکھی ہیں۔ مگر جس غرض کے لیے وہ اشیاء بنائی
گئی تھیں اب وہ کام ہرگز نہیں دیتیں۔ اور ان میں کوئی زندگی کا نشان باقی نہیں ہے۔
مگر قرآن شریف کا حال انکے برخلاف ہے وہ جب سے وجود میں آیا ہے تب سے ہمیشہ اپنی
روح کے باعث اپنی حفاظت کرتا رہا ہے۔ اگرچہ بہت لوگوں نے اسکو فنا کرنا چاہا اور چاہتے
ہیں مگر وہ اپنی ذاتی قوت سے ان کا مقابلہ کرتا رہا اور کرتا ہے۔ تمام دنیا کی مختلف آب وہوا
میں مختلف سرزمینوں پر مختلف قوموں میں اپنی قوت حیات ثابت کرتا چلا جاتا ہے اور دیگر
وجوہ سے جو ہدایت انسانی مقصود ہے ہر حال میں ظاہر ہو رہی ہے۔ تہذیب اخلاق تدبیر
منزل سیاست مدن کے اصول سب کو سکھلاتا ہے۔ علوم طبعیہ اور الٰہیہ کے سیکھنے کی
تحریک دلوں میں ڈالتا ہے حقوق العباد اور حقوق معبود کے ادا کرنے کے طریق بتلا رہا ہے
جس حالت میں انسان خواہ وحشی ہو یا مہذب تنہائی میں ہو یا جماعت میں آسودگی میں ہو یا افلاس
میں مصیبت میں ہو یا عیش میں۔ جب رہنمائی کا اس سے سوال کرتا ہے وہ مناسب حال نکتہ جواب دیکر
اس کا اطمینان کرتا ہے اپنے خیر خواہوں اور فرمانبرداروں کو خوشخبری اور بدخواہوں اور سرکشوں

کو جبرا اپنی طرف بلا رہا ہے۔ اگر یہہ کہو کہ توریت انجیل وید وغیرہ بھی تو اپنے اپنے تبعین
میں آجتک اسیطرح سے زندہ اور قائم ہیں تو میں صاف طور پر انکار کرونگا کہ سطرح سے زندہ کوئی
کتاب نہیں ہے اگرچہ ان میں بھی خدا کی کلام کسیقدر ہونیکے سبب بہ نسبت دوسرے خالص
تصنیفات انسانی کے انکا قیام زیادہ رہا ہے۔ لیکن عملی طور پر دیکھو تو انکو قرآن سے کچھ بھی
نسبت نہیں ہے۔ انکے متبعین اعتقاد کے باعث سے انکی حفاظت کرتے ہوئے چلے آئے
ہیں لیکن بے جان شئے کی حفاظت کہانتک ہو سکتی ہے۔ انجیل ہی کو دیکھو جبمیں
لکھا ہے کہ گنہگاروں کو معاف کرو۔ انتقام مت لو۔ کل کا فکر آج مت کرو۔ اگر آج کوئی
فرقہ عیسائی قوم کا ان احکام پر عمل کرے تو ان کا وجود جہاں میں رہ سکتا ہے۔ ہرگز نہیں۔
عیسائی گورمنٹوں کے اصول سیاست مدن انجیل کو چھوڑ کر قرآن کو تتبع کر رہے ہیں۔ توریت
اور وید پر تو کچھ عمل ہوتا ہوا نظر نہیں آتا۔ اور اگر کچھ ہوتا ہے تو نہیں قواعد کا جو ان کتابوں میں
اور قرآن میں مشترک ہیں یا کچھہ رسمی طریق عبادت وغیرہ کے رہ گئے ہیں مگر انکا بھی روزبروز
تنزل نظر آتا ہے۔ اگرچہ ہندو مذہب والوں کی تعداد بھی ظاہر میں بہت ہے لیکن اصل میں
دیکھو تو وید کی تعلیم کا بالکل تنزل نظر آتا ہے۔ توحید کا مسلہ جسپر لاکھوں ہندو برہمو آریا سکھہ فدا
ہو رہے ہیں۔ کہاں سے سیکھا گیا کوئی شخص یہہ دعوی کر سکتا ہے کہ قرآن کے سوا کسی
دوسری کتاب نے انکو توحید سکھلائی ہے اور شرک سے نفرت دلائی ہے۔ حقیقت میں قرآن
نے انکے دلوں پر اثر کیا ہے اور کرتا جاتا ہے گو وہ لوگ حب قومی کے لحاظ سے اسبات کا
اقرار نہ کریں۔ لوتھر جرمنی جو پروٹسٹنٹ مذہب کا بڑا اور پہلا پیشوا ہوا ہے اسکے مخالف عیسائی
بھی اسکو بھی طعن کرتے تھے کہ یہہ شخص مسلمانوں کی پیروی کرتا ہے۔

غرض قرآن ہی آج ایسی کتاب ہے جو اسطرح اس زمانے میں موجود ہے جو کبھی انگلستان
کے عیسائی باشندوں پر اپنی طاقت ظاہر کرتی ہے کبھی امریکہ والوں کے دلوں کو اپنی طرف پھیرتی
کبھی افریقہ میں اپنی حیات کا ثبوت دیتی ہے کبھی چینیوں کو اپنی طرف رجوع کرتی ہے۔ سیاحت
ناموں اور تاریخوں کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ آجکل دنیا میں صرف دو مذہب ترقی کر رہے
ہیں۔ اسلام اور عیسائیت۔ لیکن ایک بڑے سیاح انگلستان کے پادری کا قول مسٹر کو ئیلم

اپنی کتاب نیتصاف اسلام میں نقل کرتے ہیں جسکا خلاصہ یہ ہے کہ بنسبت عیسائی مذہب کے اسلام زیادہ پھیلتا جاتا ہے اور جو شخص اسلام کو قبول کرتا ہے وہ اوسکو پھر چھوڑنا نہیں چاہتا مگر نے کرسچن اکثر بدلکر مسلمان ہوجاتے ہیں اور حقیقت میں عیسائی مذہب کی تعلیم اور تثلیث لوگونکے دلونکو اسلام قبول کرنیکے لیے تیار کرتی جاتی ہے. اب غور کرو کہ عیسائی قوم جو دنیا کی ثروت اور قوت کے لحاظ سے تمام اقوام سے اعلیٰ درجہ پر ہے اور اپنے مذہب کی اشاعت پر نہایت سرگرم ہے وہ بہی اشاعت میں اسلام کا مقابلہ نہیں کرسکتی تو دوسرا کونسا مذہب اسکا دعوے کرسکتا ہے۔ قرآن کے اسطرحکے غلبہ کیوجہ اور کوئی سمجھہ میں نہیں آتی کہ جس قادر مطلق نے انسان کے دلونکو بنایا ہے اوسی علیم وحکیم نے فطرت انسانی کے مطابق یہ ہادی کلام بہیجا ہے. اس طبعی مناسبت کیوجہ سے جیسا اثر اس کلام کا دلونپر ہوتا ہے ایسا کبہی دوسری کلام کا نہیں ہوسکتا۔

خلاصہ اور نتیجہ اس تقریر کا یہہ ہے کہ قرآن ذی روح کلام ہے اور کوئی کلام ذی روح جہان میں موجود نہیں ہے اور نہ انسانی کلام ذی روح ہوسکتا ہے۔

پہلا مقدمہ دلیل کا یہہ تہا کہ قرآن کی مانند کلام انسان نہیں بنا سکتا جو مختصر طور پر نقلاً اور عقلاً ثابت کردیا گیا ہے۔ اب دوسرا مقدمہ ثابت کرنا باقی رہا۔ یعنے جسطرح کی کلام انسان نہ بنا سکے وہ خدا کی کلام ہے۔

میکے ثبوت میں بہی زیادہ طول دینے کیضرورت نہیں معلوم ہوتی کیونکہ مخلوقات میں سوا انسان کے ہم کسی مخلوق کو یقینا متکلم نہیں جانتے۔ اعتقادی طور پر فرشتہ اور جنات کو بہی متکلم مخلوق خیال کیا جاتا ہے لیکن فرشتے اعتقادا خالق ومخلوق کے درمیان وسائط کیطرح مانے جاتے ہیں۔ اونکی کوئی مخلوق یا مصنوع مستقل تسلیم نہیں کیجاتی. باقی رہے جنات اگر اونکو انسان کیطرح سے ایک علیحدہ مخلوق مکلف بالشرائع اور متکلم اور فاعل تسلیم بہی کرلیا جاے تو انکی مصنوعات اور انکی کلام بہی اونکے ابدان کیطرح سے ہم سے مخفی رہتی ہوں گے۔ اسواسطے ہم اونکی مصنوعات کو پہچان نہیں سکتے اور اسی لئے معقول طریق سے کسی فعل کو اونکیطرف منسوب نہیں کرسکتے ہیں۔ اسواسطے جو موجود شئے انسان کی طاقت سے باہر

معلوم ہوئی ہے وہ صرف خدا کی طرف منسوب کیجاتی ہے اور یہی طریق معقول ہے یعنی
جب یہ بات قرار پا گئی تو دلیل کا دوسرا مقدمہ بھی ثابت ہوگیا۔ یعنے جس طرح کی کلام انسان
نہ بنا سکے وہ خدا کی کلام ہے۔

اب ان دونوں مقدمونکے ثابت ہونیکے بعد معقول اور منطقی طریق سے یہ نتیجہ لازم
آتا ہے کہ "ایسے کلام یعنے قرآن خدا کی کلام ہے"۔ اور چونکہ شروع میں یہ بات ثابت کردیگئی
ہے کہ جو قرآن آج ہم مسلمانونکے پاس موجود ہے یہہ بعینہ وہی کتاب ہے جو رسول عربی کے
زمانے میں مکمل ہوچکی تھی تو اس سے یہہ نتیجہ نکلا کہ بانی اسلام کی کتاب خدا کا کلام ہے اور
یہی ہمارا دعویٰ ہے۔

اگر کوئی صاحب اس دلیل پر نقض وارد کرنا چاہیں تو انکو چاہئے کہ یا تو اس بات کو
ثابت کردیں کہ جو علامات و خواص مصنوعی اور قدرتی اشیا کے بیان کئے گئے ہیں وہ صحیح
نہیں ہیں اور یہہ بات ثابت کریں کہ قدرتی اشیا کی علامات و خواص جو بیان کئے
گئے ہیں قرآن میں نہیں پائے جاتے۔ اور اگر ایسا نہ کرسکیں تو یہ بحث پوری ہو چکی
ماننا نہ ماننا اونکے اختیار ہے۔

دو تمثیلیں اسی قسم کی اور بھی بہت مدعا کی سند میں پیش کیجاتی ہیں جنپر غور کرنا فائدے
سے خالی نہیں۔ علاوہ اون صفات و خواص کے جو قرآن اور کلام انسان میں تمیز کرنے کو
لئے اوپر بیان کئے گئے ہیں ایک اور بڑا نشان زیادہ عام فہم پایا جاتا ہے وہ یہہ ہے کہ ظاہر
اور سرسری نظر سے مجموعی اور اجمالی طور پر دیکھنے سے دونوں کلاموں میں بڑا تفاوت معلوم
ہوتا ہے۔ کسی عربی مصنف کے کلام کو جب قرآن کے ساتھ مقابلہ کیا جاوے تو بجز اس امر کے کہ
دونوں عربی زبان میں ہیں اور کوئی مشابہت نہیں پائی جاتی۔ یہہ امر دعوے سے کہا جاسکتا ہے
کہ تین چار سطریں بلکہ جت دو کیجائے کہ اونکے مشابہ کسی مصنف کا کلام ملسکے تو ہرگز
نہ ملے گا۔ خود رسول عربی جنکی زبان سے قرآن لکھا گیا ہے۔ اونکی ہزارہا حدیثیں
اور روایتیں چھوٹی اور بڑی کتابوں میں موجود ہیں۔ اور جس قسم کے مضامین مذہبی
قرآن میں تعلیم دیئے گئے ہیں اوسی طرح کے مضامین اون

حدیثوں میں پائے جاتے ہیں زبان بھی دونوں کی بالکل عرب کے ایک خاص حصہ حجاز کی ہے۔ لیکن حدیث نبوی اور قرآن کی آیات کی عبارت میں اور اُن کی نظم میں اتنا بڑا تفاوت ہے کوئی عربی دان اُن کا مقابلہ کرکے یہ نہیں کہہ سکتا کہ یہ دونوں عبارتیں ایک شخص کی ہوسکتی ہیں۔ انسان کا طرز کلام اور طرز تحریر کبھی پوشیدہ نہیں رہ سکتا غور اور مقابلہ کرنے سے پہچانا جاتا ہے مگر سارے قرآن کی ایک سطر بھی نہیں پائی جاتی جس کے متشابہ کسی حدیث کی عبارت ہو اگر یہ امر منصف مخالف کی نظر میں قرآن کو کلام الٰہی ثابت کرنے کے واسطے قطعی دلیل معلوم نہ ہو تو بھی اس کو کتنی بڑی حیرانی میں ڈالنے والا ہے کہ ایک کتاب عربی میں اس طرح کی پائی جاتی ہے کہ اس کا ایک چھوٹا سا ٹکڑا بھی کسی عربی مصنف کے کلام سے مشابہت نہیں رکھتا۔ اگر وہ کلام بے معنی بے فائدہ اور کلام کی فصاحت اور بلاغت کی خوبیوں سے معرا ہوتا تو اس کو کسی پاگل یا کسی ناواقف زبان کا کلام خیال کر لیا جاتا مگر باوجود نوکھے طرز کے فائدوں اور خوبیوں میں ہر ایک دوسری کلام سے بڑھ کر ہے کیا یہ صفات کسی انسانی کلام میں پائی جا سکتی ہیں؟ ہرگز نہیں

علوم طبعیہ کے مطالعہ کرنے والوں پر یہ امر ظاہر ہے کہ قدرتی موجودات میں جس قدر غور اور تامل کئے جاؤ اُسی قدر اُن کے حالات کا علم منکشف ہوتا چلا جاتا ہے اور بہت مسائل طبعیہ ایسے بھی معلوم ہوتے ہیں کہ آج تک ان کا علم باوجود جد و جہد کے کسی کو حاصل نہیں ہوا مگر امید ہوتی ہے کہ آئندہ کو کسی زمانہ میں حاصل ہو جاوے اور بہت سے ایسے بھی معلوم ہوتے ہیں کہ ان کو ناقابل انکشاف خیال کیا جاتا ہے اور ایسے بہت حکما نے دل لگا کر اُن کی جست و جو میں عقل کے گھوڑے بہت دوڑائے مگر آخر کو تھک کر مجبور ہو گئے اور یہ

* نوٹ - مثلاً جسم حیوانات میں جو خون سیال ہے زندہ جسم میں سیال اور دائر رہتا ہے مگر رگوں سے نکلتے ہی جم جاتا ہے۔ اس کی ٹھیک وجہ آج تک معلوم نہیں ہوئی یا حیوانات کے معدے سے جو ایک تیزاب پیدا ہوتا ہے وہ گوشت کو حل کر دیتا ہے بلکہ مردہ جانور بھی کسی حیوان کے معدے میں رکھ دیا جاوے تو حل ہو جاتا ہے مگر وہ تیزاب جس معدے سے پیدا ہوتا ہے تا دم حیات اُس پر کچھ اثر نہیں کرتا۔ اسی طرح نباتات اور حیوانات کے بعض اعضا کا کچھ فائدہ سمجھ میں نہیں آتا۔ مصنف

خیال کرلیا کہ ان باتوں کا سمجھنا انسانی عقل سے باہر ہے مثلاً یہ کوئی نہیں جانتا کہ قوت اتصالی
کیا شے ہے اور کشش اجسام پر کس طرح اثر کرتی ہے علت معلول میں کس طرح اثر کرتی ہے
ابتدا کسی نوع کی کس طرح سے ہوتی ہے۔

اسی طرح سے خلا جزء لایتجزی اور ہیولا کے ثبوت و عدم ثبوت کا کچھ پتہ نہیں لگتا اسی طرح
کی اور بہت سی باتیں ہیں کہ انسان کی عقل اُن میں کام نہیں کرتی۔ قرآن شریف میں بھی یہی
صفات پائی جاتی ہیں یعنی اُس سے بہت مسائل تو سمجھے جاتے ہیں بہت سے دقایق سمجھ میں
آتے چلے جاتے ہیں۔ مگر اُن میں بعض باتیں ایسی ہیں کہ وہ آج تک کسی کی سمجھ میں نہیں آئیں
جیسے جنات کی حقیقت حروف مقطعات کی غرض وغیرہ وغیرہ اور بہت باتیں اُن میں ایسی
بھی ہیں جو فہم انسانی سے بالکل باہر ہیں جیسے روح کی حقیقت معاد کی کیفیت حشر اجساد کی
ماہیت وغیرہ۔

یہاں تک تو ایک سیدھی منطقی و معقولی دلیل ہے جس کو ادنی فلاسفر اور علوم طبیعات
کا مطالعہ کرنے والا سمجھ سکتا ہے بیان کی گئی ہے اور ظاہر بینوں کے واسطے بھی بقدر کفا
سے غور کریں یہ دلیلیں برہان قاطع معلوم ہوتی ہے کیونکہ اس میں صرف ظاہری تعلقات
سے مجہول کے سراغ لگانے کا جو کام عقلی قواعد سے متعلق کیا گیا ہے۔ اگرچہ ہم کبھی باطنی دلائل
پر غور کیا جاتا تو بہت صد درجہ زیادہ تسکین دینے والے دلائل معلوم ہو سکتے ہیں لیکن
جب تک انسان تعصب اور بے پروائی سے علیحدہ ہو کر مستر کلیم کی طرح سے انصاف کے
ساتھ اس میں غور نہ کریں وہ اسرار اُس پر مکشوف نہیں ہو سکتے۔ تاہم اتمام حجت کی نظر
سے کسی قدر باطنی دلائل کا بیان کر دینا بھی اس موقعہ پر مناسب معلوم ہوتا
ہے۔

تمام مذاہب کا اصل اصول خدا پر اور اُس کی صفات کے ایمان لانا اور اس کی عبادت
کرنا گناہوں سے بچنا اور نیک کرداری اختیار کرتا ہے اور انسان اپنی خلقت میں ایسا بنایا
گیا ہے کہ ان تمام باتوں کا بھوکا پیاسا معلوم ہوتا ہے اس لیئے تو تمام جہان میں ہر ایک
انسان کہ ہر کسی مذہب کا پابند ہوتا ہے اسی خدا کی تلاش میں کوئی اجرام فلکی کو کوئی

اجرام علوی کو کوئی عالم ارواح کے فرضی اشخاص کو معبود بنا کر اس پر ایمان لے آتا ہے اُس کی عبادت کسی نہ کسی صورت میں شروع کر دیتا ہے اور اُس کی ناراضمندی سے پرہیز کرنے اور اُس کی مرضی پر چلنے کی کوشش کرتا ہے اگر انسانی عقل ان امور کے دریافت کرنے کے لئے کافی ہوتی تو جس طرح سے تمام مسائل طبیعیہ میں تمام مہذب قومیں اتفاق رائے کرتی پائی جاتی ہیں ان میں بھی اسی طرح سے اتفاق رائے ہو جاتا۔ لیکن جب یہ بات ظہور میں نہیں آئی تو معلوم ہوا کہ انسانی عقل ان کے سمجھنے کے لیے کافی نہیں ہے۔ مگر جو حاجت [illegible] انسانی فطرت میں ڈالی گئی ہے اس کے پورا کرنے کے لیے قادر مطلق نے کوئی نہ کوئی سبیل بھی ضرور مقرر کی ہے چنانچہ صحیفہ فطرت کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی [illegible] کے پورا کرنے کے لئے دو قاعدے مقرر ہیں ایک تو قدرت سے کوئی سامان اس کے لیے مہیا ہوتا ہے اور دوسرے اس کی عقل اس کو مدد دیتی ہے ان دو کے سوا اور کوئی صورت اس کی حاجت روائی کی معلوم نہیں ہوتی اور جب معلوم ہو لیا کہ مذہبی معاملات حاصل کرنے کے لیے اس کی عقل کافی نہیں ہے تو لازم آیا کہ قدرتی طور پر اس معاملہ میں اس کی حاجت روائی کی جانی چاہئے اور بشہادت تمام مذاہب قدرتی مدد اس تعلیم کے لئے سوا الہام الٰہی کے اور کوئی نہیں ہے اسی الہام کا فیض کسی کو بلا واسطہ اور کسی کو بالواسطہ ہوتا ہے۔

جب یہ بات تسلیم کی گئی کہ مذہب کا علم بغیر الہام الٰہی کے مدد کے کسی کو حاصل نہیں ہوتا تو جو مذہب اکمل اور اتم طریق سے چار دل امور مذہبی کو جو اوپر بیان ہوئے ہیں سکھلاتا ہے وہ مذہب خالص خدا کی طرف سے الہام کے ذریعے سے آیا ہوا یقین کرنا چاہئے۔

اب ہم چند نظیریں قرآن کی تعلیم کی پیش کر کے اس بات کو ظاہر کرنا چاہتے ہیں کہ موجودہ [illegible] میں قرآن سے بہتر تعلیم دینے والی کوئی کتاب جہان میں نہیں ہے اور اسی لیے قرآن [illegible] کی خالص الہامی کتاب ہے۔ پہلا مسئلہ مذہب کا خدا کی ذات اور صفات کے [illegible] لانا ہے۔ قرآن اس باب میں [illegible] خدا موجود ہے واحد ہے [illegible] عالم الغیب ہے۔ ازلی ہے۔ ابدی ہے [illegible] [illegible] مانند کوئی شے نہیں۔

اگر یہ تمام باتیں صرف الہام سے کسی کے دل پر القا کی جائیں تو ملہم شخص تو شاید
مجبوراً مانتا مگر دوسرے بنی نوع کی ہدایت کے لیے یہ طریق کافی نہ ہوتا کیوں کہ انسان فطرتاً
ایسا بنایا گیا ہے کہ جو بات دوسروں سے سنتا ہے اس کا ثبوت اور دلیل بھی چاہتا ہے
گو بعض اشخاص ایمان اور اعتقاد کے ایسے پختہ ہوتے ہیں کہ اپنے مقتدا کے قول کو بلا دلیل
بھی تسلیم کر لیتے ہیں لیکن جب کسی شخص کی بات ماننے کی دلیل نہ ملے تب تک اس کو مقتدا
بھی ہر ایک شخص نہیں مان سکتا پھر اس کے قول کو کس طرح سے مانے بلکہ عام قاعدہ تو یہ
ہے کہ جس شخص کی راست گوئی کے بہت نظایر یا دلیل مل جائیں تب اس پر ایسا اعتقاد
ہو جاتا ہے کہ آیندہ کو اس کا قول بلا دلیل بھی ماننا پڑتا ہے۔ قرآن نے اس لئے اپنے
دعووں کو بلا دلیل بیان نہیں کیا اور دلایل بھی ایسے بیان کئے۔ کہ جن کو انسان اپنی
فطرت اور طبیعت سے تسلیم کرنے پر مجبور ہے۔

اگر کسی کو یہاں یہ شک پیدا ہو کہ جب مذہبی امور سمجھنے کے لیے دلایل بھی موجود تھی
جن کو آدمی سمجھ سکتا ہے پھر الہام کی کیا ضرورت رہی تو ذرہ غور کرنے سے یہ شک رفع ہو جاتا
ہے کیوں کہ جب ہم بہت سے محسوسات کے وجود و خواص سے ناواقف ہوتے ہیں
لیکن جب کسی طرح ایک مرتبہ اس کا پتہ لگ جاتا ہے تب اس کے دلایل ہم کو ملتے چلے جاتے
ہیں مگر پہلے سے وہ دلایل رہنمائی کے لیے کارآمد نہیں ہوتے۔ مثلاً جسم حیوان کا
دوران خون جس کے سمجھنے پر بہت بیماریوں کی تشخیص اور علاج موقوف تھا نہ بقراط کو معلوم
ہوا نہ افلاطون ارسطو جالینوس وغیرہ کو مگر جب ہاروی صاحب نے اس امر کو معلوم کیا
تو اس کے دلایل ایسے واضح خود بخود سمجھ میں آنے لگے کہ اب حیرانی ہوتی ہے کہ پہلے سے
بڑے بڑے طبیبوں کو اس کی واقفی کیوں نہ ہوئی عام فصد کرنے والے بھی اس حقیقت
کو جان سکتے تھے مگر طبعیات کی معلومات جب حاصل ہوں کسی اتفاق سے یا عقل کے
ذریعہ سے بھی حاصل ہوتے ہیں۔ البتہ مذہبی حقایق کا سچا علم بغیر الہام کی مدد کے حاصل
نہیں ہو سکتا۔

غرض خدا کی ذات و صفات کی تفتیش جو انسان کی فطرت میں پڑی ہوئی تھی الہام کے

ذریعے سے اُس کی تعلیم کچھ نہ کچھ تو مدت سے ہوتی رہی ہے۔ اور حکماء نے بھی جہانتک اُن سے ہوسکا اُن الہامی صداقتوں کے ثابت کرنے میں بہت سی کوششیں کی ہیں بہت دلائل معلوم کیئے اور لوگوں کو بتلائے لیکن آج اُن تمام الہامی تعلیموں سے اس کی تعلیم اعلےٰ درجہ کی ہے اور تمام حکماء کے دلائل میں سے جو بے کار ضعیف اور غیر صحیح دلائل ہیں اُن کا قرآن میں بالکل کہیں تذکرہ نہیں مگر جو صحیح یا کسی قدر ناقص ہیں ان کو واضح اور کامل طور پر بیان کیا ہے اور بہت کچھ اُن سے بڑھ کر سکھلایا ہے۔

اوّل یہاں پر چند آیات کا ترجمہ جو ثبوت وجود باری اور اُس کی صفات سے متعلق ہے لکھا جاتا ہے بعد اس کے طریق استدلال بیان کیا جائے گا۔

"اور معبود تمہارا ایک معبود ہے کوئی معبود نہیں ہے بجز اُس مہربان بخشنے والے کے بے شک آسمان اور زمین کی پیدائش میں اور رات دن کے اختلاف میں اور کشتی میں جو لے جاتی ہے دریا میں لوگوں کے فائدے کے سامان اور اس پانی میں جو اُتارتا ہے اور آسمان سے جس سے سرسبز کرتا ہے زمین کو اُس کے خشک ہو جانے کے بعد اور پیدا کیئے اُس میں ہر قسم کے جانور اور ہواؤں کے چلانے میں اور ابر میں جو آسمان اور زمین کے درمیان مسخر ہوتا ہے نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے اور بعض لوگوں میں سے وہ شخص ہیں جو بنا لیتے ہیں خدا کے سوا شریک اور محبت رکھتے ہیں اُن سے جیسے خدا سے محبت رکھنی چاہیئے اور جو لوگ ایمان والے ہیں وہ سب سے زیادہ محبت خدا کی رکھتے ہیں۔ سورہ بقر۔

"اللہ وہ ہے جس نے بلند کیا ہے اجرام علوی کو بغیر ایسے ستونوں کے جن کو تم دیکھتے ہو پھر قایم ہوا وہ عرش پر اور مسخر کیا اُس نے آفتاب کو اور ماہتاب کو ہر ایک اُن میں سے ایک مدت معین تک جاری رہے گا تدبیر کرتا ہے وہ امر کی ظاہر کرتا ہے نشانیاں تاکہ تم خدا سے ملنے پر یقین کرو۔ اور خدا وہ ہے جس نے زمین کو بچھایا اور اس میں پہاڑ اور دریا بنائے اور ہر ایک پھل کی اُس میں دو قسمیں بنائیں رات دن کو ڈھک لیتی ہے بے شک اس میں نشانیاں ہیں فکر کرنے والے لوگوں کے لیے اور زمین میں قطعات

ہیں پاس پاس اور باغ ہیں انگوروں کے اور کھیتیاں اور کھجوروں کے درخت ملے ہوئے
اور اکیلے اکیلے جو ایک ہی پانی سے سیراب کیئے جاتے ہیں اور اُن میں سے ہم بعض کو بعض
پر ذائقہ میں فضیلت دیتے ہیں اس میں بے شک نشانیاں ہیں دانش مندوں کے
لیئے ۔ سورہ رعد ۔

"نکالتا ہے وہ زندہ کو مردہ سے اور نکالتا ہے مردہ کو زندہ سے کہ زندہ کرتا ہے
وہ زمین کو اس کے مردہ ہونے کے بعد اور اسی طرح سے تم بھی نکالے جاؤ گے اور اُس
کی نشانیوں میں سے ہے یہ بات کہ پیدا کیا تم کو مٹی سے پھر تم ہو گئے ناگہاں انسان چلتے
پھرتے اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ پیدا کئے تمہارے لیے تمہاری جنس سے جوڑے
تاکہ آرام پاؤ تم اُن کے ساتھ اور پیدا کی تم میں باہم دوستی اور مہربانی بے شک اُس
میں نشانیاں ہیں فکر کرنے والوں کے لیے اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے پیدائش
آسمان اور زمین کی اور اختلاف تمہاری زبانوں اور رنگوں کا بے شک اُس میں نشانیاں ہیں
عالموں کے لیے اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے سونا تمہارا رات اور دن کا اور روزی
تلاش کرنی تمہاری اُس کے فضل سے بے شک اُس میں نشانیاں ہیں سُننے والے لوگوں
کے لیے اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے کہ دکھلاتا ہے تم کو بجلی خوف اور امید کے لیے اور
اُتارتا ہے اوپر سے پانی پھر زندہ کرتا ہے اُس سے زمین کو اُس کے مرنے کے بعد بے شک
اس میں نشانیاں ہیں عقلمندوں کے لیے اور اُس کی نشانیوں میں سے ہے قائم رہنا آسمان
اور زمین کا اُس کے حکم سے پھر جس وقت پکارے گا تم کو ایک بار زمین سے تم ناگہاں نکل آؤ گے
اور اُسی کا ہے جو کچھ آسمان اور زمین میں ہے سب اُس کے تابع فرمان بردار ہیں اور وہ خدا ہی
ہے جو پیدا کرتا ہے اول بار خلقت کو اور پھر پیدا کرے گا اُس کو اور یہ کام اُس پر بہت آسان ہے
اور اُس کی صفت بہت ہے آسمان اور زمین میں اور وہ زبردست حکمت والا ہے ۔

سورہ روم ۔

"اور وہی ہے جس نے پیدا کیے تمہارے سماعت ، بینائی ، اور دل تم کم شکر
کرتے ہو ۔ اور وہی ہے جس نے پھیلا دیا تم کو زمین میں اور اسی کی طرف اکٹھے کیے جاؤ گے

اور وہ خدا وہ ہے جو زندہ کرتا ہے اور مارتا ہے اور وہی رات اور دن بدلتا ہے کیا تم نہیں
سمجھتے بلکہ کہا انہوں نے جیسے پہلوں نے کہا تھا۔ انہوں نے کہا جب ہم مر گئے اور مٹی اور
ہڈیاں ہو گئے کیا ہم اٹھائے جائیں گے؟ بیشک یہ وعدہ ہم کو دیا گیا اور ہمارے باپ دادوں
کو پہلے دیا گیا تھا۔ کچھ بھی نہیں یہ تو افسانے ہیں پہلے لوگوں کے۔ کہہ کس کی ہے زمین اور
جو کچھ اس میں ہے (بتاؤ) اگر تم کو معلوم ہو البتہ کہیں گے اللہ کی ہے تو کہہ پھر تم نصیحت نہیں
مانتے کہہ کون ہے رب ساتوں آسمانوں کا اور بڑے عرش کا کہیں گے اللہ ہے۔ کہہ پھر تم کیوں نہیں
ڈرتے۔ کہہ کون ہے جس کے ہاتھ میں ہے بادشاہی ہر شے کی اور وہ پناہ دیتا ہے اور اس سے
کوئی پناہ نہیں دیا جاتا اگر تم جانتے ہو کہیں گے اللہ ہے۔ کہہ پھر تم کس طرح دھوکا کھاتے ہو بلکہ ہم
ان کے پاس سچ بات لائے ہیں مگر وہ جھوٹے ہیں۔ نہ خدا نے کوئی اپنا بیٹا بنایا ہے اور نہ اس کے
ساتھ کوئی معبود ہے۔ اگر ایسا ہوتا تو ہر ایک معبود اپنی پیدایش کو الگ لے جاتا اور وہ ایک دوسرے
پر غلبہ کرتے۔ جاننے والا ہے غائب اور ظاہر کا پس بلند ہے وہ شرک سے۔ سورہ مومنوں۔

"آیا کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اتارا اوپر سے پانی اور پھر اگائے اس سے باغ
رونق والے تم کو یہ طاقت نہیں کہ تم اگاؤ ان کے درختوں کو آیا کوئی معبود ہے خدا کے ساتھ؟
بلکہ وہ لوگ جماعت ہیں کج راہ چلتے ہیں آیا کس نے بنایا زمین کو قرارگاہ اور بنائیں اس میں
نہریں اور بنائے اس پر پہاڑ اور کیا دو سمندروں میں پردہ کیا کوئی معبود ہے خدا کے ساتھ بلکہ
ان میں بہت نہیں سمجھتے آیا کون ہے جو قبول کرتا ہے بیقرار کی دعا کو جب وہ پکارتا ہے اس کو اور اس کی
سختی دور کرتا ہے اور تم کو زمین میں خلیفہ بناتا ہے کیا کوئی معبود ہے خدا کے ساتھ کم لوگ نصیحت
پاتے ہیں۔ آیا کون رہنمائی کرتا ہے تم کو جنگلوں اور سمندروں کی تاریکیوں میں اور بھیجتا ہے ہوا
خوشخبری دینے کے لیے باران رحمت سے پہلے کیا کوئی معبود ہے خدا کے ساتھ۔ اللہ بالا ہے
ان لوگوں کے شریک بنانے سے آیا کون اول پیدا کرتا ہے اور پھر دوبارہ پیدا کرتا ہے اور کون
تم کو رزق دیتا ہے آسمان اور زمین سے کیا کوئی معبود ہے خدا کے ساتھ لاؤ دلیل اپنی اگر تم سچے
ہو۔ سورہ نمل۔

"اور اس کے مملوک ہیں جو آسمان اور زمین میں ہیں اور جو اس کے نزدیک ہیں سرکشی نہیں کرتے

ہیں اُس کی بندگی کرنے سے اور نہ تھکتے ہیں۔ پاکی بیان کرتے ہیں رات دن اور نہیں سستی کرتے۔ کیا اُنھوں نے مقرر کر لیے معبود زمین میں سے کہ وہ پیدا کریں گے اگر کئی معبود ہوتے زمین آسمان میں خدا کے سوا تو بے شک وہ دونوں تباہ ہوجاتے۔ پس پاک ہے اللہ عرش کا مالک اُن چیزوں سے جو وہ بیان کرتے ہیں۔ خدا نہیں پوچھا جاے گا اُن باتوں سے جو وہ کرتا ہے اور وہ لوگ سوال کئے جائیں گے۔ کیا انھوں نے بنا لیے ہیں خدا کے سوا معبود کہ لاؤ دلیل اپنی یہی ذکر اُن لوگوں کا ہے جو میرے ساتھ ہیں اور ذکر اُن لوگوں کا جو مجھ سے پہلے تھے۔ بلکہ اکثر اُن میں کے نہیں جانتے حق کو پس وہ مونہہ پھیرتے ہیں۔ اور نہیں بھیجا ہم نے پہلے تجھ سے کوئی رسول مگر یہی وحی کرتے تھے اُس کو کہ میرے سوا کوئی معبود نہیں ہے پس میری ہی عبادت کرو اور کہا اُنھوں نے کہ خدا نے اپنا بیٹا بنایا ہے پاک ہے وہ بلکہ وہ لوگ بندے ہیں عزت والے بات میں اس سے سبقت نہیں کرتے اور وہ اُس کے حکم کی تعمیل کرتے ہیں۔

اللہ جانتا ہے جو کچھ اُن کے اگلے پچھلے عمل ہیں اور شفاعت نہیں کرتے وہ کسی کی مگر اُس کی جس سے خدا راضی ہو اور وہ خود اُس کے خوف سے ڈرتے ہیں اور جو کوئی اُن میں سے کہے کہ بے شک میں معبود ہوں خدا کے سوا پس اُس کو سزا دیں گے ہم دوزخ میں اسی طرح سے ہم ظالموں کو سزا دیا کرتے ہیں۔ سورہ انبیاء۔

تھوڑی آیتیں اس قسم کی نمونہ کے طور پر یہاں لکھی گئی ہیں اس طرح کی اور بہت آیتیں قرآن میں موجود ہیں جن میں صحیفہ فطرت کے اوراق کھول کھول کر انسان کو دکھلایا ہے اور بتلایا ہے کہ نشانیاں ہیں ہماری ذات کے وجود کی اور صفات کی لیکن طرز بیان قرآن کا انسان کے بیان کے مشابہ نہیں ہے اس لئے اُس کو سن کر ہر ایک شخص فوراً مطلب کو نہیں پہنچ سکتا جیسے کھانا یا کپڑا انسان کا بنایا ہوا بسہولت انسان کے کارآمد ہوجاتا ہے ایسی قدرتی اشیا کم ہیں جو بغیر تامل اور عمل کے کارآمد ہوجائیں اگر انسانی طریق پر اُس کا بیان ہوتا تو وہ ہر زمانہ اور ہر قوم کے لیے کارآمد نہ ہوتا کیونکہ انسانی طریق استدلال میں ہمیشہ تغیر و تبدل ہوتا رہتا ہے مگر یہ بیان ایسا ہے کہ غور و تامل کرنے والوں کے لیے ہر ایک ملک اور ہر ایک

زمانہ میں ہدایت کرسکتا ہے اب چونکہ قرآن نے موجودات عالم پر تفکر وتفکر کرنے کا حکم دیا
ہے اور بتلایا ہے کہ ان میں غور کرنے سے خدا کے وجود اور صفات کی نشانیاں ملتی ہیں
اس لئے اس موقع پر پہلے علوم طبیعیہ اور ریاضیہ کے چند مسایل بیان کرکے بتلایا جاوے گا
کہ موجودات عالم میں غور کرنے سے کس طرح خدا کی ذات وصفات پر یقین ہوسکتا ہے اور
قرآن شریف کے مسایل کس طرح سے یقین اور اطمینان دے سکتے ہیں لیکن اس سے
ہمارا یہ منشا نہیں ہے کہ یہ دلایل عالمانہ غور وتامل کے بغیر فایدہ نہیں دیتے بلکہ ہر ایک درجے
کے سمجھ والے کو فایدہ بخشتے ہیں صرف اُن کو اپنی اپنی طاقت کے موافق غور کرنے کی ضرورت
ہے مگر زمانہ حال میں تامل کرنے کا طریق جیسا کچھ بدل گیا ہے اور ترقی کر گیا ہے اس کے
موافق امتحان کرنے سے بھی یہ دلایل نہایت درجہ صحیح معلوم ہوتے ہیں سما کا لفظ جس کا ترجمہ
آسمان کیا جاتا ہے لغت میں اسکے معنی بلندی کے ہیں اور عرف میں یہ نیلے رنگ کا جو سایبان
سا نظر آتا ہے اس کو بھی سما کہتے ہیں مگر قرآن میں یہ لفظ کئی معنوں میں استعمال ہوا ہے۔
کہیں اس سے اجرام علوی مراد ہیں کہیں ابر کہیں صرف بلندی کہیں عرفی آسمان اور
کہیں جو کچھ زمین سے اوپر ہے وہ سب مراد ہے علما اور حکما رنے جو آسمان اور زمین
میں غور کرکے علوم حاصل کئے ہیں اُن سب کا لکھنا تو ممکن نہیں اور اُن کے لکھنے کی یہاں ضرورت
بھی نہیں بلکہ ان میں کے چند اصول اور مسایل بیان کئے جاتے ہیں تاکہ ظاہر ہو کہ یہ علوم قرآن
کی دلایل کو کتنا زیادہ واضح اور حق ثابت کرتے ہیں۔

زمین آفتاب مہتاب اور بہت سیاروں اور ثوابت پر تو لوگ مدت سے غور کرتے چلے
آئے ہیں۔ رستوں کے اختلاف موسموں کی تبدیلیں بارش کسوف خسوف وغیرہ حالات
بھی زمانہ قدیم سے ظاہر ہوگئے تھے ان تغیرات کے قواعد و فوائد بھی کسی قدر تو وحشی لوگوں کو بھی
معلوم تھے کیونکہ ان کی بہت باتیں تو عام فہم اور مشاہدہ اور تجربہ سے بھی معلوم ہوسکتی
تھیں لیکن زمانہ زیادہ گذرتا گیا پہلی معلومات کی تحقیق اور تصحیح اور جدید معلومات کی تحصیل ہوتی
گئی یہاں تک کہ اب زمانہ حال کی معلومات کو زمانہ قدیم کی معلومات سے مقابلہ کیا جاوے
تو زمین اور آسمان کا تفاوت معلوم ہوتا ہے اور یہ معلوم ہوتا ہے کہ انسانی علوم میں کیسے کچھ

انقلاب واقع ہوں گے۔

اس وقت علوم طبعیہ اور ریاضیہ کی محققہ صداقتوں میں سے بڑی صداقت یہ ہے کہ کل اجسام میں کیا علوی کیا سفلی کشش کی طاقت ہے اور جس جسم کا مادہ زیادہ ہے اُس کی طاقت کشش بھی بقدر زیادتی مادہ کے زیادہ ہے اور جتنا مادہ کم ہے اُسی قدر طاقت کشش بھی کم ہے اور بعد اجسام پر بھی طاقت کشش کی صفت اور شدت منحصر ہے یعنے دو جسم جس قدر باہم زیادہ قریب ہوں گے اسی قدر طاقت کشش دونوں طرف سے زیادہ ہوگی اس کا قاعدہ یہ ہے کہ ایک معین فاصلے پر دو جسموں میں جس قدر کشش ہوگی اگر فاصلہ کو دوچند کردیا جاوے تو کشش چوتھائی رہ جاوے گی اور فاصلہ سہ چند کر دیا جاوے تو کشش نواں حصہ رہ جاوے گی۔ اور جب فاصلہ چار چند کر دیا جاوے تو کشش سولہواں حصہ رہ جاوے گی۔ غرض مربع کے حساب سے فاصلہ کے بڑھنے پر کشش گھٹتی جاتی ہے اور فاصلہ کے کم ہوجانے پر طاقت کشش کی بڑھ جاتی ہے یہ قاعدے محض قیاسی نہیں ہیں بلکہ مختلف طرح کے تجربوں سے درجہ یقین کو پہنچ گئے ہیں۔

دوسری خاصیت مادے کی قابلیت حرکت وسکون ہے یعنی اجسام کی ذات کو نہ حرکت لازم ہے نہ سکون اگر کوئی خارجی طاقت اس کو ایک دفعہ حرکت دیوے تو یہ ہمیشہ سیدھے خط مستقیم میں حرکت کرتا ہوا چلا جاوے گا جب تک کوئی خارجی طاقت اس کو ساکن نہ کرے اور جب ساکن ہوجاوے تو حرکت نہ کرے گا جب تک کوئی خارجی طاقت اس کو حرکت نہ دے۔ اس نظام شمسی کے عالم میں جس میں زمین آفتاب ماہتاب زحل عطارد مریخ زہرہ مشتری وغیرہ بہت سے سیارے شامل ہیں آفتاب سب سے بڑا ہے اس لیے اس کی کشش بھی سب سے زیادہ ہے اور باقی سیاروں کو اپنی طرف کھینچتا ہے اگرچہ باقی سیارے بھی اپنے حجم کے موافق آفتاب کو اپنی طرف کھینچتے ہیں لیکن آفتاب بہت بڑے ہونے کے سبب کشش میں غالب رہتا ہے۔ جب دو خاصیتیں جسم کی یعنی کشش اور قابلیت حرکت وسکون معلوم ہوئیں تو قیاس کیا گیا کہ آفتاب اور باقی سیاروں کو مناسب فاصلہ پر رکھ کر ان کے خالق نے ایک مرتبہ سیاروں کو حرکت دے دی اور چونکہ جسم کی یہ خاصیت ہے کہ جب ایک مرتبہ اس کو حرکت دیدی جاوے تو بغیر ساکن کرنے کے ساکن نہیں ہوتا بلکہ خط مستقیم میں حرکت کر

ہوا چلا جاتا ہے اور اگر کوئی شے خط مستقیم میں حرکت کرنے سے روکے تو دوری حرکت کرنے لگ جاتا ہے جیسے ایک رسی کے سرے میں ایک پتھر کو باندھ کر ہاتھ میں لگائیں اور پھر اس پتھر کو زور سے حرکت دیں تو پتھر سیدھی حرکت کرنی چاہیگا۔ لیکن چونکہ وہ پتھر جس رسی میں بندھا ہوا ہے اس کا دوسرا سرا ہاتھ میں پکڑا ہوا ہے اس لیئے سیدھا نہ جا نہیں سکتا اس واسطے ہاتھ کے گرد گول حرکت کرنے لگے گا۔ اگر اثنا سے حرکت میں وہ پتھر کھل جاسے یا رسی ٹوٹ جاسے تو پھر پتھر سیدھا حرکت کرتا ہوا چلا جاسے گا اسی طرح جب سیاروں کو حرکت ہوئی تو انہوں نے سیدھا جانا چاہا مگر آفتاب کی کشش نے ان کو دور نہ جانے دیا۔ اس لیے آفتاب کے گرد حرکت کرنے لگے۔

یہاں تک تو قیاس تھا جس کے ثبوت کے واسطے بہت دلایل کی ضرورت تھی مگر بتدریج قدرت نے ایسے ثبوت بہم پہونچا دیئے کہ اب اس قیاس کی صحت میں کوئی وجہ شک کرنے کی باقی نہ رہی کیونکہ تحقیق سے ایک اور قاعدہ معلوم ہوگیا جس سے دو جسموں کی مقدار اور ان کا باہمی فاصلہ معلوم ہو تو کشش جو ایک کو دوسرے کے گرد حرکت دیتی ہے اس کی مقدار معلوم ہو جاتی ہے جس سے اس کی رفتار کی تیزی معلوم ہو جاتی ہے جب یہ قاعدہ معلوم ہوا تو مشاہدہ اور امتحان کا بڑا سامان ہاتھ آگیا اس کے سوا علم مثلث کی ترقی دوربین وغیرہ آلات کی ایجادوں نے بڑے بڑے فاصلوں کا پیمایش کرنا اور سیاروں کی اقطار اور محیطوں کی پیمایش کرنے کا طریق بتلا دیا تھا۔ جب اس قدر سامان امتحان کا مل گیا تو نئے نئے سیارے ان کی حرکتوں کی سرعت ان کے دوروں کی مدت ان کے مداروں کی وسعت اور ان کے جسموں کی مقداریں معلوم ہونے لگیں اور جس سیارے کا حجم اور بعد آفتاب سے معلوم ہوا تو قاعدے کے موافق بغیر مدد آلات کے اس کی حرکت کی سرعت اور دورہ کی مدت بھی معلوم ہوگئی اور جب آلات کے ذریعے سے اس بات کو معلوم کیا تو صحیح پایا اور ایسا ہی جب کسی سیارے کی سرعت حرکت اور آفتاب سے بعد آلات کے ذریعے سے معلوم ہوا تو اس کا حجم حساب سے نکل آیا اور جب آلات کے ذریعے سے امتحان کرکے دیکھا تو ٹھیک پایا اس طرح بہت مشاہدوں اور امتحانوں نے ان قواعد طبیعیہ اور ریاضیہ کی صحت اور نظام شمسی کے قیاس کی صداقت یہاں تک ثابت کردی کہ اب کوئی گنجایش شک کرنے کی نہ رہی۔

اب یہ بات یقیناً ثابت ہوگئی کہ آفتاب ایک مرکز کے موافق درمیان میں واقع ہے اور بہت سے سیارے اس کے گرد معین فاصلوں پر اور معین سرعت کے ساتھ دورہ کر رہے ہیں اور چاند زمین سے چھوٹا ہے اس لئے انہیں قواعد کے موافق جو اوپر مذکور ہوئے ہیں زمین کے گرد حرکت کرتا ہے اور کئی سیاروں کے گرد کئی کئی چاند حرکت کرتے ہوئے معلوم ہوتے ہیں۔ غرض اس ایک قوت جاذبہ سے تمام نظام شمسی کا انتظام ہے اور گو یہ نظام بھی کروڑ ہا میلوں کے فاصلے میں واقع ہوا ہے مگر ثوابت اتنے دور ہیں کہ ان کا کچھ حساب ابھی تک نہیں ہو سکا۔ گر پہلے معلومات کی مدد سے یہ قیاس کیا گیا ہے کہ شاید ہر ایک سیاروں میں کا بجائے خود ایک شمس ہے جس کے گرد بہت سیارے اسی طرح سے حرکت کرتے ہیں جس طرح سے ہمارے آفتاب کے گرد بہت سیارے حرکت کرتے ہیں مگر ان کے سیارے زیادہ بعید ہونے کے باعث مشاہدہ نہیں کئے گئے اور نیز یہ بھی قیاس کیا گیا ہے کہ شاید ہمارا آفتاب معہ اپنے سیاروں کے کسی اور بہت بڑے آفتاب کے گرد حرکت کر رہا ہو اور ایسے ایسے اور بہت آفتاب معہ اپنے سیاروں اور قمروں کے اس بڑے اور بے حد فاصلہ والے آفتاب کے گرد حرکت کر رہے ہوں مگر یہ سب قیاس ہیں ابھی تک نظام شمسی سے بڑھکر پوری تحقیق کرنے کا سامان حاصل نہیں ہوا نظام شمسی خود اتنا بڑا ہے کہ ایک زمین کا مدار آفتاب کے گرد اتنا بڑا ہے کہ جس کا قطر ۱۹۰۰۰۰۰۰۰ میل کے قریب ہے اور کئی سیاروں کے مدار اس سے بہت بڑے بڑے ہیں۔ اس سے زیادہ جہانتک نظر گئی ہے اس خالق عالم کی قدرتوں کی بے پایانی نظر آتی ہے۔

اس ایک قوت کشش نے اتنے بڑے عالم کا انتظام مجموعی صورت میں اس طرح کا کیا ہے جو مجملاً اوپر بیان ہوا اسی سے رات دن کا اختلاف موسموں کا تغیر وغیرہ ظہور میں آتا ہے۔

اب کچھ حالات زمین اور چاند اور سورج کے لکھے جاتے ہیں۔ زمین کے انتظام کا بہت بڑا حصہ آفتاب کی روشنی اور حرارت سے ظہور میں آرہا ہے اگر آفتاب کی روشنی اور حرارت زمین پر نہ پہونچتی تو تمام زمین ایک سخت پتھر کے موافق اور غایت درجے کی سرد ہوجاتی

پانی سخت منجمد ہوتا ہوا بھی منجمد ہوتی نہ کوئی ذی روح یہاں پایا جاتا نہ کوئی درخت اگتا نہ کوئی شے سیال ہوتی نہ ہوا قوام رکھتی - اسی آفتاب کی حرارت سے ہوا پانی موسم کا اعتدال وجود میں آیا۔ نباتات اگتی ہیں پرورش پاتی ہیں پختہ ہوتی ہیں۔ حیوانات کا وجود زیادہ بلکہ بالکل نباتات پر منحصر ہے اور کسی طرح سے بلا واسطہ آفتاب کی حرارت اور روشنی پر بھی ہے ظہور میں آیا۔ لاکھوں عدد نباتات جو انسان حیوان اور نباتات کے واسطے ضروری ہیں آفتاب کے اثر سے بواسطہ یا بلا واسطہ پیدا ہوتے ہیں آفتاب کی حرارت حقیقت میں نباتات کی زندگی اور حیوانات کی حیات ہے کیونکہ وسیع تجربات سے اس قسم کے نتائج ثبوت کو پہونچ گئے ہیں جن میں سے کسی قدر یہاں بیان کئے جاتے ہیں -

انسان اور حیوانات جو ہوا میں سانس لیتے ہیں تو ان کے جسموں میں سے سانس کی راہ سے ایک زہریلا فضلا ہوا کی شکل میں نکلتا ہے جس کو کاربانک ایسڈ گیس کہتے ہیں اور یہ فضلہ ایسا مضر ہوتا ہے کہ اگر اس کی کثرت ہوا میں ہوجاوے تو کوئی جاندار زندہ نہ رہے لیکن نباتات اس سے غذا پاتے ہیں - اس فضلہ میں کوئلہ اور آکسیجن ہوا کیمیاوی ترکیب سے ملے ہوئے ہوتے ہیں جن کی تحلیل یعنے ایک دوسرے سے جدا کرنا بہت مشکل ہے لیکن نباتات اپنے مساموں کی راہ سے اس کو جذب کر لیتے ہیں اور نباتات میں ایک مادہ سبز رنگ کا کاوروفیل ہوتا ہے وہ آفتاب کی شعاعوں کی مدد سے اس مرکب کو تحلیل کرتا ہے یعنی اُن میں کے کوئلہ سے غذا اگر کے نمو کرتا ہے اور آکسیجن ہوا کو خارج کر دیتا ہے تب وہ خالص ہوا پھر حیوانات کی سانس لینے میں کارآمد ہوتی ہے جہاں سے یہ کوئلہ کے ساتھ مل کر کاربونک ایسڈ بنکر ہوا میں منتشر ہوتی ہے اور درختوں میں جاکر آفتاب کی شعاع کی مدد سے تحلیل ہوکر کوئلہ درختوں کی غذا ہوتی ہے آکسیجن نکلکر پھر حیوانات کو فایدہ پہونچاتی ہے - اسی سے رد و بدل ہوتا رہتا ہے - لیکن آفتاب کی حرارت کاربانک ایسڈ کے تحلیل کرنے کے وقت خود صرف ہوتی جاتی ہے یعنی نباتات کے اجزا میں ذخیرہ ہوتی جاتی ہے یعنی جو حرارت تحلیل کا عمل کرنے میں خود نباتات کے اجزا میں مخفی ہوتی جاتی ہے نہ باہر نکلتی ہے نہ درخت کو گرم کرتی ہے یہ حرارت آفتاب کے جو نباتات کے جسم میں ذخیرہ ہوتی رہتی ہے بعد میں کئی صورتوں میں ظاہر ہوتی ہے مثلاً

درخت کو جب آگ میں جلاؤ تو جس قدر آفتاب کی حرارت اُس میں ذخیرہ ہوتی ہے اُسی قدر وہ
آگ کی حرارت بن کر ظاہر ہوگی اور اسی حرارت کو انجن میں داخل کر کے حرکت کی صورت میں
بدل سکتے ہیں اور جب غلہ میوہ ترکاری وغیرہ سے انسان اور حیوانات غذا کرتے ہیں تو کئی
صورتیں بدل کر یہ غذا اُن کے خون میں شامل ہوتی ہے اور وہاں جس طرح سے انجن میں لکڑی
جل کر انجن کو گرم کرتا ہے جسم حیوان کی حیوانی حرارت پیدا کرتی ہے اور جس طرح سے وہ حرارت
انجن میں حرکت جسمانی سے تبدیل ہوتی ہے جسم حیوانی میں قوت حس خیال فکر وغیرہ و حرکات
عضلانی میں متبدل ہو جاتی ہے اور جس طرح سے لکڑی جلنے کے بعد اس میں سے فضلات
اُس کے دخان اور خاک کی شکل میں خارج ہوتے ہیں اسی طرح سے جسم حیوان میں سے غذا
جلنے کے بعد کاربانک ایسڈ ہو کر سانس کی راہ سے خارج ہوتا ہے اور باقی فضلات اور راہوں
سے نکلتے ہیں اور جیسے انجن میں لکڑی جلانے کے لیے ہوا کی ضرورت ہوتی ہے اسی طرح سے
جسم حیوان میں غذائی اجزا جلانے کے لیے ہوا میں سانس لینے کی ضرورت ہوتی ہے۔ غرض
آفتاب کی حرارت انجنوں میں حرکت کی صورت میں بدلتی ہے نباتات میں ان کی قوت طبعی
بن جاتی ہے حیوانات میں قوت حیوانی نفسانی اور طبعی کی صورت پکڑتی ہے علاوہ اس کے
قوت برقی کیمیاوی حرارت روشنی وغیرہ سب آفتاب کی شعاعوں کی مختلف صورتیں
ہیں۔

چاند کے بہت فوائد ابھی تحقیق نہیں ہوئے مگر جس قدر معلوم ہوئے ہیں ان میں
سے چند کا بیان کرنا یہاں مناسب ہے رات کو چاند سورج سے روشنی لے کر اس کو زمین پر
منعکس کرتا ہے جس کے سبب انسان و حیوان رات کو بھی کاروبار کرنے سے محض تاریکی
کے باعث مجبور نہیں رہتے۔ سمندر کا مد وجزر بھی چاند کی کشش سے ہوتا ہے جس کے
فوائد بہت بڑے ہیں جو سمندر کے پانی کی حرکت سے حاصل ہوتے ہیں اور چاندنی میں
میوے بھی خوب پختہ ہوتے ہیں۔

زمین پر جو موجودات ہیں ان کے طبعی خواص بھی بڑی بڑی حکمتیں ظاہر کرتے ہیں
تمام اجسام کی یہ خاصیت ہے کہ حرارت سے پھیلتے ہیں اور خفیف ہو جاتے ہیں اور

برودت سے کثیف اور ثقیل ہوجاتے ہیں مگر اجسام کا لطیف اور کثیف ہونا تو حرارت
کی کمی بیشی پر موقوف ہے اور ثقیل اور خفیف ہوجانا اجسام کی قوت کشش کے خاصہ کا نتیجہ
ہے پانی کا خلاف عام قاعدے کے یہ خاصہ ہے کہ جب اس قدر سرد ہونے لگتا ہے کہ
منجمد ہوجانے کے قریب ہو تو اور منبسط اور خفیف ہوجاتا ہے اس میں بہت بڑی حکمت ہے
وہ یہ ہے کہ جس طرح لاکھوں جانور ہوا میں رہتے ہیں اسی طرح سے لاکھوں حیوانات پانی میں
رہتے ہیں اگر سردی سے جھیلیں دریا اور سمندر ہمیشہ منجمد ہوجایا کریں تو یہ آبی حیوانات بالکل تباہ
ہوجائیں۔ لیکن جب موسم سرما کی سردی پانی کی سطح کو سرد کرنے لگتی ہے تو عام قاعدے کے
موافق سطح کا پانی ثقیل ہوکر نیچے جانے لگتا ہے اور نیچے کا گرم پانی اس سے خفیف ہونے
کے باعث اوپر آجاتا ہے اور جب یہ پانی اور زیادہ سرد ہوتا ہے تو ثقیل ہوکر پھر نیچے جاتا ہے
اور نیچے کا پانی اوپر آجاتا ہے اسی طرح سے ہوتے ہوتے تمام اوپر نیچے کے پانی کی حرارت
یکساں ہوجاتی ہے اور اب اس سے زیادہ سرد ہو تو منجمد ہونے کو ہوتا ہے مگر اس وقت جب
اس کی برودت اس درجے تک پہونچ جاتی ہے تو دوسری خاصیت ظہور میں آتی ہے یعنی جتنا
زیادہ سرد ہوتا ہے اتنا ہی خفیف ہوکر سطح پر رہتا ہے یہاں تک کہ منجمد ہوجاتا ہے اور نیچے
کا پانی سیال رہتا ہے اور جس قدر حرارت اس میں باقی ہے اس کو خارج نہیں ہونے دیتا اس لیے
حیوانات آبی نیچے زندہ اور محفوظ رہتے ہیں ۔

جب کہ سطح زمین کا زیادہ حصہ پانی سے ڈھکا ہوا ہے اور بہت خشکی کے حصے پانی سے
ایک دوسرے سے علیحدہ ہیں تو پانی کو اتنا ثقیل بنادیا کہ کشتی اس پر تیر سکے اور انسانوں کو
تجارت اور سفر کرنا اس کی سطح پر سہل ہوجائے اگر ایسا نہ ہوتا تو آدمیوں کی جماعتیں علیحدہ
علیحدہ زمین پر آباد ہوتیں اور ایک جماعت کو دوسری جماعت سے کچھ تعلق نہ ہوا کرتا تو تمدنی
حالت میں بڑا نقص اور فتور واقع ہوتا مگر پانی کے ثقل کی خاصیت نے یہ تمام دقتیں رفع
کردیں اور اب چونکہ انسانی نوع میں ترقی نظر آرہی ہے اس کا زیادہ حصہ بحری اور نہری
سفروں کی سہولت سے حاصل ہوا ہے اور چونکہ پانی کا سیال ہونا آفتاب کی حرارت پر موقوف
ہے اس لیے یہ نعمت بھی انسان کو آفتاب کی بدولت حاصل ہوئی ۔

آفتاب کی حرارت جب پانی کو گرم کرتی ہے تو پانی ہوا کی صورت میں ہو کر اڑتا ہے
اور طبقۂ زمہریر تک پہونچ کر سرد ہو کر پانی کے ذرات میں بدل کر بادلوں کی شکل میں ہو جاتا ہے
جب اس طرح کے بخارات کثرت سے جمع ہو جاتے ہیں اور ہوا سے متحرک ہوتے ہیں
تو ان میں بجلی کی طاقت پیدا ہوتی ہے جس کے سبب نیچے اوپر کے بادلوں میں کشش
پیدا ہو جاتی ہے اور اس کشش کے ذریعے سے دور دور سے بخارات آکر جمع ہو جاتے
ہیں اور بہت بہت ذرات پانی کے جمع ہو کر قطرات بن جاتے ہیں جو وزنی ہونے کے
باعث زمین کی طرف نزول کرنے میں تب بارش ہوتی ہے لیکن یہ بھی قانون قدرت ہے
کہ جس زمین میں نباتات زیادہ پیدا ہوتی ہے وہاں بارش زیادہ ہوتی ہے اور بنجر جنگلوں میں بہت
کم یا بالکل نہیں ہوتی اگرچہ اس کی وجہ ابھی تک ٹھیک معلوم نہیں ہوئی مگر غالباً نباتات
کے برقی خواص کو اسی قاعدے میں دخل ہوگا چوں کہ آفتاب کی حرارت سے پانی کے بخارات
اوپر جاتے ہیں اور بجلی کی کشش سے جمع ہو کر اور ہواؤں کی حرارت کے ساتھ کہیں کے کہیں
پہونچ کر برستے ہیں اور یہ تمام عالم نباتات کی پرورش کرتا ہے جو نباتات حیوانات کی غذا
سکونت وغیرہ بہت ضرورتوں میں کام آتے ہیں۔ اس طرح بھی آفتاب ہی اس عالم کے انتظام
اور حیات کا بڑا جزو اعظم یا واسطہ ہے ۔

بہت قسم کے اجسام عرضی پانی میں حل ہو کر نباتات کی جڑوں کے مساموں میں سے
جذب ہو کر ان کی رگوں کی راہ سے پتوں تک پہونچتے ہیں اور درخت کو غذا پہونچاتے ہیں
اور حیوانات کے فضلات حیوانی ان اجزاے ارضی کے حل کرنے میں مدد دیتے ہیں اور
حیوانات ہوائی فضلات کاربانک ایسڈ امونیا وغیرہ کی شکل میں ہو کر ہوا میں مل جاتے ہیں
وہ پتوں کے مساموں کی راہ سے اندر جا کر آفتاب کی شعاعوں کی مدد سے نباتات کو غذا
پہونچاتے ہیں جیسے پہلے بیان ہو چکا ہے اس سے معلوم ہوا کہ جیسے انسان و حیوان کا
وجود نباتات کے وجود پر موقوف ہے اسی طرح سے نباتات کا وجود حیوانات کے وجود
پر موقوف ہے ۔

نباتات اپنی قوت طبعی کے ذریعے سے اجزاے ارضی اور فضلات حیوانی کے

مادے سے بواسطہ شعاع آفتاب غذا لے کر بڑھتے میں پھولتے ہیں اور پھیلتے ہیں اور آیندہ نسل پیدا کرنے کے لئے تخم پیدا کرتے ہیں جس کے زمین پر پھیلانے کے لیے صانع مطلق نے عجیب عجیب سامان مہیا کئے ہیں۔ بعض تخم ایسے ہیں کہ ان میں پیریا بڑے بڑے بال لگا دیے ہیں جن کے سبب ہواؤں سے اڑ کر دور دور پہونچتے ہیں اور جہاں کہیں اپنے موافق زمین پاتے ہیں وہیں اگ آتے ہیں۔ بعض پھلوں کو پرندے کھا کر کہیں دور جگہ بیٹھا کرتے ہیں تو بیج ان کے شکم سے ثابت نکل کر زمین پر گرتے ہیں وہاں جم آتے ہیں۔ علاوہ اس کے اور ہزاروں تدبیریں ان کی نسل پھیلانے اور قایم رکھنے کی منتظم قدرت نے قایم کی ہیں۔

بعض بیلیں دوسرے درختوں پر چڑھکر پرورش پاتے ہیں اور ان میں باریک تار سے پیدا ہوتے ہیں اور چاروں طرف حرکت کرتے رہتے ہیں جب ان کو کوئی شاخ یا سہارا ملتا ہے اس پر لپٹ جاتے ہیں تب آگے اس بیل کی اور شاخ پھوٹتی ہے پھر اس میں سے تار پیدا ہوتی ہے اور کسی دوسری تار پر پہنچتی ہے۔ اسی طرح بڑے بڑے بلند درختوں کی چوٹی تک چڑھ جاتی ہے۔

بعض نباتات کیڑوں سے بھی غذا کرتے ہیں ان کے پتوں میں ایک ایسی قدرتی طاقت ہوتی ہے کہ جب کوئی کیڑا یا مکھی اس پتے پر بیٹھے تو فوراً مثل انسان کی طرح وہ پتہ بند ہوجاتا ہے اور کیڑا اندر ہی اندر اس کی غذا ہوجاتا ہے۔

درختوں میں بھی نر و مادہ ہوتے ہیں اور جب تک ان کا اتصال نہ ہو پھل اور تخم پیدا نہیں ہوتا۔ لیکن نر و مادہ کے لحاظ سے درختوں کی بہت اقسام ہیں بعض میں تو نر درخت علیحدہ ہوتا ہے اور مادہ درخت علیحدہ۔ نر درخت کے پھول میں صرف نر مادہ ہوتا ہے اور مادہ درخت کے پھول میں مادین اعضا ہوتے ہیں اور نر مادہ یا تو ہوا کے ذریعے سے اڑکر مادین اعضا تک پہونچتا ہے اور یا چھوٹے پردار کیڑے اول پھول پر بیٹھتے ہیں بعد میں مادین پھول پر آتے ہیں اور اس طرح سے نر مادہ جو ان کے جسم سے لگ جاتا ہے وہ مادین پھول میں آکر داخل ہوتا ہے۔ تب وہ پھول حاملہ ہوکر پھل لاتا ہے اور تخم پیدا کرتا ہے گر نر درخت میں پھل

میں بڑی مدد دیتے ہیں خوب صورتی بھی تمام اعضاے میں سے آنکھ سے زیادہ ظاہر ہوتی
ہے اور چونکہ اس آنکھ کی بناوٹ اُس کے اجزا کی نزاکت کو لازم پکڑتی ہے تو اس کو ایسے
مضبوط استخواں کے نماو میں موضوع کیا ہے کہ عام صدمات سے محفوظ رہے اور اُس کو حرکت
کی طاقت بھی ایسی ملی ہے کہ سامنے دائیں بائیں نیچے اوپر ہر طرف حرکت کر کے دیکھ سکتی
ہے اور نیچے اوپر دو پلکوں کے کواڑ ایسے لگا دیئے ہیں کہ ہر وقت کھلتے اور بند ہوتے رہتے
ہیں کسی مضر شے کے قریب آنے پر اتنی جلدی بند ہوتے ہیں کہ طرفۃ العین کی سرعت
ضرب المثل ہو گئی ہے۔ اب آنکھ کی ساخت پر غور کرو تو عجیب حکمتیں نظر آتی ہیں۔ آنکھ
کا ڈلا جس کو حدقہ کہتے ہیں ایک مضبوط اور ملایم جھلی کا کرہ ہے جو درمیان میں سے خالی
ہے اس کرے میں باہر سامنے کی طرف ایک شفاف پردہ لگا یا گیا ہے جس میں سے روشنی
کے سوا اور کوئی شے نہیں گذر سکتی اور وہ شفاف اس درجہ کا ہے کہ دنیا میں اُس سے
بڑھ کر کوئی شے شفاف نہیں ہو سکتی اس پردے کو قرنیہ کہتے ہیں قرنیہ کے پیچھے ایک اور
پردہ ہے جو مختلف آنکھوں میں مختلف رنگوں کا ہوتا ہے مگر غالب اُس میں سیاہی یا سبزی
یا نیلگونی ہوتی ہے اور چونکہ قرنیہ بالکل شفاف ہوتا ہے اس لیے اُس پردے کا رنگ اُس
میں سے نظر آیا کرتا ہے اور اس پردے کے درمیان ایک گول سوراخ ہوتا ہے اور اُس میں
سے روشنی آنکھ کے اندر جاتی ہے اس سوراخ دار پردے کو عنبیہ کہتے ہیں قرنیہ اور عنبیہ کے
درمیان ایک غلیظ شفاف رطوبت ہے اور اس رطوبت اور عنبیہ کے پیچھے ایک منجمد رطوبت
ہے جو عینک کے محدب شیشے کی شکل کی ہوتی ہے جس کی ضرورت اور فوائد کے بیان کا یہاں
موقع نہیں ہے کیونکہ اُس کے خواص کا سمجھنا علم مناظرہ و مرایا کی واقفیت پر موقوف ہے۔
اس کے پیچھے ایک اور رطوبت ہے اس کے پیچھے ایک پردہ ہے جس پر روشنی کی شعاعیں
سامنے کے اجسام کی تصویر بناتی ہیں اور اس تصویر کی حس دماغ کو ہوتی ہے تب شے
مرئی دیکھی جاتی ہے عکس کی تصویر کھینچنے میں بالکل آنکھ کے طریق عمل کی نقل کی جاتی ہے
تب عکس کی تصویر کالے پردے پر شعاعوں کے ذریعے سے بنتی ہے۔ پردہ عنبیہ جس میں
پتلی کا سوراخ ہوتا ہے اس کی ایک عجیب خاصیت ہے یعنی جہاں روشنی زیادہ ہوتی ہے

وہاں پتلی کا سوراخ تنگ ہو جاتا ہے تا کہ ضرورت سے زیادہ شعاعیں آنکھ میں داخل ہو کر پچھلے پردے کو تکلیف نہ دیں اور جس مکان میں یا جس وقت روشنی کم ہوتی ہے اُس مکان میں جانے پر یا اُس وقت باریک میں پتلی فراخ ہو جاتی ہے تا کہ اتنی زیادہ روشنی آنکھ میں داخل ہو کہ سامنے کی روشنی کی تصویر پچھلے پردے پر بن جائے تا کہ محسوس ہو سکے اسی لئے جب کوئی شخص موسم گرما میں دروازے بند کر کے سوتا ہے اگر دفعتہً اُٹھ کر باہر دھوپ میں آ جائے تو باہر کی روشنی آنکھ میں چبھتی ہے اور چکا چوند لگتی ہے مگر تھوڑی دیر میں پتلی تنگ ہو جاتی ہے تب وہ تکلیف نہیں ہوتی اور جب کوئی شخص دھوپ میں سے چلا آیا ہو اور دفعتہً تاریک مکان میں آ جائے تو اُس کو کچھ نظر نہیں آتا کیوں کہ اُس کی پتلی باہر کی زیادہ روشنی میں تنگ ہوئی ہوئی تھی اب اندر کی کم روشنی اتنی آنکھ میں داخل نہیں ہو سکتی جس سے ٹھیک تصویر بن سکے مگر تھوڑی دیر میں پتلی فراخ ہو جاتی ہے اور تب اُس کو اندر مکان میں بھی اچھا نظر آنے لگتا ہے۔ اگرچہ پتلی کا تنگ اور فراخ ہونا انسان اور ہر ایک حیوان کی آنکھ میں دیکھا جاتا ہے۔ مگر بلی کی آنکھ میں یہ تفاوت بہت ظاہر ہوتا ہے دوپہر کے وقت بلی کی آنکھ کی پتلی ایک باریک تاگے کے موافق ہوتی ہے مگر رات کو چراغ کے سامنے دیکھے تو انسان کی پتلی سے زیادہ فراخ اور گول ہوتی ہے اور بالکل تاریکی میں اس سے زیادہ فراخ ہوتی ہوگی۔ جبھی تو بلی اندھیرے میں شکار کر لیتی ہے۔

انسان اور حیوان کے اجسام میں صحت اور زندگی کے قایم رہنے کے لیے ایک درجہ کی حرارت کا ہونا ضروری ہے جو بدن میں غذا کے جلنے سے پیدا ہوتی ہے لیکن بات اور دن اور گرما اور سرما و مختلف سرزمینوں کی مختلف حرارت اور برودت کے درجے بدن کے سرد گرم ہونے میں بڑا اثر رکھتے ہیں اگر کوئی خاص قدرتی تدبیر بدن کو مناسب درجے کی حرارت پر قایم رکھنے کے لئے نہ ہوتی تو زندگی محال ہو جاتی مگر وہ قدرتی تدبیر سب حیوانوں میں جن کو حرارت کی ضرورت ہے پائی جاتی ہے۔ مثلاً انسان کے بدن کی حرارت طبعی ۹۸ درجہ کی ہونی چاہیے صحت میں ہمیشہ اسی قدر رہتی ہے خواہ باہر کی ہوا

اتنی سرد ہو کہ پانی کو منجمد کر دے یعنی ۳۲ درجے تک پہنچ جائے نہ زیادہ گرم ہو یعنی ۱۲۰
درجے اگر سردی زیادہ ہوگی تو اشتہا اور ہاضمہ قوی ہوگا غذا زیادہ کھائی جائے گی جس سے
زیادہ حرارت پیدا ہو اور جسم کے مسامات بند ہو جائیں گے تاکہ اندر کی حرارت نہ جائے اور
جو موسم زیادہ گرم ہوگا تو اشتہا کم اور ہاضمہ ضعیف ہو جائے گا اور مسام کھل کر عرق اتنا
آئے گا کہ وہ بدن کو سرد کرتا رہے گا تاکہ حرارت بدن ۹۸ درجے سے بڑھنے نہ
پائے ۔

یہاں تک جو موجودات عالم کے حالات بیان کئے گئے ہیں وہ بہت مختصر اور عام فہم
لکھے گئے ہیں تاکہ ہر ایک پڑھنے والا ان کو سمجھ سکے اور ورنہ زیادہ باریک بینی سے اور بڑے
عجیب تماشے قدرت کے نظر آتے ہیں لیکن ان باریک باتوں کو علوم طبیعیہ وغیرہ کے
ماہروں کے سوا ہر ایک شخص نہیں سمجھ سکتا اور چونکہ اس زمانے میں حالات موجودات معلوم
ہوئے ہیں ان کا لاکھواں حصہ بھی کسی چھوٹی کتاب میں نہیں لکھا جا سکتا یہاں تو صرف
نمونے کے طور پر انتظام عالم کا طریق دکھلایا گیا ہے تاکہ اس پر غور کرنے سے قرآن کے
استدلال کی صداقت سمجھ میں آجائے لیکن ابھی ایک ضروری حصہ حالات موجودات کا باقی
ہے جس کے سمجھنے کے بغیر کبھی استدلال سمجھ میں نہیں آتا وہ انسان کی روحانی صفات ہیں انکا
مفصل لکھنا تو اس رسالے میں گنجائش نہیں رکھتا مگر بقدر ضرورت موقع مختصر طور پر بیان کیا
جاتا ہے

انسان میں علاوہ قوت نامیہ کے جو نباتات میں بھی پائے جاتے ہیں اور علاوہ قوت
حیوانی کے جو درحقیقت حیوانات میں بھی پائے جاتے ہیں ایک قسم کی اور قوتیں ہیں جن کے
باعث یہ تمام مخلوقات سے اشرف ہے ایک قوت ذہنی اور دوسری قوت اخلاقی اگرچہ یہ دونوں
حیوانات کی فطرت میں کسی قدر پائی جاتی ہیں مگر انسان میں جس درجہ کمالیت
کو یہ پہنچی ہیں حیوانات کو ان سے کچھ بھی نسبت نہیں قوت ذہنی انسان کے علم حاصل
کرنے کا ذریعہ ہیں تو اسے اخلاقی اس کے صدور افعال کے محرک ہیں جب کسی بات کا علم
انسان کو حاصل ہوتا ہے تو اس سے کوئی قوت اخلاقی پیدا ہوتی ہے اور وہ قوت اخلاقی

کسی فعل کے ظہور کا موجب ہوتی ہے۔ مثلاً جب انسان کو اس بات کا علم حاصل ہو کہ کل کو کوئی میرا دشمن یہاں آنے والا ہے تو یا تو اُس [illegible] پیدا ہوگا اور اپنی حفاظت کی کوئی تدبیر کرے گا اور یا غصہ جوش میں آئے گا اور انتظام لینے کا بندوبست کرے گا اُس کو پہلے علم قوت ذہنی سے حاصل ہوا اس علم سے خوف یا غصہ [illegible] قوت اخلاقی تحریک میں آئی اس اخلاقی تحریک سے کسی قسم کا فعل ظہور میں آئے گا اسی طرح سے انسان کے تمام افعال کا یہی قاعدہ ہے کہ پہلے علم حاصل ہوتا ہے جس سے کوئی جذبہ پیدا ہوتا ہے تب اس سے کوئی فعل صادر ہوتا ہے۔ علوم دو قسم کے ہیں ایک بدیہی دوسری نظری یا فکری بدیہی علوم تو وہ ہیں جو بغیر فکر کرنے کے حاصل ہوتے ہیں جیسے محسوسات کا علم ہے اور بدیہیات کے ذریعے سے نظری علوم حاصل ہوتے ہیں اور ان کے حاصل کرنے کے قواعد سے منطق میں بحث کی جاتی ہے۔ لیکن چند علوم ضروری یا فطری ہیں جن کے بغیر نہ بدیہی علوم حاصل ہوتے اور نہ نظری علوم حاصل ہو سکتے بلکہ یہ دونوں قسم کے علوم انہی پر مبنی ہیں [illegible] ان علوم کی تعداد میں اختلاف ہے کہ وہ کون کون سے علوم ہیں لیکن ان میں سے اپنے وجود کا علم جس کو علم حضوری بھی کہتے ہیں [illegible] کہ ہر ایک صفت کے لئے موصوف کا وجود ضروری ہے [illegible] اور ہر جو شے حواس خارجی سے محسوس ہوتی ہے اس کا وجود خارج میں ہے۔ [illegible] فطری علوم ہیں اور ہر ایک معلول کے لئے کسی علت کا وجود ہونا ضروری ہے اور قانون قدرت کی وحدت [illegible] ہے یعنی جو علت آج کسی معلوم کا باعث ہے [illegible]

* نوٹ۔ مثلاً جب کسی شے کو ہم محسوس کرتے ہیں ہم کو صرف اُس کی صفات کا علم حاصل ہوتا ہے۔ لیکن ہم کو صفات سے [illegible] کے وجود کا یقین ہو جاتا ہے جیسے ایک درخت کو ہم نے دیکھا تو اُس کا رنگ بلندی پھیلاو سختی نرمی وغیرہ معلوم ہوئیں یہ تمام صفات ہیں۔ لیکن ان صفات کے علم سے اُس موصوف کے وجود کا علم ہو جاتا ہے جس کی یہ صفات ہیں علیٰ ہذالقیاس جتنی موجودات کا علم انسان کو ہوتا ہے۔ براہ راست تو صرف صفات کا علم ہوتا ہے۔ اور اُن کے ذریعے سے طبعاً موصوف کے وجود کا علم آ جاتا ہے۔ ۱۲۔ راقم۔

زمانہ ماضی اور زمانہ استقبال میں اُس معلول کا باعث ہوگی یہہ دونوں تصدیقیں بھی ہر ایک انسان کی فطرت میں پائی جاتی ہیں گو اُن کے استعمال میں کسی وجہ سے غلطی واقع ہو جائے ۔

اس کے سوا دو تصدیقیں اور بھی ایسی یقینی اور بدیہی ہیں کہ گو اُن کو کوئی شخص فطری تسلیم نہ کرے مگر انسان کو یقین اور اطمینان دلانے کے واسطے قطعاً کافی خیال کی جاتی ہیں - ایک یہ کہ جس امر پر تمام افراد انسانی کا اتفاق رائے ہو وہ امر صحیح ہے اور دوسرے جس امر پر ہر ایک شخص کا وجدان شہادت دے وہ صحیح ہے ۔

اب آیات مذکورہ بالا پر غور کرو اور دیکھو کہ کیسے خوب صورتی اور استحکام اور صحت کے ساتھ قرآن میں خدا کے وجود اور اُس کی توحید پر استدلال کیا گیا ہے کہ جن کے قطعی اور صحیح ہونے سے کوئی منصف تامل کرنے والا انکار نہیں کرسکتا ۔

ایک شہادت تدبیر ایسے قرآن میں پیش کی گئی ہے کہ وہ ایک ہی شہادت ایک ایسے علت العلل کے وجود پر شہادت دیتی ہے کہ جس کا علیم حکیم اور قدیر ہونا بھی ساتھ ہی ساتھ ثابت ہو جاتا ہے ۔

اگر کوئی شخص کسی ویرانہ میں خواہ سمندر کے درمیان کسی چھوٹے سے جزیرے میں ایک مکان کسی ایک پتھر سے تراشا ہوا دیکھے جس کے مانند اُس نے کبھی نہ دیکھا ہو - مگر اُس میں رہنے سونے اور کھانا پکانے کی کوٹھریاں اور چھت پر چڑھنے کا زینہ وغیرہ سامان اس طرح کا پائے جو اُن کی سکونت کے لئے ضروری اور مفید ہے - اگرچہ وہاں اُس وقت کوئی آدمی موجود نہ ہوں گے گرد نواح میں بھی کوئی شخص نہ ہو تاہم اس کے دیکھنے والے کو یقین ہو جائے گا کہ یہ مکان کسی انسان کا بنایا ہوا ہے ہرگز اس میں شک نہیں کرے گا - اس یقین کی وجہ یہ ہے کہ اُس کو فطرت اور تجربہ سے اس بات کا علم ہے کہ کوئی باتدبیر کام بغیر علم عقل قدرت اور ارادے کے ظہور میں نہیں آیا کرتا اور وہ جانتا ہے کہ زمین کے تمام مخلوقات میں سے صرف انسان یہ قوتیں رکھتا ہے - اس لئے اس طرح کے موقع پر اُس کو یقین ہوتا ہے کہ یہ کام انسان کا ہے کیونکہ باتدبیر کام سے یہ مراد

کہ ایک فعل کے کرنے میں ایسے وسایل استعمال کئے جائیں اور ایسے سامان مہیا کئے جائیں جو اُس فعل کی غرض حاصل کرنے سے مناسبت اور تعلق رکھتے ہیں اور چونکہ انسان کو اپنے نفس کا علم یقینی ہے اور اس کی صفات کو بغیر تامل کے جانتا ہے اور اپنے فعلوں کی ماہیت کو جانتا ہے تو اس قسم کے فعل کا پتہ جہاں کہیں اُسکو لگتا ہے تو اس فعل کو انسان یا نفس انسانی کی طرف منسوب کرتا ہے اگرچہ حیوانات سے بعض فعل بھی اُن کی ضرورتوں کے موافق باتدبیر ہوتے ہیں مگر اُن پر غور کرنے سے ظاہر ہوتا ہے کہ یہ حیوانات اس کام کرنے کے لایق علم و عقل وغیرہ انسان کی طرح سے رکھتے ہیں یا نہ۔ وہ عقلمند ہو تو یقین کرتا ہے کہ یہ فعل حیوان کے نفس سے صادر نہیں ہوتا بلکہ ملہم کوئی عقلمند نفس ان سے کراتا ہے غرض تدبیر فعل کے صدور کے لئے جو عقل وغیرہ کی ضرورت مانی ہوئی ہے تو جہاں کہیں اور جب کبھی ایسا فعل دیکھا جاوے گا تو ضرور اُسکا فاعل صفات بالا سے موصوف یقین کیا جائیگا۔ اس زمین کے چھوٹے چھوٹے کاموں کا تو یہ حال ہے مگر جب انسان زمین و آسمان اور بارش اور دوسری موجودات عالم میں تدبر کرتا ہے تو سب کو باتدبیر پاتا ہے تب اُسی معلوم قاعدہ کے موافق یقین کرتا ہے کہ اُس کا بنانے والا بھی کوئی نفس علیم و حکیم قدیر ہے احوال عالم پر غور کرنے کے بعد یہ نتیجہ بے اختیار اُس کے ذہن میں آجاتا ہے اور اسپر یقین کئے بغیر نہیں رہ سکتا اور واقع میں یہ سچا نتیجہ اور سچا علم ہے اور چونکہ موجودات عالم پر جہاں تک اُسکی نظر پہنچتی ہے کہیں اس کی حد نہیں پاتا تو یہ بات بھی بے تامل اُس کے ذہن میں آجاتی ہے کہ جیسے یہ موجودات عالم بے حد ہیں ویسے ہی اُن کا صانع نفس بھی اپنی صفات میں غیر محدود ہے۔

پہلی تدبیر کی شہادت ایسی قوی ہے کہ اُس کے معارضہ میں آجتک کوئی دلیل کسی کو معلوم نہیں ہوئی البتہ بعض زمانہ حال کے فلاسفروں نے ایک خیال پیش کیا ہے کہ ممکن ہے کہ ابتدا میں کچھ سادی صنعت کی چیزیں جن میں کوئی تدبیر نہیں پائی جاتی ہو بغیر کسی مدبر کے پیدا ہو گئی ہوں ان میں سے جو چیزیں قابل زندگی رہنے کی تھیں باقی رہ گئی ہوں اور باقی سے آئندہ ترقی ہوئی اور بتدریج ایسی مخلوقات پیدا ہوئی جن میں سامان وجود کا کمتی موزوں ہوتا گیا اور بہتر موجودات ترقی کرتی گئی یہاں تک کہ موجودہ عالم نمود میں آگیا لیکن اُس قوی شہادت کے مقابلہ میں جو اوپر بیان کی گئی ہے ایسا خیال کچھ وقعت نہیں رکھتا اسی قسم کی شہادتوں کی طرف قرآن میں اشارہ ہے آسمان اور زمین اور

دوسری موجودات میں نشان ہیں خدا کے پہچاننے کے عقلمندوں کے لئے چنانچہ اسطرح کی چند آیات کا ترجمہ پہلے بیان کیا گیا ہے۔

دوسری دلیل علت کی تفتیش سے پیدا ہوتی ہے جو وجود صانع پر بڑی پختہ شہادت ہے وجہ یہ ہے کہ ہر ایک انسان کی فطرت میں اس بات کا یقین ہے کہ ہر ایک تغیر اور حدوث کے لئے کوئی علت ہونی چاہئے مگر اس جہان میں جو علتیں دیکھی جاتی ہیں وہ خود متغیر اور دوسری علتوں کے معلول ہوتی ہیں اسی طرح سے سلسلہ علت و معلول کا زمانہ ماضی کیطرف کو لئے چلے جاؤ تو کہیں ختم ہوتا نظر نہیں آتا کیونکہ اول سے جو علت خیال کی جاے بسبب اُسکے متغیر اور حادث ہونے کے اُسکے لئے بھی کوئی علت تلاش کرنی پڑے گی جبتک کوئی علت ایسی خیال نہ کی جاے جو غیر حادث اور غیر متغیر ہو تب تک سلسلہ علت و معلول کا کہیں ختم نہ ہوگا اور تسلسل لازم آے گا اور تسلسل فطری عقل کو ایسا محال معلوم ہوتا ہے جیسا محض عدم سے وجود ہو جانا محال معلوم ہوتا ہے اس لئے یہ یقین کرنا پڑتا ہے کہ ایک ہستی اس طرح کی موجود ہے جس میں حدوث اور تغیر کو گنجایش نہیں ہے وہی علت العلل ہے اس دلیل کی طرف اُن تمام آیات میں اشارہ ہے جہاں حوادث کو خدا کے وجود کی نشانیاں بتایا گیا ہے۔

تیسری دلیل بھی اسی علت کی ضرورت سے پیدا ہوتی ہے جیسے دنیا میں جو علت معلول قرار دیئے جاتے ہیں جب اُن میں غور کرو تو کوئی بھی معلول کی علت معلوم نہیں ہوتی کیوں کہ جن واقعات میں توالی لازمی دیکھی گئی ہے اُن میں سے پہلے وقوعہ کا نام علت رکھدیا ہے اور دوسرے کا معلول مثلاً گرمی پانی کے بخار بنانے کی علت کہی جاتی ہے مقناطیس کا لوہے کے قریب آنا جذب کرنے کی علت ہے شیشے یا لاکھ کے ٹکڑے کو اون یا ریشم کے کپڑے سے رگڑنا ان میں بجلی پیدا کرنے کی علت کہا جاتا ہے یا نر و مادہ کا جمع ہونا نسل کے پیدا کرنیکا سبب خیال کیا جاتا ہے علی ہذا القیاس تمام علت و معلول کے سلسلہ میں صرف یہ بات دیکھی جاتی ہے کہ ایک وقوعہ پہلے ہوتا ہے دوسرا اُس کے بعد ہوتا ہے گر صرف اتنا معلوم ہونے سے علت کی فطری تفتیش ختم نہیں ہو جاتی کیونکہ پھر بھی یہ سوال باقی رہتا ہے کہ دو جسموں کے رگڑنے سے بجلی کیوں پیدا ہوی مقناطیس کے قریب آنے سے لوہا کیوں جذب ہوا تو اُسکا

جواب صرف ظاہر میں حکمانے یہ دیا ہے کہ یہ آثار ان اشیاء کے خواص قدرتی ہیں جس کے یہ معنے ہیں کہ ہم اُسکو نہیں جانتے اور اس طرح کے سوالوں کا وہ لوگ ہمیشہ یہی جواب دیتے ہیں کہ فلان شے میں ایسی قوت ہے یا فلان شے کی یہ خاصیت ہے لیکن جب دریافت کرو کہ وہ قوت یا خاصیت کیا ہے تو سوائے لاعلمی کے کچھ جواب نہیں ملتا مگر غور کرنے والے سمجھ جاتے ہیں کہ بس وہی شے جو حواس سے پوشیدہ ہے مگر فطری تفتیش نے اس کا نام قوت یا خاصہ رکھا ہے یہی تو علت تامہ ہے جسکے آثار کو حواس ادراک کرتے ہیں اور اس مدبر کو دل پہچانتا ہے اور اسی کا نام خدا ہے وہی حی قیوم ہے جو کبھی سوتا ہے نہ تھکتا ہے۔

اسی دلیل کی طرف ان آیتوں میں اشارہ ہے بھلا دیکھو جو تم بوتے ہو تم اُسکو اگاتے ہو یا ہم اگاتے ہیں۔ بھلا دیکھو تو پانی کو جو تم پیتے ہو کیا تم نے اسکو اتارا ہے ابر سے یا ہم اتارتے ہیں۔ بھلا دیکھو تو آگ کو جو تم جلاتے ہو کیا تم نے اُس کے درخت کو پیدا کیا ہے یا ہم کرتے ہیں اور بھی ایسی آیتیں ہیں جن سے ثابت ہوتا ہے کہ جو کچھ ہم کرتے ہیں خواہ ظاہر اسباب سے اس میں ہم سبب ہوتے ہوں لیکن اصل میں سوا اس علت العلل کے کوئی بھی کافی سبب نہیں۔

چوتھی دلیل توحید کی ہی موجودات عالم پر غور کرنے سے پیدا ہوتی ہے جیسے اوپر بیان کیا گیا ہے کہ سیارات کا انتظام قوت کشش کے ذریعہ سے ہے اور زمین کے نباتات [illegible] حیوانات۔ اسباب سماوی سے مربوط ہیں حرارت آفتاب کس کس طرح موالید ثلاثہ کی حیات کا باعث ہوتی ہے اور تمام مخلوقات ارضی اپنے وجود میں کس کس طرح سے باہم ایک دوسرے کے محتاج ہیں ان باتوں پر غور کرنے سے صاف پایا جاتا ہے کہ اس عالم کا مدبر ایک ہے [illegible] اگر مختلف خالق ہوتے تو ایک کو دوسرے کی مخلوق سے کچھ تعلق نہ ہوتا۔

پانچویں دلیل منطقی شکل میں بیان کی گئی ہے کہ اگر ایک خدا کے سوا کئی خدا زمین آسمان میں ہوتے تو زمین آسمان تباہ ہو جاتے لیکن زمین آسمان تو تباہ نہیں ہوئے اس سے ثابت آیا کہ ایک سے زیادہ خدا نہیں ہیں۔ منطق میں یہ ایک دلیل کی قسم ہے اُسکو قیاس شرطیہ کہتے ہیں اس کی یہ صورت ہوتی ہے کہ شرط و جزا کی شکل میں دو جملے لازم و ملزوم بیان کئے جاتے ہیں اگر اُن میں سے شرط کا وجود پایا جاتا ہے تو جزا کا وجود لازم آجاتا ہے اور اگر جزا کا وجود نہ پایا

جائے تو شرط کا بطلان لازم آتا ہے جیسے کہا جائے کہ اگر آفتاب افق کے اوپر ہے تو دن ہوگا
اور اگر آفتاب افق کے اوپر ہونا ثابت ہو جائے تو اُس وقت دن کا وجود ماننا پڑے گا اور اگر یہ
ثابت ہو جائے کہ دن موجود نہیں ہے تو یقین کرنا پڑے گا کہ آفتاب اُفق سے اوپر نہیں آیا اسی
طرح اگر ایک خدا کے سوا کئی خداؤں کا وجود مانو تو زمین و آسمان کا تباہ ہونا لازم آتا ہے۔ لیکن ہم
بالبداہت دیکھتے ہیں کہ زمین و آسمان تباہ نہیں ہوئے تو معلوم ہوا کہ ایک خدا کے سوا کئی خدا
نہیں ہیں البتہ اس میں لزوم کا ثابت کرنا باقی ہے کہ کئی خداؤں [illegible] سے آسمان زمین کی
تباہی کیوں لازم آتی ہے سو اسکو بھی قرآن نے دوسری آیت میں بتلا دیا ہے کہ اگر کئی خدا ہوتے
تو اپنی اپنی مخلوق کو لیکر علیحدہ علیحدہ ہو جاتے یعنی ایک کی مخلوق کو دوسرے کی مخلوق سے کچھ
تعلق نہ ہوتا لیکن مخلوقات میں غور کرنے سے ہمکو معلوم ہو گیا ہے کہ تمام مخلوقات اپنے وجود
میں ایک دوسرے کے محتاج ہیں [illegible] سے کچھ تعلق نہ ہو تو سب کچھ تباہ ہو جائے
اسلئے پہلے قیاس شرطی کا [illegible] ثابت ہو گیا۔

چھٹی دلیل خدا کے وجود پر یہ ہے [illegible] انسانی کے تمام افراد کے اتفاق رائے کو بیان کرکے
استدلال کیا ہے اور جس امر پر تمام جہان کا اتفاق [illegible] ہے اسکے تسلیم کرنے کو بھی
ہر ایک کا دل آمادہ ہوتا ہے چنانچہ اس قسم کا استدلال ایسی آیات سے ثابت ہوتا ہے
جہاں فرمایا ہے کہ [illegible] کی ہے زمین [illegible] جو کچھ ہے اُس [illegible] بتاؤ اگر تمکو معلوم ہو البتہ
کہیں گے اللہ کی ہے۔ اس طرح کی چند آیتیں اوپر بیان ہوچکی ہیں ان کا مدعا یہ ہے کہ کوئی
شخص کسی مذہب اور رائے کا ہو اس بات کا ضرور اقرار کرتا ہے کہ خالق اس عالم کا ایک ضرور
ہے جسکو عرب اللہ کہتے ہیں جب سب کی رائے یہی ہے تو پھر اس معبود کے ساتھ وہی معاملہ کرنا
چاہئے جو اُسکا حق ہے۔ اس دلیل کی صحت کی وجہ یہ ہے کہ جو شے حواس سے غائب ہو اور
کوئی استدلال قطعی اور شہادت پختہ اس کے ثبوت کے لئے موجود نہ ہو تو اس کی نسبت اختلاف
رائے ہونا ضرور ہے لیکن جس ایسی شے کی نسبت اختلاف رائے نہیں ہے تو ضرور اُس کے لئے
کوئی پختہ شہادت اور دلیل قطعی ہوگی گو ہر ایک شخص کو وہ دلیل معلوم نہو مگر اسکا نتیجہ سب کے
نزدیک واجب التسلیم ہوتا۔ اسوجہ سے یہ چھٹی دلیل بھی خدا پر ایمان لانے کے لئے اور اس ایمان کو

اندازہ کرنے کے لئے کافی ہے۔

ساتویں دلیل وجدان کی شہادت ہے یہ دلیل اتفاق رائے کی دلیل سے بھی قوی ہے کیونکہ اتفاق رائے تو دوسروں کی صحیح شہادت پر بھی ہو جاتا ہے لیکن وجدانی شہادت ہر ایک کی طبیعت سے پیدا ہوتی ہے جس کے تسلیم کرنے پر ہر شخص طبعاً مجبور ہوتا ہے گو جھوٹی تعلیم و تربیت سے کوئی شخص اپنی وجدانیات میں بھی شک کرنے لگ جاسے گر ایسا شک اصلی مدعا کو کمزور نہیں کر دیتا ایسی نظیریں جہان میں بہت گذری ہیں کہ لوگوں نے اپنے نفس کے وجود میں بھی شک کیا ہے گو عقلمندوں کی رائے میں ایسے وہمی لوگ اعتبار کے قابل نہیں ہوتے اگر کوئی شخص کہے کہ وجدانیات کی صحت پر کوئی دلیل نہیں ہے تو یہ بات سچ ہے کیونکہ وجدانیات ایسے بدیہی ہیں کہ اُن کی صحت کے لئے دلیل کی حاجت نہیں ہوی اور نہ کوئی دلیل انپر قایم ہو سکتی ہے اور اگر دلیل کے نہ ہونے سے وجدانیات کی صحت کا انکار کیا جاسے تو جہان میں کوئی علم صحیح نہ ہے کیونکہ سب معلومات کا مرجع آخر کو وجدان کی طرف ہی ہوتا ہے اگر کوئی شخص کہے کہ محسوسات کے خارجی وجود پر کوئی دلیل نہیں ہے اسواسطے اُن کا وجود خارجی ہی تسلیم نہ کیا جاسے تو بس تمام علوم کا یہیں خاتمہ ہو جائے غرض وجدانیات کو ہمیں اسطرح ماننا پڑتا ہے جس طرح ریاضی میں علوم متعارفہ کو مانتے ہیں اگر علوم متعارفہ نہ مانے جائیں تو کوئی مسئلہ اقلیدس کا ثابت ہو نہ حساب کا۔

قرآن شریف نے اس وجدانی شہادت کی طرف اشارہ کیا ہے جہاں فرمایا ہے "آیا کس نے پیدا کیا آسمانوں اور زمین کو اور اوتارا اوپر سے پانی اور پھر اگا سے اُس سے باغ رونق والے تم کو طاقت نہیں کہ تم اوگالو اُس کے درختوں کو آیا کوئی معبود ہے خدا کے ساتھ ؟ بلکہ وہ ایک جماعت ہے کہ بے راہ چلتی ہے "

اسکے بعد کی چند آیتیں اسی مضمون کی اوپر لکھی گئی ہیں یعنی ان باتوں کو تو ہر ایک کا دل مانتا ہے کہ خدا کے ساتھ کوئی معبود نہیں ہے مگر پھر جان بوجھ کر بے راہ ہو جاتے ہیں۔

آٹھویں دلیل سب دلائل مذکورہ سے پختہ معلوم ہوتی ہے جو حق الیقین کے درجہ تک پہنچاتی ہے وہ یہ ہے کہ ہر ایک انسان صفت کے ادراک سے موصوف کے وجود پر ایسا یقین کرتا

ہے کہ صفت کا یقین اُسکے مقابلہ پر ضعیف معلوم ہوتا ہے۔ مثلاً جب ہم ریل گاڑی کی قطاریں جاتی ہوئی دیکھتے ہیں تو اس کی حرکت سرعت رنگ وغیرہ کے ادراک سے ریل گاڑی کے وجود کا یقین کرتے ہیں مگر ان صفتوں سے بڑھکر اُس کے وجود کا یقین ہوتا ہے اس طرح سے جب ہم جہان کی موجودات میں علم حکمت قدرت کے نشان پاتے ہیں تو ان سے علیم قدیر کے وجود کا یقین کرتے ہیں اس موقع پر دہریہ لوگ صرف یہ بات کہکر نیت کرتے ہیں کہ تمام صفات قانون قدرت ہیں اگرچہ حقیقت میں وہ اس بات کے مقر ہو جاتے ہیں کہ کوئی ان صفات کا موصوف اور اس قانون کا مقنن ہے لیکن اُس کے وجود کا بیان سے انکار نہیں کرتے یہ بے انصافی نہیں تو اور کیا ہے۔ تو ایسی بات ہے جیسے کوئی شخص کہے کہ مجھکو اپنا اور دوسری اشیاء کا علم ہے میں سنتا ہوں دیکھتا ہوں کھاتا ہوں پیتا ہوں چلتا ہوں سوتا ہوں اور کام کرتا ہوں مگر یہ سب صفتیں قانون قدرت ہے میں ان صفتوں کے سوا اور کچھ نہیں ہوں بھلا ایسا شخص مخبوط الحواس یا مجنون نہ کہا جائے گا تو اور کیا کہا جائے گا اسی طرح یہ کہنا ہے کہ جہان میں گرمی سردی سختی نرمی روشنی تاریکی طاقت انتظام سب کچھ ہے مگر ان صفتوں کا موصوف کوئی نہیں ہے۔

جسقدر آیات موجودات عالم کو پیش کرنے والی اوپر بیان دی گئی ہیں سب اسی دلیل کی طرف اشارہ کرتی ہیں اور کہیں کہا ہے کہ آسمان میں ہی اللہ ہے اور زمین میں ہی اللہ ہے کہیں فرمایا ہے کہ اللہ نور ہے آسمان اور زمین کا یعنی جس طرح سے ظاہر میں نور مبدء ہوتا ہے ظاہری انکشاف کا اسی طرح سے اللہ سبب ہے تمام انکشاف کا اور کہیں تبلایا ہے کہ وہی اول ہے وہی آخر ہے وہی ظاہر ہے وہی باطن ہے۔ یہ تمام امور اُسی وجود واحد کے ثبوت کی آیات بینات ہیں۔

چونکہ قرآن کا طرز بیان انسان کے طرز بیان سے علیحدہ ہے اس میں انسانی کلام کا یہ خاصہ نہیں پایا جاتا کہ جو عبارت ہو اُس سے ایک ہی مطلب مقصود ہو نہیں بلکہ اُس کی ایک ایک آیت کئی کئی قسم کے دلائل اور اسرار اور نکات رکھتی ہے جو غور اور تامل کرنیوالوں پر واضح ہوتے چلے جاتے ہیں۔

یہاں تک نمونہ کے طور پر تھوڑے سے دلایل قرآنی بیان کئے گئے ہیں جن سے پہلا مقصد مذہب کا جو خدا کی ذات صفات پر ایمان لانا ہے بڑی خوبی اور استحکام اور صحت کے ساتھ اس میں ثابت کیا گیا ہے اور ترغیب و ترہیب و نظائر تاریخی کے ذریعہ سے ان مطالب کو خوب ذہن نشین کرایا گیا ہے کیا ایمان کے اصول کہیں ایسی خوبی کے ساتھ انجیل و توریت میں بیان ہوے ہیں یا ایسے دلایل کہیں وید یا ژند اوستا میں پاے جاتے ہیں ۔ سب سے بڑا مسئلہ ایمان کا جو توحید ذات باری ہے ایسے واضح دلائل اور تاکیدی احکام سے کسی کتاب نے تعلیم نہیں کیا جیسا قرآن نے تعلیم کیا ہے ۔ لیکن قرآن ہمکو یہ بھی بتلاتا ہے کہ پہلے سب قوموں میں ہدایت کرنے والے آتے ہیں اور سوا سے توحید کے شرک کسی نے نہیں سکھایا اس لئے مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق بھی کوئی الہامی کتاب توحید کے تعلم سے خالی نہیں ہے لیکن قرآن کے برابر کامل تعلیم کسی میں نہیں ۔

دوسرا اصول مذہبی خدا کی عبادت ہے جو تمام مذہبوں میں برابر پایا جاتا ہے اب اول ہم کو یہ معلوم کرنا چاہئے کہ عبادت کیا شے ہے اور اُس کا مقصد کیا ہے اور انسان کو اسکی ضرورت کیوں ہے ۔

تمام مذہبوں کے عبادت کے طریقوں پر غور کرنے سے معلوم ہوتا ہے کہ اعلے درجہ کی محبت اور تعظیم کے اظہار کو عبادت کہتے ہیں خواہ کوئی شخص اپنے والدین کی عبادت کرے یا پیر مرشد کی یا حاکم کی یا کسی اور جسمانی یا روحانی ہستی کی یا خدا کی مگر سب میں یہی دو عنصر پائے جاتے ہیں اتنا فرق ضرور ہے کہ بعض مذہبوں کی عبادت میں محبت کے نشان زیادہ ظاہر کئے جاتے ہیں اور بعض میں تعظیم کے ۔

مقصد سب کی عبادت کا اپنی اپنی حاجتوں کا حاصل کرنا ہے خواہ وہ حاجتیں جسمانی ہوں یا روحانی اور خواہ وہ حاجتیں اسی جہان کی ہوں یا دوسرے جہان کی ۔

انسان کے لئے عبادت کی ضرورت تو ظاہر ہے کیونکہ جس کام پر اسکی حاجت روائی موقوف ہے وہ کام بھی اسکے لئے ضروری ہے ۔

عبادت کے طریقے مختلف قوموں میں مختلف ہیں کوئی اپنے معبود پر پھول خوشبوئیں چڑھاتا

سے اُس پر تیل ملتا ہے بخور دیتا ہے کوئی اُس کے نام پر کسی جان کو قربان کرتا ہے کوئی اپنے عجز
اور ذلت کے نشان اپنے جسم کی حرکات سے ظاہر کرتا ہے کوئی اُس کے نام پر محتاجوں کو دیتا ہے
کوئی اُسکے لیے طرح طرح کی تکلیفیں اپنے جسم کو پہنچاتا ہے دور دراز کے سفر اُس کے لئے برداشت کرتا
ہے بعض لوگ تو قربانی کرنے اور تکلیف اُٹھانے میں یہاں تک مبالغہ کرتے ہیں کہ اپنی عزیزوں
کی یا خود اپنی جانوں کو قربان کر دیتے ہیں انسانی قربانیاں بعض مذہبوں میں پہلے زمانہ میں
کی جاتی تھیں بلکہ اب بھی ہندوستان میں اولاد کو گنگا کی نذر کر دینا اور جگن ناتھ جی کے رتھ
کے پہیے کے نیچے آکر مر جانا باعث نجات خیال کرتے ہیں اور زمین پر سونا ننگے پاؤں سفر کرنا
غذا کی یہاں تک کمی کرنی کہ بعض اوقات بھوک پیاس سے مر جانا نفسانی خواہشوں کو
بالکل بند کر دینا۔ مجرد زندگی بسر کرنی کسی عضو کو سست یا بیکار کر دینا یا کسی عضو کو کاٹ ڈالنا
بھی عبادت میں شمار کیا جاتا ہے زبان سے محبوب اور معبود کے نام کو بار بار یاد کرنا اُس کی
تعریف کرنا اور دل میں اُسی کا تصور کرنا اور اُسی سے دعا مانگنا غرض ایسے ایسے طریقے عبادت
کے جہان میں موجود ہیں مگر ان تمام باتوں سے اصلی مقصود اظہار محبت و تعظیم ہے۔

ذرا زیادہ غور کیا جاوے تو معلوم ہوتا ہے کہ انسان کی فطرت میں ہی عبادت کی ضرورت
ڈالی گئی ہے کیونکہ ہم دیکھتے ہیں اگر کسی انسان سے محبت ہو جاتی ہے تو طبیعت خود بخود اُسکی
خدمت اور خوشامد میں اپنے اوپر تکلیف گوارا کرنے کو راحت خیال کرتی ہے۔ ایک ہندو
بزرگ کا قصہ مشہور ہے کہ اُس نے ایک مرتبہ اپنی محبوبہ کے جسم کو سیر ہو کر دیکھا اور پھر اپنی دونوں
آنکھوں کو نابینا کر دیا تھا کہ وہ مدت العمر میں کسی اور کے چہرہ کو نہ دیکھے۔ اور ایک عیسائی
ہم نے لاہور میں دیکھا ہے جو اپنی محبوبہ سے بیاہ کرنے پر قادر نہ ہو سکا تو اُس نے قسم کھائی
کہ تمام عمر بیاہ نہ کروں گا۔ غرض جبکہ مجازی فانی محبت کے جذبہ کا ایسا اثر ہوتا ہے تو خیال کرنا
چاہئے کہ اپنی محبت کی خاطر اگر آدمی کامل محبت ہو تو کیا کچھ نہیں کر سکتا اور جبکہ انسان کو کوئی شخص
اپنا حاکم با اختیار خیال کرے تو اُس کی تعظیم میں بھی تکلیف اور صرف کرنے کو اپنی بہبودی کا
موجب سمجھتا ہے اور اس لئے خوشی سے برداشت کرتا ہے اور جبکہ کوئی شخص اپنا محسن بڑا
محسن اور خیر حاکم اور مربی اعلیٰ کرنے کے تئیں خیال کرے تو تم [illegible] مستطیع کے ستان

اور خوشی کے ساتھ ظاہر کرنے کو اُس کا دل چاہتا ہے۔ چونکہ خدا تعالیٰ سب سے بڑا
محسن سب سے بڑا حاکم سب سے بڑا قادر تمام اُمیدوں کا ملجا اور تمام خوبیوں کا مبدء ہے
تو اس سے بڑھ کر انسان کی فطری عقل میں عبادت کا مستحق کون ہوسکتا ہے۔

لیکن صرف اتنا ہی نہیں ہے کہ عبادت سے صرف ایک طبعی جذبہ کا اظہار
کرنا مقصود ہے بلکہ حقیقت میں عبادت کرنے سے معبود کے ساتھ ایسا قرب حاصل
ہوتا جاتا ہے کہ وہ ایک فطری حاجت کو جو ابدی زندگی اور خوشی کے نام سے تعبیر
کیجاتی ہے حاصل کرنے کا موجب ہوتا ہے تب ہی تو عبادت کی حاجت سب انسانوں
کی فطرت میں پائی جاتی ہے مگر انسان کی عقل اور فطرت اس حاجت کو مناسب طریق
اور مناسب حد پر جبکہ پورا کرنے کے لئے کافی نہیں ہوتی اسلئے اس کام میں بھی اسی
فاطر فطرت کی ہدایت کی ضرورت ہوتی ہے تاکہ افراط اور تفریط نہ ہونے پائے اور
مقصد بھی حاصل ہو جائے۔

ایمان درخت ہے اور عبادت اُس کا پھل ہے بغیر درخت کے پھل کا
وجود نہیں ہوسکتا اور بغیر پھل کے درخت بیکار ہوتا ہے اسلئے ہر ایک مذہب ایمان
کے ساتھ عبادت کی تعلیم ضرور کرتا ہے۔

اب دیکھنا چاہیئے کہ قرآن نے کیا عمدہ طریق عبادت کا تعلیم کیا ہے کہ
جس میں وہ تمام فطری طریق جو اوپر بیان کیے گئے سب داخل ہو گئے اور ہر ایک افراط اور
تفریط کو منع کر دیا نہ انسانی قربانی کو جائز رکھا نہ کسی عضو کے بیکار کرنے کی اجازت دی
نہ رہبانیت اور صحت سے زیادہ نفس کشی سکھلائی۔ مگر پھر بھی کسی طریق عبادت
کو نہیں چھوڑا۔

قرآن میں چار عبادتیں لازمی بتلائی گئی ہیں۔ ایک نماز دوسری روزہ
تیسری زکوٰۃ چوتھی حج علاوہ فوائد مذکورہ کے جو مطابق عبادت سے حاصل ہوتے ہیں
ہر ایک طریق عبادت اپنے ظاہری اور علیحدہ فوائد بھی رکھتا ہے۔

نماز جو پانچ وقت یا تین وقت روزانہ تنگی میں ہیں اس سے طہارت جسم

شرط لگئی ہے۔ اسکے بعد قیام رکوع سجود جسمانی اوضاع ہیں جو غایت درجہ کا عجز اور
ذلت ظاہر کرتے ہیں اور ان تمام ارکانوں میں خدا کی تعریف اور اپنے لیئے دعا زبان
سے کیجاتی ہے اور کسیقدر قرآن کا پڑھنا ضروری مقرر کیا گیا ہے۔ کیونکہ قرآن سے
بہتر اور کوئی اوسکی سچی تعریف نہیں کرسکتا اور علاوہ تعریف کے اور دین کی باتوں کے
اوس میں تعلیم ہے جنکو عبادت کی حالت میں پڑہنے سے زیادہ اثر ہوتا ہے اگر کوئی
شخص بغیر سمجھنے معنے کے بھی پڑہے تب بہی یہہ اعتقاد کہ میں خدا کی عبادت میں
اوسکی کلام پڑھ رہا ہوں کچھ کچھ اثر کرتا ہے مگر اصلی غرض نماز کی جب ہی حاصل ہوتی
ہے جب سمجھکر پڑہی جاوے چنانچہ قرآن شریف میں ایک جگہہ اسطرح فرمایا گیا ہے
کہ اے ایمان والو نماز کے قریب مت جاؤ جب تم نشے کیحالت میں ہو یہانتک کہ
سمجھو جو کچھ بولتے ہو۔ اس آیت سے مفہوم ہوتا ہے کہ نماز میں قرآن کو سمجھکر
پڑہنا ضروری ہے۔

اور کئی مرتبہ خدا کی حضور میں حاضر ہونا اور اوسکو معہ اوسکی صفات
کے یاد کرنا انسان کی روح کے لیئے قرب حاصل ہونے کا ذریعہ ہوتا ہے اور نیز پھر
کسی وقت اوسکی یاد دل سے نہیں بھولتی اسلیئے وہ غفلت جسکے باعث گناہ زیادہ
ہوتے ہیں اور نیکی نہیں ہوسکتی کمزور ہوجاتی ہے محبت الٰہی بڑہتی جاتی ہے
اور دنیاوی محبت کم ہوتی جاتی ہے۔ یہی امور نجات ابدی کے لیئے ضروری ہیں
اسلیئے خدا تعالےٰ نے فرمایا ہے کہ نماز بیگناہ اور نافرمانی سے روکتی ہے۔ نماز میں
جسمانی طہارت کی شرط اسواسطے لگائی ہے کہ اس دنیا میں جسم اور روح کا ایسا تعلق
اور ارتباط ہے کہ ایک کا اثر دوسرے پر ضرور ہوتا ہے چنانچہ یہہ بات تو مشاہدہ سے
ظاہر ہے کہ دماغی بیماریوں میں روحانی خواص بھی مختل ہوجاتے ہیں اور روحانی حالتیں
رنج غم فکر وغیرہ جسم کو لاغر کردیتی ہیں جسم کے بغیر روح کچھ نہیں کرسکتی اور روح بغیر
جسم بیکار ہے اسلیئے جب خدا کے حضور میں عبادت کے لیئے حاضر ہونا ہو تو ضرور ہے
کہ روح بد خیالات اور بری آلودگیوں سے پاک ہو لیکن روح اور جسم کے باہمی تعلق

شدید رکھنے کے باعث ضروری ہوا کہ جسم جسمانی آلودگیوں سے پاک ہو تا کہ اوسکی صفائی کا
اثر روح کی صفائی کو مدد دیوے اور نیز نماز مسلمانوں کے اعتقاد کے موافق خدا کے
حضور میں حاضر ہونے کا موقع ہے جسمیں انسان دل کھولکر اپنی محبت اور تعظیم کا
اظہار کرنا چاہتا ہے اور چونکہ ایسے موقع پر دنیاوی حکام کے سامنے انسان کم
سے کم اپنے ظاہر کو تو خوب درست کر کے جاتا ہے اور بڑے ادب کا لحاظ رکھتا ہے
ہر ایک ظاہری عیب نقص اور ناپاکی سے اپنے آپکو صاف کر کے اوسکے حضور
میں جاتا ہے تو احکم الحاکمین کے روبرو جانے کے لئے تو ظاہری اور باطنی
دونوں صفایاں ضروری ہیں۔

اگر کسیکو یہہ خیال ہو کہ نماز کا جو فایدہ بیان کیا گیا ہے وہ بہت نمازیوں میں نہیں
پایا جاتا یعنے خدا کا خوف گناہ سے نفرت نیکی کی رغبت دنیاوی محبت کی قلت وغیرہ سب
نماز پڑہنے والوں کی صفتیں نہیں ہیں یہہ بات سچ ہے لیکن اسکی وجہ یہہ نہیں ہے کہ نماز
اثر کرنے میں ضعیف ہے بلکہ یہہ وجہ ہے کہ ایسے لوگ نماز کو نماز سمجھکر کے جسطرح چاہئے نہیں
پڑہتے۔ صرف رواج پورا کرنے کے لئے یا دکہلاوے کے لئے پڑہتے ہیں۔ یہہ نقص نماز
کا نہیں ہے بلکہ نماز کو نماز کیطرح سے نہ پڑہنے کے باعث ہے۔ ایسا ہی حال دنیاوی معاملوں
کا ہے مثلاً غذا انسان کی صحت اور حیات قایم رکھنے کے لئے ضروری ہے مگر جو لوگ غذا
کو نامناسب طرح سے استعمال کرتے ہیں وُہی غذا انکے لئے مرض اور موت کا باعث ہو جاتی
ہے۔ مگر ممکن نہیں کہ جو شخص نماز خالص نیت سے اور سمجھکر پڑہے اوس کو نماز کا اثر
نہ ہو۔

دوسری عبادت روزے میں انکا بڑا فایدہ جو عام عبادت سے مقصود ہے
اوپر بیان کیا گیا ہے مگر اونکے خاص فوائد اور ہی ہیں اول تو یہہ کہ انسان کو چاہئے کہ خدا
کا پورا پورا مطیع ہو اپنے تمام جذبات اور شہوات کو اوسکی مرضی کا فرمانبردار کر دیوے
چونکہ اور جذبات اور شہوات کے وقت مقرر نہیں ہوتے اسواسطے انکے ضبط [illegible]
کرنے کی عام طور پر تعلیم دیگئی ہے لیکن کہانے پینے کے اوقات روز مقرر ہوتے ہیں

ان حاجتوں کو ضبط کرنے کی عادت ڈالنے کے لیئے سال میں ایک ایسا مہینہ مقرر کردیا
گیا ہے کہ اوسمیں خلاف معمولی عادت کے روزانہ ایک وقت مقرر تک اونکو ضبط کیا جایا کرے
اور نیز عموماً انسان کہانے پینے میں ہمیشہ اعتدال کو مدنظر نہیں رکہتا جس سے نفسانی
جذبات اسکے غالب ہوجاتے ہیں اور جسمانی صحت بھی درست نہیں رہتی تو سال میں
ایک مہینے کے لیئے ایسا پرہیز کرنا ان دونوں خرابیوں کی اصلاح کا باعث ہوجاتا ہے
چنانچہ ایک عیسائی عالم کی بھی یہہ رائے ہے کہ ہمیشہ سیر ہوکر کہانے پینے سے بدن
کی رگیں اور دوسری منافذ تنی رہتی ہیں اگر ہمیشہ اس حالت پر رہیں تو انکی لچک کی طاقت
جاتی رہتی ہے جس سے عام ضعف جسمانی اور بہت قسم کی بیماریوں کے پیدا ہونے کا اندیشہ
ہو اسلیئے بطور تقدم بالحفظ سال میں کچھ مدت روزہ رکہنا چاہیئے تاکہ رگیں وغیرہ اس
عرصہ میں غذا سے خالی رہکر بہ طاقت ہوجایا کریں مگر یہہ فائدہ روزہ کا طبعی ہے۔ اور یہہ
ملک حکمت ہے کہ اوس نے عبادتیں ایسی طرح کی مقرر کی ہیں جو علاوہ مذہبی فوائد کے
دنیاوی فوائد بھی رکہتی ہیں۔ ورنہ اصلی غرض روزہ کی وہ ہے جو اوپر بیان
کی گئی ہے۔

تیسری عبادت جو زکوٰۃ ہے اوس سے اول تو وہی فائدہ ہوتا ہے
جو تمام عبادتوں سے مقصود ہے علاوہ اسکے قرآن میں زکوٰۃ کے اخراجات کے موقع وہ
مال لکہے گئے ہیں جس سے ہمدردی کیجائے اور انتظام معاشرت اور مملکت بخوبی چل سکے
مثلاً مسافروں مفلسوں محتاجوں کو مدد دینا غلاموں کو خرید کر آزاد کرنا رفاہ عام کے کاموں میں
صرف کرنا اور انتظام معاشرت کی بابت خدمت کرنے والوں کو اسمیں سے تنخواہ دینی علاوہ
زکوٰۃ کے اور صدقہ خیرات کوئی چاہے دیوے اسکی بھی قرآن میں ترغیب دیگئی
ہے مگر فرض نہیں ہے۔

چوتھی عبادت حج ہے جسکا ادا کرنا ہر ایک مسلمان صاحب وسعت پر عمر میں
ایک مرتبہ فرض ہے اس میں بھی تمام عبادتوں کے فائدہ کے سوا اور بہت بڑے بڑے فوائد
بھی ہیں منجملہ انکے یہہ ہے کہ جہاں سے اسلام کی ابتدا ہوئی اور جہاں پیغمبر اسلام کی

شروع کی یادگاریں موجود ہیں اور تاقیامت اسلام موجود رہینگی وہاں بقصد کرکے جانے سے اور ان اسلامی یادگاروں کی زیارت کرنے سے اور بانی اسلام کی مولد اور مسکن کے شہر میں جانے سے اور اس بات پر غور کرنے سے کہ ایک مرتبہ یہاں تمام جہان سے بڑھکر تاریکی اور جہالت چھائی ہوئی تھی پھر کس طرح سے خدا تعالے نے اپنی رحمت کیے جوش سے تمام نور اور علم کا منبع اسی جگہہ پیدا کر دیا ہے جس سے تمام جہان کو فیض ہوا یہہ سب خیالات مسلمانوں کے دین و ایمان کو ایسا تازہ کر دیتے ہیں کہ مدت تک اونکا اثر رہتا ہے۔

اور دوسری اسلام کی مرکز میں ہرسال لاکھوں مسلمانوں کا مختلف ملکوں سے آکر جمع ہونا اسلامی اتحاد و اتفاق کو بڑہاتا ہے۔ وہاں جاکر مختلف قومیں ایک دوسری کے حالات سے واقف ہوتی رہتی ہیں اسلئے اون میں اتحاد میں ترقی رہتا ہے جو کچہہ زمانے کے اثر سے مسلمانوں کے حالات میں تغیر و تبدل ہوتا ہے وہاں جاکر اوسکی اصلاح ہو جاتی ہے اور جو لوگ وہاں سے واپس آکر اپنے ملک میں اسجگہہ کے حالات سناتے ہیں اور دوسرے ملکوں کی قومیں جو وہاں جمع ہوئی تہیں اونکے حالات سناتے ہیں تو اس سے علاوہ اسکے وہ فوائد حاصل ہوتے ہیں جو آج دنیا میں اخبار اور ڈاک تار برقی ریل وغیرہ سے تمدنی اور علمی ترقی کو مدد دیتی ہیں چونکہ چین کے مسلمانوں میں حج کا رواج کم ہے اور اگرچہ وہاں لاکھوں مسلمان آج موجود ہیں لیکن اونکی حالت ایسی ہو گئی ہے کہ اگر دنیا میں سے کہیں کا مسلمان اونکو دیکہے تو اونکو مسلمان نہ سمجہے اونکی قومی رواج و رسوم بلکہ عبادات کے طریقوں میں بہی تمام دنیا کے مسلمانوں سے تفاوت ہو گیا ہے اسکی وجہہ یہی ہے کہ مرکز اسلام میں ہرسال وہاں سے مسلمان نہیں جاتے تہے جہاں سے خدا کی توحید کا چشمہ نکلتا ہے۔ جسسے زمانے کے معمولی تغیرات کے باعث اونکے مذہبی حالات میں فرق آگیا ہے۔

یہہ ہمارے طریق عبادت کے لیے مہذب اور شائستہ اور مفید ہیں کہ جنکی نظیر کسی دوسرے مذہب میں نہیں ملسکتی۔ اگرچہ ہمارے تمام اسلام میں بہی مختلف فرقے پیدا ہوگئے ہیں لیکن سوائے سنی شیعہ اور خارجی کے اور کسی فرقے کے نام کے سوا کچہہ باقی نہیں ہے اور اصول اسلام میں یہہ تینوں فرقے بہی مختلف نہیں ہیں صرف صحابہ کے زمانہ میں جو کچہہ اونہیر

ہوئیں تھیں اونکی بنا پر شیعہ اور خارجی فروعات میں مختلف ہوگئے ہیں ورنہ ایمان اور باقی ارکان سلام یعنے چاروں عبادتیں سب میں یکساں موجود ہیں اور حنفی شافعی وغیرہ کا تو کچھ اختلاف نہیں ہے نہ کوئی انمیں سے ایک دوسرے کو برا جانتا ہے ۔

بت پرستی کو قرآن نے بڑی معقول دلایل سے روکا ہے اور اس گناہ کی سزا بڑی سخت بتلائی ہے ۔ چنانچہ فرمایا ہے کہ خدا جس گناہ کو چاہے گا بخشے گا مگر شرک کو کبھی نہیں بخشے گا ۔ اور ایک جگہہ فرمایا ہے ۔ " ایا خدا کا شریک بناتے ہیں وہ لوگ اُن چیزوں کو جو کچھہ پیدا نہیں کرتی ہیں اور وہ خود پیدا کیگئی ہیں نہ وہ اونکو یعنے اپنے عابدونکو مدد دیسکتی ہیں اور نہ اپنے نفسونکو مدد دیسکتی ہیں اور اگر تم اونکو بلاؤ راہ کیطرف تو کبھی نہ پیچھے چلیں تمہارے خواہ تم اونکو بلاؤ یا خاموش رہو بیشک جنکو تم بلاتے ہو اللہ کے سوا وہ بندے ہیں تمہارے مانند پکار دیکھو اونکو تاکہ جواب دیں وہ تمکو اگر تم سچے ہو کیا اونکے پاؤں ہیں جنسے وہ چلتے ہیں یا اونکے ہاتھہ ہیں جنسے وہ پکڑتے ہیں یا اونکی آنکھیں ہیں جنسے وہ دیکھتے ہیں یا اونکے کان ہیں جنسے وہ سنتے ہیں کہہ دے اے محمد کہ بلاؤ اپنے بناوٹی شریکونکو کہ نقصان پہنچا دیں مجھکو اور مجھکو مہلت مت دو ۔

ان آیتوں میں یہہ بات سمجھائی ہے کہ مشرک جنکی عبادت کرتے ہیں وہ تو کچھہ طاقت نہیں رکھتے خود بندے ہیں تو پھر اونکی عبادت کب درست ہوسکتی ہے ۔

چونکہ شرک ایسا بڑا اور ظاہر گناہ ہے کہ کوئی عقلمند بھی اوسکو جایز نہیں کہہ سکتا اسلیئے جو لوگ مذہب کی قید کے باعث اس گناہ کی حمایت کرتے ہیں وہ یہہ جواب دیتے ہیں کہ ہم بتونکو یا کسی مخلوق کو نہیں پوجتے بلکہ تمام مخلوقات میں خدا کا نور ظاہر ہوا ہے اسلیئے کسی چیز کو سامنے رکھکر اوسی خدا کی عبادت کرتے ہیں جسکی قدرت اوسمیں نمایاں ہوتی ہے اور اوس شے کو سامنے رکھنے سے صرف یہہ فائدہ ہوتا ہے کہ عابد کا دل اوس وقت منتشر نہیں ہوتا بلکہ ایک محسوس شئے پر خیال اچھا جمتا ہے تو اوسکے واسطہ سے اصلی خدا کی عبادت کرتے ہیں لیکن یہہ جواب صحیح نہیں معلوم ہوتا کیونکہ اول تو اوسی مخلوق کے نام پر ۔ وہ ذبح بھی کرتے ہیں اوسی کے نام پر خیرات کرتے ہیں حالانکہ ان عبادتوں کیوقت خاطر جمع کرنیکے لیئے

اونکو سامنے نہیں رکھتے۔ علاوہ اسکے اونکے اعتقاد کے موافق خدا کی سلطنت دیوتاؤں میں تقسیم ہوئی ہوئی ہے۔ پھر دیوتاؤں کی تصویر سامنے رکھکر خدا کی عبادت کا بہانہ عبث ہے اور نیز خدا کی عبادت میں ہمارا بڑا مقصد یہہ ہوتا ہے اور سب کا ہونا چاہئیے کہ اوس ذات بسیط بیحد کا ہمیں صفات متالک کے عبادت کریں تا کہ ہماری روح کو اوس سے قرب حاصل ہو۔ اور جب آنکھوں کے سامنے ایک تصویر کو رکھکر اوسپر دل جماکر عبادت کی تو ظاہر ہے کہ تصویر محدود ہے جسمانی ہے حادث ہے وہ تو ہمارے خیال کو اور زیادہ پستی کیطرف لائیگی۔ جتنا زیادہ ہم اپنے دلکو محدود چیزوں میں لگائیں گے اوسیقدر روح کو تاریکی حاصل ہوگی۔

بعض لوگ یہہ جواب دیتے ہیں کہ مسلمان جو اللہ کا نام لیکر عبادت کرتے ہیں تو لفظ اللہ بھی محدود ہے۔ اور حرف اپنے مسمی کی ایک علامت ہے اگر کسی تصویر کو اوسکی علامت مقرر کرکے عبادت کرلی تو اللہ کی عبادت اور تصویر کی عبادت میں کیا فرق ہوا لیکن یہہ قیاس مع الفارق ہے۔ اول تو کوئی مسلمان لفظ اللہ کا تصور باندھکر اوسکی عبادت نہیں کرتا دوسرے الفاظ محدود اور غیر محدود بلکہ معدوم کے لیے بھی استعمال کیئے جاتے ہیں۔ اگر لفظونکو اپنے معانی کی علامت کہو تو یہہ علامت ایسی ہوتی ہے کہ مماثلت کا لحاظ اسمیں بالکل نہیں ہوتا اور دعائیں یا خدا کی تعریف میں جو شخص الفاظ استعمال کرتا ہے وہ اسطرح سے استعمال کرتا ہے جیسے اپنے جسم کی حرکات سکنات کو استعمال کرتا ہے اسکا جسم بھی محدود ہے اوسکے الفاظ بھی محدود ہیں جو عبادت کرنے میں کار آمد ہوتے ہیں خود اونکی عبادت نہیں کیجاتی۔ اگر کوئی شخص لفظ اللہ کا لکھکر سامنے رکھکر عبادت کرے تو بیشک وہ اعتراض اوسپر ہوسکتا ہے مگر ایسا کوئی مسلمان نہیں کرتا بخلاف اسکے تصویر میں ہمیشہ اصل کے ساتھہ مماثلت کا خیال ہوتا ہے تصویر کو دیکھکر یہی خیال پیدا ہوگا کہ جسکی تصویر ہے اوسکی شکل ایسی ہی ہے اور پھر تصویر کے ساتھہ وہ معاملہ کیا جاتا ہے جو معبود کے ساتھہ کرنا چاہیئے تہا حالانکہ لفظ اللہ کی ساتھہ کوئی اسطرح سے نہیں کرتا اور عبادت تو اسلیئے کرتے ہیں کہ دنیاوی حد اور صفت سے روح کو تجرد حاصل ہوگی تصویر کا ایسے وقت میں سامنے رکھنا اور اوسپر دھیان لگانا اصلی مقصود کو تباہ کر دیتا ہے۔

بعض لوگ اعتراض کیا کرتے ہیں کہ مسلمان جو کعبہ کیطرف کو نماز پڑھتے
ہیں یہ بھی ایک طرح کی بت پرستی ہے لیکن یہہ اعتراض اوسوقت صحیح ہو کہ جب کوئی
کعبہ کو معبود یا معبود کا نمونہ خیال کرے یا اوسمیں کسیطرح کی قدرت یا کوئی معبودیت کی صفت
مانے یا نماز میں اوسکے تصور کو لازمی جانے یا اوسمیں کسی مخلوق کی تصویر رکھے ہوئے ہو
تو صرف ایک گھر ہے جو اول اول خدا کی عبادت کیلئے بنایا گیا تھا چونکہ اوسکے بانی
سے روے ملک میں توحید کے مدعی جنکی بنا ڈالی تھی اور وہی توحید اسلام نے سکھلائی
تھی [illegible] پہلے مسلم کی مسجد کو یادگار کے طور پر [illegible]
تمام مسلمانوں میں اتحاد رکھنے کی غرض سے اونکی عبادت کی [illegible] سمت مقرر کرنی چاہیے
تھی اسواسطے [illegible] سمت کوئی [illegible] معلوم ہوا [illegible] قبلہ مقرر
کیا گیا [illegible] برخلاف [illegible] سمجھا [illegible]
بات یہی ہے [illegible] مسلمانوں کا [illegible] صورت [illegible] کسی سمت بیت
ہے اسلئے ایک بڑی مسجد کو جو پرانے زمانے میں خالص خدا کی عبادت کیواسطے بنائی
گئی تھی اس مطلب کیلئے مقرر کرنے سے اوسکی پرستش لازم نہیں آتی۔ جیسے کوئی مسجد
جو عبادت کے لئے بنائی جاتی ہے اوس میں عبادت کرنے سے اوسکی پرستش لازم نہیں
آتی البتہ عبادت کیوقت کعبہ پر دل جمانا یا اوسکا تصور باندھنا ضروری ہوتا تو بیشک اوسکی
پرستش کا خیال ہوسکتا تھا بتوں کی پرستش کرنے والے تو صاف اقرار کرتے ہیں کہ ہم
ان بتوں کی پرستش کرتے ہیں اونکے لئے یہہ نظیر صحیح نہیں البتہ اگر کوئی مسلمان
کہے کہ میں کعبہ کی پرستش کرتا ہوں تو بیشک وہ مشرک ہو مسلمان اگر کہیں بھی جگہ نماز پڑھتا
ہو جہاں سامنے [illegible] سامنے ایک پردہ کھڑا کرلیا کرتا ہو
تو مقصد اوسکے سامنے کھڑا کرنے سے یہہ خیال کیا جاسکتا ہے کہ وہ اوس پردہ کی عبادت
کرتا ہے؟ بڑی حکمت تو قبلہ کے مقرر کرنے میں یہ معلوم ہوتی ہے کہ ایک تو تمام اہل
اسلام میں سمت نماز میں بھی اتفاق رہے اور دوسرے پہلی مسجد جو ایک بڑے نبی نے
خدا کی عبادت کیواسطے بنائی ہے وہ اصلی مسجد مانی جائے اور سب مسجدیں اوسکی نقل سمجھی جائیں

تاکہ اسلی پہلی مسجد کی یادگار ہمیشہ مسلمانوں کے دین میں تازہ رہے تاکہ وہ تاریخی یادگار ہی انکے عقاید درست رکھنے میں مدد دیتی ہے۔

تیسرا اصول مذہب کا ارتکاب گناہ سے روکنا ہے اور چوتھا اصول نیک کرداری سکھلانا یا نیکی کرنے کی ترغیب دینا ہے۔ یہ دونوں اصول جس کامل اور واضح طریق سے قرآن میں سکھلائے گئے ہیں اوسکی نظیر ہی کسی دوسری الہامی کتاب میں ملنی ناممکن ہے اگر یہاں پر مجھکو قرآن کے ان احکام کا لحاظ نہ ہوتا جہاں فرمایا گیا ہے کہ احسن طریق سے بحث کرو اور نیک بات لوگوں سے کہو اور بری بات کسیکی نسبت زبان سے نہ نکالو۔ تو میں عام قاعدہ مناظرہ کے موافق پہلے دوسری الہامی کتابوں کے نقص اور ان کے ملہمین کے نقص بیان کرکے قرآن کا اونسے مقابلہ کرتا۔

پہلی الہامی کتابیں اور اونکے ملہمین کے نقص سے یہ مراد نہیں ہے کہ معاذ اللہ وہ کتابیں اور وہ بزرگ طعن کے قابل ہیں بلکہ قرآن شریف اور رسول عربی کے مقابلہ میں اونکی تعلیم کامل نہیں ہے۔ مگر اپنے اپنے زمانہ میں وہ سب کتابیں اور اونکے ملہمین کامل تھے اور سب خدا کیطرف سے بھیجے ہوئے تھے اسلیے عام طور پر ہمکو اونمیں سے کسی میں تفاوت کرنا نہیں چاہیے۔

لیکن احسن طریق یہی ہے کہ اپنے دعویٰ کو بغیر کسی پر اعتراض کرنے کے ثابت کردیا جاوے گو ایسا بوالالتزام بحث کے موقع پر مشکل ہے۔ مگر جہاں تک ہو سکے اچھا ہے اسلیے میں صرف اصول بالاکی کامل تعلیم کا قرآن میں ثبوت دیتا ہوں اور اُمید کرتا ہوں کہ منصف طالب حق خود اوسکا دوسری کتابوں سے مقابلہ کرکے نتیجہ نکال لینگے کہ کس کتاب کی تعلیم اعلے درجہ کی ہے۔ اس موقع پر قرآن کی اون آیتوں کا پورا ترجمہ کرنا جو گناہ سے روکتی ہیں اور نیک کرداری سکھاتی ہیں گنجایش نہیں رکھتا اسلیے صرف چند آیات کا ترجمہ اور چند آیات کا خلاصہ نمونے کے طور پر لکھکر یہ بات دکھائی جاتی ہے کہ قرآن کی اخلاقی تعلیم ہی نہایت اعلے درجہ کی اور کامل ہے۔

مے پرستی کی برائی سے اور جھوٹ بولنے سے پرہیز کرو اپنے معاہدوں کو

پورا کیا کرو۔ خدا کے ساتھہ شرک مت کرو۔ ماں باپ کے ساتھہ بھلائی کیا کرو۔ کسی نفس کو
قتل مت کیا کرو۔ اولاد کو قتل مت کیا کرو۔ ظاہری اور باطنی بیحیائی کی باتوں کے قریب
مت جایا کرو۔ کسی نفس کو قتل مت کیا کرو جسکو خدا نے حرام کیا ہے سوائے اوس موقع کے
جہاں اوسکا قتل کرنا حق ہے۔ یتیموں کے مال کے قریب مت جایا کرو۔ مگر کسی بھلائی کی غرض
سے جب تک وہ جوان نہ ہوجائیں۔ پیمانہ اور میزان کو انصاف کے ساتھہ پورا کیا کرو۔
اور جب بات کہو انصاف سے سچ کہا کرو۔ اگرچہ کسی قریبی کے خلاف ہو۔ اور خدا سے جو
تم نے وعدہ معبودیت کا کیا ہے اوسکو پورا کرو۔ خدا کے ساتھہ دوسرا معبود مت بناؤ۔
خدا نے حکم دیا ہے کہ سوائے اوسکے دوسرے کی عبادت مت کرو۔ والدین کے ساتھہ
بھلائی کرو۔ اگر ایک یا دو اونمیں سے ضعیف ہوجاویں تیرے سامنے تو اونکی نسبت
کراہت کا لفظ مت بول۔ اور اونکو مت جھڑک۔ بلکہ اونسے ادب کی بات کیا کر اور اونکو
سامنے عاجزی کیا کر رحم سے۔ اور خدا سے دعا کر الٰہ اونپر رحم کر جیسے اونھوں نے مجھے
صغیر سنی کی حالت میں پرورش کیا تھا۔ قریبیوں مسافروں اور مسکینوں کو اونکا حق دے
لیکن فضولخرچی مت کر۔ مسرف لوگ شیطانوں کے بھائی ہوتے ہیں۔ اور اگر تیرے پاس
اوسوقت دینے کو کچھہ نہیں ہے۔ اور پھر تجھکو امید ہے کہ ملجائے گا تو اسوقت اونکو
نرمی سے جواب دے اور نہ بخیلی کر اور نہ اسراف کر۔ ورنہ تجھکو ملامت ہوگی اور تو بے بس
ہوجائے گا۔ زناکے قریب مت جا کہ وہ بیحیائی اور بری راہ ہے۔ اور جس بات کا تجھکو
علم نہیں ہے اوسکے پیچھے مت لگ بیشک کان اور آنکھہ اور دل سب سے سوال کیا جائے
گا۔ زمین پر شیخی سے مت چل۔ کیونکہ نہ تو زمین کو پھاڑ سکتا ہے اور نہ پہاڑ کی برابر بلند
ہوسکتا ہے۔ یہ سب باتیں بری ہیں اور خدا کی نظر میں مکروہ ہیں۔ بے شک خلاصی پاتے
ہیں ایمان والے جو اپنی نمازیں عاجزی کے ساتھہ پڑھتے ہیں۔ اور لغو کاموں سے پرہیز کرتے
ہیں۔ زکوٰۃ ادا کرتے ہیں اور اپنے پردے کے اعضا کی حفاظت کرتے ہیں۔ سوا اپنی زوجہ
اور مملوکہ کے کہ اونکو کچھہ ملامت نہیں ہے جو اسکے سوا چاہیں وہ حد سے گذرنے والے
ہیں۔ اور خلاصی پاتے ہیں وہ لوگ جو امانت اور عہد کی رعایت رکھتے ہیں اور نمازوں کی

حفاظت کرتے ہیں۔ یہی وارث ہیں جو جنت کا ورثہ پاویں گے۔ اور اوسمیں ہمیشہ رہیں گے۔
اے ایمان والو کسی قوم کی دشمنی تمسے بے انصافی نہ کرا دیوے۔ انصاف کیا کرو یہی پرہیزگاری
کے قریب ہے۔ رحمان کے بندے وہ ہیں جو زمین پر نرمی سے چلتے ہیں اور جب کوئی جاہل
اونسے بات کرے تو سلامتی کا جواب دیتے ہیں۔ اور جو لوگ جہوٹے کاموں میں شامل
نہیں ہوتے اور لغو کاموں کے پاس گذریں تو ثقاہت سے گذرتے ہیں۔ خدا کا شکر کر۔
لوگوں کو نیکی سکہلا بدی سے منع کر۔ اور جو تجہکو تکلیف پہنچا کرے اوسپر صبر کیا کر۔ یہہ بڑی
ہمت کا کام ہے۔ لوگوں کے سامنے مغرور چہرہ نہ بنایا کرو اور نہ زمین پر سختی سے چلا کر۔
بے شک اللہ سختی کرنے والے اور مغرور کو دوست نہیں رکہتا۔ اور اپنی چال چلن میں
میانہ روی اختیار کر۔ اور اپنی آواز کو نرم کر سب آوازوں میں سے گدہے کی آواز بہت
مکروہ معلوم ہوا کرتی ہے۔ بہلائی اور برائی برابر نہیں ہے۔ برائی کا بہلائی سے بدلا
دیا کر۔ ایسا کرنے سے جو تمہارا دشمن ہے وہ بہی قریبی دوست کے موافق ہو جائے گا۔
اور یہہ خصلت اونکو ملتی ہے جو عمل کرتے ہیں اور اونکو ملتی ہے جو بڑی قسمت والے
ہیں۔ جو کچہہ تمہارے پاس ہے۔ یہہ دنیا کی چند روزہ متاع ہے اور جو اللہ کے پاس
ہے وہ بہتر ہے اور باقی رہنے والا ہے اون لوگوں کے لئے جو ایمان لائے اور خدا پر
توکل کرتے ہیں۔ اور جو لوگ بڑے گناہوں سے اور بیحیائی سے بچتے ہیں اور جب غصہ
آتا ہے تو معاف کرتے ہیں اور جو خدا کی فرمانبرداری کرتے ہیں اور نماز پڑہتے ہیں اور آپسمیں
مشورہ کرکے کام کرتے ہیں اور جو ہم نے دیا ہے اوسمیں سے خرچ کرتے ہیں۔ اور وہ لوگ
کہ جب اونپر ظلم ہو تو انتقام لیتے ہیں اور برائی کا بدلہ برائی کے برابر ہے۔ پس جو شخص
معاف کرے اور صلح کرے اوسکا بدلہ اللہ پر ہے اور جو شخص صبر کرے اور بخشے بیشک
یہہ بڑا کام ہے۔ جب دو گروہ مومنوں کے لڑیں تو اونمیں صلح کرا دو۔ اور اگر ایک اونمیں سے
ظلم کرے دوسرے پر تو اوس سے لڑائی کرو جو ظلم کرتا ہے یہانتک کہ وہ رجوع کرے خدا کے
حکم کیطرف۔ اگر وہ رجوع کرے تو اونمیں صلح کرا دو انصاف کے ساتھہ اور انصاف کرو بیشک
اللہ منصفوں کو دوست رکہتا ہے بیشک مومن بہائی ہیں پس اپنے دو بہائیوں میں صلح

کرادیا کرو اور ڈرو اللہ سے تاکہ تم رحم کئے جاؤ۔ اے ایمان والو جو ایمان لائے ہو کوئی
مرد کسی مردوں سے تمسخر نہ کرے شاید کہ وہ اونسے بہتر ہوں اور نہ عورتیں عورتوں سے
شاید کہ وہ اون سے بہتر ہوں اور ایک دوسرے کو طعن مت کیا کرو اور ایک دوسرے کو
برے القاب سے مت بلایا کرو۔ ایمان کے بعد برائی کے نام رکھنے بری بات ہے۔
اور جو لوگ ان باتوں سے توبہ نہ کریں گے وہ ظالم ہیں۔ اے لوگو جو ایمان لائے ہو۔
بہت ظن نہ کیا کرو بعض ظن گناہ ہوتا ہے۔ اور کوئی کسیکی غیبت نہ کیا کرے۔ کیا کوئی
چاہتا ہے کہ اپنے مردہ بھائی کا گوشت کھائے۔ بس کراہت کرو اوس سے اور ڈرو اللہ
سے تحقیق اللہ معاف کرنے والا ہے مہربان۔ انسان کیوں نہ دشوار گذار گھاٹی میں
داخل ہوا۔ تجھکو معلوم ہو دشوار گذار گھاٹی کیا ہے۔ غلام کا آزاد کرنا ہے یا قریبی یتیم
کو فاقہ کے دن کی سختی میں کھانا کھلانا ہے یا مصیبت زدہ مسکین کو کھانا کھلانا ہے پھر ایمان
والوں سے ہو جانا اور صبر کرنے اور رحم کرنے کی نصیحت کرنا یہہ لوگ خوش قسمت ہیں۔ صرف
مشرق یا مغرب کیطرف منہ پھیر لینے میں بھلائی نہیں ہے لیکن بھلائی یہہ ہے کہ اللہ
پر اور روز قیامت پر اور فرشتوں پر اور کتاب پر اور نبیوں پر ایمان لاؤ اور خدا کی راہ پر یتیموں
قریبی اور مسکینوں اور مسافروں اور سائلوں پر اور غلاموں کے آزاد کرانے میں مال خرچ
کرو۔ اور نماز پڑہو اور زکوۃ دو اور اپنے عہدوں کو جب کرلو تو پورا کرو۔ اور سختی اور جنگ
اور مصیبت میں صبر کرو۔ یہہ لوگ سچے ہیں اور یہہ پرہیزگار ہیں۔ آپس میں ایک دوسرے کا مال ناجائز
طریق پر نہ کھایا کرو اور اونکو حکام تک نہ پہنچایا کرو۔ تاکہ اسطرح سے ناجائز طور پر لوگوں کا مال
کھایا کرو حالانکہ تم اوسکی برائی کو جانتے ہو اور لوگوں کے ساتھہ بھلائی کیا کرو بیشک اللہ
دوست رکھتا ہے بھلائی کرنے والوں کو۔ جن لوگوں نے تم سے دین کے باعث لڑائی نہیں کی
اور تمکو تمہارے گھروں سے نہیں نکالا اونکے ساتھہ بھلائی اور انصاف کرنے سے اللہ تمکو نہیں
روکتا کیونکہ انصاف کرنے والوں کو دوست رکھتا ہے۔ ہاں جو لوگ تم سے دین کے باعث
لڑتے ہیں اور تمکو تمہارے گھروں سے نکالا ہے اور تمہارے نکالنے پر مدد دی ہے اونکے
ساتھہ دوستی کرنے سے اللہ تمکو روکتا ہے۔ اور ان لوگوں سے لڑو جو تم سے لڑتے ہیں اور حد سے

نہ گذرو بیشک اللہ دوست نہیں رکھتا حد سے گذرنے والوں کو۔ دین سکھلانے میں زبردستی
نہیں ہے۔ ہدایت گمراہی سے تمیز ہو گئی ہے۔ تو جو کچھ تمکو خدا نے دیا ہے اس سے آخرت کی*
کی طلب کر اور اپنی دنیا کا حصہ بھی مت بھول اور لوگوں کے ساتھ بھلائی کر جیسے اللہ نے تیرے
ساتھ بھلائی کی ہے اور دنیا میں فساد مت ڈالنا چاہ بیشک اللہ مفسدوں کو دوست نہیں
رکھتا۔ اور جیسے تمہارا حق عورتوں پر ہے ایسے ہی عورتوں کا حق تمہارے اوپر ہے عورتوں کے
ساتھ نیک برتاؤ کیا کرو۔ بلاؤ لوگوں کو اپنے خدا کے راہ کیطرف عقلمندی اور نیک طریقہ کی
ساتھ وعظ کر کے اور ان سے مناظرہ کر نیک طریق کے ساتھ بیشک تیرا رب جانتا ہے اوس
شخص کو جو اوسکی راہ سے بہکا ہوا ہے اور وہ جانتا ہے اونکو جو ہدایت پر ہیں۔ اگر تم بطور
انتقام کسی کو تکلیف دو تو اوسقدر دو جتنی تمکو تکلیف دیگئی ہے اور اگر تم صبر کرو تو بیشک صبر
کرنیوالوں کے لئے صبر کرنا بہتر ہے اور تو صبر کر اور نہیں صبر اللہ کی مدد سے ہے اور اونپر غم نکر
اور اونکی مکاریوں سے تنگ مت ہو بیشک اللہ اون لوگوں کے ساتھ ہے جو پرہیز کرتے ہیں
پس خوشخبری دے بندوں میرے کو جو دل سے سنتے ہیں قرآن کو اور پیروی کرتے ہیں اوسکی
زیادہ نیک بات کی ؎
یہہ وہ لوگ ہیں جنکو خدا نے ہدایت کی ہے اور یہہ وہ لوگ ہیں جو عقل رکھتے ہیں۔ عادت کر
معاف کرنے کی اور حکم کر نیکی کرنے کا اور کنارہ کیا کر جاہلوں سے یہہ لوگ دو مرتبہ بدلا دیے
جائیں گے اسلئے کہ وہ صبر کرتے ہیں اور برائی کا بدلہ بھلائی سے دیتے ہیں اور جو کچھ ہم نے

* قرآن شریف کی تعلیم جو غایت درجہ کی عام ہے یعنے ہر ایک شخص اور ہر ایک حالت اور
ہر ایک موقع کیواسطے اسلئے اسمیں بعض ضرورت کے لحاظ سے ایسے مباح کاموں کی اجازت دیگئی
ہے جنکا بحالت ترک کرنا افضل و اولیٰ ہے مثلاً مظلوم کو اپنی دادرسی کی بابت اپنے
ظالم کی شکایت کرنی اور اوس سے انتقام چاہنے کی اجازت تو دیگئی ہے لیکن صبر کرنا بہتر
بتلایا گیا ہے۔ اسطرح اور بہت احکام ہیں اسلئے قرآن میں بھی بہتر کام کرنیکے لئے ترغیب دیگئی ہے
تاکہ اباحت کے بہانے سے لوگ ادنیٰ درجہ کے کاموں ہی کو ہمیشہ کیلئے اختیار نہ کرلیں۔

دنیا سب دنیا کی سننے شروع کرتے ہیں اور جب بیہودہ بات سنتے ہیں تو اوس سے کنارہ کرتے
ہیں اور کہتے ہیں ہمکو ہمارے عمل اور تمکو تمہارے عمل۔ تو سلام ہے تمپر ہم بے سمجھوں سے
ملنا نہیں چاہتے۔

اگرچہ مذہب کے اصول تو وہی چار ہیں جو اوپر مذکور ہو چکے ہیں لیکن اونکی
تفصیل کے درجات مختلف ہیں۔ مثلاً نیکی کرنے کی ترغیب اور گناہ سے ڈرانا سب مذہبوں میں
پایا جاتا ہے۔ مگر بعض مذہبوں میں تو نیکی صرف جو افراد انسان کے تہذیب نفس کے متعلق ہے
سکھلائی گئی ہے بعض میں تہذیب منزل اور تدبیر معاشرت کو بھی شامل کیا ہے اور بعض مذہب
ہیں جو اونکے ساتھہ سیاست مدن کے اصول اور قوانین بین الاقوام کی بھی تعلیم کیگئی ہیں۔ ان
تعلیمات کے درجات کے مختلف ہونے کیوجہ یہہ معلوم ہوتی ہے کہ چونکہ ہر ایک قوم کو قدرت
نے اونکی ضرورت کے موافق تعلیم دی ہے اسلیئے جیسی جیسی جس جس قوم کو ضرورت تھی اوسی
طرح۔ اوسکو مذہب عطا کیا گیا ہے اور ابتدائی زمانوں میں مختلف قوموں کے حالات بہت
مختلف تھے اسوجہ سے اونکے مذاہب فروعات میں بہت مختلف ہوتے تھے۔ مثلاً توریت
ایک بہت بڑی قوم کو عطا کیگئی تھی جسکی سلطنت علیحدہ قایم ہوئی ہے۔ اور دوسری قوموں
سے اونکے معاملات پیش آتے تھے اسلیئے اونکو تعلیم بھی اوس زمانے کے موافق دوسری
کتابوں سے بہت بڑھکر اور کامل تھی اسلیئے قرآن نے بھی اوس کتاب کی بہت تعریف کی
ہے اور اوسکو نور اور ہدایت بتلایا ہے۔ اگرچہ ایسی تکمیل توریت کی بہت صدیوں میں بہت
نبیوں کے الہامات جمع ہوکر ہوئی تھی مگر وہ سب ایک کتاب میں جمع ہوگئی تھی اور ایک ہی قوم
کی کتاب کہلاتی تھی۔ اسواسطے اوسکو یہہ درجہ حاصل ہوا تھا۔ جب مسیح علیہ السلام نے اپنی تعلیم
شروع کی تو اوس زمانے میں دنیا کی تمام سلطنتوں سے بہتر روم کی سلطنت موجود تھی اسلیئے
مسیح کو نہ عیسائیوں کو علیحدہ سلطنت قایم کرنے کی ضرورت معلوم ہوئی نہ اونکو اپنی زندگی میں
اس کام کے کرنے کا موقع ملا اسلیئے اونکی کتاب میں سوائے تہذیب اخلاق کے اور کسی قسم کی
ہدایت کا ذکر بہت کم ہے صرف عورتوں کی نسبت یہہ فرمایا گیا ہے کہ جسکو خدا نے جوڑا ہے
اوسکو آدمی نہ توڑے۔ یا فرمایا کہ مرد زنا کے سوا اور کسی وجہ سے اپنی عورت کو طلاق نہ دیوے

یا ایک حواری کا حکم ہے۔ اے عورتو اپنے شوہرونکی اطاعت کرو۔ اے غلاموں اپنے آقاؤنکی فرمانبرداری کرو۔ یا ایک اور جگہہ مسیح نے فرمایا جو خدا کا ہے وہ خدا کو جو قیصر کا ہے وہ قیصر کو دو۔ اسطرحکی چند ارشاد تدبیر منزل اور معاشرت اور سیاست کی نسبت تمام انجیلوں کی تلاش سے ملتے ہیں اُسنے زیادہ کچہہ قوانین کا پتہ نہیں ملتا۔

لیکن پوری اور کامل ہدایت وہی ہے جسمیں انسان کے تمام تعلقات کے لحاظ سے اوسکو ہدایت دیجاوے اور وہ ہدایت بہی ایسی ہو کہ کسی زمانے یا قوم یا ملک کے ساتہہ خصوصیت نہ رکہتی ہو۔ سو یہہ صفت سوائے قرآن کے اور کسی کتاب میں نہیں پائی جاتی مگر افسوس ہے کہ قرآن کی اس کمالیت کو جو بعض علما ہرمذہبوں نے اور مخالف متعصبوں نے بخوبی نہیں سمجہا تو غلط سمجہہ کرکے قرآن پر کئی طرح کے اعتراض کرنے لگے۔

مثلاً تہذیب اخلاق کے لحاظ سے معافی صبر اور تحمل اعلیٰ درجہ کے فضایل ہیں۔ جنکو قرآن نے بہی بڑے تاکید سے تعلیم کیا ہے۔ مگر سیاست مدن کے قوانین کے لحاظ سے بدکو بدی کا بدلہ دینا اور شریر سے انتقام لینا عدالت اور امن قایم رکہنے کیلئے سب سے زیادہ ضرور ہے اسلئے قرآن نے عدالت کی تعلیم بہی کی ہے جسکو کوتاہ بین لوگ علدطلبی یا ظلم یا جذبات نفسانی کی پیروی کیطرف منسوب کرتے ہیں۔ یہہ لوگ قرآن کے ہرایک حکم کے موقع ومحل اور ضرورت کو غور سے سمجہہ لیں تو پھر کوئی اعتراض قرآن پر وارد نہ ہو

متاخرین کے علوم سیاست مدن سے بہی معلوم ہوتا ہے کہ سب سے بڑا فرض گورنمنٹ کا اپنی رعایا میں امن قایم رکہنا اور اونکو اپنی ہرطرحکی بہبودی میں ترقی کرنیکی آزادی دینا ہے اور بلکہ کسیقدر اس امر میں مدد دینا ہے اور اونکے جان ومال اور عزت کی حفاظت کرنی اور اونکے دلی حالات کی رعایت رکہنی ہے اسلئے عمدہ گورنمنٹ کا یہہ کام ہے کہ رعایا میں جو رسوم رواج پہلے سے موجود ہوں جہانتک وہ باتیں رفاہ عام میں خلل انداز نہ ہوں اونکی بہی رعایت رکہی جاوے بلکہ جو رسم رفاہ عام اور امن کے

خلاف ہو انمیں اسقدر اصلاح کیجائے جس سے منشاء کا اندیشہ رفع ہوجائے۔ ان عمدہ
اصول کے موافق اسلام کی گورنمنٹ نے جو رواج عرب میں پہلے سے موجود ہے اونکو
دفعتہ موقوف نہیں کیا البتہ ضرورت کے موافق اسلام کی گورنمنٹ نے اصلاح کردی
مثلاً تعداد ازدواج۔ طلاق اور لونڈی غلاموں کا حق ملکیت پہلے سے عرب میں جائز
خیال کیا جاتا تہا۔ اسلام کی گورنمنٹ نے ان رواجوں کو قطعاً موقوف نہیں کیا۔ بلکہ اونکی
اصلاح کی یعنے تعداد ازدواج کو محدود کیا۔ طلاق کی تعداد کو بہی محدود کیا اور جن غلام
لونڈیوں پر جنکو حق ملکیت حاصل ہو چکا تہا اونکو قایم رکہا۔ مگر غلاموں کی حالت میں بہت
کچہہ اصلاح کی گورنمنٹ اس سے زیادہ اور کچہہ اصلاح نہیں کر سکتی تہی اور نہ اوسکو
زیادہ دخل دینا مناسب تہا۔ آج کے زمانہ میں خود شایستہ سلطنتیں اپنی رعایا کے رواجوں
میں اس سے زیادہ دخل نہیں دے سکیں البتہ غلاموں کی حالت اس سے مستثنیٰ ہے مگر یہہ
استثنا ظاہری ہے اصل میں دیکہا جائے تو جس وقت انگلستان اور تمام یوروپ اور امریکہ
میں غلام کثرت سے موجود تہے اور انکی آزادی بہی ضروری سمجہی گئی تہی۔ اوسوقت
یہہ قومیں بہی دفعتہ غلاموں کی آزادی کا حکم نہیں دے سکیں۔ البتہ بہت حاکمی حکمت عملیوں
سے اس رواج کو گہٹائی گہٹائی جب دیکہا کہ اب غلاموں کی تعداد بہت کم رہگئی تب آیندہ کیلئے
اونکی ممانعت کردیگئی۔ اسلام نے اونسے بڑہکر غلاموں کی آزادی کے لئے پیرایہ اختیار
کئے مگر وہ پیرایہ اختیار حکومت کے طور پر نہ تہے بلکہ مذہب کے طور پر تہے البتہ بعض
صورتوں میں جبر کے قریب پہنچ جاتے تہے مثلاً جو شخص اپنے غلام کو مارے اوس گناہ
کا کفارہ اوس غلام آزاد کرنا ہے اور جو قسم توڑے اوسکا کفارہ بہی غلام آزاد کرنا ہے
بعض خطا کی صورتوں میں بہی غلام آزاد کردینے کا حکم ہے اور بہت گناہوں کا کفارہ
بہی غلام کا آزاد کرنا ہے۔ پہر لونڈی غلام کو اپنے جیسا کہلانے پلانے کا حکم دیا ہے
جس سے مالکو نپر نا قابل برداشت بوجہ پڑا۔ پہر بغیر کسی گناہ کے غلام کا آزاد کرنا بڑی
اعلیٰ درجہ کے ثواب کا موجب بتلایا گیا پہر یہہ حکم دیا گیا کہ جو غلام مکاتب ہو کر آزاد ہونا
چاہے تو مالک اوسکو آزاد کردیا کرے اور اوسکی قیمت مسلمانوں کے بیت المال سے

ادا کیجا یا کرے۔ غرض جو غلام موجود تھے اونکی آزادی کے لئے تو ایسے بندوبست کئے گئے اور آیندہ کو غلام بنانے کے لئے ممانعت کر دیگئی۔ کیونکہ جب فرمایا کہ جنگ کے قیدیونکو یا فدیہ لیکر چھوڑ دیا کرو اور یا احسان کر کے چھوڑ دیا کرو۔ تو اب غلام بنانے کی کوئی صورت نہ رہی ایسی ہی ترکیبوں سے یورپ نے غلامی کا رواج موقوف کیا ہے مگر قرآن نے بارہ سو سال پہلے سے یہہ حکمت بتلادی تہی۔ اور جو غلاموں کا رواج مسلمانوں میں کہیں کہیں موجود ہے وہ اسی قسم کا ہے جسکی اجازت اسلام نہیں دیتا بلکہ ہوا پرستی کی صورت میں پایا جاتا ہے۔ مگر اسطرح سے اور گناہ بہی مسلمان کرتے ہیں اونکے ایسے افعال کا الزام قرآن پر نہیں آسکتا۔

تعدد ازدواج کا بہی یہی حال ہے کہ عدل کا کرنا ہر موقع پر فرض بتلایا گیا ہے اور پہر فرمایا گیا ہے کہ اگر عدالت نہ ہونے کا عورتوں کے ساتہہ اندیشہ ہو تو صرف ایک عورت کیا کرو اور پہر فرمایا کہ عورتوں کے ساتہہ تم ہرگز عدالت نہیں کر سکتے۔ اگر آپ کرنا چاہو بہی۔ ان آیات کے مقابلہ کرنے سے یہی نتیجہ نکلتا ہے کہ ایک سے زیادہ نکاح ایک زمانے میں ہونے نہیں چاہئیں نکاح کرنے سے ایک سے زیادہ چار تک بہی ہوں زنا کا الزام نہیں آسکتا۔ لیکن قرآن کے ہر ایک مسئلہ میں موقع دیکہہ لینے چاہیئے۔ کہ یہ مسئلہ تہذیب اخلاق کے متعلق ہے یا سیاست مدن سے تعلق رکہتا ہے تب قرآن کی خوبی ذہن نشین ہو سکتی ہے۔

اسیطرح اخلاقی تعلیم کے ذریعے سے قرآن نے طلاق کے رواج کو بہت محدود کر دیا جبکہ فرمایا کہ اپنی عقود کو پورا کیا کرو تو نکاح بہی ایک عقد ہے جسکا معاہدہ مدۃ العمر کے لئے کیا جاتا ہے۔ جب تک شرائط معاہدہ میں خلل نہ واقع ہوا کرے تب تک طلاق دینا بہی قبیح سمجہا جاتا ہے۔

اس زمین پر جس زمانے میں انسانی جماعتیں علیحدہ علیحدہ ملکوں میں رہتی تہیں ایک قوم کو دوسری قوم سے کچہہ تعلق نہ ہوتا تہا نہ بحری بری سفر کرنیکے وسایل حاصل ہوتے تھے نہ لکہنا پڑہنا لوگونکو آتا تہا اوس زمانے میں بہی مذہب کیقدر سب کو نہی کیو

مذہب وہ قانون ہے جو انسان کو ایسی عمدہ طرح سے زندگی بسر کرنیکے اصول بتلاتا ہے جو اوسکی
[illegible] اور دینی حاجت روائی کیلئے کافی ہو۔ مگر ظاہر ہے کہ ایسی حالت کا مذہب مختلف المقام
او مختلف الزمان ہونا چاہیے کہ اوس سے علیحدہ علیحدہ ہر ایک قوم کی حاجت روائی ہو۔
اسوقت میں کسی ایک قوم کو ایسے مذہب کی تعلیم دینی جو تمام روئے زمین کے انسانوں
کیلئے [illegible] بالکل بیفایدہ تہا کیونکہ جب ایک ملک سے اور ایک قوم سے
تمام ملکوں اور تمام قوموں میں علم کے پھیلنے اور پہیلانے کے وسایل حاصل نہیں تھے
تو اوسوقت صرف ایک قوم کو ایسے مذہب کی تعلیم ہونے اور دوسرونکو اوس سے محروم
[illegible] یا انصاف [illegible] قانون قدرت کے خلاف تہا۔ چنانچہ تاریخی شہادت سے یہہ بات
ثابت ہوتی ہے کہ [illegible] سے زبان ہر ایک قوم کی علیحدہ علیحدہ ہوتی تہی اوسیطرح سے
[illegible] قوم کا علیحدہ ہوتا تہا۔ اور قرآن میں بہی بتلایا گیا ہے کہ ہر ایک
قوم [illegible] اتہا لیکن جب مسیح کے زمانے میں رومیونکی سلطنت دنیا
کی [illegible] میں پہنچگئی تہی تو اوسوقت مسیح کی تعلیم ہی بہ نسبت پہلے
مذہبونکے [illegible] اور اوس زمانہ سے دنیا کی قوموں میں زیادہ تعلقات باہمی
پیدا ہونے لگے [illegible] کا رواج زیادہ ہوتا گیا۔ سفر کے سامان بہی زیادہ نکل آئے
[illegible] دنیا [illegible] تمام قوموں کو ملا دیا تہا تمام دنیا میں تجارت کے رستے
کہل گئے [illegible] ہونے سے اور نئی حالت کے ظاہر ہونیسے پرانے
مذہبوں [illegible] مذاہب اصلی حالت پر رہنے کے قابل نہ ہے کیونکہ
پہلے مذہبو [illegible] م ہوتی تہی اب علوم کی ترقی سے لوگونکے خیالات
زیادہ آزاد ہونے [illegible] وجہ تلاش کرنے لگی ہر ایک مذہب میں تفتیش
کرنے والے علما کی [illegible] نے مذہبونکی اصلی صورتونکو بدل دیا یہہ حالت
دیکہکر عوام کو مذہبونسے [illegible] ایک ایسے مذہب کی حاجت ہوئی جو صرف تحکم
سے تعلیم نہ دیوے [illegible] دلایل بہی دیوے جو انسانکی تفتیش کرنے والے دلکو
تسلی دیویں اور [illegible] کسی قوم کے ساتہہ خاص نہ ہو بلکہ اوسکی تعلیم ایسی ہو کہ جس سے

ہر ایک ملک اور ہر ایک قوم فایدہ اُٹھا سکے۔ اور چونکہ یہہ قانون قدرت ہے کہ جب
کسی مخلوق کو جسطرح کی ضرورت ہوتی ہے اوسکے رفع کرنیکے سامان قدرت سے پیدا
ہو جاتے ہیں اسی قاعدہ کے موافق مسیحؑ سے چھ سو سال کے بعد جزیرہ نما عرب میں جو
رومی اور فارسی سلطنتونکی درمیان اور تمام دنیا کی سلطنتوں سے ہمیشہ آزاد رہا تھا
ایک رسول پیدا ہوا اور اوس نے وہ مذہب تعلیم کیا جو دنیا کی تمام قوموں کے لئے کافی
ہوا اور جو کچھہ بتلایا وہ بادلیل بتلایا پہلے تمام مذہبوں میں جسقدر امور ایسے موجود تھے جو
ہر ایک انسان کے واسطے واجب التعمیل تھے اون سب کو ایک کتاب میں جمع کر دیا۔ اور
باقی مسایل کو چھوڑ دیا اور پہلے مذہبوں کے متبعین میں جو بہت روحانی معاملوں کی نسبت
بحث اور اختلاف واقع ہو گیا تہا اور کچھہ سمجھہ میں نہیں آتا تہا اونکو دلایل دیکر فیصل کر دیا سب سے
بڑا اختلاف تو یہہ تہا کہ ہر ایک مذہب کے حکما تو اسبات پر زور دیتے تھے کہ مذہب انسان
کی عقل کے موافق ہونا چاہئے ورنہ ایسی مخلوق کے لئے جو عقل رکھتی ہے اور مختار ہے۔
ایسے مذہب کی تعلیم دینی جو سمجھہ میں نہ آوے کسطرح سے مفید ہو سکتی ہے اور اس بنا پر جنکو
اپنے مذہب کا پاس ہوتا تہا وہ تاویلیں کر کے اپنے مذہبی مسایل کو عقل کے موافق بنانے
میں کوشش کرتے تھے۔ اور بعض لوگ مذہب کو ایک جبری قہری فرمان کیطرح مانتے تھے
مگر قرآن نے اس بڑے اختلاف کا فیصلہ اسطرح سے کیا کہ مذہب نہ صرف عقل کے موافق ہے
اور نہ صرف جبری قہری فرمان ہے جسکی ضرورت کسیکی سمجھہ میں نہ آوے بلکہ وہ ایک فطری
امر ہے جسکو ہر ایک شخص طوعاً و کرہاً مانتا ہے اور اس مسئلہ کو اسطرح سے تعلیم کیا۔

"پیروی کر دمذہب ابراہیمؑ موحد کی وہ مذہب کیا ہے وہ فطرت ہے اللہ کی
جسپر اوس نے لوگوں کو پیدا کیا ہے۔ خدا کی پیدا ایش میں کبھی تبدیلی نہیں ہوا کرتی۔
دین سید ہا ہے لیکن بہت لوگ نہیں جانتے۔ اسطور سے قرآن نے بتلا دیا کہ مذہب
کوئی جبری قہری قانون نہیں ہے۔ بلکہ ایک فطری امر ہے جو اکثر تعلقات دنیاوی
اور جذبات نفسانی اور وہمیات اور رواج تقلید کے باعث اپنی اصلی حالت سے
متغیر ہو جاتا ہے اوسی امر کی تہذیب اور اصلاح اصلی مذہب ہے جسکا رکن اعظم

توحید باری ہے اور باقی امور اوسکی توابع کیطرح ہیں۔ اسی مضمون کو ایک آیت میں اسطرح سے سمجھاتا ہے " قسم ہے نفس کی اور اوسکی درستی کی پس خدا نے الہام کیا اوسکو کہ یہ کام تیرے لئے بڑے ہیں اور یہہ کام تیرے واسطے اچھے ہیں بیشک خلاصی پائی اوس شخص نے جس نے اوسکو مہذب کیا اور خسارہ میں رہا وہ شخص جس نے اوسکو دبادیا۔ یعنے اوسکے الہاموں پر عمل نکیا۔ یعنے ہر ایک نفس انسانی میں فطرت یعنے نیکی بدی کا علم دیا گیا ہے پہر جو شخص اوس فطرت کے موافق عمل کرے وہ خلاصی پائیگا اور جو شخص اوس سے بے پروائی کریگا وہ خسارہ میں رہے گا۔

علاوہ ان صداقتوں کے اور بہت امور مختلف فیہ کی نسبت قرآن نے بڑے معقول فیصلے دیے ہیں۔ مثلاً معجزہ کیا شے ہے تقدیر کیا ہے الہام کیا ہے وغیرہ وغیرہ مگر ان میں کا ہر ایک مسئلہ ایسا ہے کہ اوسکی پوری بحث کے لئے ایک ایک مستقل رسالہ لکہنا مناسب ہے جو انشاء اللہ تعالیٰ بشرط فرصت و توفیق کبہی آیندہ لکہی جائیں گے ؎ فقط

مثنوی

صبح امید

مصنّفہ

جناب مولوی محمد شبلی صاحب نعمانی

ماہ مارچ ۱۸۸۶ء

نامی پریس لکھنؤ میں باہتمام منشی محمد نثار حسین مہتمم پیام یار طبع ہوئی

بسم اللہ الرحمن الرحیم

صبحِ امید

ادراکِ حالِ ما ز نگہ میتوان نمود
حرفے ز حالِ خویش بسیما نوشتہ ایم

کیا یاد نہین ہمین وہ ایام ؟ — جب قوم تھی مبتلاے آلام
وہ قوم کہ جان تھی جہان کی — جو تاج تھی فرقِ آسمان کی
تھی جسپہ نثار فتح و اقبال — کسرے کو جو کر چکی تھی پامال
گل کردیے تھے چراغ جسنے — قیصر کو دیے تھے داغ جسنے
وہ نیزۂ خون فشان کہ جسکا — ٹھہرا تھا فرانس کے جگر پر
روما کے دھوین اوڑا دیے تھے — اٹلی کو کنوین جھنکا دیے تھے
با اینہمہ جاہ و شوکت و فر — اقلیمِ ہنر بھی تھا مسخر
ہیئت مین بلند پایہ اوسکا — تھا فلسفہ زیرِ سایہ اوسکا
منطق مین ہوا جو گرمِ جولان — تھامے تھے رکاب مصر و یونان

میدانِ سخن جو روبرو تھا
فارس کی زبان پہ طرّ قوا تھا

جو فلسفیانِ ہند و چین تھے
خرمن سے اوسی کے خوشہ چین تھے

یہ قوم کہ تاجِ آسمان تھی
اب کوئی گھڑی کی میہمان تھی

تھے جان کے پڑ گئے جو لالے
ہر سانس پہ لیتی تھی سنبھالے

جس چشمے سے اک جہان تھا سیراب
وہ سوکھ کے ہو رہا تھا بی آب

پامال ہوا تھا بوستان کیا!
آئی تھی بہار پر خزان کیا!

وہ ابر کہ چھا رہا تھا یکسر
دو دن ہوئے کھل گیا برس کر

پستی نے دبا لیا فلک کو
خورشید ترس گیا چمک کو

اب خضر کو گمرہی کا ڈر ہے
عیسیٰ کو تلاشِ چارہ گر ہے

جو ابر ابھی برس گیا ہے
اک بوند کو اب ترس گیا ہے

اسلام کی جان پر بنی ہے!
دم توڑ رہا ہے! جانکنی ہے!

ہر چند یہ ہو چکی تھی حالت
ہم تھے وہی مستِ خوابِ راحت

غفلت نے ڈبو دیا تھا ہمکو
تقلید نے کھو دیا تھا ہمکو

مٹنے پہ جو تھا نشان ہمارا
خواب اور ہوا گران ہمارا

غفلت کے یہ چل رہے تھے جھونکے
گو صبح ہوئی پہ ہم نہ چونکے

کس نیند مین سو گئی تھین آنکھین
بیکار سی ہو گئی تھین آنکھین

ادراک و خرد سے برطرف تھا
دل یا کوئی پارۂ خزف تھا؟

بیکار تھا۔ بے نظام تھا دل
پہلو مین برائے نام تھا دل

تھے ہوش و حواس سب معطل
سیدھی تھی غرض نہ ایک بھی کل

تھی روز بروز حالت ابتر
بن بنکے بگڑ چلا مقدر

پیچھے ہٹنے لگی تھی بڑھ کر
دریا یہ اوتر چلا تھا چڑھ کر

عزت نہ رہی۔ نہ جاہ و ثروت
افلاس کی بج چکی تھی نوبت

دولت سے جو ہاتھ دھو چکے تھے
ہم علم و ہنر بھی کھو چکے تھے

وہ فلسفۂ کہن ہمارا
گنجینۂ علم و فن ہمارا

وہ اوج کمال نکتہ دانی
یعنی وہ مسائل معانی

منقول کی انتہائے تکمیل
آئین و اصول جرح و تعدیل

ترتیب گذارش دلائل
اسطرح کے اور بھی مسائل

اندوختۂ سلف تھا جو کچھ
وہ لعل تھا یا خزف تھا۔ جو کچھ

تھی ذرۂ خاک۔ یا ستارے
اب کچھ نہین ہاتھہ مین ہمارے

معقول کو۔ فقہ کو۔ ادب کو
ہم ہاتھہ سے کھو چکے ہین سبکو

بیہودہ فسانہائے پارینہ — زلف وخط وخال کے مضامین
وہ نوک قرہ کی نیزہ بازی — وہ ترکِ نگہ کی فتنہ سازی
یہ طرزِ خیال تھا ہمارا — یہ فن ـ یہ کمال تھا ہمارا
جغرافیہ وجود سارا — ہر چند کہ ہمنے چھان مارا
کی سیر بھی گرچہ بحر وبر کی — لیکن نہ خبر ملی کمر کی
نالون کے دکھائے جب تماشے — گردون کے اڑا دیے پرخچے
دریا ٹھہرایا چشمِ تر کو — خون نابہ فشان کہا جگر کو
چھیڑا رگِ دل کو نشتر سے — نالون کو لڑا دیا اثر سے
اس کوچہ تنگ وتار سے ہم — اس پیچ سے ـ اس حصار سے ہم
کھایا کیے گو ہزار چکر — تا زیست نکل سکے نہ باہر
چرچا یا ذکر تھا ـ تو یہ تھا — جولان گہِ فکر تھا تو یہ تھا
اپنی تو ہمین نہ کچھ خبر تھی — اورون کے عیوب پر نظر تھی
لڑپڑتے تھے بات بات مین ہم — ڈوبے تھے تعصبات مین ہم
دکھلائی کمال دینداری — مومن کو بنا دیا جو ناری
تکفیر ـ ہمارا ہی چلن تھا — زندیق ـ تو تکیہ سخن تھا

دشمن کو نہ کر سکے موافق ؎
مومن کو بنا دیا منافق

گمراہ تو سیکڑون بنائے
رستے پہ نہ ایک کو بھی لائے

خُلقِ نبوی کی تھی یہ تصویر!
آپسمین ہر ایک گرمِ تکفیر ؎

تصنیف مین گالیونکی بھرمار ؎
تحریر کہ لعنتون کا انبار

برپا تھے وہ مسجدونمین فتنے
دیکھے نہ سُنے کبھی کسی نے

آپسمین نفاق کا یہ عالم!
یہ اوس سے خفا وہ اِس سے برہم

اللہ رہی یہ وفورِ غفلت!
سمجھے تھے رواج کو شریعت!

باطل پہ فدا۔ تو حق سے بیزار!
تقلید پہ کس بلا کا اصرار!

دیندار براے نام تھے ہم ؎
وابستۂ رسمِ عام تھے ہم ؎

تھے رسم و رواج پر فدا سب
تحقیق سے کُچھ غرض نہ مطلب

سمجھے نہ ذرا۔ کہ وقت کیا ہی؟
کس سمت زمانہ چل رہا ہی؟

نیرنگیون پر نہ کُچھ نظر کی
یعنی کہ ہوا ہے اب کدھر کی؟

کیا بینش ہی؟ کیسی صورتین ہین؟
کیا وقت ہی؟ کیا ضرورتین ہین؟

رنگ و روشِ سپہر کیا ہے؟
اب طرزِ خرامِ دہر کیا ہے؟

ہین چرخ کی اب نئی ادائین
چلنے لگین اور ہی ہوائین

چھیڑے جو گئے نئے فسانے
نغمہ وہ رہا۔ نہ وہ ترانے

پھونکا ہے فلک نے اور افسون
اب رنگِ زمانہ ہی دگرگون

سیارے ہین اب نئی چمک کے
وہ ٹھاٹھ بدل گئے فلک کے

اب صورتِ ملک و دین نئی ہے
افلاک نئے۔ زمین نئی ہے

سب بھول گئے ہین ما سبق کو
گردون نے اولٹ دیا ورق کو

تیور جو بدل گئے قضا کے
ڈہنگ اور ہین چرخِ فتنہ زا کے

میخانۂ اوّلین ہمارا
وہ جام۔ وہ ساتگین ہمارا

وہ لطف کے تذکرے۔ وہ فرحت
وہ گرمیِ انجمن۔ وہ صحبت

وہ سحر و فسونگری زبان کی
وہ طرز۔ وہ شوخیان بیان کی

وہ دُرجِ دُرِ سخن ہمارا
گنجینۂ علم و فن ہمارا

جو زینت و ساز تھے ہمارے
جو مایۂ ناز تھے ہمارے

جس باغ کے برگ و ساز تھے ہم
یعنی کہ چمن طراز تھے ہم

جو دشت تھا سبزہ زار ہم سے
جس باغ پہ تھی بہار ہم سے

جس بزم کے میگسار تھے ہم
جس ملک کے تاجدار تھے ہم

جھونکے جو چلے نئی ہوا کے
آغوش مین آگیا فنا کے

وہ بزم رہی ۔ نہ جام و ساغر — یکبار اولٹ گیا وہ دفتر
دیکھی یہ روش تو پھر خردمند — ہوتے گئے طرزِ نو کے پابند
گرنے بھی نہ پائے تھے کہ سنبھلے — بدلا جو زمانہ ۔ وہ بھی بدلے
طرز و روشِ زمانہ حال کے — جس ڈھنگ پہ ہے چلی وہی چال
یان اور جو قافلے روان ہین — سب بادِ صبا سے ہمعنان ہین
لیکن نقشِ زمین رہے ہم — بیٹھے تھے جہان وہین رہے ہم
گر کر نہ کبھی ابھر سکے ہم — بگڑی ۔ تو نہ پھر سنور سکے ہم
گو غیر اب اہلِ انجمن ہین — ہم گرمِ فسانۂ کہن ہین
ابتک ہین بغفلت آرمیدہ — محوِ چمنِ خزان رسیدہ
ہر چند وہ بزم ہے ۔ نہ احباب — ہم دیکھ رہے ہین پر وہی خواب
گو لطمہ خورِ زمانہ ہین ہم — مخمورِ مئے شبانہ ہین ہم
اوس گنجِ گہر پہ ہم ہین نازان — جسکا کوئی جوہری نہین یان
قائم جو وہ انجمن نہین ہے — اس نقد کا اب چلن نہین ہے
اب عیب ہین سب ہنر ہمارے — ہین پوچھتے کم گہر ہمارے
ازبسکہ ذلیل و خوار ہین ہم — افسانۂ روزگار ہین ہم

ہی اوج پہ بختِ بد ہمارا
دیکھے کوئی جذر و مد ہمارا!

کیا کوئی سُنے فغان ہماری!
دلدوز ہے داستان ہماری

ہم مایۂ عبرتِ جہان ہین
ہم ننگِ زمین و آسمان ہین

ناچار ہین خستہ حال ہین ہم
عبرتکدۂ زوال ہین ہم

مِٹنے پہ ہی اب نشان ہمارا
گُم گشتہ ہے کاروان ہمارا

کس ندانست کہ منزلگہِ مقصود کجاست
این قدر ہست کہ بانگِ جرسے مے آید

ماتم تھا یہی - کہ آئی ناگاہ
اِک سمت سے اِک صدا جانکاہ!

اِس شان سے تھی وہ آہِ دلگیر
پہلو مین اثر بغل مین تاثیر

دل ہاتھ سے لینے مین بلا تھی
جادو تھی؟ فسون تھی؟ جانے کیا تھی

ڈوبی ہمہ تن جو تھی اثر مین
نشتر سی اتر گئی جگر مین

جِس سمت سے آئی تھی وہ آواز
وہ جلوہ نمائے سحر و اعجاز

جنبش جو ہوئی رگِ اثر کو
دل تھام کے سب بڑھے اُدھر کو

دیکھا - تو وہان بجاہ و تمکین
آیا نظر ایک پیرِ دیرین

صورت سے عیان جلالِ شاہی
چہرے پہ فروغِ صبحگاہی

وہ ریشِ دراز کی سپیدی
چھٹکی ہوئی چاندنی سحر کی

پیری سے کمر مین اک ذرا خم
توقیر کی صورتِ مجسم

وہ مُلک پہ جان دینے والا
وہ قوم کی ناؤ کھینے والا

اوٹھتے ہوے جوش سے بہ رقت
ہے مرثیہ خوانِ قوم و ملت

نالان ہے کہ "اب سے بھی تو جاگو
اے خوابِ گران کے سونے والو!

آخر کبتک یہ خوابِ غفلت؟
اوٹھو تو ذرا نقابِ غفلت!

تا چند رہوگے مست و سرشار؟
اوٹھو! کہ سحر ہوئی نمودار

سوچو تو ذرا! کہ حال کیا ہے؟
کس خواب مین ہو؟ خیال کیا ہے؟

غفلت مین جو شب بسر ہوئی ہے
لو اب تو اوٹھو! سحر ہوئی ہے

کچھ تمکو خبر ہے یا نہین ہے؟
کچھ دل پہ اثر ہے۔ یا نہین ہے؟

اغیار کے طنز کو بھی سنکر
لگتے نہین کیا جگر پہ نشتر؟

دیکھو تو ذرا یہ حالتِ زار
کیون قیدِ بلا مین ہو گرفتار؟

ہو گردِ رہِ صفِ پسین کیون؟
اس بزم مین خوار ہو تمھین کیون؟

کیون تیرِ ستم کے ہو نشانہ؟
بگڑا ہے تمھین سے کیون زمانہ؟

کسنے تمھین اوج سے اوتارا؟
اقبال نے کیون کیا کنارا؟

کیون بار ہو تم دلِ زمین پر؟ — کیون برقِ بلا گری تمھین پر؟

کس پیچ مین رہ گئے ہو پھنسکر؟ — کیا ہی کہ اوجڑ گئے ہو بسکر؟

افلاس مین تم جو ہو گرفتہ — بیٹھے ہو جو نقشِ پا سے بیکار

شکوے ہین جو بیزری کے تمکو — لالے ہین جو نوکری کے تمکو

حرفت کو جو کر چکے ہو غارت — برباد جو ہو چکی تجارت

ہر علم و ہنر سے بیخبر ہو — صنعت مین جو تم شکستہ پر ہو

مدخل جو نہین کمال مین کچھ — وسعت جو نہین خیال مین کچھ

افعال جو سخت مبتذل ہین — تدبیر کے دست و پا جو شل ہین

رونا ہی تمھین اب آج جنکا — خود کردہ ہین کیا علاج انکا!

غفلت مین جو خوب سو چکے ہو — ہونا جو تھا وہ ہو چکے ہو

دنیا کے نہ کام کے - نہ دین کے — افسوس ار ہے نہ تم کہین کے

نکبت کی گھٹا ہی سر پہ چھائی — افلاس کی ہر طرف دہائی

اب عیش نصیب ہے - نہ آرام — گھر گھر مین مچا ہوا ہی کہرام

برباد پڑے ہین کارخانے — نکبت نے مٹا دیے گھرانے

رونق کا اثر - نہ عیش کی بو — اک خاک سی اوڑ رہی ہی ہرسو

امید کے دن کی ہو چکی شام
خورشید اب آگیا لبِ بام

اب وقتِ اخیر ہے خبر لو!
جو کچھ کرنا ہے اب بھی کر لو!"

تا دیر وہ قوم کا فدائی
وہ خضرِ طریقِ رہنمائی

اُٹھتے ہوے جوشِ دل سے پیہم
عبرت کا دکھا رہا تھا عالم

افسانۂ غم سُنا کے ٹھہرا
سوتون کو جگا جگا کے ٹھہرا

جادو کی بھری ہوئی وہ تقریر
ہونٹون سے ٹپک رہی تھی تاثیر

ترغیب کے ساتھ ساتھ تہدید
کچھ یاس۔ تو کچھ نویدِ امید

کچھ لطف بھی تھا عتاب کے ساتھ
تھا زہر۔ پہ قندِ ناب کے ساتھ

باتون مین اثر تھا کسِ بلا کا؟
اکبار جو رُخ پھرا ہوا کا

امید کی بڑہ گئی تگ و تاز
اونچی ہوئی حوصلون کی پرواز

خواہش کے بدل گئے ارادے
ہمّت نے قدم بڑہائے آگے

وہ دوڑ چلے جو پا بگِل تھے
آندھی ہوے جو فسردہ دل تھے

جو تھا وہ عجیب جوش مین تھا
مخمور بھی اب تو ہوش مین تھا

اب ملک کے ڈھنگ تھے نرالے
اخبار کہین کہین رسالے

تعلیم کے جا بجا وہ جلسے
گھر گھر مین ترقیون کے چرچے

بیتاب یہ اِیک جزو کُل تھا | ہر بار "بڑھے چلو" کا غُل تھا

نومیدی از وصالِ تو طاقت گداز بود
صد جا گرہ زنیم امیدِ بُریدہ را

اسلام کی حالتِ زبون کا | آنکھون مین جو پھر گیا تھا نقشا
تھا صبر و شکیب کا نہ یارا | غیرت نے دلون کو پھر اُبھارا
تدبیرِ مرض کی جستجو تھی | ہر بزم مین اب یہ گفتگو تھی
"یعنی روشِ علاج کیا ہو؟ | بیمار کو کس طرح شفا ہو؟
کیا ہو کہ ادھر چلین ذرا ہم؟ | اس قیدِ بلا سے ہون رہا ہم
یہ پھانس جو چبھی ہوئی نکل جائے | بیمارِ اجل ذرا سنبھل جائے
وابستۂ غم کی جان بری ہو | سوکھی ہوئی شاخ پھر ہری ہو
یہ قوم کی بیکسی تو جائے | یعنی یہ مریض جی تو جائے"
تھی بسکہ ہر ایک کو یہی فکر | برسون یہی بحث تھی۔ یہی ذکر
ہر بزم مین تذکرہ یہی تھا | ہر شخص کا مشغلہ یہی تھا
دانش طلبانِ نکتہ دان نے | عیسی نفسانِ خوش بیان نے
ترتیب دیے بکاوش و کد | بتیس ۳۲ رسالہاے سفرد

لکھے بدلائل و براہین ٭ اس بحث پہ مختلف مضامین

وہ نکتہ ورِ حقیقت آگاہ ٭ یعنی مہدی علی ذیجاہ

سید اشرف علی ممتاز ٭ مشتاق حسین نکتہ پرداز

اِنکے قلمِ گہرفشان نے ٭ آئین گذارشِ بیان نے

آسان کردی ہر ایک مشکل ٭ ناطی شدہ رہ گئی نہ منزل

جو بحث تھی دلنشین کی تھی ٭ ہر بات کی چھان بین کی تھی

"اسلام کا وہ عروجِ شاہی ٭ وہ اوج وہ شانِ کجکلاہی

ایوانِ علوم کی وہ تزئین ٭ تحصیلِ کمال کی وہ آئین

تکمیلِ فنون مین توغل ٭ اکبار پھر اونکا وہ تنزل"

اسطرح غرض کہ جذر و مد کا ٭ کھینچا تھا وہ ٹھیک ٹھیک نقشا

تصویر سی پھر گئی نظر مین ٭ جان آگئی قالبِ اثر مین

اسباب و علل سے بحث کی پھر ٭ یعنی کہ "یہ انقلاب نادر

کس بات سے ہے؟ سبب ہوا کیا؟ ٭ وہ باعثِ اوج اب ہوا کیا؟"

پھر اصلِ سخن پہ کی جو تقریر ٭ یعنی روشِ علاج و تدبیر

تحقیق کے طی کیے مراحل ٭ وا کردیے عقدہاے مشکل

تدبیر کی صورتین بتائین ۔ جو جو تھین ضرورتین بتائین
القصہ یہ بات کی تھی تسلیم ۔ یعنی کہ علومِ نو کی تعلیم
تدبیرِ شفا جو ہے ۔ تو یہ ہے ۔ اس دُکھ کی دوا جو ہے ۔ تو یہ ہے
سہتے ہین جو یون غم و تعب ہم ۔ تدبیر یہی ہی بس کہ " اب ہم
تقویمِ کہن سے ہاتھ اُٹھائین ۔ تہذیب کے دائرے مین آئین
سیکھین وہ مطالبِ نوآئین ۔ یورپ مین جو ہو رہے ہین تلقین
تہذیب کے وہ اصولِ نایاب ۔ وہ طرزِ معاشرت کے آداب
وہ گنجِ گرانِ دانش و فن ۔ وہ فلسفۂ جدیدِ بیکن
کیپلر کی وہ نکتہ آفرینی ۔ نیوٹن کے مسائلِ یقینی
اس فیض سے ہم بھی بہرہ ور ہون ۔ ہم بھی اسی کان کے گہر ہون
جوہر جو کمال کے دکھائین ۔ اس بزم مین ہم بھی بار پائین
ہمت کے کھلین جو بالِ پرواز ۔ اس اوج مین ہم بھی ہون عنان تاز
گو صعب نہین ہین یہ مراحل ۔ ہمکو ہی مگر یہ تازہ مشکل
قائم ہین جو آج درسگاہین ۔ جنپر ہین اوٹھی ہوئی نگاہین
سرکار سے ہے قیام جنکو ۔ حاصل ہی قبولِ عام جنکو

اوروں کی اگرچہ رہنما ہین — اونکے لیے نسخہ شفا ہین

جس غم سے مگر تباہ ہین ہم — اوس زخم کے یہ نہین ہین مرہم

اوس درد کی یہ دوا نہین ہین — ناخن یہ گرہ کشا نہین ہین

پیاسے نہین ہم اِس ابر ویم کے — درمان یہ نہین ہمارے غم کے

اپنے تو یہ چارہ گر نہین ہین — ہر چند کہ ہین- مگر نہین ہین

تعلیم ہی صرف ہو جو مقصود — کافی ہے یہ جس قدر ہے موجود

اِدبار کے ہین مگر جو آثار — ہم ایک ہین اور ہزارون آزار

ذِلت سے بھری ہر ایک خو ہے — اَخلاق مین سفلہ پن کی بو ہے

آئینِ معاشرت مین بھی ہم — محتاج ہین تربیت کے اسدم

تہذیبِ خیال بھی ہے درکار — تحصیلِ کمال بھی ہے درکار

مقصود ہے دولتِ یقین بھی — تعلیمِ اصولِ شرع و دین بھی

تکمیلِ طریقِ پاکبازی — ترویجِ شریعتِ حجازی

درسِ لغتِ عرب کم و بیش — اتنی جسے مشکلین ہون درپیش

پھر غیر سے کیا ہو چارہ جوئی؟ — کس کس کا کرے علاج کوئی؟

تدبیر یہ ہے کہ اب سنبھلکر — ہم آپ کھڑے ہون اپنے بل پر

وابستۂ خیر تھے اگر ہم | اب آپ ہون اپنی چارہ گر ہم

اس دشت کو طے کرین سراسر | ہم آپ دلیلِ راہ بن کر

قائم ہو باتفاق باہم | اک مدرسۃ العلومِ اعظم

جو قوم کا مامن و مقر ہو | درمان ہو طبیبِ چارہ گر ہو

وہ کعبۂ آرزو ہمارا | ہر غم مین ہو چارہ جو ہمارا

آئین و اصولِ فن بتائے | آدابِ معاشرت سکھائے

وہ درس کہ خجستہ انجام | ہو پشت و پناہِ قومِ اسلام

ہر عقدۂ آرزو کرے وا | مرکز ہو ہماری حاجتون کا

سامانِ روائیِ غرض ہو | یعنی کہ دوائے ہر مرض ہو

درمان ہو مریضِ خستہ جان کا | مرہم ہو جراحتِ نہان کا

مشاطہ را بگو کہ براسبابِ حسن یار
چیزے فزون کند کہ تماشا بما رسید

والا گہرانِ قوم نے اب | اِک مجلسِ تازہ کی مرتب

دیباچۂ نامۂ سعادت | یعنی وہ خزینۃ البضاعت

رائین ہوئین متفق جو سبکی | اب قوم سے یاوری طلب کی

وہ کشتۂ قوم۔ وہ فدائی — اوٹھا لیے کاسۂ گدائی

ایک ایک سے عرضِ حال کرتا — در در وہ پھرا سوال کرتا

ہر بزم دہر انجمن مین پہونچا — ہر باغ مین۔ ہر چمن مین پہونچا

کاوش سے غرض تھی کچھ نہ کد سے — ملتا تھا ہر ایک نیک و بد سے

مردانِ خدا پرست سے بھی — رندانِ سیاہ مست سے بھی

ہر زاہد و بادہ خوار سے بھی — ملتا تھا وہ گل سے خار سے بھی

ٹھہرا جو نہ گرم سیر ہو کر — کعبے بھی گیا وہ دیر ہو کر

مطلب تھا جو خوب و زشت سے بھی — گذرا حرم و کنشت سے بھی

پستی سے ملا فلک کی صورت — ذرّون مین رہا چمک کی صورت

صوفی۔ عالم۔ رشید۔ دگمراہ — والا گہران صاحبِ جاہ

دانش طلبانِ نکتہ اندوز — کم حوصلگانِ حیلہ آموز

مطلب کا ہر اک سے تھا طلبگار — ہر خوان سے تھا وہ زلّہ بردار

گذرا وہ ہر ایک رہگذر پر — دی اوسنے صدا ہر ایک در پر

کس بزم مین یہ فغان نہ پہونچی — آہ اوسکی کہان کہان نہ پہونچی

ہر اِک کو یہ ماجرا سنایا — ہر بزم مین اپنا راگ گایا

نالے کیے داغ دل دکھا کر — رویا کبھی حال غم سنا کر
کیا کیا نہ مصیبتین اُٹھائین! — ہر طرح کی ذلتین اُٹھائین!
ناکام رہا صدائین دے کر! — دشنام سُنی دعائین دے کر!
حنظل پائی شکر کے بدلے! — سنگ اوسکو ملے گہر کے بدلے!
لعل اوسنے دیے شرار پائے! — گُل نذر کیے۔ تو خار پائے!
کیا تلخ ملے جواب اوسکو! — کیا کیا نہ دیئے خطاب اوسکو!
برگشتہ کہا کسی نے دین سے! — لعنت کا صلہ ملا کہین سے!
خود قوم کو ہو گئی تھی یہ کد — زندیق کہا کسی نے مرتد!
چرچے تھے یہی زغرب تا شرق — وہ اپنی ہی دھن مین تھا مگر غرق
گو ناوکِ ظلم کا ہدف تھا — وہ شیفتہ پھر بھی سر بکف تھا
منظور جو قوم کا تھا اعزاز — ذلت پہ بھی اپنی تھا اُسے ناز
دُشنام کو وہ دعا ہی سمجھا! — وہ درد کو بھی دوا ہی سمجھا!
جور اوسنے سہے کرم کے بدلے! — لطف اوسنے کیے ستم کے بدلے!
ہرچند یہ مشکلین تھین درپیش — گو غیر تھے سب یگانہ و خویش
دل کو نہ تھا آسرا بھی — یارونمین وفا تھی ذرا بھی

بیگانہ عزیز و خویش ٹھہرا | سمجھا جسے نوش نیش ٹھہرا

یہ زحمتیں گو تھیں ساتھ اسکے | پر زور تھے پر جو ہاتھ اسکے

آگے وہ بڑھا۔ ہٹا کے سبکو | طی کر گیا جادۂ طلب کو

آئے تھے جو سنگِ راہ بنکر | سب اوڑ گئے برگِ کاہ بنکر

ناکام رہے وہ جنکو تھی لاگ | خاشاک سے دب سکی نہ یہ آگ

کی خس نے اگرچہ لاکھ تدبیر | صرصر کا نہو سکا عنان گیر

آتش پہ ٹھہر سکا نہ سیماب | خاشاک سے رک سکا نہ سیلاب

باطل کو جو حق نے کر دیا پست | اب نیست نے پائی صورتِ ہست

آہوں نے دکھائی اوسکی تاثیر | کام آئے وہ نالہاے شبگیر

پر درد جو اوسکی داستان تھی | لبریز اثر جو وہ فغان تھی

ٹھنڈے ہوے۔ تھے جو گرم خو بھی | دل تھام کے رہ گئے عدو بھی

ہمت تھی جو شمع راہ اوسکی | خالی نہ گئی وہ آہ اوسکی

ہونی تھی کہ قوم کے پھرین دن | نالے نرہے اثر کیسے بن

آمادہ ہوے براے امداد | عالی منشانِ صاحبِ داد

وہ اوجِ فزاے شوکت و جاہ | سرکارِ نظام خلد اللہ

وہ مستندِ عدالت و داد | یعنی وہ رئیسِ مصطفٰے باد

وہ صاحبِ سیرتِ رضیہ | دستورِ کبیرِ آصفیہ

تھے ملک مین اور بھی جو ذیجاہ | اسلام کے یاور و ہواخواہ

فیاضیون کے دکھائے آثار | یا ابرِ کرم ہوا گہر بار

امید نے بھی برغمِ دشمن | بھر بھر لیے اپنی جیب و دامن

وان بحرِ کرم کو آگیا جوش | یان مطلب و آرزو تھی ہمدوش

پیدا جو ہوا خیالِ غیرت | یہ تھا اثرِ کمالِ غیرت

اِس جوش مین بھر گئے بد و نیک | تھا چور اسی نشے مین ہر ایک

نادار تھا یا کہ اہلِ زر تھا | ہر اِک کو یہ مطمحِ نظر تھا

"روشن ہو یہ شمعِ راہِ حاجت | تعمیر ہو قبلہ گاہِ حاجت"

آخر بہزار جاہ و اجلال | طالع ہوا آفتابِ اقبال

روشن ہوئی بزمگاہِ امید | نکلا اُفقِ شرف سے خورشید

قائم ہوا یادگارِ ایام | وہ مدرستہ العلومِ اسلام

افتتاح کی تھی جو دلربا رسم | کس شان سے یہ ہوئی ادا رسم

مجمع تھا جو اہلِ علم و فن کا | کچھ ڈھنگ نیا تھا انجمن کا

کس شوق سے تھے شریکِ صحبت
عالی منشانِ قوم و ملّت

جنکو کہ یہ دھن لگی تھی جی سے
پھولے نسماتے تھے خوشی سے

تھا لارڈ لٹن جو صدرِ محفل
فرزانہ و ہوشمند و عاقل

بنیاد کے سنگِ اولین کو
رکھا تو کہا کہ: "ای عزیزو!

گو سرورِ انجمن ہے یورپ
سرچشمۂ علم و فن ہے یورپ

با اینہمہ جاہ و شوکت و فر
ہی اہلِ عرب کا سایہ پرور

سیکھے ہین اصولِ فن اُنھین سے
لی ہی روشِ سخن اُنھین سے

ہون آج جو مین شریکِ محضر
رکھتا ہون جو اس بنا کا پتھر

مقصود یہ ہی - یہ چاہتا ہون
اوس حق سے کسی قدر ادا ہون

خالق سے دعا ہی اب کہ جاوید
روشن رہے یہ چراغِ امید!

ذرّہ ہے تو مہرِ آسمان ہو!
قطرہ ہے تو بحرِ بیکران ہو!"

زشرحِ قصۂ مارفتہ خواب از چشمِ خاصان را
شب آخر گشتہ و افسانہ از افسانہ می‌خیزد

یہ حاصلِ نالہاے شبگیر
یہ قوم کی آرزو کی تصویر

یہ اوج دہِ خیالِ امّید
یہ قوم کا نونہالِ امید

صد شکر کہ آج بارور ہے
جو شاخ ہی اوسکی پُر ثمر ہے

لایا ہی وہ برگ و بار کیسا!
اعدا کو ہی خار خار کیسا!

بخت اوسکا جو آج اوج پر ہے
ہر لحظہ بر رونقِ دگر ہے

یہ اوسکی ترقیون کا ہے طور
کل اور تھا آج ہو گیا اور

پہلے سے یہ آب و تاب ہے آج
کل شمع تھا- آفتاب ہے آج

اِس چشمۂ فیض سے ہے سیراب
بنگال سے تا حدودِ پنجاب

دانش طلبانِ قوم اکثر
ہین جمع ہر اک جگہ سے آکر

کِس نخل کے یان ثمر نہین ہین؟
کس کان کے یان گہر نہین ہین؟

اِس باغ مین کوئی آکے دیکھے
اسلام کے ہونہار پودے

ہر چند یہ اوج ہی! یہ شان ہے!
وہ بات مگر ابھی کہان ہے!

سامان جو اتنے کچھ بہم ہین
ہر چند بہت ہین- پھر بھی کم ہین

جس دشت مین فکر ہے عنان تاز
جس اوج پہ ہی ہوس کی پرواز

جو پیش نہادِ آرزو ہے
جس سمت عنانِ جستجو ہے

جسکے لیے ناصبور ہین ہم
اوس حد سے ہنوز دور ہین ہم

ناطی شدہ منزلِ طلب ہے
امید ہنوز تشنہ لب ہی

باقی ہین بہت سے کام اتبک
تعمیر ہے نا تمام اتبک

آتا ہی یہان جو کوئی ممتاز
سُنتا ہی یہ بام و در سے آواز

"اِی قوم! کہان ہے تو کدھر ہے
کیون حال سے میرے بیخبر ہے؟

تو- اور مری خبر نہ لی- قوم!
کس نیند مین سو گئی ہی؟ اِی قوم"

جو لوگ دکھا چکے ہین ہمت
اونسے تو نہین ہے کچھ شکایت

افسوس تو اونپہ ہی- کہ اب بھی
ہین گم شدہ رہِ ترقی!

جلوے جو دکھا رہا ہے ادبار
ابتک بھی جو بر بسر کجی ہین
سچ یہ ہے کہ جب ضد آپڑی ہے
گو قوم شکستہ حال ہوجاے
افلاس مین ٹھوکرین بھی کھائے
پوچھے کوئی بد نہ نیک اوسکو
سہنے ہین پڑے اوسے شب و روز
یا ورنہ کوئی نہ چارہ گر ہو
ہر ایک کے دل پہ بار ہو کر
یہ سب ہو۔ پر اونکی ضد نجاے
گو قوم پہ لاکھ آفتین آئین
جاتے نہین وہم باطل انکے
اتنے جو نہ کج خیال ہوتے
سینہ سے اگر ہے بغض للہ
کچھ آپ ہی انتظام کرتے
باتین نہ فقط بنا کے رہتے
اسلام کی دوستی۔ تو یہ تھی
یہ وقت جو آپڑا ہے مشکل

اوہام غلط مین ہین گرفتار
گو اپنے ہین۔ پھر بھی اجنبی ہین
پھر قوم کی اونکو کیا پڑی ہے!
برباد ہو۔ پامال ہوجاے
اغیار کے ناز بھی اوٹھائے
ٹھکرا کے چلے ہر ایک اسکو
اغیار کے طعنہ ہاے دلدوز
ہو خوار۔ تو اور خوار تر ہو
مٹ جاے ذلیل و خوار ہوکر
حق بات کبھی نہ دل مین آئے
ممکن ہے کہ یہ ذرا بدل جائین؟
پتھر سے بنائے ہین دل انکے
کیون آج شکستہ حال ہوتے
وہ خادم قوم اگر ہے گمراہ
اسلام کو نیکنام کرتے
جو منہ سے کہا دکھا کے رہتے
الفت کی دلیل تھی۔ تو یہ تھی
ہے پردہ کشاے حق و باطل

اک عرضہ گہ قبول و رد ہے ! معیار تمیز نیک و بد ہے

یاں حال کھلیگا این و آن کا دنگل ہے وفا کے امتحان کا

اے مدعیان حب اسلام ! مجرو نہین تو اب کرو نہ آرام !

دعوے ہین ۔ تو کچھہ ہنر دکھاؤ ! ہمت کے قدم ذرا بڑھاؤ !

دیکھو ! رہ جستجو یہی ہے ! میدان یہی ہے ! گو یہی ہے !

انداز عرب اگر ہے خو مین ! باقی ہی وہ جوش اگر لہو مین !

موقع ہے یہی ہنر دکھاؤ ! جو کہتے تھے آج کر دکھاؤ !

کردو جو گذشتہ کی تلافی ! ثابت ہو زمانے پر کہ اب بھی

گو دور فلک ہوا دگرگون پھر بھی تو رگون نہین ہے وہی خون

اسلاف کے وہ اثر ہین اب بھی ! اس راکھہ مین کچھہ شرر ہین اب بھی

اس حال مین بھی روش وہی ہے ! دن ڈھل بھی گیا طپش وہی ہے

اس جام مین ہے شراب باقی ابتک ہے گہر مین آب باقی !

گو خوار ہین طرز و خو وہی ہے مرجھا گئے پھول ۔ بو وہی ہے !

ھذا ۔ ولقد بلغت اقصاہ فاسعوا ! وتوکلوا علی اللہ !

راقم

سرگذشت عہد گل را ہم ز شبلی بشنو

عندلیب آشفتہ تر گفتست این افسانہ را

که فصاحت دنیا کی ملکه ہے

فصاحت

معلمات الاملا

یعنی

عمدہ لکچر دینے اور مؤثر اور برجستہ تقریر کرنے کے

قواعد

جس کو

خاکسار سراج الدین اڈیٹر سرور گزٹ ناہن

نے

خریداران اخبار مین تقسیم کرنے کے لئے

شیر پریس ناہن مین چھاپا

نذر

یہ چند صفحہ جو ایک ناچیز محنت کا نتیجہ ہین
مین اپنے صوبہ کے عالی رتبہ بزرگ اور سردار قوم
عالی جناب سردار محمد حیات خان بہادر
سی - ایس - آئی -
کے نام نامی سے جو ہماری پیاری محمڈن ایجوکیشنل
کانگریس کا پریزیڈنٹ ہونے کے شکریہ مین
معنون کرتا ہون

خاکسار سراج الدین -

تمام قوتین خارجی ہون یا باطنی جو قدرت نے انسان کو عطا کی ہین اُن کی ترقی اور نشو و نما کے راز کو خوب صورت سُنہرے حروف مین لکھ کر ایک فولادی صندوق مین بند کر دیا ہے۔ اور اس صندوق کی کُنجی جس کو ہم ورزش اور مشق کے نام سے بسا اوقات پُکارتے ہین کسی ایسے مقام پر نہین ڈال دی گئی کہ تلاش کرنے سے نہ مل سکے۔ جو چیز کہ ہماری زندگی کا سہارا ہے اور جس کے بغیر جینا صرف بے لطف ہی نہین بلکہ بے فائدہ اور بے کار ہوتا قوت ہے۔ مگر قوت کا رکھنا اور اُس کے استعمال کرنے کا طریقہ نہ جاننا ایسا ہی ہے جیسا کہ دولت کے بیش بہا خزانے رکھنا اور نہ جاننا کہ اس کو کیون کر استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ہم تمام دنیا کی طاقت۔ دولت اور علم کو اپنے پاس رکھتے ہون مگر اُس سے کسی اثر پیدا کرنے کے طریقون سے نا واقف ہون تو وہ سب بالکل بے کار اور بے سود ہین

بے شک اگر ہم ان اشیۂ گران بہا کو کسی اثر پیدا کرنے کے لیے استعمال نہین کر سکتے تو ہماری زندگی اس خاموش لاشہ سے کچھ بھی اچھی نہین ہے جو ایک تاریک قبر مین رکھی ہوئی ہے۔

کسی شے کے حاصل کرنے کی کوشش ہم اُس کے فائدے کے لحاظ سے کرتے ہین۔ ایک ہماری جسمانی قوت ہے جس کے حاصل کرنے سے ہم ایک آدمی پر یا بعض اوقات چند آدمیون پر فتح پا لینے کے قابل ہوتے ہین۔ لیکن ایک دوسری شریف ترین قوت ہمارے پاس ہمارے دل کی قوت ہے جس سے ہم سیکڑون ہزارون بل کہ لاکھون کے دل پر فتح پا لینے کے لائق ہو جاتے ہین۔ درحقیقت وہ کوشش اور خواہش بھی نہایت ہی شریف ہو گی جو اس قوت کے حاصل کرنے مین صرف کی جائے گی۔ اس قوت کے فوائد ایسے کم قیمتی نہین ہین کہ ہم چند الفاظ مین اُن کی خوبی کو بیان کر سکین گے۔ ہم لوگون کی قسمتون کا فیصلہ کرتے ہین۔ اُن کے خیالات کو ہدایت کرتے ہین۔ اُن کی خواہشون کی راہ نمائی کرتے ہین۔ اُن کے دلون پر حکومت کرتے ہین۔ یہ بزرگی کس شے کی بدولت ہے؟ وہی ایک قوت جس کا نام ہم "**فصاحت**" رکھتے ہین۔ اور جس کی نسبت ایک قدیم زمانہ کے شاعر نے یہ کہا تھا کہ وہ "دنیا کی ملکہ" ہے۔ ہر ایک بڑے موقع پر فصاحت سردار ہوئی ہے جن لوگون نے اپنے آپ کو اس زیور سے آراستہ کیا ہے وہ دنیا کے سب سے بڑے عظیم الشان اور نمایان کام کرنے والے ہوئے ہین۔ اُنھون نے حب وطنی کے خیالات کے خرمن مین

ایک چنگاری ڈال کر شعلے بھڑکا دیے ہین۔ لوگون کے دلون مین سچے جوش اور سرگرمی کے چراغ روشن کیئے ہین۔ اُن سے بدیان اور بدکاریان چھڑا دی ہین۔ ہزارون پھیلے ہوے عیوب کی اصلاح کی ہے۔ جہالت اور گمراہی کے گُپ اندھیرے مین تہذیب اور ہدایت کی مشعلین روشن کی ہین لوگون سے اُن کے مروجہ عادات واطوار چھڑا کر دوسرون کے اختیار کرنے پر آمادہ کیا ہے۔ مذہبی عقائد کے بحر عظیم مین پُرزور طوفان وتلاطم پیدا کر دیا ہے۔ لوگون کے دلون مین اکثر نفرت اور حقارت پیدا کر دی ہے۔ جدال وقتال کے فتنۂ خوابیدہ کو جگا دیا ہے اور پھر اُن کے سامنے یہ کوئی بڑی بات نہ تھی کہ سُلا بھی دیا ہے۔ اکثر اوقات ہم کہتے ہین کہ لفظون کا آدمی کام کے آدمی سے کم رتبہ رکھتا ہے۔ لیکن بعض اوقات ہم دیکھتے ہین کہ اول الذکر کا مرتبہ درحقیقت عظیم الشان ہوتا ہے۔ ایک مشہور مثل ہے کہ "گویائی سیمین وخاموشی زرین ست" مگر وہ یہان نہین صادق آتی بعض حالات مین ہم اس کو صحیح پاتے ہین۔ مگر وہ حالات بھی ہماری آنکھون کے سامنے آتے ہین جن کی تعبیر صحیح طور پر یہ کی جاسکتی ہے کہ گویائی قوت ہے اور خاموشی ضعف۔

قوت کے پہلو بہ پہلو شہرت چلتی ہے اور شہرت ہر ایک سلیم الفہم آدمی کو عزیز ہے وہ اثر جو ہم کو اس قوت کی بدولت اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ہم اس سے کام لے رہے ہوتے ہین کچھ کم قیمتی نہین ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اور بیحد انتہا قابل قدر وہ اثر اور وہ شہرت ہے جو آیندہ زمانہ

کے دلوں میں بطور یادگار کے قائم ہوتا ہے اور اُن کو اُسی جوش اور ہمت کے فیض سے مستفیض کرتا ہے۔ اس شہرت کی قدر قیمت اور اُس بزرگی عزت اور فضیلت کا اندازہ جو اس سے حاصل ہوتی ہے ہم اُن خیالات سے کر سکتے ہیں جو ہمارے دلوں میں گذرے ہوئے مصلحین مجددین۔ ریفارمرن اور فصیح مقرروں کی نسبت موجود ہیں۔

فصاحت یا قوت گویائی سے لوگوں کے دلوں پر اثر ڈالنے کی قوت اور خواہش کے نشانات قریباً ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں گو اُن کی صورتیں ایسی مختلف ہیں کہ ہر ایک کو دوسرے سے کوئی قریبی شباہت نہیں ہے جس چیز کو ہم اس وقت جدید زمانے کی فصاحت کہتے ہیں وہ کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ اُس کی پیدائش اور ایجاد کا سراغ لگانے کے لیے ہم کو دنیا کے قدیم ایام میں بہت دور تک سفر کرنا پڑے یا مشرقی یا مصری قدامت کے یادگاروں میں تلاش کرنا پڑے۔ اُس زمانے میں جس شے کو ہم فصاحت کی اغراض کے ہم شکل دیکھتے ہیں یا قریب المفہوم کہہ سکتے ہیں وہ خود شاعری یا شاعری کے قریب قریب ایک گونہ موزون کلام تھی جو فصاحت کی جدید اصطلاح کے احاطے میں داخل نہیں ہو سکتی مگر جن اغراض کے لیے جدید فصاحت وضع کی گئی ہے اکثر اوقات یہی اغراض اُس سے بھی وابستہ ہوتی تھیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس خاص صورت کی وجہ ایک تو اُن الفاظ کے ذخیرے کی کمی ہے جن سے وہ زبانیں شامل ہوتی تھیں۔ مگر یہ امر ہر وقت صحیح نہ ہوگا اور زیادہ وسعت کے ساتھ یہ کہا

جا سکتا ہے کہ جاہلیت کی خصوصیتون مین سے اس امر کو بطور ایک خاصہ کے مان لیا جاسے کہ انسان کی ناتعلیم و تربیت یافتہ حالت مین اُن کی بے ضبط خواہشات اور واقعات سے حیرت و تعجب مین گرفتار ہونے والی طبایع کے لیے یہی موزون تھا کہ وہ پُر جوش اور موزون کلام سے مؤثر ہوتی تھین - ایام جاہلیت کی اسی قسم کی موزون کلام مین قریباً ہر ایک ملک مین پائی جاتی ہین - اب یا تو اُن کی صورت مین کوئی خاص ترقی ہو جانے کی وجہ سے کچھ تغیر پیدا ہو گیا ہے یا اب تک بدستور وہی حالت قائم ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے اس طرز کلام کی وجہ جاہلانہ طبایع کے بے ضبط جوش کی مناسبت تھی جو مؤثر ہونے کے لیے ایسے پُر مبالغہ واقعات کی محتاج ہوتی تھین جو اُن کو حیرت اور تعجب مین ڈالین - پس جس وقت کہ علم اور تہذیب کے آفتاب نے اُٹھکر اپنا جمال جہان آرا دنیا کو دکھایا اور اُس کی نورانی شعاعون نے جہالت کی تاریکی کے بدنما پردے کو چاک کر دیا - اُسی وقت ان اغراض کے لیے ایک دوسرے طرز کلام کی بنیاد رکھی گئی جس کو ہم جدید فصاحت کے نام سے ظاہر کرتے ہین یہ تقریر و تحریک کا سیدھا سادہ فن تھا جس مین نہ جوش و خروش کی ضرورت تھی نہ موزون اور باقاعدہ عبارتین اور نہ بندش الفاظ درکار تھی صرف صحیح واقعات کو جو حقیقت اور واقعیت رکھتے ہون لیکن عام خیالات اور فہم سے بالاتر ہون ایسے طور پر بیان کرنا کہ حقیقت اور واقعیت کا زور لوگون کی طبایع پر مؤثر ہو اس کا کام تھا - اس فن کی جاسے پیدائش یونان کی جمہوری ریاستین تھین

جہان فی الواقع فن تحریک کی سب سے پہلی ضرورت واقع ہوئی تھی اس سے پیشتر جو بڑی سلطنتین شام اور مصر کی تھین وہ شخصی طرز حکومت کی پابند تھین وہ ایام لوگون کے دلون کو شخصی عزت اور بزرگی کے خیالات سے بھرے رکھتے تھے - کوئی تحریک اُن پر کارگر نہ ہوسکتی تھی وہ صرف راہ نمائی کے محتاج اور عادی بن گئے تھے - لیکن یونان مین شخصی سلطنت کی صورت بگڑنے سے اُس کے لوازمات بھی تغیر ہوگئے اور وہ فن تحریک ایجاد ہوا جو اس وقت تک اس علم وفن کا مطالعہ کرنے والون سے بغیر تعریف وتوصیف کے نہین پڑھا جاتا

یونان اُس وقت متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستون مین منقسم تھا - خود مختار بادشاہ اُس پر حکومت کرتے تھے مگر یہ ریاستین بھی تہ وبالا ہوگئین اور ان کے بجاے بہت سی جمہوری حکومتین قائم ہوئین جن کے یکسان اصول تھے اور یکسان جوش آزادی اُن مین پایا جاتا تھا - اور ایک دوسرے کی رقیب اور حاسد تھین - ہم کہہ سکتے ہین کہ یونان کا یہ آرایش وترقی کا زمانہ جنگ مارتھن سے لے کر سکندر اعظم کے وقت تک رہا جس نے یونان کی آزادی کو مغلوب کر لیا - بس وہی ڈیڑھ صدی تھی جس مین یونان نے اپنے عجائبات دنیا کو دکھائے - اسی زمانے مین اُس کے مشہور شاعر اور فلاسفر اور خصوصاً ارسیٹر (فصیح مقرر) پیدا ہوے - کیونکہ شاعری اور فلسفہ تو بعد زمانے مین بھی اُن کے درمیان موجود رہا - لیکن فصاحت کے ایام اپنی یادگارون کے سوا اور کچھ باقی نہ چھوڑ گئے تھے -

یونان کی جمہوری حکومتون مین سے جس ریاست نے اس لاثانی فصاحت اور ہر قسم کے علوم و فنون مین سب سے بڑھ کر قدم مارا تھا وہ ایتھنز کی ریاست تھی۔ ایتھنز کے باشندے ذہین۔ تکی۔ فہیم۔ اور خوش طبع لوگ تھے۔ کار و بار مین مشاق۔ اور سلطنت کے متواتر اور مسلسل انقلابون سے جو اُن کے وقت مین واقع ہوے اُن کی تیزیان اور بھی ترقی کر گئی تھین۔ اُن کی طبایع مین جمہوری حکومت کا جوش آزادی بھرا ہوا تھا اور اُن کے سقفن جلبا افراد جمہوریت تھے۔ بڑے بڑے نازک اور اہم معاملات پر فصحاے وقت کو بحث اور تقریر کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اور بڑی قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرتے تھے۔ اس فصاحت کا اظہار کچھ معمولی شغلون اور تعریف و توصیف حاصل کرنے کے مقابلون کے لیے نہین ہوتا تھا۔ بلکہ سلطنت کے نہایت پیچیدہ اور اُلجھے ہوے نازک معاملات کے فیصلون مین وہ لوگ اس قوت خداداد کے عجائبات دکھاتے تھے اور بعض اوقات جب وہ حسب دستور رعایا کی طرف سے اہم اور نازک امور سلطنت پر اظہار راے کے لیے منتخب کیے جاتے تھے تو وہ اپنی عظیم جواب دہی کے سامنے خوف سے کانپتے تھے۔ اگر کوئی دولت مند بادشاہ یہ چاہے کہ اپنی کثیر دولت کے خرچ کرنے سے فصاحت آموزی کے لیے مدارس قائم کرے تو درحقیقت اس درجے کی کامیابی ہونا اور ایسے فصیح مقرر پیدا کرنا جو یونان کی جمہوری ضرورتون اور آزادی کی دولت نے پیدا کر دیے تھے بہت محال ہے۔ بڑے بڑے مشہور اور نامور

مقرر جو آج تک اس شریف فن کے آسمان کے روشن اور درخشان
ستارے ہین یونان کے اُسی عدیم المثال زمانے کے یادگار ہین جن لوگون
نے اپنے آپ کو اس فن مین پورے درجے کے کمال تک پہونچا دیا تھا
وہ صرف معمولی مقرر نہ رہے تھے بل کہ شاہی اختیارات کے مالک اور لوگون
کے دل و جان پر پورا قابو رکھنے والے تھے۔

پائی سسٹریٹس وہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے مقررین کے
معمولی درجے کی سطح سے اپنے آپ کو ممتاز کیا۔ یہ سولون کا ہم عصر تھا
جس کے آئین سلطنت کو اس نے تبدیل کر دیا تھا۔ اُس نے اپنی تمام قابلیت
اور دستگاہ کو جو اس فن مین رکھتا تھا شاہی قوت کے حاصل کرنے کی
کوشش مین صرف کر دیا ہر طرح اُس کو کامیابی ہوئی۔ اس کے بعد
آنے والا اور یقیناً عظیم المرتبہ مقرر پیری کلیز تھا جس نے فن فصاحت
کو ایک نامعلوم بلند مرتبہ تک پہونچا دیا اور اصل یہ ہے کہ جس طرح گذشتہ
زمانے مین اُس کی مثال کوئی نہ تھا اسی طرح آیندہ زمانے مین بھی اُس کے
مقابل کوئی نہین کھڑا ہوا۔ وہ صرف مقرر ہی نہ تھا بل کہ بڑے زمانہ کا مدبر
اور سردار تھا۔ چالیس برس تک اُس نے یونان پر پورے غلبہ سے حکومت
کی۔ گو اس کی اس حرص و ہوس کی لوگ ملامت کرتے ہون مگر اُس کے
بہت سے اوصاف مشہور آفاق بھی تھے۔ اُس کی راست بازی پر
لوگون کو پورا اعتماد تھا جس سے اُس کے الفاظ کا اثر بہت زیادہ ہوتا
تھا۔ اُس کے زور اور قوت کلام کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُس کا

خطاب اولمپی اس (جہان جیوپیٹر کا دربار ہے) ہوگیا تھا اور یہ کہا جاتا تھا کہ جب وہ بولتا تھا تو جیوپیٹر (منتون کا دیوتا) کی طرح گرجتا تھا اس شخص نے تقریر کو مینٹی تر تحریرین سے لانے کی رسم نکالی تھی۔

اس کے بعد بہت سے اور نامور فصحائے یونان ہوئے ہین۔ مثلاً کلی رون۔ السی بے آیڈ یز۔ کوٹی اس اور تھیو میڈیز وغیرہ۔ ان کے بعد اور چند مشہور مقرر گذرے جن مین سقراط اعظم کا نام بھی شامل ہے اور پھر ایک اخلاقی مقرر کا دور آیا جس کا نام ائی ساکریٹیز تھا۔ اس کی پابندی قواعد اور قابلیت کا حال اس سے معلوم ہو سکتا ہے کہ ایک تقریر کے لکھنے مین جواب تک پینی گائرک کے نام سے مشہور ہے یہ دس برس تک مصروف رہا۔ اُس کی خوب صورتی اور شان و زینت کا اندازہ بھی اسی سے ہو سکتا ہے السی اس اور کالی سی اس بھی اُسی زمانے کے مقررون مین سے ہین جن کی بعض تقریرین اب تک محفوظ ہین۔ ان کی فصاحت مین کسی قسم کا جوش و خروش نہ تھا اور نہ کسی اعلی پایہ کے مقرر کہلا سکتے ہین البتہ السی اس کی زیادہ شہرت اس وجہ سے ہوئی تھی کہ وہ آنے والے شہنشاہ فن فصاحت یعنی ڈیما ستھنیز اعظم کا استاد تھا۔

ڈیماستھنیز کا زمانہ اس فن کے کمال کا زمانہ تھا۔ اس کی مشہور فصاحت کی کہانیاں ہین اور لازوال شہرت اب تک قائم ہے مگر جیسے کہ ہر کمالے رازوالے مشہور ہے اس شخص کے کمال کے خاتمے پر سلطنت یونان کی آزادی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اور فن فصاحت کا چراغ گل۔

دیباچہ

تمام قوتین خارجی ہون یا باطنی جو قدرت نے انسان کو عطا کی ہین اُن کی ترقی اور نشوونما کے راز کو خوب صورت سُنہرے حروف مین لکھ کر ایک فولادی صندوق مین بند کر دیا ہے۔ اور اس صندوق کی کُنجی جس کو ہم ورزش اور مشق کے نام سے بسا اوقات پُکارتے ہین کسی ایسے مقام پر نہین ڈال دی گئی کہ تلاش کرنے سے نہ مل سکے۔ جو چیز کہ ہماری زندگی کا سہارا ہے اور جس کے بغیر جینا صرف بے لطف ہی نہین بلکہ بے فائدہ اور بے کار ہوتا قوت ہے۔ مگر قوت کا رکھنا اور اُس کے استعمال کرنے کا طریقہ نہ جاننا ایسا ہی ہے جیسا کہ دولت کے بیش بہا خزانے رکھنا اور نہ جاننا کہ اس کو کیونکر استعمال کیا جاتا ہے۔ اگر ہم تمام دنیا کی طاقت دولت اور علم کو اپنے پاس رکھتے ہون مگر اُس سے کسی اثر پیدا کرنے کے طریقون سے ناواقف ہون تو وہ سب بالکل بے کار اور بے سود ہین

ہے بےشک اگر ہم ان امتعۂ گران بہا کو کسی اثر پیدا کرنے کے لیے استعمال
نہین کر سکتے تو ہماری زندگی اس خاموش لاشہ سے کچھ بھی اچھی نہین ہے
جو ایک تاریک قبر مین رکھی ہوئی ہے۔

کسی شے کے حاصل کرنے کی کوشش ہم اُس کے فائدے کے لحاظ
سے کرتے ہین۔ ایک ہماری جسمانی قوت ہے جس کے حاصل کرنے سے ہم
ایک آدمی پر یا بعض اوقات چند آدمیون پر فتح پا لینے کے قابل ہوتے ہین۔
لیکن ایک دوسری شریف ترین قوت ہمارے پاس ہمارے دل کی قوت
ہے۔ جس سے ہم سیکڑون ہزارون بلکہ لاکھون کے دل پر فتح پا لینے کے
لائق ہو جاتے ہین۔ درحقیقت وہ کوشش اور خواہش بھی نہایت ہی شریف
ہوگی جو اس قوت کے حاصل کرنے مین صرف کی جاے گی۔ اس قوت کے
فوائد ایسے کم قیمتی نہین ہین کہ ہم چند الفاظ مین اُن کی خوبی کو بیان کر سکین
گے۔ ہم لوگون کی قسمتون کا فیصلہ کرتے ہین۔ اُن کے خیالات کو ہدایت
کرتے ہین۔ اُن کی خواہشون کی رہنمائی کرتے ہین۔ اُن کے دلون پر حکومت
کرتے ہین۔ یہ بزرگی کس شے کی بدولت ہے؟ وہی ایک قوت جس کا
نام ہم "**فصاحت**" رکھتے ہین۔ اور جس کی نسبت ایک قدیم زمانہ
کے شاعر نے یہ کہا تھا کہ وہ "دنیا کی ملکہ" ہے۔ ہر ایک بڑے موقع پر
فصاحت سردار ہوئی ہے جن لوگون نے اپنے آپ کو اس زیور سے
آراستہ کیا ہے وہ دنیا کے سب سے بڑے عظیم الشان اور نمایان کام
کرنے والے ہوے ہین۔ اُنھون نے حبّ وطنی کے خیالات کے خرمن مین

ایک چنگاری ڈال کر شعلے بھڑکا دیے ہین - لوگون کے دلون مین سچے جوش اور سرگرمی کے چراغ روشن کیے ہین - اُن سے بدیان اور بدکاریان چھڑا دی ہین - ہزارون پھیلے ہوے عیوب کی اصلاح کی ہے - جہالت اور گمراہی کے گھُپ اندھیرے مین تہذیب اور ہدایت کی شعلین روشن کی ہین لوگون سے اُن کے مروجہ عادات و اطوار چھُڑا کر دوسرون کے اختیار کرنے پرآمادہ کیا ہے - مذہبی عقائد کے بحر عظیم مین پُرزور طوفان و تلاطم پیدا کر دیا ہے - لوگون کے دلون مین اکثر نفرت اور حقارت پیدا کر دی ہے - جدال و قتال کے فتنۂ خوابیدہ کو جگا دیا ہے اور پھر اُن کے سامنے یہ کوئی بڑی بات نہ تھی کہ سُلا بھی دیا ہے - اکثر اوقات ہم کہتے ہین کہ لفظون کا آدمی کام کے آدمی سے کم رتبہ رکھتا ہے - لیکن بعض اوقات ہم دیکھتے ہین کہ اول الذکر کا مرتبہ درحقیقت عظیم الشان ہوتا ہے - ایک مشہور مثل ہے کہ "گویائی سیمین و خاموشی زرین ست" مگر وہ بیان نہین صادق آتی بعض حالات مین ہم اس کو صحیح پاتے ہین - مگر وہ حالات بھی ہماری آنکھون کے سامنے آتے ہین جن کی تعبیر صحیح طور پر یہ کی جاسکتی ہے کہ گویائی قوت ہے اور خاموشی ضعف -

قوت کے پہلو بہ پہلو شہرت ملتی ہے اور شہرت ہر ایک سلیم الفہم آدمی کو عزیز ہے وہ اثر جو ہم کو اس قوت کی بدولت اس وقت حاصل ہوتا ہے جب ہم اس سے کام لے رہے ہوتے ہین کچھ کم قیمتی نہین ہے لیکن اس سے بھی زیادہ اور بیحد انتہا قابل قدر وہ اثر اور وہ شہرت ہے جو آیندہ زمانہ

سے دلوں میں بطور یادگار کے قائم ہوتا ہے اور اُن کو اُسی جوش اور ہمت کے فیض سے مستفیض کرتا ہے۔ اس شہرت کی قدر قیمت اور اُس بزرگی عزت اور فضیلت کا اندازہ جو اس سے حاصل ہوتی ہے ہم اُن خیالات سے کر سکتے ہیں جو ہمارے دلوں میں گذرے ہوئے مصلحین مجددین۔ ریفارمرز اور فصیح مقرروں کی نسبت موجود ہیں۔

فصاحت یا قوت گویائی سے لوگوں کے دلوں پر اثر ڈالنے کی قوت اور خواہش کے نشانات قریباً ہر زمانے میں پائے جاتے ہیں گو اُن کی صورتیں ایسی مختلف ہیں کہ ہر ایک کو دوسرے سے کوئی قریبی مشابہت نہیں ہے جس چیز کو ہم اس وقت جدید زمانے کی فصاحت کہتے ہیں وہ کوئی ایسی شے نہیں ہے کہ اُس کی پیدائش اور ایجاد کا سُراغ لگانے کے لیے ہم کو دنیا کے قدیم ایام میں بہت دور تک سفر کرنا پڑے یا مشرقی یا مصری قدامت کے یادگاروں میں تلاش کرنا پڑے۔ اُس زمانے میں جس شے کو ہم فصاحت کی اغراض کے ہم شکل دیکھتے ہیں یا قریب المفہوم کہہ سکتے ہیں وہ خود شاعری یا شاعری کے قریب قریب ایک کوزہ موزوں کلام تھی جو فصاحت کی جدید اصطلاح کے احاطے میں داخل نہیں ہو سکتی مگر جن اغراض کے لیے جدید فصاحت وضع کی گئی ہے اکثر اوقات یہی اغراض اُس سے بھی وابستہ ہوتی تھیں۔ ہم کہہ سکتے ہیں کہ اس خاص صورت کی وجہ ایک تو اُن الفاظ کے ذخیرے کی کمی ہے جن سے وہ زبانیں شامل ہوتی تھیں۔ مگر یہ امر بہت صحیح نہ ہوگا اور زیادہ صحت کے ساتھ یہ کہا

جا سکتا ہے کہ جاہلیت کی خصوصیتون مین سے اس امر کو بطور ایک خاصہ کے مان لیا جاے کہ انسان کی ناتعلیم و تربیت یافتہ حالت مین اُن کی بے ضبط خواہشات اور واقعات سے حیرت و تعجب مین گرفتار ہونے والی طبایع کے لیے ہی موزون تھا کہ وہ پُرجوش اور موزون کلام سے مُوثر ہوتی تھین - ایام جاہلیت کی اسی قسم کی موزون کلامین قریبًا ہر ایک ملک مین پائی جاتی ہین - اب یا تو اُن کی صورت مین کوئی خاص ترقی ہو جانے کی وجہ سے کچھ تغیر پیدا ہو گیا ہے یا اب تک بدستور وہی حالت قائم ہے جیسا کہ ہم نے کہا ہے اس طرز کلام کی وجہ جاہلانہ طبایع کے بے ضبط جوش کی مناسبت تھی جو موثر ہونے کے لیے ایسے پُرمبالغہ واقعات کی محتاج ہوتی تھین جو اُن کو حیرت اور تعجب مین ڈالین - پس جس وقت کہ علم اور تہذیب کے آفتاب نے اُٹھ کر اپنا جمال جہان آرا دنیا کو دکھایا اور اُس کی نورانی شعاعون نے جہالت کی تاریکی کے بدنما پردے کو چاک کر دیا - اُسی وقت ان اغراض کے لیے ایک دوسرے طرز کلام کی بنیاد رکھی گئی جس کو ہم جدید فصاحت کے نام سے ظاہر کرتے ہین یہ تقریر و تحریک کا سیدھا سادہ فن تھا جس مین نہ جوش و خروش کی ضرورت تھی نہ موزون اور باقاعدہ عبارتین اور نہ بندش الفاظ درکار تھی صرف صحیح واقعات کو جو حقیقت اور واقعیت رکھتے ہون لیکن عام خیالات اور فہم سے بالاتر ہون ایسے طور پر بیان کرنا کہ حقیقت اور واقعیت کا زور لوگون کی طبایع پر موثر ہو اس کا کام تھا - اس فن کی جاے پیدائش یونان کی جمہوری ریاستین تھین

جہان فی الواقع فن تحریک کی سب سے پہلی ضرورت واقع ہوئی تھی۔ اس سے پیشتر جو بڑی سلطنتین شام اور مصر کی تھین وہ شخصی طرز حکومت کی پابند تھین وہ ایام لوگوں کے دلون کو شخصی عزت اور بزرگی کے خیالات سے بھرے رکھتے تھے۔ کوئی تحریک اُن پر کارگر نہ ہوسکتی تھی وہ صرف راہ نمائی کے محتاج اور عادی بن گئے تھے۔ لیکن یونان مین شخصی سلطنت کی صورت بگڑنے سے اُس کے لوازمات بھی تغیر ہوگئے اور وہ فن تحریک ایجاد ہوا جو اس وقت تک اس علم و فن کا مطالعہ کرنے والون سے بغیر تعریف و توصیف کے نہین پڑھا جاتا

یونان اُس وقت متعدد چھوٹی چھوٹی ریاستون مین منقسم تھا۔ خود مختار بادشاہ اُس پر حکومت کرتے تھے مگر یہ ریاستین بھی تہ و بالا ہوگئین اور ان کے بجائے بہت سی جمہوری حکومتین قائم ہوئین جن کے یکسان اصول تھے اور یکسان جوش آزادی اُن مین پایا جاتا تھا۔ اور ایک دوسرے کی رقیب اور حاسد تھین۔ ہم کہہ سکتے ہین کہ یونان کا یہ آسایش و ترقی کا زمانہ جنگ مارتھن سے لے کر سکندر اعظم کے وقت تک رہا جس نے یونان کی آزادی کو مغلوب کر لیا۔ بس وہی ڈیڑھ صدی تھی جس مین یونان نے اپنے عجائبات دنیا کو دکھائے۔ اسی زمانے مین اُس کے مشہور شاعر اور فلاسفر اور خصوصًا اُرسیٹر (فصیح مقرر) پیدا ہوے۔ کیونکہ شاعری اور فلسفہ تو بعد زمانے مین بھی اُن کے درمیان موجود رہا۔ لیکن فصاحت کے ایام اپنی یادگارون کے سوا اور کچھ باقی نہ چھوڑ گئے تھے۔

یونان کی جمہوری حکومتون مین سے جس ریاست نے اس لاثانی فصاحت اور ہر قسم کے علوم و فنون مین سب سے بڑھ کر قدم مارا تھا وہ ایتھنز کی ریاست تھی۔ ایتھنز کے باشندے ذہین۔ تیز۔ فہیم۔ اور خوش طبع لوگ تھے۔ کاروبار مین مشاق۔ اور سلطنت کے متواتر اور مسلسل انقلابون سے جو اُن کے وقت مین واقع ہوے اُن کی تیزیان اور بھی ترقی کر گئی تھین۔ اُن کی طبایع مین جمہوری حکومت کا جوش آزادی بھرا ہوا تھا اور اُن کے متفق جملہ افراد جمہوری تھے۔ بڑے بڑے نازک اور اہم معاملات پر فصحا سے وقت کو بحث اور تقریر کرنے کی ضرورت ہوتی تھی اور بڑی قابلیت کے ساتھ اپنے فرائض ادا کرتے تھے۔ اس فصاحت کا اظہار کبھی معمولی شغلون اور تعریف و توصیف حاصل کرنے کے مقابلون کے لیے نہین ہوتا تھا۔ بل کہ سلطنت کے نہایت پیچیدہ اور اُلجھے ہوے نازک معاملات کے فیصلون مین وہ لوگ اس قوت خداداد کے عجائبات دکھاتے تھے اور بعض اوقات جب وہ حسب دستور رعایا کی طرف سے اہم اور نازک امور سلطنت پر اظہار راے کے لیے منتخب کیے جاتے تھے تو وہ اپنی عظیم جواب دہی کے سامنے خوف سے کانپتے تھے۔ اگر کوئی دولت مند بادشاہ یہ چاہے کہ اپنی کثیر دولت کے خرچ کرنے سے فصاحت آموزی کے لیے مدارس قائم کرے تو درحقیقت اس درجے کی کامیابی ہونا اور ایسے فصیح مقرر پیدا کرنا جو یونان کی جمہوری ضرورتون اور آزادی کی دولت نے پیدا کر دیے تھے بہت محال ہے۔ بڑے بڑے مشہور اور نامور

مقرر جو آج تک اس شریف فن کے آسمان کے روشن اور درخشان
ستارے ہین یونان کے اُسی عدیم المثال زمانے کے یادگار ہین جن لوگون
نے اپنے آپ کو اس فن مین پورے درجے کے کمال تک پہونچا دیا تھا
وہ غیر معمولی مقرر نہ رہے تھے بل کہ شاہی اختیارات کے مالک اور لوگون
کے دل و جان پر پورا قابو رکھنے والے تھے۔

پائی سسٹریٹس وہ سب سے پہلا شخص تھا جس نے مقررین کے
معمولی درجے کی سطح سے اپنے آپ کو ممتاز کیا۔ یہ سولون کا ہم عصر تھا
جس کے آئین سلطنت کو اس نے تبدیل کر دیا تھا۔ اُس نے اپنی تمام قابلیت
اور دست گاہ کو جو اس فن مین رکھتا تھا شاہی قوت کے حاصل کرنے کی
کوشش مین صرف کر دیا ہر طرح اُس کو کامیابی ہوئی۔ اس کے بعد
آنے والا اور یقیناً عظیم المرتبہ مقرر پیری کلیز تھا جس نے فن فصاحت
کو ایک نامعلوم بلند مرتبہ تک پہونچا دیا اور اصل یہ ہے کہ جس طرح گذشتہ
زمانے مین اُس کی مثال کوئی نہ تھا اسی طرح آیندہ زمانے مین بھی اُس کے
مقابل کوئی نہین کھڑا ہوا۔ وہ صرف مقرر ہی نہ تھا بل کہ بڑے زمانہ کا مدبر
اور سردار تھا۔ چالیس برس تک اُس نے یونان پر پورے غلبہ سے حکومت
کی۔ گو اس کی اس حرص و ہوس کی لوگ ملامت کرتے ہون مگر اُس کے
بہت سے اوصاف مشہور آفاق بھی تھے۔ اُس کی راست بازی پر
لوگون کو پورا اعتماد تھا جس سے اُس کے الفاظ کا اثر بہت زیادہ ہوتا
تھا۔ اُس کے زور اور قوت کلام کا اس سے اندازہ ہو سکتا ہے کہ اُس کا

خطاب اولمپی اس (جہان جیوپیٹر کا دربار ہے) ہوگیا تھا اور یہ کہا جاتا تھا کہ جب وہ بولتا تھا تو جیوپیٹر (سمتون کا دیوتا) کی طرح گرجتا تھا اس شخص نے تقریر کو میش تر تحریرین سے آنے کی رسم نکالی تھی۔

اس کے بعد بہت سے اور نامور فصحاے یونان ہوے ہین۔ مثلاً کلی زون۔ السی بے آیڈیز۔ کریٹی اس اور تھیومیز وغیرہ۔ ان کے بعد اور چند مشہور مقرر گذرے جن مین سقراط اعظم کا نام بھی شامل ہے اور پھر ایک اخلاقی مقرر کا دور آیا جس کا نام ائی ساکرٹیز تھا۔ اس کی پابندی قواعد اور قابلیت کا حال اس سے معلوم ہوسکتا ہے کہ ایک تقریر کے لکھنے مین جواب تک پینی گائرک کے نام سے مشہور ہے یہ دس برس تک مصروف رہا۔ اس کی خوب صورتی اور شان و زینت کا اندازہ بھی اسی سے ہوسکتا ہے اسی اس اور کلائی سی اس بھی اسی زمانے کے مقررون مین سے ہین جن کی بعض تقریرین اب تک محفوظ ہین۔ ان کی فصاحت مین کسی قسم کا جوش و خروش نہ تھا اور نہ کسی اعلی پایہ کے مقرر کہلا سکتے ہین البتہ اسی اس کی زیادہ شہرت اس وجہ سے ہوئی تھی کہ وہ آنے والے شہنشاہ فن فصاحت یعنی ڈیما نستھنیز اعظم کا استاد تھا۔

ڈیما ستھنیز کا زمانہ اس فن کے کمال کا زمانہ تھا۔ اس کی مشہور فصاحت کی کہانیان ہین اور لازوال شہرت اب تک قائم ہے مگر جیسے کہ ہر کمال را زوالے مشہور ہے اس شخص کے کمال کے خاتمے پر سلطنت یونان کی آزادی کا بھی خاتمہ ہوگیا۔ اور فن فصاحت کا چراغ گل۔

فاتحان یونان یعنی اہل روما نے اگرچہ اس فن کی تتبع مین بہت زور لگا کر دکھایا مگر وہ ایجاد کا درجہ اُن کو نصیب نہ ہوا جو یونانیون کا حصہ تھا البتہ یہ کہا جا سکتا ہے کہ جس شے کو یونانیون نے ایجاد کیا تھا اہل روما نے اُس کو مصفی اور مجلی کر دیا۔ لیکن بہت عرصہ تک اہل روما مین کوئی نام و نمود کا آدمی نہ پیدا ہوا۔ یہان تک کہ اس تمام گذشتہ کمی کے پورا کرنے کے لیئے اہل روما مین سے ایک ایسا شخص پیدا ہوا جس پر یہ قوم جس قدر فخر کرے تھوڑا ہے یہ شخص اس فن کا ایک روشن ستارہ تھا جو اس نورانی آسمان پر ڈیماستھنیز کے بعد کسی نے نہ دیکھا تھا۔ اور شاید ڈیماستھنز کی روشنی بھی اس کے سامنے بعض اوقات ماند پڑ گئی معلوم ہوتی تھی۔ اس کا لافانی نام سیسرو تھا۔

اہل روما ایک وحشی اور جنگ جو قوم تھی جو علوم و فنون کے نام سے مطلق بے خبر تھی۔ فتح یونان کے بعد اُن کی توجہ علوم و فنون کی جانب راغب ہوئی اور اُن کی تدوین و تحقیق مین انھون نے بھی بہت کچھ زور طبیعت دکھائے مگر اس بات سے وہ انکار نہین کر سکتے کہ تمام علوم و فنون مین اور ایسے ہی فن فصاحت مین اہل یونان کو اُن کی اُستادی کا فخر حاصل ہے ایک زمانے تک تو وہ ان علوم سے واقف اور آشنا ہونے کے لیے اُس کی ترقی کے لحاظ سے بالکل گم نامی کی حالت مین تھے مگر آخر کار ایسا وقت بھی آ گیا جو اس قوم کی تاریخی یادگارون کو زیب و زینت بخشنے کے لیے موسوم ہو چکا تھا۔ اسی وقت فن فصاحت کا یہ روشن ستارہ بھی دنیا کو اپنی روشنی دکھانے کے لیے اُٹھا اور حق یہ ہے کہ یہ روشنی دنیا نے بہت

کم دیکھی تھی۔ اگر لفظون کی قوت اور دل مین سوزش پیدا کرنے والی
حرارت کی کیفیت دیکھنی ہو تو وہ صرف سسرو کی کلام مین مل سکتی ہے
جس طرح ایک اونچے پہاڑ کی چوٹی سے بارش کا صاف اور ستھرا پانی
بڑے زور اور نہ رُکنے والی تیزی کے ساتھ بہتا ہے اور پہاڑ کے نشیب و
فراز مین سب پر کاوٹین طے کرتا ہوا نیچے کو آتا ہے اسی طرح سسرو کا کلام
عجیب و غریب تماشا دکھاتا ہوا خیالات کے پہاڑ پر چلتا ہے۔
اکثر لوگون نے ڈیماستھنیز اور سسرو کی کلام کا مقابلہ کیا ہے اور ایک
یا دوسرے کے حق مین رائے دی ہے اور بعض لوگون نے سسرو کی
کلام پر نکتہ چینی کر کے اُس مین عیوب ظاہر کیے ہین اُن مین سے اکثر تو ایسے
ہین جن کی رائے طرف داری کے معیوب رنگ مین رنگی ہوئی ہے۔ لیکن
کچھ ہی ہو اس بات سے کوئی انکار نہین کر سکتا کہ اس فن کی سرداری کا قابل
عزت تمغہ صرف انھین دو شخصون کے جسم پر زیب دیتا ہے اور بس۔
لیکن اہل روما کے درمیان فصاحت کی حکومت چند روزہ تھی سسرو
کی موت کے ساتھ اہل روما کی آزادی بھی خاک مین مل گئی اور فصاحت دنیا کو
خیرباد کہہ کر چل دی۔
اس کے بعد علوم و فنون کی اشاعت اور تحقیق و تدوین کے لحاظ سے اہل
عرب یا مسلمانون کا ممتاز زمانہ آتا ہے جس نے تمام گذشتہ ترقیون کو اپنی بے
مثال کوششون کے سامنے گرد کر دیا۔ مسلمانون نے اگرچہ مختلف علوم و فنون
کی ترقی کو ایک لحاظ سے اُن کے انتہا درجے تک پہونچا دیا تھا اور بہت سے نئے

ایک عمدہ میدان تھا- اور درحقیقت مسلمانون کو اُن کی ضرورت سے آگاہ کرنے- واجبی طریقون کے اختیار کرنے اور ناواجب امور کے چھڑا دینے کے لیے خواہ وہ اخلاقی اور تمدنی ہون اور خواہ پولٹیکل اس سے بہتر کوئی طریقہ نہین ہو سکتا تھا- اور خود اس کی پیروی ہی فصاحت کی اغراض کو پورا کرنے والی تھی مگر نہین کہا جا سکتا کہ مسلمانون کے کسی زمانہ مین شارع اور مقنن کی اغراض کو پورا کر کے دکھایا ہو-

مسلمانون کے بعد زمانے مین اگر ہم کسی قوم کا نام فصاحت کے متعلق لے سکتے ہین تو وہ انگریزون اور فرانسیسیون کی قوم ہے- لیکن اگر ہماری یہ خواہش ہو کہ ڈیماسٹھنیز اور سیسرو کی فصاحت کا نمونہ ان زبانون مین دیکھ لین تو یہ کبھی پوری نہ ہوگی- اس وقت تک یہ دونون نام شہرت مین عدیم المثال کھڑے ہین اور خود انگلستان اور فرانس کے علما مقر ہین کہ ایام حال کے فصحا اور مقررین مین سے کسی شخص کو اُن کے قریب لے جانے کی کوشش کرنی بالکل فضول اور بے کار ہوگی- درحقیقت یہ امر حسرت انگیز ہے کہ انگلستان اس بارے مین نہ صرف یونان اور روم سے بلکہ فرانس سے بھی ہٹا رہ گیا ہے- انگلستان نے دیگر علوم وفنون کی مختلف شاخون مین ایسے ایسے بے مثال علما پیدا کیے ہین کہ کہ اس لحاظ سے دنیا کی کوئی قوم اُن کے مقابل کھڑا ہونے کا دعویٰ نہین کر سکتی- اسی طرح اُس کے لاثانی مورخ اور نامور شاعر اپنی شہرت مین ممتاز درجون پر کھڑے ہین- مگر فصاحت کے فن مین اس کو ہرگز یہ

دعویٰ نہین ہوسکتا۔ بعض اشخاص مثلاً ھیوم اور ڈیکونسی نے گذشتہ
اور موجودہ فصاحت کے مضمون پر بحث کی ہے اور انگلستان کی اس کمی
کے اسباب و وجوہات بیان کیے ہین جن کا ذکر کرنا اس موقع پر بے فائدہ
ہوگا۔ لیکن اگر گذشتہ فصاحت سے موجودہ کو علیحدہ کرلیا جاے اور
اس زمانے کے لیے ایک نیا معیار قائم کیا جاے تو فرانس۔ انگلستان
اور امریکہ کی فہرستون مین بہت سے ممتاز نام مل جائین گے جنھون نے
انگلستان کی شریف پارلیمنٹ۔ فرانس اور امریکہ کے مجلسون کے میدان مین
اس فن پر وقتاً فوقتاً طبع آزمائی کی ہے۔

اب ایک نظر سے ہمارے اس وسیع مگر بدقسمت ملک کو دیکھنا چاہیے
کہ کس ہوا مین وہ دم لے رہا ہے اُس مین نہ گذشتہ ترقیون کا کوئی نشان
ہے اور نہ موجودہ شایستگی کی کوئی علامت ہے فصاحت کے عجیب و غریب
کرشمون کو تو چھوڑ دو سلیس اور سیدھی زبان مین تقریر کرنے سے حال سے
بھی بے خبر ہین۔ انگریزی تعلیم یافتہ اشخاص مین سے بابو کیشب چندر سین
اور چند اور بنگالی اشخاص ایسے ہوے ہین یا اب بھی ہین جنھون نے بولنے
کے عام طبقہ مین نام پایا ہے مگر ہماری زبان مین باقاعدہ بولنے والے ایسے
عنقا ہین کہ اگر آفتاب کی روشنی اُن کے تلاش کرنے کے لیے قریب تر
بھی لائی جاے تو کوئی نہ ملے گا۔ انھون نے فصیح تقریر کرنے اور عام
مجلسون اور عام لوگون کے گروہون کے درمیان کسی خاص انداز سے
بولنے کے ساتھ کوئی غرض ہی وابستہ نہین کی ہے۔ حال آن کہ اس قسم

کی ضرورتون کی کوئی حد و پایان نہین ہے۔ وہ سوتے ہین اُن مین جگانے والون کی ضرورت ہے وہ بھٹکے ہوے ہین اُن مین راہ نماؤن کی ضرورت ہے۔ اُن کے دل مردہ ہوگئے ہین اُن مین جلانے والون کی ضرورت ہے، اُن کے حب وطن اور حب قومی کے خیالات جاتے رہے ہین اُن مین واپس لانے والون کی ضرورت ہے۔ وہ اپنے گذشتہ عروج و اقبال کے قصے بھول گئے ہین اُن مین یاد دلانے والون کی ضرورت ہے۔ اُن کی قومی حمیت اور غیرت کی آگ اُن کے دلون مین بجھ گئی ہے اُس کے مشتعل کرنے والون کی ضرورت ہے اور اُن کی ہمت و مردانگی کے جوش ٹھنڈے ہو گئے ہین اُن مین گرما دینے والون کی ضرورت ہے۔ اُن کے اجزا پراگندہ ہوگئے ہین اُن کے جمع کرنے کی ضرورت ہے حسد اور نفاق کی آگ اُن مین جل رہی ہے اُس کے بجھانے کی ضرورت ہے۔ اتفاق اور یک جہتی کے فوائد سے وہ آگاہ نہین ہین اس نعمت کی خوبیان سمجھانے کی ضرورت ہے جو خدا نے اُن کو یہ کہہ کر بخشی تھی کہ کنتم اعداءً فالف بین قلوبکم فاصبحتم بنعمتہ اخوانا۔

غرض وہ تمام ضرورتین جو کسی دوسرے ملک مین فصاحت سے وابستہ ہو سکتی ہین ویسی ہی بلکہ اُس سے بھی زیادہ ہمارے ملک کو درپیش ہین واعظون کے لیے ضروری ہے کہ اپنے پیشے کے فرایض کو کما حقہ ادا کرنے کے لیے اس فن کی تعلیم پائین وکیلون کے لیے ضروری ہے کہ اس فن سے بہرہ اندوز ہون۔ مجالس اور کمیٹیون کے سکرٹری اور ممبر ہونے کے لیے

اسی فن کی واقفیت ضروری ہے۔ اسی طرح اور بہت سے کاروبار کی
شاخون مین اس فن کے جاننے کے بغیر کام نہین چل سکتا مگر لوگ ہین
کہ اپنی ضرورتون کی طرف سے بالکل بے خبر ہوتے ہین اور نہین جانتے
کہ اس قسم کا بھی کوئی فن ہے جس کے حاصل کرنے کے لیئے اُن کو ایسی
ہی کوشش کرنی چاہیئے جیسے کہ کسی دوسری ضروری چیز کے حاصل کرنے
کے لیئے۔

اُردو زبان مین عام طور پر بلا لحاظ اصول فن فصاحت کے عمدہ تقریر
کرنے والون کو اگر ہم تلاش کرتے ہین تو ہمین ایک مرثیہ خوان قوم
و ملت کے سوائے ایک شخص بھی نظر نہین آتا جس کو اس عام طبقہ
کے مقررین مین ہی شمار کیا جا سکے

اُردو زبان گو اب تک کوئی ایسی زبان ہونے کا دعوی نہین کر سکتی
جو یورپ کی علمی زبانون مثلاً انگریزی یا فرنساویہ کی طرح کوئی مفید زبان
ہو گئی ہو۔ مگر اس امر سے کوئی شخص انکار نہین کر سکتا کہ جو درجہ قبولیت
کا یورپ مین فرنساویہ یا فرانسیسی زبان کو حاصل ہے وہی ایشیا مین ہماری
اُردو زبان کا حصہ ہے۔ ایشیا کے اس وسیع ملک ہندوستان مین اس
زبان کا فائدہ مسلم ہے اور مسافران ممالک غیر سے معلوم ہوا ہے کہ اگر
کوئی مسافر ان غیر ممالک کی زبانون سے آشنا نہ ہو تو اُردو جاننے سے
ایشیا مین اپنے سفر کی ضروریات کو پورا کر سکتا ہے۔ بہرکیف محبان قوم
و زبان کا یہ فرض ہے کہ اپنی زبان کی قدر و قیمت بڑھانے مین جو کوشش

آن۔ ہے ہو سکے اُس کے کرنے سے درگذر نہ کرین خصوصاً فن تقریر کو
اپنی زبان مین لے آنے اور اس شریف فن کی اپنی زبان مین بنیاد رکھنے
سے ہم بہت کچھ فائدے کی امید کر سکتے ہین۔ جو کہ عوام کی زبان ہی وہ
زبان ہو سکتی ہے جس کے ذریعے ضرورت وقت کی صدائین اُن کے
کانون مین پہونچائی جائین۔ پس اُردو زبان مین ایسے فن کے لے آنے
کی جو ضرورت ہے اُس کا اندازہ اُنھین بے شمار ضروریات سے ہو سکتا
ہے جو ہمارے ملک اور قوم کو درپیش ہین۔

ہم کو یقین ہے کہ لوگ ہماری اس آواز کو سُن کر جو شاید اس قسم کی
سب سے پہلی آواز ہو گی متعجب ہون گے کہ علاوہ اس زبان اور طرز گفتگو
کے جو سب لوگ جانتے ہین فن تقریر اور کیا چیز ہو سکتا ہے جس کے
سیکھنے کے لیے خاص توجہ اور خاص محنت درکار ہے۔ مگر ہم فن تقریر کے
فوائد کی طرف اشارہ کر چکے ہین اور اس سے زیادہ تشریح کرنے کی ضرورت
نہین ہے کہ فصاحت نہ رونے کا نام ہے نہ ہنسنے کا۔ مگر ایک سحر کلام
کا نام ہے جو سننے والون کے دل پر ایک جادو کا سا اثر رکھتی ہو۔ نہ یہ آگ ہے
اور نہ ایسی چیز ہے جو آگ پیدا کرتی ہو۔ مگر اس مین ٹھنڈے دلون کو گرم
کرنے اور گرم کیے ہوے کو شعلہ زن کرنے اور جلتے ہوے سے دھوان
نکال دینے کا وصف پنہان ہے۔ نہ وہ تلوار ہے اور نہ جگر کو چھیدنے والا
تیر ہے۔ مگر ایک ایسی آب ہے جو کند زبان کی دھار کو تیز کرنے اور اُس سے
گہرے زخم کر دینے کی قابلیت رکھتی ہے اور جب ایسی ہے تو ضرور کوئی نئی

چیز ہوگی۔ جو ہمارے ملک کی نظر سے اب تک مخفی ہے۔

جب ہم فن تقریر اور فصاحت کے سیکھنے اور حاصل کرنے کا بیان کرتے ہین تو اس کی فائدہ مندی اور بھی زیادہ ہو جاتی ہے۔ جب ہم یہ معلوم کرتے ہین کہ اس کا مادہ بعض دوسری قوئی کے مانند نہین ہے جو انسان کی قدرتی بناوٹ کے ساتھ مقید اور محدود ہوگئے ہین۔ یعنی جس درجہ اور جس حالت مین خالق نے اُن کو پیدا کیا ہے انسانی کوششون سے اُن مین کمی یا بیشی کا ہو سکنا محال ہے۔ لیکن اس خاص فن کے متعلق ہمارے پاس ایسی خاص مثالین پہونچی ہین کہ استقلال اور کوشش سے اس کے شایقین نے اپنے آپ کو اس مرتبہ پر پہونچا کر دکھایا ہے جس تک پہونچنا ابتدا مین کوئی ممکن امر نہ معلوم ہوتا تھا۔ ڈیماستھنیز کے مشہور قصہ کو دہرانے کی ضرورت نہین ہے کہ جب فن تقریر سیکھنے کا اشتیاق اُس پر غالب ہوا تو اُس مین ہمہ تن مصروف ہو کر اُس نے کوششین کرنی شروع کین مگر ابتدا مین سوا ناکامی کے بدنما اور بھیانک صورتون کے اُسے کچھ دکھائی نہ دیا۔ اُس کی زبان مین لکنت تھی۔ کافی جرات اور طاقت اُس مین موجود نہ تھی۔ جب ایک مجمع عام مین کھڑا ہو کر بولا تو آخر پشیمان اور شرمندہ ہو کر ناکام واپس آنا پڑا۔ مگر استقلال اور ہمت نے اُس کا ساتھ نہ چھوڑا۔ وہ تاریک غار کے تنہا گوشون مین جا بیٹھا کہ بے خلل اس کا مطالعہ کر سکے۔ سمندر کے کنارے پر جا کر جہان کہ پرشور لہرون کے شور و غل مین کوئی آواز سنائی نہ دیتی تھی اُس نے چلانا شروع کیا تا کہ اپنی آواز کو بلند اور پر غوغا سمجھے اور ان کی ناموافق آوازون کا اپنے آپ کو عادی

بنا ئے۔ اس نے اپنے منھ مین سنگریزے بھرے تاکہ نطق کے نقص کو دور کرے۔ اس نے کھر مین اپنے سر اور کندھون پر ایک تلوار لٹکا کر مشق کی تاکہ کسی بدنما حرکت کی عادت چھوٹ جاے اور آخر کار اس آن تھک اور ثابت قدم جوان مرد نے وہ دن دیکھا اور دنیا کو دکھایا کہ تواریخ نے سفحون پر فن تقریر اور فصاحت کی فہرست مین اپنے نام کو سب سے ممتاز بنا لیا اور اس مملکت کی سرداری کا تاج پہننے کے سزاوار ہو گیا۔ جب ہم اس جرات بخش قصہ کو ملوٹارک کی زبان سے سنتے ہین تو فن تقریر کے حاصل کرنے کے باب مین ہمارے دل کو نہایت تقویت حاصل ہوتی ہے اور ہم سیکھتے ہین کہ استقلال اور ثابت قدمی کے سہارے سے ہم اس حالت تک پہونچنے کی امید کرسکتے ہین جو ابتدا مین محال اور ناممکن الحصول معلوم ہوتی ہو۔

ہم کو اس رسالے کے لکھنے سے یہ دعوی نہین ہے کہ اردو زبان مین اس فن کی ترویج اور تدوین کے لیے جس قدر بحث اور اختراع کی ضرورت ہے وہ کسی طرح ہم نے پورا کر لی ہے۔ ہماری غرض صرف لوگون کو اس کی فائدہ مندی سے آگاہ کرنا اور عام طور پر چند ضروری ہدایات کا بیان کرنا ہے تاکہ اگر بعض شایقین اس ہنر کے حاصل کرنے کی طرف متوجہ ہون تو کسی قدر ایسے نقصانات سے بچین اور خوف و خطر سے محفوظ رہین جو کہ ہر ایک نئے راستے مین عموماً مقابلہ مین آجاتے ہین۔ اس رسالہ کا ایک نہایت مفید حصہ جو باقی رہ جاے گا اس کا پورا کرنا کسی بزرگ عالم کا حصہ ہے یا مین ہی

کوشش کرون گا کہ قابل اصحاب کی سعادت سے اُس کو دوسرے حصہ مین پورا کردون ۔

یہ کتاب سوا اس کے کچھ نہین ہے کہ ایک مشہور انگریزی عالم کی کتاب کا جو اس فن پر لکھی ہوئی ہے خلاصہ ہے ۔ مگر امید ہے کہ میرے ہم وطن میری اس ناچیز محنت کے نتیجہ کو قبول فرما کر مجھے اپنا احسان مند بنائین گے ۔

سرمونٹ ۔ آہن
۱۴ - مارچ ۱۸۹۰ء

خاکسار سراج الدین

دوسرا باب

قدرتی اوصاف

یہ امر کسی بحث کا محتاج نہین ہے کہ حقیقی اور اصلی قابلیت کی بنیاد وہ جوہر اور وہ لیاقت ہے جو قدرت کا انعام ہے اور اگر فطرتی طور پر کوئی شخص اُس بخشش کے حاصل کرنے سے محروم رہا ہو تو کسی تعلیم اور مطالعہ کی مدد سے اُس کو حاصل نہین کرسکتا یہ سچا مسئلہ خصوصاً فن تقریر پر صادق آتا ہے کہ اگر ایک مقرر کو فطرت الٰہی نے چند خاص اوصاف نہ عطا کیے ہون تو وہ درجۂ امتیاز حاصل کرنے کی امید نہین کرسکتا۔

زندہ ادراک

سب سے پہلا ضروری وصف جو ایک عالم نے برجستہ تقریر کرنے کے فن پر اپنی قیمتی کتاب مین ایک مقرر کے لیے بیان کیا ہے وہ "زندہ ادراک" ہے جس سے یہ مراد ہے کہ انسان ہر ایک حالت اور خیال سے فوراً موثر ہونے کی قابلیت رکھتا ہو۔ اگر غور کیا جاے تو معلوم ہوگا کہ تمام انسان ایک واقعہ سے یکسان طور پر موثر ہونے کی قابلیت نہین رکھتے۔ ایک شخص ہے جو ایک خاص گونہ خیالات سے زیادہ موثر ہوتا ہے اور دوسرا دوسرے قسم کے خیالات سے۔ اس امر کو ہم تمام فنون مین پاتے ہین۔ اسی فن مین جس سے ہمارا تعلق ہے ہم دیکھتے ہین کہ لوگون کو ان مختلف خیالات کے مطابق جن سے موثر ہونے کی وہ قابلیت رکھتے ہین تقریر کے مختلف طریقون کی جانب میلان

خاطر ہوتا ہے۔ مسٹر لوٹین کا قول ہے کہ بعض اشخاص اپنے خیالات اس
طرح ظاہر کرتے ہیں کہ اُن کی ترکیبوں اور مدارج اور تعلقات کا بہت زیادہ
لحاظ رکھتے ہیں وہ خیالات کے میل و تطابق اور اختلاف و تقابل کو کامل
طور پر سمجھتے ہیں اور اُن کو بڑی سہولت۔ نرمی۔ نزاکت۔ لطافت اور باریکی
کے ساتھ ادا کرتے ہیں۔ وہ خیالات کا تصور اور مذاق رکھتے ہیں اور صاف
طور پر اس کا ادراک حاصل کرنے میں واضح طور پر خوبصورتی کے ساتھ اس کو
بیان کر دیتے ہیں ایسے اشخاص معلم اور اُستاد ہونے کے لیے بنائے گئے ہیں

ایک دوسرا شخص ہے جو زم یا جوش والے خیالات اور تصورات سے
زیادہ تر متمتع ہوتا ہے۔ وہ شخص زیادہ خوشی اور زیادہ کامیابی کے ساتھ
ایسے خیالات کے پیدا کرنے میں مصروف ہوگا جو موثر ہو۔ اور محرک ہونے
اشتعال اور جوش دلانے اور بڑی بے تابی کے ساتھ برانگیختہ کرنے کے لیے
کارگر ہوں۔ وہ شخص تو دل کی نسوں کو ہلا اور تھرتھرا دینے والا ہوگا۔
اس قسم کا آدمی اُستاد یا معلم ہونے کے بجاے فصیح مقرر ہونے کے لیے
زیادہ موزوں ہے۔

ایک تیسرا شخص ہے جو خیالات کی تصاویر اور تماثیل بنا بنا کر خوش ہوتا ہے،
ہر ایک چیز جو اُس کی گرفت میں آسکتی ہے اور اُس کو وہ دوبارہ ادا کر سکتا
ہے وہ بڑے زور کے ساتھ اُس کے خیال میں آتی ہے پس وہ اُن خیالات
کے بیان اور ادا کرنے میں بہت خوش ہوتا ہے۔ ایسا آدمی خصوصاً شرح
سفر رہوگا۔ اپنی نثر میں ہی تو یا نظم کے درجے کو پہونچ جاے گا۔ وہ

اپنے سامعین کے دل سے باتین نہ کرے گا بلکہ اُن کے تصورات سے سوائے دلچسپ اور لطیف باتین سننے کے اور کسی چیز کی اُس سے امید نہین ہوسکتی۔ وہ اپنی رنگین اور دل آویز تصویرون سے البتہ دلون کو کشش کرے گا۔

ان مختلف مثالون مین ہم دیکھتے ہین کہ ادراک ہر ایک شخص مین مختلف حالات مین ہوتا ہے اور اس فن کی اغراض کے لیے ایک خاص قسم کا ادراک ضروری ہے۔

تیز فہمی

دوسرا قدرتی وصف تیز فہمی ہے۔" بولنے مین خیالات یا وہ چیز جو خیال مین آئے پہلے تصورات اور خیالات مین لائی جاتی ہے اور پھر الفاظ کلمات اور زبان مین۔ جیسے کہ بادل یا منجمد ابخرات سے تقطیر سے مینھ بن جاتا ہے۔ وہ قوت جو دل کے اندرونی افعال پر یہ تغیر پیدا کرتی ہے اُس کا نام فہم ہے" ایک مقرر مین اس قوت کا بدرجۂ غایت ہونا اور اس کو مشق سے ترقی دے کر کمال تک پہونچانا نہایت ضروری ہے اور یہ ایک ایسی قوت ہے جو فطرتًا اعلی مشق کے قابل بنائی گئی ہے یہ صرف کلام کے تجویز کرنے ہی مین کارآمد نہین ہوتی بلکہ اُس کے ترتیب کرنے اور جب فی البدیہہ اور برجستہ تقریر کرنے کی ضرورت ہو تو کلام کو علی الترتیب حافظہ مین قائم کرنے اور پھر بہ صورت کلام ظاہر کرنے مین نہایت ممد و معاون ہوتی ہے۔ اور یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ ایک مضمون پر

جس قدر زیادہ فہم استعمال کیا جائے اُسی قدر زیادہ کامیابی اُس کے بیان کرنے اور سامعین کو سمجھانے مین ہوگی۔

فہم عام

ایک نہایت مفید وصف جو ایک مقرر مین ہونا چاہیئے اُس کا ہم بیان کرتے ہین۔ اور وہ فہم عام ہے کسی شخص نے اُس کی صحیح تعریف کی ہے کہ یہ عقل سلیم کا وہ فعل ہے جس سے ایک شخص خیالات کی تیزی اور [illegible] فہم کے مذاق سے یہ معلوم کر لیتا ہے کہ خاص مقامات پر کون سی چیز [illegible] کرنا واجب ہے۔ ایک مقرر کے لیے یہ ہر ساعت کا [illegible] کون سے خیالات۔ کون سے الفاظ اور کون سی عمدہ [illegible] استعمال کرنی چاہیین۔ اور کس کس سے اجتناب اور پرہیز کرنا چاہیے۔ جب [illegible] مقرر کھڑا ہوگا اُس کے تمام کلام پر اُسی کی حکومت ہوگی۔ اور [illegible] استعمال سے وہ سامعین کو خوش یا ناخوش کر سکے گا۔

سرگرمی

ہر ایک سچے مقرر کے اوصاف مین یہ ایک اور نہایت ضروری وصف [illegible] بہت بڑے وزنی دلائل کے مقابلے مین صرف اس وصف کا اظہار اُس کے معاملہ کے لیے بہت زیادہ ممد و معاون ہوگا۔ کیونکہ سامعین کے دلی جذبات اُن کے قواے عقیلہ کی نسبت اکثر حالات مین زیادہ [illegible] کے بڑے پادری نے گیرک سے پوچھا کہ یہ کیونکر ہوسکتا ہے کہ سٹیج پر کسی [illegible] حکایت کے بیان کرنے سے جس کے سچا ہونے کا لوگون کو یقین نہ ہو اور

اُس واقعہ کے ساتھ اُن کو کچھ تعلق بھی نہ ہو سامعین کو رُلا دیا جائے اور اُن کے جوش برانگیختہ کر دیے جائیں۔ حال آن کہ وہی لوگ گرجا میں آکر اُس وعظ و نصیحت کے سامنے جو اُن کے دائمی آرام اور فائدے سے متعلق ہے بالکل خاموش بیٹھے رہتے ہیں۔ تو اُس تماشہ گر نے یہ جواب دیا کہ صاحبان۔ یہ اس لیے ہے کہ ہم سرگرم ہیں۔ تم سچ کو بطور فسانہ کے ظاہر کرتے ہو۔ ہم فسانہ کو مانند سچ کے۔"

اس طرح ہم دیکھتے ہیں کہ سپیچ پرائیڈ بھی سرگرم ہونے سے کام یاب ہوتے ہیں یعنی دوسروں پر اثر ڈالنے کے لیے پہلے خود اثر حاصل کرتے ہیں اگر مقرر بھی دوسروں پر اثر ڈالنا چاہتا ہے تو چاہیے کہ پہلے خود اثر حاصل کرے تمام دنیا کی فصاحت اس کا بدل نہیں ہو سکتی اور کس قدر زیادہ قدرت اس شخص میں ہوگی جس کی سرگرمی ہماوقت پہلے اس کی فطرت کا ایک جزو ہو۔

اصلی مقرر جب کھڑا ہوگا تو ایک سرگرم دل والے شخص کی طرح کھڑا ہوگا بے مطلب وہ نہ بولے گا اور جب منھ کھولے گا تو اپنے تمام دل و روح کو اپنے کلام میں مستغرق کر دے گا۔ اور وہ کرے گا جو اپنی تمام قوت کے ساتھ کر سکتا ہے۔

زندہ تصور

اُس میں زندہ تصور کا ہونا بھی ضروری ہے اور مقرر کی قوتوں میں سے یہ ایک نہایت ضروری قوت ہے۔ اگر وہ فی البدیہہ اور برجستہ تقریر کر رہا ہو

تو اُس کے ذریعے سے وہ تجویز کو اپنے دل مین قائم کرتا ہے اور جب تک
اُس کے اظہار کا وقت نہ آئے اُسے محفوظ رکھتا ہے۔ ایک عالم کا قول ہے
کہ "تصور بھی مقرر کے لیئے نہایت ضروری ہے تاکہ گفت وگو کرتے ہوئے
جب کوئی نیا خیال اُس کے سامنے آئے تو اُس کی جانچ پرتال اور موازنہ اور
اُس کی خوبی اور نقص کا امتحان کر کے مناسب مقام پر اُس کا اظہار کرنے کے
لیئے محفوظ رکھے" یہ آسانی سے معلوم ہو سکتا ہے کہ اس غرض کے لیئے کس
درجے کے تصور کی تیزی اور چستی درکار ہے۔ جو تصویر الفاظ مین ظاہر کرنی ہوتی
ہے پہلے دل مین بنائی جاتی ہے اور ایسے خوش نما اور دل فریب رنگون سے
آراستہ کی جاتی ہے کہ مقرر بلا تامل اُس کے مفید اظہار کے لائق ہوتا ہے۔

مضبوط ارادہ

ایک بڑے پایہ کا مقرر ہونے کے لیئے ایک مضبوط اور قاطع ارادہ درکار
ہے اگر ایک شخص بزدل اور مذبذب ہوگا تو کبھی کامیاب نہ ہوگا۔ خود سامعین
کے سامنے کھڑا ہونے کے لیئے جرات درکار ہے اُن کے سامنے اپنے خیالات
ظاہر کرنے کے لیے زیادہ جرات اور عوام الناس کی مخالف رائے کے سامنے اپنی
رائے کا آزادانہ اظہار کرنے کے لیے اور بھی زیادہ جرات درکار ہے۔ برجستہ
تقریر کرنے مین خصوصاً ایک شخص کا جری یا بہادر ہونا ضروری ہے۔ وہ
تمام طرف خوف سے گھرا ہوا ہے ممکن ہے کہ اُس کے الفاظ بہک جائین
اُس کو اپنی تجویز بھول جائے۔ اُس کے تصورات رد کرنے سے جواب
دے بیٹھین۔ وہ لڑکھڑا جائے تتلا جائے۔ اور ممکن ہے کہ گر جائے۔ یہ

بھی ضروری ہے کہ وہ منکسر اور مودب ہو کوئنٹلین کا قول ہے کہ خودبینی اور خودستائی ہمیشہ معیوب ہین - اس عالم کے الفاظ یہ ہین - "سب سے بڑھ کر ہر ایک قسم کی خودستائی نہایت معیوب ہے - اور خصوصًا اپنی فصاحت کی تعریف - کیونکہ اس سے سامعین صرف رنجیدہ ہی نہین ہوجاتے بلکہ بعض اوقات اُس سے متنفر ہوجاتے ہین سیسرو کہتا ہے کہ مین کبھی کسی ایسے مقرر کو پسند نہ کرتا تھا جو اپنی تقریر سے پیشتر کچھ تھوڑی سی گھبراہٹ مین نہ دکھائی دے - اور خود اس بات کا اقرار کرتا ہے کہ بغیر خوف دلرزہ کے کبھی اُس نے کوئی تقریر شروع نہ کی تھی - مگر اس کے معنی اعصابی ضعف اور کم زوری نہ سمجھنا چاہیین یہ ایک مختلف شے ہے - لیکن یہ بھی ضروری ہے کہ ایک مقرر عوام الناس کے سامنے جاتے وقت اپنی قوت پر اعتقاد رکھتا ہو اور وضع ظاہر سے یہ ثابت کر سکے کہ جس امر کی وہ تائید کرتا ہے اُس کی صداقت اور انصاف کی جانب سے وہ خود پورا مطمئن ہے - یہ امر بھی اثر ڈالنے کے لیے بہت کچھ مفید ہے -

کشادگی طبع

بوٹین ایک ضروری وصف بیان کرتا ہے جس کا نام اُس نے "کشادگی طبع" رکھا ہے - اس کی تشریح اُس نے اس طرح کی ہے :-

"جب ہم علوم کرتے ہین یا خیال کرتے ہین کہ ایک سچا خیال ہمارے دل مین گذرا ہے تو دل مسرور ہوتا ہے اور اُس سے حظ اُٹھاتا ہے کیونکہ یہ اُس کی قدرتی غذا ہے - اُس کی تطبیق اور تشخیص مین دل اپنی قوت کشادگی

سے کام لیتا ہے اور جو کچھ وہ جانتا ہے اُس کو دوسرون مین شایع کرنے
اور جو کچھ وہ دیکھتا ہے اُس کو دوسرون کو دکھلا دینے کی خواہش اُس مین پیدا
ہوتی ہے - وہ اس مین خوش ہوتا ہے کہ حق کی روشنی کی شعل بنے اور اُس کو
پھیلائے - بعض اوقات وہ اُس خوشی پر ناز کرتا ہے اور اپنے ابناے جنس کو شایستہ
بنانے - ایک حد تک اُن مین حکومت کرنے اور اپنے آپ کو اُن سے برتر جاننے
کا فخر اُس کے خیالات مین شامل ہوتا ہے ایک تیز فہم اور زیرک دل جو حق کو تلاش
کرتا ہے - اُس کو حاصل کر کے عمدگی سے مرتب کرتا ہے دوسرون مین اظہار
کا زیادہ شایق ہوتا ہے اور اگر ساتھ ہی وہ اس کی خوبی پر ناز کرتا جاتا ہو تو
کچھ شک نہین کہ مقرر ہونے کے جانب اُس کو کشش ہوگی اور قوت فصاحت
استعمال کرنے کے نہایت قابل ہوگا -

لیکن اس کے علاوہ دل او طبیعت کی ایک خاص صورت ہے جس کا
نتیجہ قریباً وہی ہے - جیسے کہ ہم عورتون اور بچون مین دیکھتے ہین کہ وہ اپنے
قابل تحسس ادراک رکھنے اور نزاکت اعضا اور حد درجے کے تلون کے سبب
سے اپنی مرضی اور نہایت آسانی سے گفت و گو کرتے ہین - کسی قدر یہ حالت
بھی ایک برجستہ گو مین ہونی ضروری ہے - ایک خود دار اور کم گو آدمی جو
بہت سوچتا ہے اور عرصہ دراز کے غور و فکر کے بعد ایک سچے خیال کی
ماہیت کو دریافت کر سکتا ہے - ایسا شخص برجستہ گوئی کے لیئے موزون ہین
ہے - ایک مغموم شخص ترش رو تنگ مزاج اور انسانون سے نفرت کرنے
والا جو سوسائٹی کو چھوڑ دیتا ہے - لوگون سے میل ملاقات سے ڈرتا ہے

اور نہ از کردغور مین خوش رہتا ہے عوام مین بولنے مین مشکل کام یاب ہوگا
وہ اس کے لیئے مذاق نہین رکھتا۔ اور طبیعت فطرۃً اس کے خلاف بنائی گئی
ہے۔ اس فن کے لیے ایک زیرک اور کشادہ بے باک۔ راسخ الاعتقاد اور مسرور
طبع والا شخص درکار ہے۔ جو لوگون سے محبت کرے اور دوسرون سے ملنے مین
خوش ہو۔ بد اعتقادی دل کو۔ روح کو اور مُنھ کو بند کردیتی ہے۔

تقریر کا جوہر ذاتی

یہی عالم۔ مقرر کے لیئے ایک دوسرے وصف کا ہونا ضروری بیان کرتا
ہے یعنی قوت تقریر کا فطرتی یا ذاتی جوہر۔ وہ کہتا ہے کہ فن تقریر ایک
شخص کی قابلیت گویائی یا تقریر کو درست اور کامل بنا سکتا ہے لیکن اُس کو
پیدا نہین کرسکتا۔ ایک شخص کو قواعد او علم بدیع یا معانی پڑھانے سے ہم اُس کو
صحیح بولنا سکھلا سکتے ہین لیکن وہ بلند پروازی یا علم فصاحت نہین سکھلا سکتے
جو دل سے آتا ہے۔ اور دل کو جاتا ہے۔ ایسی فصاحت کچھ شبہہ نہین کہ فطرتی
قابلیت ہے۔ دوسرے علوم وفنون کی طرح فصاحت کا بھی یہی حال ہے
کہ اُس مین ہم اُسی صورت مین کام یاب ہو سکتے ہین جب کہ اُسی کے لیئے
بنائے گئے ہون یا ہمارے دل مین ایک مخفی میلان اور خواہش اور ذوق
اُس کے لیئے رکھا گیا ہو۔ جس طرح کہ مقناطیسی سوئی شمال کی جانب جاتی
ہے اسی طرح ہم بھی بار بار اپنے مضمون کی طرف جھکتے ہون۔ دنیا مین مختلف
علوم وفنون نے بنیاد اور اشاعت اسی طرح پائی ہے کہ خود قدرت نے
ہر ایک شخص کی طبیعت مین ایک خاص میلان اور قابلیت ایک خاص فن کے لیے

پوشیدہ رکھی تھی جو آخر اُس کو اُسی جانب سے گئی جس کے لیئے وہ
وضع کیا گیا تھا۔

اخلاقی نیکی

اس امر کا لحاظ کرنا بھی فائدے سے خالی نہین ہے کہ اگر کوئی معزز ممتاز
مقام حاصل کرنا چاہتا ہے تو ضرور ہے کہ ایک نیک آدمی ہو۔ گذشتہ عالمان علم
فصاحت کا یہ ایک دل پسند اصول تھا۔ شاید اُنھون نے اس قسم کے حالات
بیان کرنے مین کسی قدر مبالغہ سے کام لیا ہو مگر اس مین شبہہ نہین ہے کہ کوئی
بُرا آدمی ایک اعلی درجے کا مقرر نہین ہو سکتا۔ اُس کا دل ہمیشہ اُس قوت اور
کشادگی سے محروم رہے گا جس کے بغیر پر شرافت خیالات دل مین نہین پیدا
ہو سکتے اور موثر طور پر ظاہر نہین کیئے جا سکتے۔ کسی گناہ یا جرم کا علم گو وہ کسی صورت
مین ہو آدمی کی ہمت اور حوصلہ کو پابہ زنجیر رکھتا ہے اور آزادی کے ساتھ
اُبھرنے نہین دیتا۔ پشیمانی اور ندامت کا غم جو اس کے ساتھ شریک ہوتا ہے
اُس کو ہمیشہ دبائے رکھتا ہے اور بلند خیالات کے پاکیزہ طبقے مین پرواز
ہونے نہین دیتا۔ نیکی کے علم سے جو آزادی اور کشش روح اور طبیعت کو حاصل
ہوتی ہے اُس سے زیادہ شائستہ تر کوئی چیز نہین ہے۔ وہ صرف مطالعہ کے لیئے ہی
مفید نہین ہے بلکہ مطالعہ کے نتائج کا دوسرون پر اظہار کرنے کے لیئے بہت
فائدہ مند ہے۔ کوئنٹیلین کے یہ الفاظ بھولنے کے لائق نہین ہین کہ اگر
ایک جاگیر کا انتظام کرنے۔ معاملات خانہ داری کا اہتمام کرنے۔ اور شکار کے اشتیاق
یا تمام دن عام تماشہ گاہون مین پھرنے سے مطالعہ کا بہت زیادہ وقت صرف

ہوجاتا ہے تو نفسانی خواہشوں اور طمع یا حسد کے کاموں میں کس قدر قوت
خربراد ہوجاے گا - کوئی چیز ایسی مضطرب - ایسی پریشان ایسی اپنے آپ
کی مخالف اور ہواے نفسانی کے متردد خیالات سے پراگندہ کی ہوئی نہین
ہے جیسے کہ ایک برا دل - اُس اضطراب - بدحواسی - آشفتگی اور برہمی مین جو اُس
سے پیدا ہوتی ہے حصول علم اور معزز فنون کی جست وجو کرنے کے لیئے۔
کون سا مقام رہ جاتا ہے جس کھیت مین خار دار جھاڑیان اور فضول گھاس
اُگی ہوئی ہو یقیناً کارآمد غلہ کی پیدائش کے لیئے اُس مین کوئی جگہ باقی نہین
ہوتی" اس سے بھی زیادہ یقینی امر یہ ہے کہ ایک مشہور بُرا آدمی عوام الناس
مین مقرر ہو کر کوئی اثر نہین ڈال سکتا - صرف یہی امر کہ اگر ہم ایک مقرر کی کمینہ
عادات اور اخلاق کی ناپاکی سے واقف ہون تو سامعین اُس کی راے کو
بداعتقادی اور بدظنی کے سوا ہرگز نہ سُنین گے - لیکن اگر اُس کی دیانت
اور راست بازی کا علم پہلے سے ہم کو اُس کے اقوال کی نسبت عمدہ راے
قائم کرنے کے لیے تیار رکھے گا - درحقیقت نیک ہونا اور اس خوبی سے مشہور
ہونا دو ضروری چیزین ہین -

تیسرا باب

مطالعہ

اب ہم یہ بیان کر چکے ہیں کہ ایک شخص کو مقرر ہونے کے لیئے کون کون سے فطرتی اوصاف رکھنے چاہیئں تو اب یہ بیان کرتے ہیں کہ اُس کو کون کون سا مطالعہ کرنا چاہیئے۔ کہ یہی ہر ایک چیز با قریباً ہر ایک چیز بھی نہیں ہے۔ یہ اُس بنیاد سے زیادہ کچھ نہیں ہے جس پر شہرت کا خوش نما محل بنایا جاوے۔

ان چند صفحوں میں ہم یہ بیان کریں گے کہ طالب علم کو کس چیز کی جانب سب سے زیادہ متوجہ ہونا چاہیئے اور اگر وہ محنتی اور جفاکش ہوگا تو فن تقریر میں کامیاب ہونا ایک بالکل یقینی امر ہے۔

تحصیل علم

سب سے پہلے اُس کو علم کے ذخیرے جمع کرنے کے لیئے تیار ہونا چاہیئے اور اس ضرورت کو اُس کی پوری وسعت تک ماننا چاہیئے۔ فطرتی اوصاف اور قدرت کے عطیوں سے گو وہ کس درجہ بہرہ ور ہوا ہو مگر مطالعہ کے محصلہ عقل کے بغیر وہ سب بے سود اور ہیچ ہیں۔ ایک باخبر عالم کا قول ہے کہ "چراغ فصاحت کے لیئے تیل درکار ہے اور اُس کے اُکسانے کے لیئے جوش اور تب وہ جلتا ہے اور روشنی پھیلاتا ہے" پس وہ تیل کون سا ہے یہی سب سے زیادہ غور کے قابل ہے۔ اگر اُس کے خیالات کا ذخیرہ محدود ہو تو ممکن ہے کہ ایک نہایت نازک موقع پر بازی ہار دے۔ علاوہ ازیں اگر تقریر میں نرے الفاظ کی بوچھاڑ ہو

اور خیالات کی بہار نہ دکھلائی دیتی ہو تو اس سے بڑھ کر تھکانے والی کونسی
چیز ہو سکتی ہے معلوم ہوتا ہے کہ پہلے پہل **سیسرو** کی راے اس مضمون پر
یہ تھی کہ مقرر ہونے کے لیے ایک شخص کو ہر ایک علم اور ہر ایک شے کا علم
ہونا چاہیے۔ کیونکہ ممکن ہے کہ کسی ایک مضمون پر اُسے تقریر کرنے کو کہا جاے
اور یہی راے **سقراط** کی تھی کہ کوئی شخص ایک مضمون پر گفتگو نہین
کر سکتا جب تک کہ اُس کا کامل علم نہ رکھتا ہو۔ لیکن اس کے بعد اس امر پر
غور کر کے کہ زندگی تھوڑی ہے **طلی** زور کے ساتھ یہ راے دیتا ہے کہ صرف
علم کی اُن شاخون اور شعبون کا علم حاصل کرنا چاہیے جو مقرر کے لیے بہت
ضروری ہین **کونٹلین** نے بھی اس مضمون پر راے دی ہے۔ وہ کہتا ہے
کہ لوگ یہ بات کہتے ہین کہ تمام مضامین پر بولنے کے لیے ایک مقرر کو جملہ علوم
و فنون مین دست رس کامل رکھنا چاہیے۔ مگر میری راے مین کوئی شخص
لائق اور فاضل مقرر نہین ہو سکتا جب تک کہ ہر ایک مفید اور ضروری مضمون
اور تمام آزاد علوم و فنون کا علم نہ رکھتا ہو" لیکن ہماری راے مین ایک مقرر
کے لیے اُس مضمون سے کماحقہ واقف ہونا کافی ہے جس پر وہ بولنا چاہتا
ہو اور جس پر وہ بولنا چاہتا۔ اُس کی جزئیات سے اُس کو خوب آگاہ ہونا
چاہیے **ابی بوتین** کا بھی یہی قول ہے کہ "جو لوگ عوام میں تقریر کرنا چاہتے
ہین اُن کا ذخیرہ ایسے خیالات۔ تصورات اور اصول علم کا خزانہ ہونا چاہیے
جو مضبوط بنا ہوا اور آپس مین جوڑا ہوا ہو کہ کوئی فضول شے اُس سلسلہ مین
داخل نہ ہو سکے اور غور و استغراق سے اُن پر پورا تصرف ہو۔ بچپن مین ایک عمدہ

تعلیمی نصاب کا عبور کر لینا نہایت مفید ہے کیونکہ اس طرح حاصل کیا ہوا
علم ہماری ذہنی ساخت کا ایک جزو لاینفک بن جاتا ہے اور کوئی بعد کی تعلیم
یہ فائدہ نہیں بخش سکتی۔ لیکن جو لوگ اس فائدے سے محروم رہے ہوں اُن
کی جرأت اور ہمت افزائی کے لیے بہت کچھ کہا جا سکتا ہے۔

اگر کوئی طالب علم محنتی اور جفاکش نہ ہو اور ابتدائی مشکلات کے سامنے سرنگون
ہو جائے تو اُس کو فضیلت حاصل کرنے کی امیدیں چھوڑ دینا چاہییں۔ چاہیے
کہ فضیلت اور نام وری کی امیدیں اُس کے دل کو تقویت بخشیں اور آیندہ عزت
اور شہرت کے سب مشکلات اور تکالیف کو ہیچ سمجھے۔

طالب علم کو محنتی ہونا چاہیے

ڈاکٹر جانسن کا قول ہے کہ سخت کام کے بغیر کسی چیز میں فضیلت
حاصل ہونا ناممکن ہے۔ ہم یہ خیال نہ رکھنا چاہیے کہ پلیڈر یا واعظ یا مقرر ہونا
ایک فطرتی [illegible] کا معاملہ ہے۔ چند روزہ کوشش کرنے
یا چند سالوں تک تیاری اور مطالعہ کرنے اور پھر چھوڑ دینے سے بزرگی اور فضیلت
نہیں حاصل ہو سکتی۔ بلکہ اس کے حاصل کرنے کے لیے باقاعدہ محنت کرنا اور اُس کا
عادی بن جانا اور ہر ایک مناسب موقع پر اپنے آپ کو اُس میں لگا دینے کے
لیے تیار رکھنا ضروری ہے۔ یہ ہماری نیچر کا ایک مقررہ قانون ہے اور نہایت مشفقانہ
قانون ہے کیونکہ محنت درحقیقت ہر ایک خوشی کی چاشنی ہے جس کے
بغیر زندگی بالکل بے مزا اور بے لطف ہوگی۔ کوئی چیز معزز تحصیلات اور حقیقی
مسرت کی ایسی دشمن نہیں ہے جیسے کہ دل کی سست حالت جو کاہلی اور اوباشی

سے پیدا ہوتی ہے" ان اشارات کے ساتھ ہم یہان پانچ ہدایات لکھ دیتے
ہین جو متعلم کو دل مین رکھنے سے اپنے راستہ مین خوش رکھین گی۔ اور مشکلات
کے وقت اُس کو جرات اور ہمت دلائین گی۔

۱۔ سب سے بالاتر یہ بات ہے کہ مطالعہ کرو۔ خواہ علم کے لیے یا کسی اور غرض
سے مگر مطالعہ کرو۔ کیون کہ ابتدا مین تم خواہ کسی غرض سے مطالعہ کرنے لگو کچھ
عرصہ کے بعد تم مطالعہ کو صرف مطالعہ کی خاطر پسند کرنے لگو گے۔

۲۔ نیچر ایک کامل مقرر بننے کی مانع نہین ہے۔ پس جب یہ [illegible] ہے
ہم کو اُس سے کیون مایوس ہونا چاہیے۔

۳۔ ہر ایک چیز مین کمال حاصل کرنے کی کوشش کرو اور اس کو اپنی منزل
مقصود ٹھہراؤ۔ اگرچہ بعض چیزین ہین یہ ناقابل حصول ہوتا ہے وہ لوگ جو [illegible] کو
اپنا مقصد اور مدعا بنا لیتے ہین اُن کے مقابلہ مین جن کی سستی اور مایوسی
اُس کو ناقابل حصول سمجھ کر چھوڑ دینے کو مجبور کرتی ہے اُس سے بہت قریب
پہونچ جاتے ہین۔

۴۔ اگر تم وہ حالت حاصل کرنا اور وہ چیز پانا چاہتے ہو جو تم کو حاصل نہین ہے
اور تم نہین ہو تو اپنی موجودہ حالت سے ہمیشہ ناخوش رہو۔ کیون کہ جس حالت پر
تم خوش ہوتے ہو وہان ٹھہر جاتے ہو اگر تم کہتے ہو "میرے پاس کافی
ہے" تو تم مرجاتے ہو۔ ہمیشہ بڑھاؤ۔ ہمیشہ چلو۔ ہمیشہ بڑھو۔ کبھی مت ٹھہرو۔
کبھی پیچھے نہ ہٹو۔ کبھی مت گھٹاؤ۔

۵۔ دل مانند ایک بنجر زمین کے ہے۔ ایسی زمین بہت جلد بیکار اور

ناقابل زرع ہو جاتی ہے اور کچھ پیدا نہیں کرتی بشرطیکہ اشیاے غیر کے مسلسل ڈالنے سے اُس کو زرخیز اور سیراب رکھا جاے۔

طالب علم اکثر یہ شکایت کرتے ہیں کہ ان سب چیزوں کے پڑھنے کے لیئے وقت تھوڑا ہے۔ اس پر کونیبٹین نے خوب لکھا ہے کہ "یہ ہم ہی ہین جو وقت کو تھوڑا بناتے ہین۔ احتیاط اور باقاعدگی کے ساتھ ہم کس قدر وقت مطالعہ مین صرف کرتے ہین؟ ملاقاتین کرنے کے خالی از نفع دستور ہمارے وقت کو کس قدر تباہ کرتے ہین بعض لوگ سست باتون اور کھیلون مین وقت ضایع کر دیتے ہین۔ کچھ ایسے ہین جو عام سیر و تماشون اور جلوسون کے دیکھنے مین اپنے وقت پر ظلم کرتے ہین یہ تمام وقت جو ہم فضول مشاغل سے حوالے کر دیتے ہین اگر مطالعہ مین صرف کرتے تو ہماری زندگی بہت لمبی ہوتی اور تحصیل علم کے لیئے بہت ہی کافی وقت ہوتا۔ مگر یہ ہم صرف اُس صورت مین کہتے ہین جب کہ صرف دن کے اوقات شمار مین لائے جائین۔ کیونکہ اس کے علاوہ ہماری راتین ہین جن کا ایک بہت بڑا حصہ جو ضروری نیند کے لیئے کافی ہو نکال لیا جاے تو ہماری اغراض کی معاونت کے لیے بہت سا وقت پیچھے رہ جاتا ہے۔

لیکن اس بارے مین کہ ایک شخص کو کس چیز کا سب سے زیادہ مطالعہ کرنا چاہیئے۔ یہ کہہ دینا کافی ہوگا کہ زندگی مین جو پیشہ اُس کو اختیار کرنا ہو اُسی کی جزئیات کا نہایت وسعت اور فراخی کے ساتھ مطالعہ کرنا چاہیئے۔ مگر مقرر عام ہونے کے لیئے علم کی چند شاخین ضروری طور پر قابل مطالعہ ہین۔

دنیا کا علم

اور ان سب میں مقدم دنیا کی واقفیت ہے۔ اس کو ایک باریک بین
اور نکتہ چین نگاہ سے انسانی زندگی کی مفید اور اہم کتاب کا مطالعہ کرنا چاہیے
اور انسان کے دل کو مکر و تزویر کے عمق سے لے کر ظاہرداری اور بناوٹ
کی سطح تک دیکھنا چاہیے۔ جن لوگوں کو وہ ہدایت کرنا اور راغب کرنا چاہتا
ہے ان کی ساخت طبیعت اور اطوار سے پورے طور پر واقف ہونا چاہیے۔
ایک قدیم حکیم کا قول ہے کہ "مقرر کو انسان کی نیچر اس کے ذاتی مطالعہ
اور اس کی سچی صفتوں سے اور ان حصوں سے جن سے وہ مرکب ہے
یعنی اس کے جسم اور دل اور اس کو خوش کرنے کے حقیقی ڈھنگ سے آگاہ
ہونا چاہیے۔ ایسا ہی اس کو اس کے جذبات اور ان بے قاعدگیوں سے
جو ان پر غالب ہیں اور ان پر حکومت کرنے کا فن سمجھنا چاہیے۔ کیونکہ ان کو
فائدہ مند طور پر اٹھایا اور نیک کام میں لگایا جا سکتا ہے"
اسی مضمون پر شلر کا قاعدہ کارآمد ہو سکتا ہے۔ اس نے کہا ہے:

"اگر تو اپنے آپ کو جاننا چاہتا ہے تو دوسروں کے
افعال کو دیکھ۔ اگر دوسروں کو جاننا چاہتا ہے تو اپنے
دل کی طرف دیکھ۔"

سسرو بھی اسی بات کی تاکید کرتا ہے کہ مقرر کو چاہیے کہ انسانی
زندگی کے واقعات کا امتحان کرے۔ غور اور بحث کرے اور ان کو کام
میں لائے۔

عام علم ادب

اُس کو عام علم ادب کی خوب واقفیت حاصل کرنا چاہیے۔ ایسے مصنفین کے کلام کا مطالعہ کرنا چاہیے جو زبان کی پاکیزگی حسن بیان اور فصاحت کے لیے مشہور ہوں۔ اسی مسلسل مطالعہ سے بزرگی اور فضیلت حاصل ہوتی ہے۔ اُن علما کے کلام کے عمدہ حصے اور نہایت موزون اور بلیغ شعرا کے کلام یاد کر لینے چاہئیں۔ اور فرصت کے وقت اُن کو دُہرانا اور پڑھنا چاہیے یہ مشق نہایت لطف انگیز اور پسندیدہ اور نہایت نفع بخش ہے۔

سسرو خاص کر کلام شعرا کے مطالعہ کی تاکید کرتا ہے کیونکہ تقریر شاعری سے بہت قرابت رکھتی ہے اور دونوں کی صورتوں میں باہم گہرا تعلق ہے۔

تھی اوفراسٹس کہتا ہے کہ مقرر کے لیے کلام شعرا کا مطالعہ بہت مفید ہے۔ مگر یہ بات بھی یاد رکھنی چاہیے کہ مقرر کو ہر پہلو میں شاعر کی نقل کرنا واجب نہیں ہے۔ مثلاً زبان کی آزادی اور تشبیہات اور استعارات کا بے روک استعمال شعرا کا مطلب عموماً خوش کرنا ہوتا ہے اور اس غرض کے لیے وہ بعض اوقات صرف جھوٹ ہی نہیں بولتے بلکہ ناقابل اعتبار بات کہہ دیتے ہیں۔

سب سے بڑا اصول یہی ہے کہ فصحا کا کلام پڑھنا چاہیے۔ مگر افسوس ہے کہ ہماری زبان میں ایسا کلام بہت محدود حالت میں ہے۔ انگریزی خوان طالب علم ... [illegible] مستعینہ کے علاوہ ... انگریزی مقررین کی

کلام سے فائدہ اُٹھا سکتے ہین۔

منطق

منطق بھی مقرر کے سامان کا ایک حصہ ہونا چاہیئے۔ بہت آدمی فطرتی طور پر اچھے منطقی ہوتے ہین۔ لیکن مفید یہ ہے کہ اس قدرتی بخشش کو ترتیب سے درجۂ غایت تک ترقی دی جاے۔ کیون کہ زندگی کے اس شعبہ مین جس کا ذکر ہم کر رہے ہین اس کا فائدہ بہت زیادہ ہے۔ مقرر کو اصول سے واقف ہونا چاہیئے اور اس فن کی مشاقی مین نہایت مہارت ہونی چاہیئے اس کو تعریف کرنا دلیل لانا اور حق نما باطل دلیل کا بطلان ثابت کرنے اور صلیت ظاہر کرنے کے قواعد جاننا چاہیئین۔

منطق مین مہارت حاصل کرنے کے لیئے ایک آزمودہ کار منطقی سے عمدہ کتب پڑھنے سے بہتر کوئی طریقہ نہین ہے۔ ایک عالم کا قول ہے کہ "جو لوگ فن تقریر کی تحصیل کرنا چاہتے ہین میری راے ہین اُن کو منطق پڑھنا چاہیئے جو صرف علم اصول تک محدود نہ ہو۔ بل کہ عملی طور پر مشق کرنا سکھا جاے جس سے دل کو علم آموز اور دلچسپ مضامین پر خیالات کی تقسیم اور ترکیب کے لیے عمدہ تربیت حاصل ہو۔ یہ مشقیات تحریری یا زبانی ہونی چاہیئین اور ان مین زبان اخلاق یا تاریخ کے مضامین پر تقریرین ہونی چاہیئین۔ اور طالب علم کو کلام کے مختلف حصہ مثلاً ترتیب کے طریق سمجھانا چاہیئے [illegible] اور [illegible] نکات کو ایک [illegible] مضمون کے لیے جمع [illegible] کاری کا مادہ [illegible] چاہیئے۔

بعض اوقات یہ چند مباحثین کے درمیان مباحثہ کی صورت میں ہونا چاہیے اور
اُستاد کی نگرانی میں استدلال کے باقاعدہ طریقوں کی سخت پابندی کرائی جانی
چاہیے۔ مباحثین کو اجازت نہ ہونی چاہیے کہ منطقی قضیوں کی صورت میں بلا
استدلال بحث کے بغیر تقریر کو شروع یا ختم کریں۔ البتہ اس عمل میں طوالت اور
کچھ ناگواری پائی جاتی ہے مگر اس سے بڑی صفائی۔ باقاعدگی و ترتیب پیدا ہوتا
ہے۔ بعض اوقات یہ مباحث زبانی اور برجستہ طریق کلام میں ہونے چاہییں
جس میں مباحثہ کے نامعلوم نکات جب طلبا کے سامنے آئیں گے تو اُن کو اپنی
جودت اور ذکاوت طبع دکھلانے اور برجستہ خیالات کو دل میں درست ترتیب
دینے اور ظاہر کرنے کا موقع ملے گا۔ ہر ایک دعوی کے لیے دوسرا جانب مخالف
دعوی اور بعض مدعیہ ہونے چاہییں۔ کیونکہ ہر ایک مضمون کے حق اور خلاف
میں دلائل لائے جا سکتے ہیں۔ اس سے طالب علم شے کے مختلف پہلوؤں
سے دیکھنا سیکھ جائیں گے اور ہمیشہ ایک ہی خیال یا رائے پر قائم رہنے کی عادت
چھوٹ جائے گی۔ ان خیالات کی ورزشوں کی نگرانی کے لیے ایک ذہین
مستقل مزاج اُستاد ہونا ضروری ہے

غور

مقرر کو غور اور تفکر سے بہت کام لینا چاہیے یہی قوت کا راز ہے
یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ اس کا نتیجہ بہت دیر غور سے معلوم کیا جا سکتا
مگر جو شخص کہ اس کو اختیار کرتا ہے وہ اپنے ابنائے جنس پر فضیلت اور
حاصل کرتا ہے۔

مضمون نگاری

اُس کو مضمون نگاری کی بھی عادت پیدا کرنی چاہیئے جس سے کہ اس کی صحت اور عمدگی میں بہت مدد ملتی ہے۔ ہر ایک قسم کے مضامین اور اگر شاعری کا شوق ہو تو اُس پر بھی گاہ گاہ لکھنا چاہیئے مگر یہ مشق مسلسل اور باقاعدہ طور پر ہونی چاہیئے گاہ گاہ لکھنے سے کوئی فائدہ نہیں۔ ایک نہایت عمدہ اور قابل تقلید قاعدہ یہ ہے کہ جس مضمون پر طبیعت آزمائی منظور ہو اس پر اور مضمون نگاروں کے مضامین بالکل نہ پڑھنے چاہییں۔ اپنے ہی خیالات پر غور و اندیشہ کے بعد خیالات جمع کرکے اور عمدہ ترتیب سے لکھ ڈالنا چاہیئے اور اُس وقت دیگر مضمون نگاروں کے مضامین دیکھنے میں کوئی نقصان نہیں ہے۔

کوئنٹیلین نے تحریری مشق کی بڑے زور کے ساتھ تاکید کی ہے۔ وہ کہتا ہے کہ اس میں محنت بہت کرنی پڑتی ہے مگر فائدہ بھی بہت حاصل ہوتا ہے سسرو نے قلم کو فصاحت کا صانع اور معلم کہا ہے جو بالکل درست ہے۔

وہ قدیم عالم کہتا ہے کہ "پس ہم کو جہاں تک ممکن ہو احتیاط کے ساتھ لکھنا چاہیئے کیونکہ جس طرح زمین کو جتنا گہرا کھودا جائے اسی قدر بیج کی پرورش عمدہ ہوتی ہے اور زیادہ بارآور ہوتا ہے۔ اسی طرح دل کی ترقی جو صرف بالائی طور پر نہ ہوئی ہو نہایت کثرت کے ساتھ علم کی دولتیں پیدا کرتی ہے اور نہایت ایمانداری کے ساتھ اُن کو محفوظ رکھتی ہے۔ کیونکہ اس احتیاط اور عمل کے بغیر برجستہ گوئی کی قوت سوائے خالی بکواس اور فضول گوئی کے کچھ پیدا نہ کرے گی۔ تحریر میں فصاحت کی بنا اور تقریر میں فصاحت کی بنیاد ہے۔ تحریر

ہی میں اس کے ذخائر جمع کیے جاتے ہیں۔گویا ایک دوسرا مخزن ہے جہاں
سے ضرورت اور حاجات کے مطابق سامان نکال لیا جا سکتا ہے
لیکن جب یہ صحیح ہے کہ عمدہ مقرر ہونے کے لیے پیشتر مضمون نگاری
کا جاننا ضروری ہے تو اس کا یہ نتیجہ نہیں ہو سکتا کہ عمدہ مضمون نگار ہونے کے
لیئے طرز تقریر کا جاننا ضروری ہے۔ یہ امر واقعات کی روسے ثابت ہے کہ بہت
سے لائق مضمون نگار بڑے عاجز مقرر ہوے ہیں جس کی وجہ کی تحقیق میں یہ
کہا جا سکتا ہے کہ یا تو مشق کی ضرورت ادکی کا نتیجہ ہوتا ہے یا عوام الناس
کے سامنے اور موقع کی گھبراہٹ میں دل کے جوش اور حیرانی سے پیدا ہوتا ہے۔

قادر الکلامی

مقرر ہونے کے لیئے زبان یا کلام پر پوری قدرت اور تصرف رکھنا
ازبس ضروری ہے۔ اس کے حاصل کرنے کے لیئے مختلف مصنفین کے کلام کا
پڑھنا اور خود لکھنا اور اس طرح مشق کرنا ضروری ہے کہ آخر کچھ عرصہ کے بعد
وہ زبان اُس کے دل کا ایک آلہ ہو جاے اور واقعی تقریر کرنے کے موقعوں پر
اس بارہ میں کچھ دقت یا مشکل پیش نہ آئے۔مگر زبان کی حکومت حاصل کرنا درحقیقت
ایک محنت طلب امر ہے اور اس کے لیے بہت سی کوشش اور سعی لازم ہے
انگریزی مقرروں میں سے ولیم پٹ (جو بعد میں ارل آف کیتھم ہو گئے تھے)
کا ایک عجیب واقعہ مشہور ہے کہ اپنی زبان پر قدرت حاصل کرنے کے لیے اس
نے ایک بڑی ضخیم ڈکشنری (لغت) دو دفعہ پڑھی تھی۔مسٹر ھال کولب
نے ایک مفید قاعدہ یہ بیان کیا ہے کہ ایک کتاب سے کہ اس میں سے بعض

الفاظ یا جملے منتخب کر لیے جائیں اور اُن کے مختلف ہم معنی الفاظ کے دُہرانے اور یاد کرنے کی مشق کی جاے۔ مثلاً میں چاہتا ہوں۔ میرا یہ ارادہ۔ یا مطلب یا خیال ہے۔ میری خواہش۔ ارادہ۔ آرزو۔ اور طبیعت کا میلان مجھے اس امر کی طرف مائل کرتا ہے اور پھر اسی طرح نفرت حقارت۔ ناپسندیدگی۔ کراہت ناخوشی۔ بیزاری۔ ناگواری۔ ناراضی مخالفت۔ چڑ۔ گھن۔ عدم میلان۔ اعتراض ناموافقت وغیرہ وغیرہ۔ یہ ایک بچوں کی سی مشق معلوم ہوتی ہے۔ مگر فائدہ میں کسی سے کم نہیں ہے۔

ایک اور مشق کا عمدہ طریقہ یہ ہے کہ ایک کتاب کا کچھ حصہ دو تین دفعہ پڑھا جائے اور پھر کتاب کو بند کرکے دُہرایا جاے۔ یعنی مضمون کتاب کو اپنے الفاظ میں ادا کیا جاے۔ کو نٹیلین نے ایک اور مشق بیان کیا ہے جو اسی طرح ہے کہ کسی فصیح شاعر کے کلام کو پڑھ کر اُس کو نثر میں ادا کیا جاے اور اپنے خیالات کی آزادی سے اُس کو ایک تقریر کی صورت میں بلا کر دُہرایا جاے۔

مگر ان مشقیات میں آدمی کے پاس سامعین نہ ہونے سے بے پروائی کی عادت ہو جانے کا اندیشہ ہے۔ لیکن اس کو ہمیشہ یہ بات دل میں رکھنی چاہیے کہ یہ تمام محنت سامعین کے روبرو جانے کے لیے کر رہا ہے اور اس کو ہمیشہ اپنے تصور میں سامعین کا مجمع اپنے گرد رکھنا چاہیے۔

مشکلات

اُس کی پہلی کوششوں میں خواہ وہ پرائیوٹ قسم کی ہوں یا پبلک کے سامنے۔ طالب علم اکثر پہلے آپ کو ناکامی و نااُمیدی سے قریب پائے گا

اور شاید کسی دفعہ فی الواقع ہول ناک ناکامی کا منھ دیکھے گا۔ لیکن اس سے اُس کو شکستہ دل نہ ہونا چاہیئے۔ اُس کو شیریڈن۔ رابرٹ ھال۔ ارل آف بیکنسفیلڈؔ کے حالات یاد کرنے چاہییں۔ ان مین سے پہلے شخص کا حال اس طرح بیان کرتے ہین کہ جب اُس نے سب سے پہلی دفعہ پارلیمنٹ مین سپیچ دی تو اس درجہ ناکام ہوا کہ اُس کے دوستون نے اُسے صلاح دی کہ دوبارہ آزمائش کرنے کی کوشش ہی نہ کرے۔ مگر شیریڈان نے اس کو نہ مانا اور جواب دیا کہ " بخدا یہ میرے اندر ہے اور ضرور باہر آئے گا" اور آخر جس درجہ کا مشہور سپیکر یا مقرر یہ شخص ہوا ہے سب جانتے ہین۔ رابرٹ ھال جو انگلستان کا ایک مشہور واعظ گذرا ہے ابتدائی ناکامی اور آخر کامیابی کی ایک اور مثال ہے۔ جن ایام مین وہ طالب علم تھا اور گرجا مین اُس کے وعظ کرنے کی باری آئی تو کچھ عرصہ تک بول کر تھم گیا اور آخر اپنا منھ ڈھانپ لیا اور کہنے لگا کہ " مین بدحواس ہو گیا ہون " اور کہتے ہین اُس کی دوسری کوشش کا نتیجہ بھی ایسی زبون ناکامی ہوئی کہ دیکھی نہ جا سکتی تھی۔ لارڈ بیکنسفیلڈؔ نے جب سب سے پہلی دفعہ ھوس آف کامنز مین سپیچ دی تو لوگون نے اُس کو ہنسی مین اُڑا دیا۔ مگر یہ نوجوان مقرر بیٹھ گیا اور یہ پیشین گوئی کی جو آخر کار پوری ہوئی کہ " ایک وقت آئے گا جب تم میری تقریر سنو گے "۔ یہ مثالین اور اس قسم کی بہت سی مثالین جن مین سے ایک ڈیماستھنیز کی مثال ہم لکھ چکے ہین۔ اُن لوگون کے لیئے جو فصاحت مین ممتاز درجہ حاصل کرنا چاہتے ہین درحقیقت بہت جرات دلانے والی ہین۔

کمزوری وہ سب سے پہلا سنگ راہ ہے جس سے مقرر کو گذرنا پڑے گا اور اس کی نسبت یہی کہا جا سکتا ہے کہ رفتہ رفتہ مشق سے اس کو مغلوب کیا جا سکتا ہے پہلے پہل ایک چھوٹی سی مجلس احباب کو خطاب کرنے سے شروع کرکے بالآخر کار سامعین کی بڑی جماعت کو روبرو آنے کے قابل ہو جاوے گا اور اسی طرح ایک بڑی جماعت اور پھر ایک اس سے بڑی اور آخر کار ایک بہت ہی بڑی جماعت کو خطاب کرنے کے لئے بے دھڑک بغیر کسی بزدلی کے خیال کے اٹھ کھڑا ہوگا۔ اور اس وقت اس کو کوئی تکلیف سوائے اس آرزو کے نہ رہے گی کہ اپنے سامعین پر اچھی طرح حسب دل خواہ اثر ڈال سکے۔

خاموش تقریریں

خاموش تقریروں کی مشق اس غرض کے لئے نہایت مفید ہے۔ اس میں طالب علم دل ہی دل میں تقریریں تجویز کرتا اور ادا کرتا ہے اور ایک لفظ تک زبان سے نہیں نکالتا۔

حافظہ کی ترتیب

بہت کم چیزیں ہیں جو مقرر کے لئے حافظہ کی ترتیب سے زیادہ مفید ہوں کیوں کہ اگرچہ سب سے زیادہ موثر طریقہ برجستہ تقریر کرنے کا ہے جس میں الفاظ پیشتر نہیں تیار کیے جاتے بلکہ اسی وقت کی ضرورت پر بنا لیے جاتے ہیں تاہم اس میں بھی خاکہ اور بندش کا یاد کر لینا ضروری ہے۔ اب یہ امر کہ حافظہ بدرجہ نہایت قابل ترتیب ہے زمانہ قدیم اور جدید کی مثالوں سے معلوم ہو سکتا ہے تھیمسٹوکلیز کی نسبت بیان ہے کہ تھیمسٹوکلیز ایک ایسا شخص یقین کیا جاتا ہے

جس نے ایک سال سے کم عرصہ میں فارسی زبان کو نہایت صحت اور روانی کے ساتھ پڑھ لیا تھا یا متھریڈیٹس جس کی نسبت بیان کیا جاتا ہے کہ جن بائیس اقوام پر وہ حکومت کرتا تھا اُن کی بائیس ہی زبانیں جانتا تھا یا سائرس کی نسبت یہ خیال کیا گیا ہے کہ وہ اپنی فوج کے ہر ایک سپاہی کا نام جانتا تھا۔

ہم لوگوں میں کا حافظہ خراب ہوتا ہے جس کی وجہ شاید صرف یہی ہے کہ وہ توجہ اور اتصال خیالات کی عادت کی مشق نہیں کرتے۔ اگر ان کو ترقی دی جائے تو نقص حافظہ کی شکایتیں بہت کم سننے میں آئیں گی۔

حفظ یاد کرنا

سب سے بہتر طریقہ کسی کتاب کو یاد کرنے کا اُسے کئی حصوں میں تقسیم کر کے اور علی الترتیب یکے بعد دیگرے یاد کرنا ہے۔ یہ معلوم ہوتا ہے کہ کسی مضمون کو منطقی ترتیب میں آراستہ کرنا یاد کرنے کے لیے بہت معاون ہے۔

حفظ یاد کرنے کا سب سے بہتر وقت رات کو سونے سے پہلے کا وقت ہے (بشرطیکہ شکم پر نہ ہو) دوسری صبح کو اُٹھ کر مضمون کو حفظ دہرایا جا سکتا ہے۔

تیار حافظہ کے فوائد میں ہم لنکیسٹر کا حال پڑھتے ہیں کہ جب اُس کو سکندر کے خلاف سازش کرنے کے جرم میں اپنی بریت کے لیے عذر پیش کرنے کے واسطے فوج کے سامنے لائے تو گھبراہٹ میں اُس کی زبان تتلی ہو گئی اور چند الفاظ زبان پر آ کر رہ گئے۔ اگرچہ اُس کو قید خانہ میں سپیچ تیار کرنے کا موقع مل گیا تھا مگر ناواقف ہونے کی وجہ سے وہ کچھ بول نہ سکا۔ اس امر کو سپاہیوں نے اُس کے اقبال جرم کی وجہ خیال کر دیا اور مار ڈالا

مقرر کے اوصاف

مسٹر ڈ نے جو اوصاف ایک مقرر کے واسطے بیان کیے ہین وہ ہم یہان لکھ دیتے ہین۔ وہ کہتا ہے کہ مقرر مین منطقی کی تیز فہمی۔ فلاسفر کی دانائی۔ قریباً ایک شاعر کی زبان۔ ایک قانون دان کا حافظہ۔ اور ایک عمدہ ایکٹر کی فصاحت اور حرکات ہونی چاہیین۔ اسی سبب سے دنیا مین جس چیز کا ہوتا ہے وہ ایک لائق مقرر ہے۔ کیون کہ یہ اوصاف جو ایک مقرر کے لیے ضروری ہین کسی متوسط حالت مین ہونا کافی نہین ہین۔ بل کہ یہ ضروری ہے کہ سب ملے ہوے ایک اعلی درجے کی مکمل حالت مین پائے جائین۔

چوتھا باب

فصاحت کے مختلف فیلڈ

فیلڈ کے معنی کھیت یا میدان کے ہیں۔ اور یہاں اُن مختلف مواقع سے
مراد ہے جہاں فصاحت کے استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ زمانہ قدیم
مین فصاحت کے تین اقسام قرار دیے گئے تھے۔ ایک کے ذریعہ سے
تعریف یا مذمت کرنے کا کام لیا جاتا تھا دوسرے سے پند نصائح کا اور یہ
عام مجمعون مین استعمال ہوتے تھے تیسرے کو الزام لگانے یا جوابدہی
کرنے یعنی عدالتون مین استعمال کیا جاتا تھا۔ مگر زمانہ حال مین یورپ مین اس
کے پانچ قسم قرار پائے ہین۔ پہلا مذہبی وعظ کا۔ دوسرا عدالتون کا۔ تیسرا پلیٹ
فارم یعنی عام مجمعون مین تقریر کرنے کا۔ چوتھا سینٹ یعنی پارلیمنٹ مین گفتگو
کرنے کا۔ اور پانچوان مختلف تقریرون کا۔ مگر ہم اپنے ملک کی موجودہ ضروریات
کے لحاظ سے ان مین سے صرف پہلے تین اقسام کا مختصر ذکر کرین گے۔

منبر یا وعظ مذہبی

ایک شخص جو مذہبی واعظ بننا چاہتا ہے وہ فن فصاحت سے بہت کچھ
فائدہ اُٹھا سکتا ہے۔ اگرچہ اب تک یہ بات ہمارے ملک مین نامعلوم ہے۔
موجودہ واعظان مذہب نے جو طریقہ وعظ کا اختیار کیا ہے وہ صرف مجمع
جہلا مین شاید کچھ موثر اور کارآمد ہوتا ہے۔ اور تعلیم یافتہ لوگ ایسے مواعظ
کے سُننے سے پرہیز کرتے ہین جس کی وجہ صرف یہی ہے کہ وعظ کرنے کے

طریقے خوش آیند نہیں ہیں۔ ایک مبلغ کا مذہبی واعظ کے لیے علوم مذہبی بخوبی آگاہ ہونا سب سے پہلی ضرورت ہے اور جب وہ وعظ کہنے کے لیے کھڑا ہو تو غیر مسلسل اور بے ربط مسائل کے بیان کرنے سے اجتناب کرنا چاہیے اور ہمیشہ ایک مسئلے پر نہایت مدلل و معقول بحث کرنا چاہیے۔ مذہبی وعظ کے لیے ایک بات جو سب سے زیادہ ضروری ہے وہ یہ ہے کہ وعظ کہتے وقت اُس کی صورت سے سنجیدگی اور سرگرمی دونوں عیاں ہوں۔ اگرچہ ان دونوں متضاد اوصاف کا ایک جا جمع ہونا مشکل ہے مگر مشق اور کوشش سے ایسا ہو سکتا ہے۔

عدالت

عدالت میں جس قسم کی فصاحت کی ضرورت ہے اُس کے خاص اوصاف صفائی اور سادگی ہیں۔ مقرر کے خیالات بالکل عام روزمرہ زبان کے لباس میں ملبوس ہونا چاہییں۔ جیسا کہ ہم آپس میں بات چیت کرنے میں استعمال کرتے ہیں۔ اگر فصاحت کے بڑے اندازوں کو عدالتی گفت و گو میں استعمال کرنے کی کوشش کی جائے تو یہ قابل تمسخر امر بن جائے گا۔

عدالتی مقرر کو یہ بات ہمیشہ دل میں رکھنی چاہیے کہ اُس کا مطلب عدالت کو ترغیب دینا اور ججوں کو ایک امر کا الیقین دلانا ہے۔ پس اُس کو ایسی زبان اختیار کرنی چاہیے جو اس غرض کے لیے موزوں ہو۔ بعض اوقات عدالتی مقرروں میں ایک عام غلطی پائی جاتی ہے کہ وہ ایسی زبان استعمال کرتے ہیں جس کو ہر ایک لیاقت کا آدمی نہیں سمجھ سکتا۔ اخیر وہ زبان بے معنی ہوتی ہے

اس سے کسی فائدے کی امید نہیں ہوسکتی۔ مقرر کو ایسی زبان اختیار کرنی چاہیئے جس کو ہر ایک بلا دقت کی عدالت بخوبی سمجھ سکے۔ اپنی صورت سے ہمیشہ اس کو یہ ظاہر کرنا چاہیئے کہ اپنے معاملے پر اس کو پورا اعتبار ہے گفتگو صاف اور مدلل ہونی چاہیئے سر جینٹ کاکس کی ایک نصیحت ہے کہ "بہت باتوں سے عدالت کو تھکا نہ دو۔ اگر سامعین میں تھک جانے کے علامات دیکھو تو اپنی تقریر کو قطع کر کے بیٹھ جاؤ۔ کیونکہ اس وقت تم صرف اپنی عمدہ دلائل اور غیر سندانہ فصاحت ہی کو ضایع نہیں کر رہے ہوتے۔ بلکہ اپنی کامیابی کی پہلی کوششوں اور اثرات کو برباد کر رہے ہوتے ہو اور ہر ایک قدم تمہارا کامیابی کے رستے میں پیچھے ہٹ رہا ہوتا ہے۔"

اپیل کی عدالتوں کو خطاب کرنے کے لیئے ایک دوسرا طریقہ اختیار کرنا چاہیئے جو معقول اور مدلل اپیل کے طبائع کے لیئے موزون ہو۔ خیالات اور زبان مختصر اور جامع ہوں۔ اور دلائل منطقی طور پر آراستہ کی ہوئی ہوں۔ گو ایک جج کو ایسے طرز سے ناموافقت ہو۔ مگر جب دلائل عمدہ ڈھنگ سے پیش کیئے جائیں گے تو وہ اثر کیئے بغیر نہ رہیں گے۔ آخر خوش کلامی کا اثر بہت بڑا ہوتا ہے۔

پلیٹ فارم

یہ فصاحت کا وہ قسم ہے جس میں پبلک اور عوام الناس کو خطاب کرنے کے حیلے [illegible] شامل ہیں۔ اس [illegible] کا بحث آیندہ فصلوں میں ہوگا [illegible] جو ان تقریروں [illegible] سادنی اور زور تقریر سے

بالکل عام زبان اور تشبیہات اس موقع پر استعمال کرنی چاہئین۔ مقرر کے خیالات گو کچھ ہی ہون مگر بالکل عام فہم زبان مین ظاہر ہونے چاہئین۔ ہماجسٹیجمد کی نصیحت کو نہ بھولنا چاہیئے کہ "ایک دانا آدمی کی طرح سوچو مگر ایک عام آدمی کی طرح بولو" ایک دلیرانہ حرکات اور اشارات والا طریقہ توجہ اور کامیابی حاصل کرنے کے لیئے مفید ہے۔ مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ رنگین زبان کا استعمال کرنا بجائے کامیابی کے تمسخر پیدا کرے گا۔ ان تقریرون مین جو عوام الناس کے گروہون مین کی جائین دلائل سے اس قدر فائدہ نہین ہوسکتا جس قدر کہ ان کے خیالات کو تاکنے اور اس کے لحاظ سے اثر ڈالنے کی کوشش کرنے سے ہوتا ہے۔ سچا اثر پیدا کرنے کے لیئے یہ بات ہر ایک مقرر کو ملحوظ رکھنی چاہیئے

پانچوان باب

طرزِ کلام اور ترتیب

غرض کا ایک ہونا

تمام لائق علما اس بات پر اتفاق رکھتے ہین کہ ایک کلام کا خاص امر اُس کی غرض کا ایک ہی ہونا ہے۔ کوئی ایک بڑا خیال تمام کلام کا مرکز ہونا چاہیے اور ہر ایک چیز اُس کے گرد گردش کرنے والی ہونی چاہیے یا اس طرح کہو کہ تمام کلام کا ایک خاص مدعا ہونا چاہیے اور ہر ایک لفظ جو بولا جاے سامعین کو اُس مدعا کے قریب لے جانے والا ہونا چاہیے۔ اُس مین زائد اور دور از کار کچھ نہ ہونا چاہیے۔ سسرو نے جو فن تقریر کے لیئے ایک زرین مسئلہ بتایا ہے وہ یہی ہے کہ جو خیال تقریر کے خاص مدعا کو وسعت نہ دینا ہو وہ خارج ہونے کے قابل ہے۔ یہ نقص انگریزی تقریرون مین عام طور پر پایا جاتا ہے اور اکثر تقریرون کو پڑھ کر کچھ سمجھ مین نہین آتا کہ مقرر کا مدعا کیا ہے اور وہ کیا کہ رہا ہے۔ وہ اپنے دل مین ضرور کوئی خاص مدعا قرار دیتے ہون گے مگر بیان کرنے مین وہ اس کو اس قدر زائد مواد سے بھر دیتے ہین کہ آخر اُس کا ماحصل کچھ نہین ہوتا۔

ترتیب

صرف یہی ضروری نہین ہے کہ جو کچھ کہا جاے وہ ایک خاص مدعا کے متعلق ہو بلکہ یہ بھی ویسا ہی ضروری ہے کہ وہ اپنے مناسب مقام پر ہو پس اس سے

مضمون کی باقاعدہ ترتیب کی ضرورت لازم آتی ہے - اگر ایک تقریر کی ترتیب کی نہ جاسے تو وہ ایک بے پتوار کے جہاز کے مانند ہوگی جس کا کوئی ٹھکانا نہین ہوتا - اس مین اکثر جگہ تکرار ہو جاتی ہے - اکثر فروگذاشتین ہو جاتی ہین اور ایک ایسے مسافر کے مانند جو اندھیری رات مین انجان ملکون مین پھر رہا ہو مقرر کے خیالات بھی بھٹکتے پھرتے ہین - اور سوا اتفاق کے ان کا کوئی حامی نہ ہوگا

طرز کلام

یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ جو زبان ایک تقریر کے لیئے بہت موزون ہے وہ کتابون کی زبان نہین ہے - بے شک تقریر اور تحریر کی زبان مین بہت اختلاف ہے - تقریر کی زبان مین بہت وسعت اور آزادی ہے - کتابون مین ہم صحت اور درستی کی طرف دیکھتے ہین کہ زوائد سے خالی ہو تکرار سے پاک اور زبان نہایت صاف اور سلیس ہو لیکن تقریر مین ایک زیادہ سہل طرز کی گنجائش ہے جو ایسے قواعد کی زنجیرون سے جکڑا ہوا نہین ہے - اس مین تکرار کی اکثر ضرورت واقع ہوتی ہے - معترضہ جملے کلام کو زیب دے جاتے ہین - ایک ہی خیال مختلف شکلون مین ظاہر کیا جاسکتا ہے - کیونکہ سامعین اس کو صرف مقرر کی زبان سے سنتے ہین اور ان کو یہ موقع حاصل نہین ہوتا کہ کتاب کی طرح اس کو پھر پڑھین اور مشکل مقامات پر سوچین اور سمجھین فاکس صاحب کا ایک قول ہے کہ جو سپیچ پڑھنے مین اچھی ہو وہ عمدہ سپیچ نہین ہوسکتی -

تقریر اور تحریر کے طرزون کے امتیاز کو پروفیسر میین نے بہت قابلیت

سے بیان کیا ہے وہ کہتا ہے کہ عام بات چیت ایک چیز ہے۔ فن تقریر دوسری اور تحریر تیسری۔ ہر ایک کے لیئے خاص قوی کے استعمال کرنے کی ضرورت ہوتی ہے۔ اور جب ایک سے دوسری کی طرف جاتے ہیں تو بعض خاص قوی کا استعمال چھوڑنا پڑتا ہے اور بعض دیگر استعمال میں لائے جاتے ہیں۔ جب ایک شخص اپنے کسی دوست سے باتیں کرتا ہے تو صرف چند متحد خیالات ظاہر کرتا ہے اور بغیر غور بغیر ربط اور غیر مسلسل خیالات میں ادھر ادھر کی باتیں کرنے لگتا ہے۔ جب وہ پبلک کے سامنے تقریر کرتا ہے تو خیالات کا پہیہ اپنی پوری تیزی کے ساتھ حرکت کرنے لگتا ہے۔ خیالات کا اتحاد اور اتصال عمل میں آتا ہے آواز کا اتار اور چڑھاؤ دیکھا جاتا ہے وہ بادلوں کے مانند گرجتا ہے اور برستا ہے اور آخر کار جب وہ لکھتا ہے تو خیالات کے دیگر حالات عمل میں آتے ہیں اور ایک محنت سے بنایا ہوا فقرہ اٹھتا ہے اور ایک ندی کی طرح مضمون کے سبزہ زار میں چلتا ہے یا بعض وقت ہزاروں اشعار کے بے بہا جواہر سے دمکتا ہے۔

مگر یہ طرز کلام کا مسئلہ اس قدر وسیع ہے کہ اس کے متعلق جس قدر بحث کی جائے کم ہے۔ سب سے اچھا معاون اس غرض کے لیئے زبان کے ایک پسندیدہ اور مستند عالم کی تصانیف کا مطالعہ ہے جو خوب سے کیا جائے اور عمدہ کلام کے جس قدر لوازمات اور نکات ہیں ان کو جانچا جائے اور ان خوبیوں کے حاصل کرنے کی کوشش کی جائے۔

شستگی اور صفائی عمدہ کلام کی سب سے پہلی اہم خوبیاں ہیں۔ الفاظ کا

قول ہے کہ زبان جس قدر عام فہم نہ ہو اُسی قدر اُس مدعا کے حاصل کرنے مین ناکام ہوتی ہے جس کے لیئے وہ استعمال کی جاسے۔ کونٹیلین کہتا ہے کہ فصاحت کی خاص فضیلت شستگی زبان ہے۔ تو یہ ایک ایسی صورت ہے جو سامعین کی تبدیلی کے ساتھ تبدیل ہوجانی چاہیئے۔ جو زبان کہ ایک مجمع کے لیئے قابل فہم اور موزون ہوگی وہ دوسرے کے لیے ایسی نہ ہوگی۔ جب ہم کو کم دماغی تربیت کے لوگون سے سابقہ پڑے گا تو ایک زیادہ آسان طرز اختیار کرنا پڑے گا۔ لیکن جب اس غلطی سے بچنے لگین تو ایک ملال انگیز طول کلام اختیار کر لینے سے بھی ہم کو آگاہ رہنا چاہیئے۔ ایسے موقعون پر تکرار ایک عمدہ قاعدہ ہے کہ خیال کو بہ تکرار ظاہر کرین۔ لیکن جملون کی صورتین مختلف ہون۔

اصطلاحون اور استعارون کے استعمال کرنے مین یہ احتیاط کرنی چاہیئے کہ وہ غیر متعلق اور دور از کار نہ ہون۔ سادہ اور عام فہم اصطلاحین عمدہ اثر پیدا کرنے مین بہت کار آمد ہوتی ہین۔ استعارات بھی اسی طرح مطلب سے ہو منے چاہیین۔ بعض اوقات درد اور جوش بڑھانے کے لیئے استعارات سے خوب کام نکلتا ہے۔

غیر یا غیر زبان کے جملون کے لیئے چند الفاظ کہنے کی ضرورت ہے ایسے جملون کے استعمال کرنے مین کوئی ہرج نہیں ہے خصوصاً قابل شعرا کے اشعار کو اپنے کلام مین موقع پر بیان کرنے سے کلام کی عظمت اور شان و شوکت بڑھ جاتی ہے۔ مگر شرط یہ ہے کہ اُن کے عام فہم معنی ہمارے مدعا کے موافق ہون اگر موافق نہ ہون تو کلام بدنما اور بھدا ہو جاتا ہے۔ غیر زبان کے جملون کے

استعمال کرنے سے بشرطیکہ وہ موافق مطلب ہون کلام کی عزت اور اعتبار بڑھ جاتا ہے۔ اور جب ہم اپنے قول کے واسطے اس طرح غیر ممالک کے آدمیون کی شہادت پیش کرتے ہین تو اس کا اثر بھی خوب ہوتا ہے۔ مگر یہ خیال رکھنا چاہیے کہ یہ جملے مبتذل یا غیر معروف نہ ہون۔

ہم کو اپنے کلام مین ہمیشہ اختصار پسند ہونا چاہیے۔ اختصار برتنے سے جملے زیادہ تر مؤثر ہوتے ہین۔ زبان کی نسبت اس امر کی احتیاط رکھنی چاہیے کہ الفاظ اور جملے سب شریف ہون بعض کم درجے کے اور کمینہ الفاظ برتنے سے ہم اپنی اور کلام دونون کی وقعت ضایع کر رہے ہوتے ہین۔

کلام کی زیب و زینت اور آرائش کی نسبت اعتدال سے کام لینا چاہیے مصنوعی آرائش سے کلام کو بھر دینے سے اس مین ایک نقص آجاتا ہے اور بالکل خالی رکھنے سے بنجر زمین کی بے لطف صورت نظر آتی ہے۔ بالکل سادگی لوگون کی توجہ نہین کشش کر سکتی۔ اور محض زینت اور آرائش کوئی اثر نہین پیدا کر سکتی کلام کو ایک نازنین معشوق سمجھنا چاہیے جس کو اسی قدر زیورات سے آراستہ کرنا واجب ہوتا ہے جس قدر کہ موزون ہو۔ زیادہ آرائش سے اس کا اصلی حسن و رنگ دب جاے گا اور کم سے کم پھیکا پن نظر آئے گا۔

بعض وقت کلام مین مزاح اور تمسخر برتنے سے تقریر کا اثر بڑھ جاتا ہے خشک مضمون کی سستی اس سے دور ہو جاتی ہے اور سامعین کی اکھڑی ہوئی طبیعت کو پھر جما دیتا ہے۔ علاوہ ازین بعض اوقات منتشر توجہ کو جمع کر دیتا ہے اور مضمون کی جانب راغب کرتا ہے جو خالی دلائل سے نہین ہو سکتا۔ لیکن یہ

اور اب بھی یاد رکھنا چاہیئے کہ کلام کے اس زیور کو بھی اعتدال سے برتا جائے
ایک زیرک آدمی کے لیئے اس سے زیادہ تنگ کرنے والی کوئی چیز نہیں ہے
کہ وہ ایک آدمی کو نقالی کرتا ہوا دیکھے - یہ ایک عمدہ مثل ہے کہ

"المزاح فی الکلام کالملح فی الطعام"

اس بات کا بھی فیصلہ کرنا ضروری ہے کہ ایک تقریر کو کس قدر لمبا ہونا چاہیئے؟
اوسط سب سے بہتر چیز ہے - تقریر نہ بہت لمبی ہونی چاہیئے نہ بہت چھوٹی -
ھال کومب کا قول ہے کہ "اگر تقریر لمبی ہے تو بہت لمبی ہونے دو- اگر چھوٹی
ہے تو چھوٹی ہونے دو"

ہم یہ مثال نقل کرنے کی غرض سے نہیں دیتے کہ سب سے لمبی تقریر جو تاریخ میں درج ہے جو انگریزی میں اٹھارہویں جنرل نے ٹکلباسان کے مقدمے میں کی تھی یہ تقریر پچیس دن تک رہی تھی - اس لمبائی میں اٹھارہویں جنرل ایک عورت سے شکست کھا جانے میں بال بال بچ گئے - کیونکہ مسز تنڈن ایک مشہور مقدمے میں جو چھبیس روز تک بولی تھی لارڈ ڈنڈورنے ایک تقریر بارہ دن تک کی تھی -

چھٹا باب

تقریر کرنے کے مختلف طریقے

تقریر کرنے کے چار مختلف طریقے ہین:—

اول - لکھے ہوے سے پڑھے -

دوم - اول لکھے - پھر یاد کرے اور لکھا ہوا دیکھنے کے بغیر پھر تقریر کرے -

سوم - مضمون کا خاکہ تجویز کرکے دل مین رکھے - اور ادا کرنے کے لئے وقت اور موقع پر بھروسہ کرے -

چہارم - دوسری اور تیسری تدبیر کو اس طرح ملائے کہ مضمون کے بہت اہم حصے لکھ کر یاد کرے اور باقی کے لیئے وقت اور موقع پر بھروسہ کرے -

تحریر سے

ان مین سے ہر ایک طریقے مین سود اور زیان دونون ہین - مگر یقیناً سب سے آسان یہ پہلا طریقہ ہے جو پنداَمیز اور علمی طریقون کے لیئے بہت موزون ہے جس کی غرض تحریک کرنا نہین ہوتی بلکہ تعلیم دینا - لیکن ہر ایک قاعدے کے لیئے مستثنیات ہین - کیونکہ بعض اوقات اسی قاعدے سے بڑا اثر پیدا ہوسکتا ہے جس کی اشال موجود ہین -

یہ امر قابل لحاظ ہے کہ اگر لکھے ہوے ایڈرسون کو پڑھنا ہو تو اُن کو ایسے کاغذات پر نہ لکھنا چاہیے جن کو بار بار اُلٹنے کی ضرورت ہو - اور ایک عمدہ تدبیر یہ ہے کہ ممتاز الفاظ کے نیچے لکیرین دے دی جائین - تاکہ اُس وقت فوراً وہ

معلوم ہو سکیں۔ اس کے لیے بہت سی باتون سے غور اور توجہ درکار ہے۔ بے شک
کسی تقریر کو لکھ کر دینے کے بعد اتنی ہی احتیاط درکار ہے جتنی کہ یاد کرنے پڑھنے
مین کسی طالب علم نے مشہور انگریزی مقرر مسٹر برائیٹ سے اسی بارے مین
رائے پوچھی تھی جس کا جواب یہ تھا کہ مجھ کو اپنی تقریرین لکھنے کی عادت نہین
ہے اور تیس برس سے مین نے کبھی تقریرین نہین لکھین کیونکہ یہ بہت زبون ہے
اور لفظ بلفظ یاد کرنے کی محنت ناقابل برداشت ہے۔ یہ کافی ہے کہ مضمون زیر تقریر
پر غور کیا جاوے اور مختصر یادداشتین لکھ لی جائین لیکن سب سے پہلے اُس
مضمون کی ایک اصلی و تحقیق درکار ہے اور اس طرح مشق کرنے سے تقریر کرنا آسان
ہو جاوے گا۔ اس کے بعد انھون نے لکھا ہے کہ اگر تقریر کرنے سے کوئی شخص
عاری ہو تو ضرورتہ یہی کر لیا جا سکتا ہے کہ لکھ کر پڑھ دیا جاے۔

حافظے سے

زمانہ قدیم مین حافظے سے تقریر یاد کرنے کا دستور تھا یعنی تقریر کو لکھ کر سر بسر
یاد کر لیا جاتا تھا اور پھر اس کو پڑھ دیا جاتا تھا مگر یہ نہین کہا جا سکتا کہ سسرو اور
ڈیماستھینز بھی اسی قاعدے پر عمل کرتے تھے۔

مگر عام رائے یہ ہے کہ سب سے زیادہ خطرناک طریقہ تقریر کرنے کا یہی ہے
کیونکہ حافظے کا کام دے جانا اکثر ممکن ہے جس سے خوف ہے کہ مقرر کو سوا
ندامت کے اور کچھ حاصل نہ ہو۔ البتہ اگر یاد کرنے کے ساتھ ہی مختصر یادداشتین
لکھ لینے کا طریقہ بھی اختیار کیا جاوے تو کامیابی کی امید ہو سکتی ہے۔ ہندوستانی
انگریزی مقررون مین سے بابو کیشب چندر سین کی نسبت یہ معلوم ہوا ہے کہ

وہ اپنی تقریریں پیشتر یاد کر لیا کرتے تھے۔

برجستہ تقریر کرنا

بلاشبہ سب سے بہتر طریقہ یہی ہے کہ تقریر کرنے کے لیے پیشتر اس کو دل میں تجویز کر لیا جاوے اور الفاظ اظہار کے لیے وقت اور موقع پر بھروسہ کیا جائے قوت میں یہ قاعدہ متذکرہ بالا سے بڑھا ہوا ہے اور یہ کہا جاتا ہے کہ جو شخص اس ڈھنگ پر قادر نہیں ہے وہ آرٹیٹر یعنی مقرر کے خطاب کا مستحق نہیں ہو سکتا یہ ممکن ہے کہ ایک شخص کو خاص ضروریات کے لحاظ سے کوئی دوسرا قاعدہ برتنے کی حاجت ہو مگر برجستہ گوئی پر قادر ہونا خاص وصف ہے جو درکار ہے۔

برجستہ تقریر کرنا ایسا ہے جیسا کہ ایک پیراک کا اپنے بازوؤں کے بل پر ایک عظیم سمندر میں تیرنا ہے پس جس قدر کہ مشق اس فن میں ہونا درکار ہے وہ اسی سے ظاہر ہے۔ فصاحت اور الفاظ پر قادر ہونا خاص ضروریات ہیں جو مشق اور مطالعہ سے حاصل ہو سکتی ہیں۔

ہماری زبان میں اس ڈھنگ پر تقریر کرنے والا یعنی برجستہ گو مقرر وہ ایک ہی فصیح مقرر ہے جو ایک ہی مقرر ہے یعنی سر سید احمد خان۔

جس قدر زور فصاحت اور قوت کلام اس مقرر کے قابو میں ہے وہ صرف برجستہ گوئی میں ظاہر کر سکتا ہے جس وقت کہ سامعین کا رونا اور ہنسنا ایک عام بات ہوتی ہے لیکن بعض اوقات اور خصوصاً جبکہ مضمون بہت نازک تھا جیسے کہ اس مضمون کو لکھ کر تقریر کرنے کے واسطے کہا گیا تھا تاکہ وہ اس کی مخالف اور سے اصطلاح کو بالکل گوارا نہ کر سکے۔ اور ایک بڑا لکچر جو سر سید نے محمڈن کالج علی گڈھ کے ...

حالات پر دیا تھا یا لکچر تحریری تھا اور پڑھ کر سنایا گیا تھا۔ اور سر سید خود اس امر کا اعتراف کرتے تھے کہ اُس کا لطف بالکل کرا ہوا تھا۔

ایک چوتھا طریقہ تقریر کا جو استعمال کیا جا سکتا ہے وہ دوسرے اور تیسرے قاعدے کا باہم ملا دینا ہے مگر یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ حفظ کیے ہوے مقامات کو برجستہ تقریر کی صورت مین مخفی کرنے کے لیے بہت احتیاط کرنی چاہیئے کیون کہ اگر سامعین اس بات کو جان جائین گے تو تمام منصوبہ بگڑ جاے گا۔

سامعین

مقرر کے ملحوظات مین عام سامعین عام طور پر اور اپنے سامعین خاص طور پر آنے چاہئین۔ اور اس کے ساتھ ہی اس امر کا بخوبی لحاظ کرنا چاہیئے کہ جو شخص اُس عظیم گروہ کو خطاب کرتا ہے جس کا نام پبلک ہے تو اُس کو اُس کی عزت اور توقیر کرنی چاہیئے۔ انگلستان کے بعض مقررون کے اقوال اس امر کے خلاف ہین۔ یعنی ایک مقرر کا قول ہے کہ "پبلک کو ایک بڑے بچے کے مانند سمجھنا چاہئیے" ایک دوسرا مقرر کہتا ہے کہ "لوگ مانند گدھے کے ہین جس کو تھین ہانکنا ہے"

اگرچہ ان اقوال سے کسی قدر حقیقت کی بو بھی آتی ہو مگر یہ یقینی ہے کہ انسان کے ایک بڑے مجموعے سے ایک گونہ عظمت ٹپکتی ہے اور ایک صحیح المزاج آدمی کے دل مین ضرور اُس کی عزت اور توقیر پیدا ہو گی۔ اگر کوئی شخص اپنے سامعین کو بدنام کرے اور اُن کے سامنے اُنھین کی بُرائی کرے تو یقیناً وہ اپنی اغراض مین ناکام رہے گا۔ اگر تمام عمر بھی بولتا رہے ہرگز کامیاب نہ ہو گا پس عمدہ طریقہ یہی ہے کہ سامعین کو بڑی سنجیدگی۔ ادب اور عزت کے ساتھ خطاب کیا جاے

اس طرح کہ ہر ایک شخص اپنے آپ کو خطاب کیا گیا اور اعتبار کیا گیا سمجھے۔

ایک بڑے مجمع کو خطاب کرنے مین ہمیشہ اُن لوگون کے خیالات کا اندازہ اور لحاظ کرنا چاہیے کیونکہ ایسے مجموعے عقل اور معقولیت کی حکومت سے آزاد ہوتے ہین۔ اُن کے خیالات کا میلان جس جانب ہو جاے وہ اُسی طرف بہے چلے جاتے ہین یہ ممکن ہے کہ اُن کے خیال مین غلطی ہو مگر ہمیشہ وہ کسی نہ کسی نیک غرض کے مطیع پائے جائینگے۔

عام تماشگاہون مین یہ بات دیکھنے مین آتی ہے کہ ایک سفیرانہ ۔ فیاضانہ بلند خیال کی تعریف کی جاتی ہے اور ایسے شخص کے وہ خیال مین حمایتی اور طرف دار بن جاتے ہین جو حق اور نیکی کا جانب دار ہو اور بدی اور بُرائی کی نفرت کرتے ہین۔ وہ لوگ جو خود نیکی نہین کرتے وہ بھی اُس وقت بدی سے نفرت ظاہر کرتے ہین۔ اگر کسی کھیل کے انجام مین نیکی کا انعام یا بدی کی سزا نہ دی جاے تو لوگ طبیعت مین رنج اور افسوس لے کر اُٹھتے ہین۔ پس مقرر کو لوگون کی نیکی پسند طبائع سے کام لینے سے نہ چوکنا چاہیے

بعض اوقات سامعین مقرر سے بدظن ہوتے ہین اور ابتدا مین کوئی کامیابی کی صورت نہین نظر آتی۔ مگر ایسے وقت مین مقرر کو سنجیدگی اور استقلال تلاش کرنا چاہیے۔ اُن کی بدمزاجی عارضی ہوتی ہے اور جلد جاتی رہتی ہے مقرر کو مستقل مزاج ہونا چاہیے۔ اُن کی نفرت پر مسکرا دے اور بدگوئی کو تمسخر سے معاوضہ کرے۔ اگر کچھ فتور یا فساد پیدا ہو تو سنجیدہ اور باشانت ہاتھ بغل مین ہاتھ دبا کر کھڑا ہو جاے اور صبر کے ساتھ باقاعدگی کا انتظار کرے

اور کچھ ناراضی یا خوف مطلق نہ ظاہر کرے۔ تھوڑی ہی دیر میں دیکھے گا کہ اکثر گروہ میں سے اُس کے جانبدار ہو جائیں گے اور دوسرون کو خاموش یا خارج کر دین گے۔ مسٹر واٹسن کہتے ہین کہ اس قاعدے کو مین نے اُن طوفانوں میں بھی ناکام ہوتے نہیں پایا جو انتخاب کے وقت مجلس انتخاب کے گرد پیدا ہو جایا کرتے ہین۔

پھر وہ کہتے ہین کہ اگر گروہ تندی ظاہر کرنے پر آمادہ ہون تو کچھ خوف نہ ظاہر کرنا چاہیئے۔ ایک گروہ بالکل بزدل ہوا کرتا ہے۔ ان مین اخلاقی دلیری نہین ہوتی اور جسمانی جرات بھی نادر ہوتی ہے کیونکہ ان مین بھی اعتماد نہین ہوتا۔ ایسے وقت مین ایک مضبوط دل۔ بہادرانہ اور دلیرانہ شکل درکار ہے جو صرف اُن مین سے اکثرون کو ڈرا ہی نہ دے گی بلکہ بہت سے لوگون کو مقرر کا طرف دار اور حمایتی بنا دے گی جس کے عقیدے کا ناکام یا بہت قریب ہو گی۔ وہ کہتے ہین کہ مین نے ایک گروہ کو پتھر پھینکتے ہوے دیکھا ہے جو ایک مقرر کو مارنے کے لیے اُٹھائے تھے جس کو مارنے مین وہ ناکام ہوے۔

امرسن کہتا ہے کہ فصاحت کو بالکل ایک صاف بیان پر مبنی ہونا چاہیئے بعدہٗ اُس کو گرم کیا جا سکتا ہے کہ طرح طرح کے رنگ نمودار کرے اور صرف شاعرانہ طرز مین گفت وگو کرے مگر شروع اور آخر مین ضرور سادہ واقعات کا تذکرہ ہونا چاہیئے۔ مقرر صرف اُسی وقت مقرر ہے کہ بنا پانون ایک واقعہ کے دائرہ سے باہر نہ نکالے اور پھر وہ یقیناً غالب آئے گا۔

سامعین کا اثر مقرر پر

اس بات کے بیان کرنے کے لیئے کہ مقرر پر سامعین کا کیا اثر ہوتا ہے - ایک انگریزی عالم کا ایک قول بیان کرنا مناسب ہوگا - وہ کہتا ہے کہ "سامعین سے جو خوف مقرر کے دل مین پیدا ہوتا ہے اُس کے رفع کرنے کے لیئے [illegible] کو نصیحت کی گئی ہے کہ سامعین کو وہ گوبھی کے بے شمار سر سمجھین [illegible] ایسی ہی حالت دیکھی ہوگی کیون کہ وہ کہتا ہے کہ "جب ایک شخص [illegible] تو بہت سے سر اپنے سامنے دیکھ کر گھبرا جاتا ہے - جب مین وہان کھڑا [illegible] تو مین کسی کو نہین دیکھتا بلکہ مین یہ خیال کرتا ہون کہ یہ سب سامنے پتھر [illegible] رکھے ہین "

مگر سامعین کو صرف اشخاص کا ایک مجموعہ سمجھنا غلطی ہے - کیونکہ [illegible] پہلا اثر ہو لیتا ہے تو وہ مل کر پہلے تو کچھ عرصہ کے لیئے ایک عظیم [illegible] جو ایک ہی فہم اور ایک ہی جسمانی اور ذہنی حالت رکھتا ہے -

اس کا خاص سبب بے شک وہ مقناطیسی ہمدردی ہے جو [illegible] ایک زنجیر مین جکڑے ہوئے رکھتی ہے - اور ایک لحظہ [illegible] کو متحد کر دیتی ہے - اسی لیئے اگرچہ مقرر اپنے آپ کو حاضرین مین سے [illegible] افضل سمجھے مگر مجموعی حیثیت مین اُن کو ایک [illegible]

لیکن اگرچہ بڑے گروہ کا کچھ خوف مقرر کے دل پر [illegible] بڑی مقررانہ کوششین [illegible]

[illegible]

کہ وہ بے اتفاقی سے سلوک کیا جاے۔ لیکن پھر وہی خیال اُسی شخص کا
ایک بڑے مجمع مین بہت موثر ثابت ہو۔ اس کی وجہ خیالات کی وہ گرمی ہے
جو ایک بڑے مجمع مین پیدا ہوتی ہے۔ جب ایک دفعہ ایک خیال کے
موثر ہونے کا ثبوت مقرر کو مل جاے تو اُس کا اثر پھر مقرر پر پڑتا ہے اور
اُس کے حوصلہ اور جراءت کو بڑھا دیتا ہے۔ اس طرح سامعین اور مقرر کے
خیالات کے درمیان ہمدردی پیدا ہوجاتی ہے وہ اُن کی شکل سے آرا
نئے خیالات دریافت کرنے لگتا ہے اور نئے موثر خیالات خود بخود چلے آتے ہیں

پس تھوڑے سے سامعین کو ایک بڑے کمرے مین ایک برجستہ
تقریر کی سی فصاحت کی توقع نہ رکھنی چاہیے جو ایک قلیل مجمع کے سامنے
اپنی قوت ظاہر کرنے سے نفرت کرنے کی ایک خفیہ تحریک ہوتا ہے اور مجمع
کی شرکت کوئی نیا زور اُس مین نہین پیدا کر سکتی۔

ساتواں باب

فنِ تقریر

اب ہم اُس حصہ کو بیان کریں گے جو خاص فنِ تقریر سے متعلق ہے کیونکہ اگر ایک شخص بہت بڑا عالم ہو اور اپنی تیاری کرنے کی خوب قابلیت رکھتا ہو لیکن اگر ایک وصف اُس میں نہ ہو تو سب علمیت اور قابلیت کسی کام نہ آسکے گی وہ خاص وصف فصاحت یا فنِ تقریر ہے۔

اس فن کے جاننے والوں میں سب نے اسی امر پر اتفاق کیا ہے کہ جب تک ایک شخص فنِ تقریر اور فصاحت کو نہ حاصل کرے اور ان خاص قواعد کے مطابق جو اس فن کے لیے وضع کیے گئے ہیں فن کی تکمیل نہ کرے تو وہ مقرر ہونے کے لیئے بے سود کوشش کرتا ہوگا۔

مگر اُن قواعد کا پابند ہونے سے یہ مطلب نہیں ہے کہ جب ایک شخص تقریر کرنے کو کھڑا ہو تو یہ فکر کرنا شروع کرے کہ اُس کو پہلے کون سا قاعدہ برتنا ہے اور پھر کون سا۔ اس طرح مقرر نہیں البتہ ایک مسخرہ بن جائے گا۔ اس علم فن سے یہ مراد ہے کہ ایک شخص مشاقی سے اُن قواعد کا اپنے آپ کو ایسا واقف بنائے کہ وہ اُس کی عادات اور نیچر کا ایک جزو ہو جائیں۔

اس غرض کے حاصل کرنے کے لیئے سوائے محنت کے اور کوئی چیز درکار نہیں ہے محنت کوشش اور جان فشانی سے یہ مطلب حاصل ہو سکتا ہے کہ ایک شخص اپنے بُرے عادات کو ضایع کر کے تقریر کی اصلی قوت کو عمدہ طور پر

حاصل کرسکے۔

آواز

مقرر کا خاص آلہ اس کی آواز ہے اور اس کے درست کرنے کے لیے بہت
احتیاط اور توجہ درکار ہے۔ بعض آوازیں قدرتی طور پر ان اغراض کے لیے بہت
موزون ہوتی ہیں۔ وہ مضبوط، صاف اور دردمندانہ لہجہ رکھتی ہیں اور سامعین
کے دل میں کھینچ لینے کا وصف رکھتی ہیں۔ مگر ایسے انعام قدرت کے شاذ و
نادر نظر آتے ہیں اور عموماً موٹی بازاری اور ناگوار لہجہ کی آوازیں پائی جاتی
ہیں۔ [illegible] سے [illegible] ہونے سے [illegible] محنت ہر ایک
[illegible] کا تجربہ چاہتا ہے۔

دردمند آواز

ہم پہلے بتا دینا چاہتے ہیں کہ آواز اور دل کے درمیان ایک دقیق رشتہ
ہے۔ [illegible] آواز ہماری روح سے پیدا ہوتی ہے۔ اور جن کو یہ فطرتاً حاصل
ہوتی ہے وہ اثر پذیر، گہرے خیالات والے اور کشادہ دل آدمی ہوتے ہیں
جن مقرروں کو یہ اوصاف حاصل ہوتے ہیں وہ تقریر کے وقت سامعین پر
حکومت کرتے ہیں۔ ان کی آواز میں دل کی تاثیر ہوتی ہے اور دوسرے
[illegible] کی [illegible] پہنچتی ہے۔ اس کی تقریر خلاف منطق ہی کیوں نہ ہو
مگر [illegible] اور صداقت تمام دنیا کی منطق سے زیادہ طاقتور اور زبردست ہیں۔
ایک عالم کا قول ہے کہ ایک دردمندانہ تقریر کے اثر کی عجیب طرح سے
[illegible] کرتا ہے۔ مگر یہ خوبی کسی فن سے حاصل نہیں ہو سکتی۔ بلاشبہ یہ بھی کاٹنے کی

طاقت کی طرح ایک انعام ایزدی ہے جس سے فائدہ اُٹھانے کا بہتر طریقہ
یہ ہے کہ مقرر اپنی تقریر جوش اور قوت کے ساتھ کرے اور وہی جوش سامعین
میں پیدا ہونے دے۔

حفظِ آواز

آواز کی حفاظت اور اُس کی طاقت بڑھانے کے لیئے چند عام قواعد ہیں
جن کی پابندی اور لحاظ لازم ہے۔

اول۔ سب سے پہلا مشق کرنے کے وقت سے تعلق ہے جو صبح کے وقت
اور دوپہر کے بعد یا شام کو پانچ اور آٹھ بجے کے درمیان ہونا چاہیئے کیونکہ دوسرے
اوقات مشق کے لیے موزوں نہیں۔ معدے کو پُر کرکے یا کھانا کھانے کے بعد فوراً مشق کرنا
ٹھیک نہیں ہے معمولی غذا کے چار گھنٹے بعد [illegible] وقت خیال کرنا چاہیے

دوم۔ ایک سبق بہت عرصہ تک نہ ہونا چاہیئے۔ بچوں کے لیئے ایک وقت
آدھا گھنٹہ اور بڑوں کے لیئے ایک گھنٹہ یا سوا گھنٹہ کافی ہے۔

سوم۔ تمام سبق سر اور سینہ سیدھا کھڑا ہوکر دہرانے چاہئیں سینہ کشادہ
اور اُبھرا ہوا ہو۔ مگر بالکل اس کی پابندی نہ ہو کندھے پڑے ہوئے اور پیچھے
گرے ہوئے ہوں۔ منہ کھلا ہو مگر ایسا کہ چہرے کو بدصورت بنائے اور
لبوں کو آزادی کے ساتھ بولنے میں اپنا کام کرنے دینا چاہیئے۔

چہارم۔ آواز کے مضبوط کرنے کے لیئے یہ ایک سب سے عمدہ طریقہ ہے
کہ کھڑے ہوئے پانچ چھ سیکنڈ تک [illegible] کھلی ہوا میں زور کے
ساتھ بہ [illegible] کی جائے۔ ہمارے ناظرین کو یاد ہوگا کہ یہ وہ طریقہ

ڈیماستھینیز کا ہے جس نے کنارۂ سمندر پر اسی طرح مشق کرنے سے اپنی آواز کی کمزوری دفع کر لی تھی۔

پنجم۔ سردی سے جسم کی حفاظت کرنا چاہیے۔ اس لیے سرد پانی میں ہرگز نہانے اور سرد موسم میں باہر پھرنے سے احتراز کرنا چاہیے اور حفاظت کے معمولی سامان ضرورت کے وقت استعمال کرنا چاہیے۔

ششم۔ بعض اشیا آواز کے لیے مضر معلوم ہوئی ہیں اُن سے پرہیز کرنا چاہیے۔ اُن میں انجیر۔ سیب۔ ناسپاتی اور سپاری داخل ہیں۔ شراب آواز کے لیے اور فصاحت کی اغراض کے لیے زہرِ قاتل ہے اور حتی الامکان تمباکو پینے سے بھی بچنا چاہیے۔

ہفتم۔ دانتوں کی خوب حفاظت کرنی چاہیے کیوں کہ ان کے نقصان سے صوت کو نہایت صدمہ پہونچتا ہے۔

ہشتم۔ چھاتی اور گردن کو مقید نہ رکھنا چاہیے۔

ان مشقیات سے ایک اور بہت بڑا فائدہ حاصل ہوتا ہے کہ وہ صحت کے لیے نہایت مفید اور اطبا کی سند کے مطابق ازبس سودمند ہیں۔ بس بہت کم لوگ ہوں گے جو ایک عمل سے دو فائدے اُٹھانے کی خواہش نہ کریں گے۔

حرکات

جب ہم یہ کہہ لیں کہ ایک مقرر کو تمام طرح کی احتیاط کے ساتھ اُن تمام عمدہ قواعد کی مشق کرنا چاہیے جس سے وہ اپنی عادات کے نقص کو درست کر سکے اور تقریر کے حسنِ ترتیب اور کلام کے متعلق ضروریات سے آگاہ ہو جائے

تو پھر ہم کو حرکات کی جانب متوجہ ہونا چاہیئے جو کہ اس بیان میں سب سے
آخر میں مگر ناٹک میں کسی دوسرے درجے پر سمجھی گئی ہیں جس طرح
دیگر امور کی ترتیب اور درستی کی ضرورت ہے اسی طرح اس بارے میں بھی سعی
اور توجہ درکار ہے۔

عام اصول

حرکات کے متعلق چند عام اصول کا لحاظ کرنا چاہیئے۔ اور سب سے پہلے
یہ امر ہے کہ جو حرکات عام بول چال میں استعمال کی جاتی ہیں انھیں کو پبلک
حرکات کا اصول بنانا چاہیئے مگر اس سے ہماری یہ غرض نہیں ہے کہ عام گفت و گو
کی حرکات سے زیادہ حرکات نہ استعمال کیے جائیں کیونکہ ایک بڑے مجمع میں
اور کسی مفید مضمون پڑھنا ہے کہ ایک شخص کو ہر روزہ زندگی کے مقابلہ میں زیادہ
جوش اور سرگرمی کے وقت زیادہ حرکات سے کام لینے کی ضرورت یا تحریک ہو
حرکت کے وقت کی نسبت یہ جاننا چاہیئے کہ زبان سے لفظ نکالنے سے
ذرا پہلے اس کا وقت ہوتا ہے۔ اگر اس کے ساتھ آئے تو گویا دیر سے آئے
اور اگر بعد آئے تو بالکل بے وقت ہوگی کسی شخص نے خوب کہا ہے کہ حرکات ہماری
تقریر کی خدمت گذار ہونی چاہیئیں۔ مگر اس طرح کہ جیسے بادشاہوں کے آگے آگے
چوبدار اور نقیب دوڑتے ہیں اور سواری آنے کی اطلاع کرتے جاتے ہیں۔
کسی بے محل یا تنہا حرکت سے بچنا چاہیئے سہل اور قدرتی اور از خود
آنے والی معلوم ہونی چاہیئے۔ حرکات کا پیشتر تجویز کر رکھنا اور وقت پر مصنوعی
اظہار کی کوشش کرنا نہایت خطرناک امر ہے۔ اس سے سامعین کے متنفر

ہونے کے علاوہ دلائل کی بے اعتباری پیدا ہو جانے کا خوف ہے۔

ایک دوسری ہدایت یہ ہے کہ حرکات متواتر نہ ہونی چاہئیں بعض حصے تقریر کے ایسے ہوتے ہیں جن میں مقرر کو نچلا کھڑا رہنا چاہیئے تا وقتیکہ اس کو کسی حرکت کی ضرورت معلوم ہو۔

شیریڈن کی کتاب آرٹ آف پبلک سپیکنگ جو شاید عرصے سے طبع نہیں ہوئی اس مضمون پر ایک بہت عمدہ رسالہ ہے اور بعض ضروری ہدایات اس سے حاصل کی جا سکتی ہیں۔ حرکات کی نسبت ہم اس کتاب سے چند سطور ذیل میں لکھتے ہیں۔

قدرت نے ہر ایک جذبۂ دل کے لیے ایک مناسب بیرونی علامت مقرر کی ہے اس طرح کہ جو کام ایک کا ہے وہ دوسرے سے پورا نہیں ہو سکتا۔ تین برس کی عمر کے بچے اپنی آواز سے غم کا اظہار کرتے ہیں اور اس وقت جو حرکتیں اظہار غم کے لیئے کرتے ہیں وہ غصے کے وقت کی حرکتوں سے بالکل مختلف ہوتی ہیں اور کبھی وہ غلطی سے ایک کی جگہ دوسری حرکت نہیں کرتے۔ پس تمام فن تقریر قدرت سے اخذ کرنا چاہیئے۔ جو کچھ ہمارا مطلب ہوتا ہے وہ ہمارے الفاظ پر اس قدر منحصر نہیں ہوتا جس قدر کہ بولنے کے ڈھنگ پر۔ گویا نیچر نے دل کے ہر ایک ارادہ یا خیال کے لیئے ایک ظاہری علامت مقرر کر دی ہے۔

انسان کے جسم کا ہر ایک حصہ دل کا جوش یا جذبہ ظاہر کرنے یا اس کی موجودہ حالت ظاہر کرنے کا کام دیتا ہے۔ سر بعض اوقات [illegible]

[illegible]

وقت اشارے سے کوئی چیز ظاہر کرتا ہے۔ مختلف حرکات سے رضا مندی یا انکار ظاہر کرتا ہے۔ ایک قسم کی حرکت سے دکھاتا ہے۔ دوسری سے جوڑا کرتا ہے اور تیسری سے تشبیہ ظاہر کرتا ہے۔

بعض اوقات دونوں بازو چھیلا دیے جاتے ہیں بعض اوقات سر نیچا [illegible] بعض اوقات تعجب ظاہر کرنے کے لیے چہرے تک بلند کیے جاتے ہیں۔ بعض اوقات خوف ظاہر کرنے کے لیے سینے کے سامنے لائے جاتے ہیں۔ خواہش یا محبت ظاہر کرنے کے لیے کھلے ہاتھوں کے ساتھ پھیلائے جاتے ہیں۔ حیرت یا ناگہانی خوشی اور غم میں ہاتھ جوڑ لیے جاتے ہیں۔ گویا ہم [illegible] ہاتھوں سے [illegible] مانگتے ہیں۔ انکار کرتے ہیں۔ [illegible] [illegible] [illegible] کرتے ہیں طلب کرتے ہیں۔ اور نفرت خوف تشبیہ۔ انکار۔ طلب۔ اثبات نفی۔ خوشی۔ غم۔ اقرار اور معذرت ظاہر کرتے ہیں ہاتھوں کے ساتھ ہم وقت مقام اور کسی شے کے حالات ظاہر کرتے ہیں۔ ہم لوگوں کو جوش دلاتے ہیں اور ان کو ٹھنڈا کرتے ہیں۔ تائید یا موافقت کرتے ہیں۔ اجازت دیتے ہیں یا ممانعت کرتے ہیں۔ تعریف کرتے ہیں یا تنفر کرتے ہیں یا ہاتھ کئی قسم کے الفاظ کی جگہ کام دیتے ہیں۔ اور جہاں بولنے کی زبان نامعلوم ہوتی ہے وہاں تمام قوموں میں ہاتھوں کی زبان سمجھی جاتی ہے۔

ٹانگیں خواہش یا نفرت محبت یا حقارت۔ دلیری یا خوف ظاہر کرنے کے لیے آگے بڑھتی ہیں یا پیچھے ہٹتی ہیں اور ناگہانی خوشی پر اچھلتی ہیں۔ اور پاؤں کے زمین پر مارنے سے ہم گویا غصہ اور رنج ظاہر کرتے ہیں

خصوصاً چہرہ دیکھو کہ پٹھوں کے ایک نظام پر مشتمل ہے دلی جذبات ظاہر کرنے
میں جتنا ہم سے اور جسموں کی نسبت زیادہ کام دیتا ہے۔ سفید رنگ آدمیوں میں
رنگ کی تبدیلی یعنی سرخ اور بعض اوقات زرد ہو جانے سے غصہ ظاہر ہوتا ہے
اسی طرح زردی سے خوف اور جھینپنے سے شرم ظاہر ہوتی ہے منہ کے کھلنے
سے دل کی ایک حالت ظاہر ہوتی ہے اور بند ہونے سے دوسری۔ اسی طرح
دانتوں کے پیسنے سے تیسری۔ خوشی سے باچھیں کھل جاتی ہیں۔ ناک
پھیل پڑ جاتا ہے۔ آنکھیں آدمی بند ہو جاتی ہیں اور بعض وقت ان میں آنسو بھر
آتے ہیں۔ پیشانی پر بل پڑ جاتے ہیں اور ابرو دن گے بادل کی طرح آنکھوں
پر جھک جانے سے دل کے طیش سے تردد میں ہونے کو ظاہر کرتا ہے آنکھیں
سب سے زیادہ جذبات کو ایک نمودار صورت میں ظاہر کرتے ہیں۔ دل کی
ہر ایک مختلف حالت میں ان کی صورت مختلف ہو جاتی ہے۔ خوشی سے آنکھیں
روشن اور کشادہ ہو جاتی ہیں۔ غم سے بند اور پُر آب غصہ اور نفرت کے وقت
آنکھوں سے بجلی کی طرح شعلے نکلتے ہیں محبت سے چمکتی ہیں اور عبادت کے وقت
آسمان کی طرف اٹھ جاتی ہیں گویا کہ مقدس آدمی کی روح آسمان کی جانب پرواز
کرنے لگتی ہے۔

بعض اوقات جب ہم کسی تصویر میں کوئی خاص حرکت اس کی صورت سے عیان
دیکھتے ہیں تو شکسپیر کی پُر جوش زبان کے مانند اس سے ہمارے دل اثر اٹھائے
بغیر نہیں رہ سکتے۔ پس کچھ عجب نہیں ہے اگر ایک معقول حرکت طاقت و فصاحت
کے ساتھ مل کر ایک ناقابل مقابلہ چیز ہو جائے۔ اب ہم بعض اجزا کی حرکات کو

جدا جدا بیان کرین گے۔

چہرہ

فصاحت کا اثر بڑھانے کے لیئے جو کام چہرے سے لیا جاسکتا ہے وہ بلا مبالغہ بہت زیادہ ہے۔چہرہ ایک آئینہ ہے جس مین سے دل کے جذبات نظر آتے ہین اور یہ ایک عام قاعدہ ہے کہ اگر چہرے کی حرکات کوئی خیال نہ ظاہر کرین تو معلوم ہوگا کہ اُس کے دل مین بھی کچھ نہین ہے۔

لیکن یہ یاد رکھنا چاہیئے کہ چہرے مین بہت زیادہ اور متواتر تبدیلیان نہ ہونی چاہیئین۔کیونکہ اس سے بناوٹ ظاہر ہوگی اور نقالی کی حرکات کی بیہودگی سمجھی جاے گی۔ ان حرکات کے لیئے کوئی قاعدہ بنانا درحقیقت ایک ناممکن امر ہے جو کچھ کہا جا سکتا ہے وہ یہ ہے کہ چہرے کو اپنے قدرتی حالات و خیالات کے مطابق حرکت کرنے دینا چاہیئے۔ صرف بعض بُری عادات سے جیسے کہ لوگون کو بھوین چڑھانے اور ہونٹ کاٹنے کی ہوجاتی ہین پرہیز کرنا چاہیئے

آنکھ

چہرے کا سب سے زیادہ مفید حصہ آنکھ ہے۔یہ فریفتہ کرتی ہے یا دفع کرتی ہے۔غصہ سے شعلے نکالتی ہے اور نرمی سے پگھل جاتی ہے اور ہر ایک خیال کے ساتھ تبدیل ہوجاتی ہے۔پس مقرر کو نہ بھولنا چاہیئے کہ اُس کی آنکھ مین اصلی طاقت پوشیدہ ہے جو عمدہ طور پر کام مین لائی جانی چاہیئے۔ بوسؔوا ایک مشہور فرانسیسی مقرر تقریر کرتے وقت آنکھین بند کرلیا کرتا تھا۔ اگرچہ اُس کی مشہور جادو بیانی ایک عجیب اثر رکھتی تھی۔ مگر اس مین

سختی نہیں ہوتی اس اثر کا بہت سا حصہ الیسا ہے جو ضائع ہو جاتا تھا
ہاتھوں اور پاؤں کی نسبت ہم تو یہی کہیں گے کہ الفاظ و محاورے کی کچھ ضرورت
نہیں ہے جب تک ان سے بھی بہت کچھ کام لیا جا سکتا ہے

آخری ہدایت

جو ہدایت ہم سب سے آخر کرنا چاہتے ہیں وہ صرف یہی ہے کہ ہمارے
ملک میں عمدہ مقرر پیدا ہونے کے لیے ادبی مجالس اور کلبوں کی ضرورت
ہے۔ جہاں تقریر کرنے اور مضامین پر دوستانہ بحث مباحثہ کرنے کی مشق
کی جائے۔

دراصل یہ فرض سررشتہ تعلیم کا ہے کہ وہ مدارس سے متعلق اس قسم کے
کلب قائم کرے اور اپنی نگرانی سے ان کی ترقی کے لیے کوشش کرے
اس وقت اس کا عمدہ نمونہ صرف محمدن اینگلو اورینٹل
کالج علی گڑھ میں موجود ہے۔ اور یقیناً کہا جا سکتا ہے کہ اس سے عمدہ نتائج
سے ہماری قوم مستفیض ہوگی۔ اس کی موجودہ حالت آئندہ بہتری کا وعدہ
کر رہی ہے۔

مطبوعہ [illegible] پریس لاہور - ۲۳ اپریل ۱۹۰[illegible]

TREATISE ON PHYSIOGNOMY

رموز حکمت

معروف بہ

رسالہ علم قیافہ

رسالہ نمبر ۱۶

یہ مستند رسالہ مشہور رسالہ کا ترجمہ ہے جو اُردو میں چھاپا گیا اور اس میں بہت سی باتیں جو علم قیافہ سے تعلق رکھتی تھیں جو کہ علم تشریح اور فلسفہ کی رو سے ہو سکتی ہیں مضامین اضافہ کئے گئے ہیں

مؤلفہ و مرتبہ

حکیم غلام نبی زبدۃ الحکما مصنف رسالہ ہیضہ و معالجات بواسیر و رسالہ دافع آتشک و سوزاک و الفارق بین المسکرات و مخزن الحکمت و امراض باہ و سبب پیدائش وغیرہ وغیرہ مہتمم و ایڈیٹر رسالہ حافظ صحت و منبع الاخبار جو بہت سے عوام الناس کے فائدے کے لئے

زبدۃ المطابع اعوان منزل لاہور میں طبع کرایا

سنہ ۱۹۰۵ء

قیمت بلا محصول ڈاک ۱۲

طبع ثانی

بشرہ کس قدر بلڈاگ کتے یا کسی جانور سے مشابہ ہو تو اس کے واسطے یہ بھی
ضرورت ہے کہ اس کی حرکتیں بھی فی الجملہ اس میں پائی جاوینگی ۔

ہر انسان کو خداوند تعالیٰ کی طرف سے عقل کا حصہ برابر نہیں عطا ہوتا ہے کسی
کو زیادہ کسی کو کم ۔ اور بعض تو ایسے پیدا ہوتے ہیں کہ بجز کھانے پینے کے دوسرے کام
کی عقل ہی نہیں رکھتے ۔ اس تیسری قسم کے لوگ آئندہ بحث سے خارج ہیں اور
دوسری قسم کے لوگوں کا ترقی کرنا مشکل ہے مگر اول قسم کے لوگ اگر علم قیافہ پر پوری
معلومات حاصل کرنے کی کوشش کریں اور اس سے اپنی حرکات و سکنات
کو مطابق کرکے اس کی اصلاح کرنا چاہیں تو انسانی عقل کی قوت سے ان کی
اُس خصلت کا جو کسی جانور کی حیوانی خصلت سے مناسبت رکھتی ہو بالکل
جاتا رہنا تو نہیں مگر دبا ہوا رہنا ممکن ہے ۔ تمام حیوانات پر جو چیز کہ انسان کو فضیلت
دے ہوئے ہے وہ صرف عقل انسانی ہے پس انسان میں عقل کا مادہ گو کم ہو
پھر بھی وہ ہر جانور سے حصے میں بہت کچھ زیادہ ہے ۔ یہی وجہ ہے کہ انسان بہ
اپنی بناوٹ کے بیشتر اگرچہ خراب عادتوں میں [illegible] ہو مگر بعد میں اس کی قوت
عقلیہ اس سے باز رکھنے کی کوشش میں ہمیشہ مشغول رہتی ہے دنیا میں
ایسے بہت سے لوگ ہوتے ہیں [illegible] حالت [illegible]
ہر قسم کے [illegible] اور کاہل تھے مگر ایک زمانے کے تجربے کے بعد ان کی عادتیں
پلٹ گئیں اور وہ نہایت پاک صاف اور خلیق متواضع اور [illegible] و حیا والے
ہو گئے [illegible] عادت ان کی فطرت سے اور ان کی [illegible] بناوٹ کے متعلق تھی مگر
ان لوگوں نے نتائج کے تجربہ اور عمدہ سوسائٹی کے باوصف ان کی عقل انسانی
نے مجبور کیا کہ وہ حتی الامکان ان کو دبائے رہیں تاہم اس قسم کے اشخاص بھی
[illegible] تبدیلی [illegible] سے ان لوگوں کے جیسے ہم خیال ہو سکیں گے

جن میں مندرجہ بالا صفات پیدایشی اور قدرتی طور پر ابتدا سے واقعہ ہوئی
ہوں اگر کوئی شخص اتفاق سے ایسا نظر آجائے کہ جس کو صفات ملکی اعلیٰ درجے
کی حاصل ہوں اور نیز اُس کے فطرت کا اقتضا بھی یہی ہو۔ مگر ابتدائی زمانہ اس
کا حرکات شیطانی میں گذرا ہو۔ تو اس کی نسبت یہ سمجھنا چاہئے کہ کسی ناقص سوسایٹی
یا اور کسی ناجایز سبب سے وہ خراب عادتیں اس میں عارضی طور پر آگئی تہیں جن
کو بالآخر اس کی فطرت نے دفع کر کے چھوڑا۔ انسان کے لئے سوسائٹی ایک نہایت
قوت وار چیز ہے یہ اگرچہ انسانی فطرت کو بالکل تو نہیں بدلدیتی تاہم اس پر اتنا بڑا
حملہ کرتی ہے کہ اس کی حالت قریب قریب متغیر کے ہوجاتی ہے مہذب دنیا میں
ہر جگہ کم و بیش بیوقوف اور عقلمند دونوں قسم کے لوگ ہوتے ہیں تاہم جس جگہ کی سوسایٹی
لہو و لعب کی طرف ہوتی ہے وہاں کے عقلا کی دماغی قابلیت تمام لغو اور بیہودہ و
فضول کاموں میں اعلیٰ درجے کی موشگافیاں کر کے اپنے جوہر دکھاتی ہے اور
اُسی پر تمام قوم کو ناز ہوتا ہے بخلاف اس کے جس مقام کی سوسایٹی زمانے کی
گزشتہ اور موجودہ شائستگی میں روز بروز ترقی کرنا چاہتی ہے وہاں کے عقلا کی دماغی
قابلیت تمام اُن باتوں میں جو موجودہ اور آیندہ نسلوں کو خواہ باعتبار فنون کے
فائدہ بخشتی ہوں صرف ہوتی ہے پس ایک ہی قسم کی دو عقلیں دو جگہ میں دو طرح
کی سوسایٹی کے باعث آپس میں مختلف نتائج پیدا کرتی ہیں۔ لہذا ہم جو اس کے
متعلق نقشے یا تصویریں دیں گے۔ اس سے ہمارے رسالہ کے پڑھنے والے اگر
کوئی تجربہ اُٹھانا چاہیں اور کسی موجودہ شخص سے اس کو مناسبت دینا چاہیں تو
اُسکی قیافہ شناسی سے پہلے ضرورت سے ہے کہ اسباب مندرجہ بالا پر لحاظ کریں ۰

دماغ انسان کی بیرونی ساخت

انسان کی تمام لیاقتوں اور نالائقیوں کو اس کے دماغ کی ساخت سے تعلق ہے اور دماغی ساخت کے شناخت کو اس کے کاسہ دماغ کی ساخت سے تعلق ہے پس جس شخص کا سر و دماغ یعنی کھوپڑی جس طور کا بنا ہو اس کے دماغ کی بناوٹ اس طرح سمجھنا چاہئے ۔

اگرچہ علمائے یونان نے تمام جسم کی بلندی و پستی سے اور حکمائے ہند نے ہتھیلی اور تلووں کی لکیروں سے اس علم میں اپنی واقفیت کے بہت ثبوت دکھائے ہیں مگر تجربہ کاران فرنگستان نے ان سب کے علاوہ اپنی تحقیق کو زیادہ تر دماغ انسانی کی ساخت کے دریافت کرنے پر متوجہ کیا ہے چونکہ اصول ہذا اس قاعدہ پر کہ تھرمامیٹر کے ساخت پر بنا ہے اس لئے ہم کو ضرور ہوا کہ مختصر طور پر ظاہر کر دیں کہ تھرمامیٹر جس کو آلہ مقیاس الحرارت کہتے ہیں اور جس سے فضا کی گرمی یا سردی کا اندازہ ہوتا ہے کیونکر بنایا جاتا ہے تھرمامیٹر ایک شیشے کی نلی کی ہوتی ہے جس میں سے ہوا نکال کر پارہ ایک خاص مقدار میں داخل کر دیا جاتا ہے پھر نلی کا منہ بند کر کے پہلے اس کو نہایت سرد جگہ میں جو برف کی خاصیت رکھتی ہو رکھا جاتا ہے جس کے باعث سے اس کا پارہ سمٹ کر مختصر جگہ میں آجاتا ہے اور اس جگہ پر ایک نشان بطور یادداشت کے دیا جاتا ہے۔ اس کے بعد اس نلی کو کھولتے ہوئے پانی میں غوطہ دیتے ہیں اس کی گرمی کے اثر سے پارہ نلی کے ایک بہت بڑے حصے میں پھیل جاتا ہے اور اس جگہ پر دوسرا نشان بطور

یادداشت کے دیا جاتا ہے۔ ان دو نشانوں میں پہلا نشان وہ ہے جو سردے
سرد حالت پیدا کرتا ہے۔ اور دوسرا نشان وہ ہے جو انتہا کی گرمی دکھاتا ہے
پس ان دونوں نشانوں کے درمیان جسقدر درجے قایم کرنا منظور ہوتے ہیں
وہ بطور خطوط کے دیگر سردی اور گرمی کے روزانہ مقدار کا اندازہ کیا جاتا ہے

اسی طرح پر ہر ایک آلہ خواہ وہ مقیاس حرارت و برودت ہو خواہ مقیاس البرش
ہو خواہ اور کوئی آلہ ہو سب کے بنانے کی یہی ترکیب ہے کہ پہلے دو درجے انتہائی قایم
کرکے اس میں جسقدر منظور ہوتے ہیں باقی درجے کوئی خط یا نشان وغیرہ قایم کئے جاتے ہیں

یہی قاعدہ انسان اور حیوانوں کے دماغ کی ساخت میں برتا گیا ہے کہ
حیوانوں میں وہ حیوانات جو بالو بندر کہلاتے ہیں اور بندروں میں وہ بندر جس کو
بن مانس کہتے ہیں اس مقام پر انسان کا مقابل کیا گیا ہے اسلئے کہ اس کے
دماغ سے انسان کے دماغ کو نہ مناسبت ہے مگر جسقدر فرق دونوں دماغوں
میں باعتبار فراست کے ہے اس کو آگے ہیں جو ایک ساتھ دکھایا گیا
ہے جس پر نمبر حاشیہ ترکیب دیا جاتا ہے پس مندرجہ ذیل نقشے دماغ
کی ساخت کے دو مختلف درجے جو انسانی حد سے حیوانی حد تک پہنچے ہوتے
ہیں ناظرین رسالہ ہذا پر بخوبی ظاہر ہونگے ۔

تصویر نمبر ۱
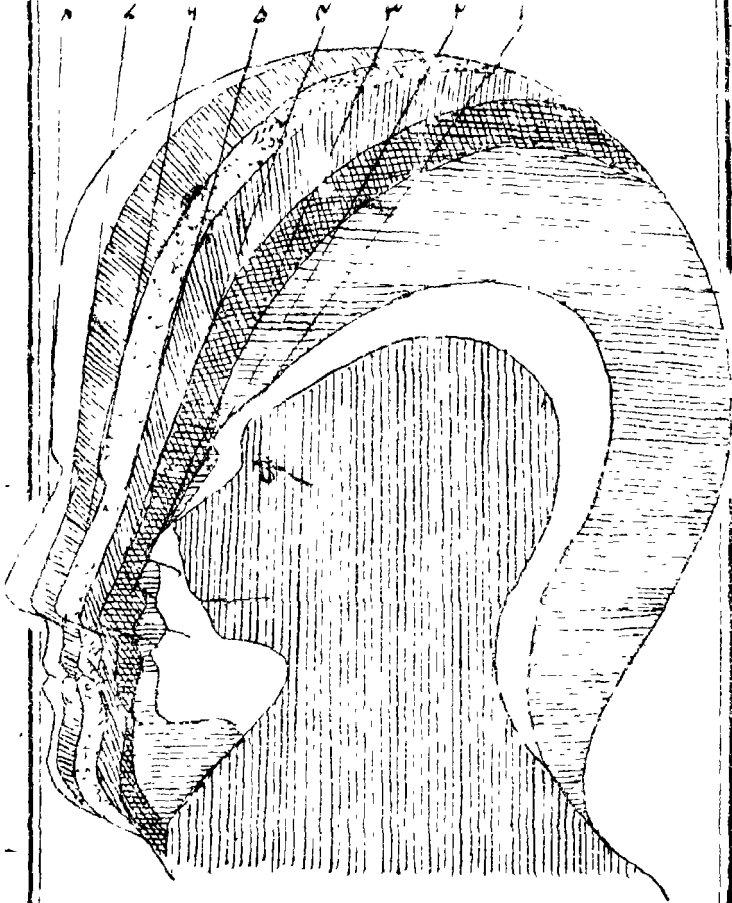
مندرجہ بالا نقشہ کے خطوط کی نمبروار فہرست

نمبر خط	قسم	تصریح
۱	بن ماس	ایک قسم کا بند ہے جو باعتبار بعضے اعضا اور حرکات کے انسان

کی گئیں اور اس کے ہر خط کے متعلق ایک علیحدہ تصویر دی گئی ہے

تصویر نمبر ۲

تصویر نمبر ۳

تشریح	خانہ دماغ	نمبر
کسی آیندہ وقت تک کے لئے امید کرنا ۔	امید	۲۱
روحانیت کے بقا کا اعتقاد ۔	مذہب	۲۲
بناؤ سنگار کی تکمیل اور خوبصورتی کی خواہش ۔	حسن	۲۳
سب باتوں میں [illegible] ۔	[illegible]	۲۴
ہر چیز کے نقل کی قوت ۔	[illegible]	۲۵
واہیات باتوں پر ہنسی ۔ بشاشت ۔	ظرافت	۲۶
ہر چیز کے اصلی سبب پر غور ۔	غور	۲۷
انسان اور تمام دیکھی ہوئی چیزوں کی یادداشت ۔	حافظہ	۲۸
امتیاز اجسام علی العموم ۔	پیمائش	۲۹
امتیاز حرکت و ثقل اجسام ۔	وزن	۳۰
امتیاز الوان ۔	رنگ	۳۱
امتیاز مقامات متعلقہ جغرافیہ ۔	ادراک	۳۲
ریاضی کے متعلق قوت ۔	ذہانت	۳۳
ہر چیز کے ترتیب اور درستی انتظام ۔	ترتیب	۳۴
موجودہ معاملات اور پولیٹیکل و نیچرل ہسٹری پر غور ۔	خیال	۳۵
وقت کی طوالت کا تصفیہ ۔	فاصلہ	۳۶
تال سُر کے موزونیت اور موسیقی سے محبت ۔	الحان	۳۷
اپنے خیالات کو لفظوں میں ادا کرنے کی قوت ۔	بیان	۳۸
دو چیزوں میں مشابہت اور [illegible] کرنے کی	مشابہت	۳۹

بالمقابل وہ دو حصے جو دماغ میں ہیں جواب دینے والے اعضا منفرد شمار ہونے چاہیئے +

سوال - عشق کی جگہ کونسی ہے جواب چھوٹا دماغ جو کاسہ سر کے زیریں حصے میں پیچھے کی طرف واقع ہے +

سوال و آثار کان وہ اکثر بیٹھے ہیں +

سوال - عاشق مزاج کے ظاہری علامات کیا ہیں جواب ایک قسم کے سخت گلہٹین جو کان کے عین پیچھے ابھری ہوئی ہوتی ہیں بہت آنا ہے پر گردن سے ہوتی ہیں اور گردن کسیقدر موٹی ہوتی ہے +

عاشق مزاج

سوال - یہ علامات عورت میں ہوں تو نیز کیا اثر ہوتا ہے ؟ جواب وہ جلد شہوانی امور میں دغا بازی جانتی ہیں جنپر زیادہ نمایاں ہوں وہ نہایت زناہ کی خواہش سے حریص و بدکار اور آوارہ گرد ہوتی ہے +

سوال - جن لوگوں میں گدی کی پچھلی سختیاں بالکل کم ہوں ؟ جواب زن مید چھوڑ سر کے آدمی ہوتے ہیں +

سوال - جن کا دماغ صغر کم زن ہو کان کے کا نٹوں صرف کوئی تین انچ کا تفاوت ہو - سر بجائے ابھرا ہوا ہونے کے چپٹا ہو کہیں کہیں پر اندر کو گھسا ہوا ہے جواب اس کو عورتوں سے بہت نفرت ہوگی +

سوال - اس چھوٹے دماغ کی تکمیل کب ہوتی ہے ؟ جواب عورتوں میں ۱۲ سال سے بعد +

سوال - ان چھوٹے دماغ کی تکمیل کب ہوتی ہے ؟

جواب ۱۰ برس سے ۳۰ تک +

سوال جو لوگ بچوں کو محبت یا فکر کرتے ہیں انکی شناخت کیا ہے جواب عقب سر کچھ جھکا ہو اور باہر کو نکلا ہوا ہوتا ہے گویا گردن پر لٹکا ہوا معلوم ہوتا ہے عقب سر کو وسط میں مقام ہوتا ہے +

بچوں کا محبت کرنا

سوال کونسی بچہ پالنی ہے؟ جواب نہیں چھوڑ کر چلی جاتی ہے کہ اور کوئی پالے ۔

سوال ہرن بچوں کو کیسے پالتا ہے جواب نر اور مادین ملکر ۔

سوال عورت میں یہ مقام وعضو ایسا نہو تو پھر جواب وہ بچوں کو اچھی طرح پرورش نہ کریگی علیحدہ رکھنا پسند کریگی بچوں سے ورنہ ناپسند کریگی ۔

سوال بچوں سے عورت کیسی پہچانے!

مقاومت

یہ طاقت عمدہ ہیکی و استخوان پڑا ری کے زاویہ تک کے جواب میں اوردن کی چوٹی کے برابر ہو یک پیچھے کی جانب واقعت ۔

سوال ایسے شخص کے خواص کیا ہوتے ہیں؟

جواب دلاور بہادر شمشیرزن ۔

شمشیرزن

تخریب

اس کے ہونے سے آدمی تند خو غضب ور نجح رسان ہوتا ہے ۔

سوال شناخت کیا ہے؟ جواب کان کے سوراخ کے اوپر بہت زیادہ گولائی بھر پوری ہو اس مقام پر مرکی وسعت ظاہر ہوتی ہے اگر کان کا پرونی سوراخ بہت نیچا ہو تو وہ شخص نہایت ہی تخریب کا موجب ہو سکتا ہے

خوشی اور بیان دراز

اعزاز ذاتی

وغیرہ کی طرف طبعی ہوتا ہے ٭

سوداوی مزاج

عصبی مزاج

عصبی مزاج عورت

دماغ کی مجموعی جانچ

تمام شد

بسم اللہ الرحمن الرحیم

باب اول

تعریف علم قیافہ

قیافہ ایک عقلی علم ہے جس کے ذریعے انسان کی نیک و بد خصلتیں معلوم ہو جاتی ہیں یعنی اس کے اعضاء ظاہری کے اوضاع اور اشکال سے قیافہ دان ہر ایک شخص کے عادات و اطوار اور نیک و بد خصایل کی نسبت اپنا راے ظاہر کر سکتا ہے قیافہ شناس کی راے بشرطیکہ وہ پورا قیافہ شناس ہو عموماً صحیح ہوتی ہے مگر اس صحت کی بنیاد چونکہ زیادہ تر تجربہ اور عقل پر ہے اس لیے ہر شخص کو مناسب ہے کہ راے ظاہر کرنے سے پیشتر وہ نہایت غور سے ہر ایک عضو کے علامات و آثار کو بغور ملاحظہ کرے اور ایک عضو کی وضع اور شکل پر بھروسہ نہ کرے یہ علم اگرچہ زمانہ قدیم سے چلا آتا ہے اور مختلف زبانوں میں اس علم کی کتابیں دیکھی اور سنی جاتی ہیں - نیز وہ لوگ جنہوں نے اس علم کے قواعد ضوابط مقرر کئے بڑے بڑے فاضل اور فلاسفر تھے پھر بھی یہ قواعد ایسے کلیہ قواعد نہیں کہ ہم ان کو بدلائل قویہ ثابت کر سکیں یہ اصول

ایسے پختہ اصول معلوم نہیں ہوتے کہ ہم ان پر دل وجان سے یقین کریں۔
ہاں یہ اتنا کہہ سکتے ہیں کہ اگر قیافہ شناس تجربہ کار اور اس علم سے بخوبی واقف
ہو اور وہ کسی شخص کے محمودہ و مذموم عادات کی نسبت اپنی رائے ظاہر کرے
تو وہ اکثر صحیح یا صحت کے قریب ہوگی باوجود اس امر کے کہ یہ علم صرف
عقل اور تجربہ پر موقوف ہے تاہم یہ ایسا ہر دلعزیز ہے کہ اس کا رواج ہر ملک
میں پایا جاتا ہے پس ایسے دلپذیر رسالہ کی تالیف سے ہم اپنی قلم کو روک
نہیں سکتے اور اس غرض سے کہ رائے ظاہر کرنے میں غلطی کا احتمال نہ رہے
اس باب میں ہم ان اعضاء کا بیان نہایت شرح وبسط سے لکھیں گے جو
سر میں شامل ہیں جیسے ناک بال آنکھ ٹھوڑی وغیرہ کیونکہ اعضاء ظاہری
میں سے چہرہ و گردن ایسے اعضاء ہیں جن پر ہر شخص کی نگاہ سب سے
اول پہنچتی ہے ✦

پہلا فصل

بالوں کے متعلق ✦

سوال۔ اجس شخص کے بال لمبے مگر پیچیدہ نہوں اور پتلا دبلا خوبصورت
جوان ہو اس کے کیا خواص ہونگے؟ ✦

جواب۔ وہ شخص رحمدل۔ کمزور۔ سلیم الطبع ہوگا۔ اور آزار رساں
نہوگا ✦

سوال ۲- جس شخص کے بال چھوٹے موٹے اور گھنے ہوں اس کا مزاج کیسا ہوگا؟

جواب - وہ شخص عموماً دلیر مضبوط - شوقین - حسن پرست اور بیوقوف ہوگا۔

سوال ۳- جس شخص کی کنپٹی اور ابرو پر گھنے بال ہوں وہ کس ڈھنگ کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص بے تمیز - سریع الاعتقاد - فضول گو - نفس پرست زبان کا ناتراشیدہ اور سست ہوگا۔

سوال ۴- جس شخص کے سر پر نرم باریک بال ہوں اس کا مزاج کیسا ہوگا؟

جواب - وہ شخص نفاست پسند - نرم خو اور شائستہ ہوگا - سریع الاعتقاد حافظہ کا ضعیف اور کاہل بھی ہوگا۔

سوال ۵- جس آدمی کے بال سرخی مائل ہوں - وہ کس ڈھنگ کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص اکثر مغرور - حسین - زینت آرائی والا اور حسد سے بھرا ہوا ہوگا۔

سوال ۶- جس شخص کے بال جو نہایت چھوٹے اور کسیقدر پیچیدہ بھی ہوں وہ کس طبیعت کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ آدمی صلح جو - صفائی اور نیکی پسند کرنے والا ہوگا اور اس کے اطوار بھی نیک ہونگے۔

دوسری فصل

پیشانی کے متعلق

سوال ۷۔ جس شخص کی پیشانی کا میلان گولائی میں ہو وہ کس قسم کا آدمی ہوگا؟

جواب۔ وہ شخص فیاض، تیز طبع، اور بے صبرا ہوگا +

سوال ۸۔ جس شخص کی پیشانی کرخت ہو اور ابرو کی ہڈی اُبھری ہوئی ہو اور اس پر جھریاں بھی پڑتی ہوں وہ آدمی کس خاصیت کا ہوگا؟

جواب۔ وہ آدمی بڑا [illegible] ہوگا [illegible] اور [illegible] کا عادی ہوگا +

سوال ۹۔ چھوٹی اور تنگ پیشانی کا آدمی کیسا ہوتا ہے؟

جواب۔ وہ شخص [illegible] بازاری [illegible] اور جھوٹا دعوے کرنے والا ہوگا +

سوال ۱۰۔ جس آدمی کی پیشانی کی ہڈیاں دونوں جانب سے نوکیلے اور باہر نکلی ہوئی معلوم ہوں وہ کس مزاج کا آدمی ہوگا؟

جواب۔ وہ آدمی پیدائش سے [illegible] ہوگا۔ اس کے مزاج میں جنون اور روحانی قوتوں میں ضعف ہوگا +

سوال ۱۱۔ جس شخص کی کنپٹی گوشت سے بھری ہو وہ کس خاصیت کا آدمی ہوگا؟

جواب۔ وہ شخص عالی حوصلہ، مغرور، خبردار، گرم، موٹی سمجھ کا ہوگا +

سوال ۔ ۱۲۔ جس آدمی کے ابرو پر جھریاں پڑی ہوئی ہوں اور پیشانی کے وسط میں ایک جھری شل دو حت ہو جس سے گویا پیشانی کے دو حصے معلوم ہوتے ہوں تو وہ آدمی کس خواص کا ہوگا؟

جواب ۔ وہ شخص بلند ہمت ۔ ذکی اور مکاری سے نفرت کرنیوالا ہوگا +

سوال ۔ ۱۳۔ جس شخص کی پیشانی لمبی اور کشادہ اور کسیقدر باہر نکلی ہوئی معلوم ہو وہ کس ڈھنگ کا آدمی ہوگا؟

جواب ۔ وہ شخص دیانت دار مزاج کا سادہ مگر کا ہیٹھا ہوگا +

تیسرا فصل

بھوؤں کے متعلق

سوال ۔ ۱۴۔ جس شخص کی بھویں خمدار ہوں ۔ اور وہ بات بات پر ان کو حرکت دیتا ہو وہ شخص کس وصف کا ہوگا؟ +

جواب ۔ وہ آدمی مغرور ۔ ذی بخت ۔ مدمغ ۔ شجاع ۔ نیکی خواہ بدی (دونوں میں سے ایک کا) شایق ہوگا +

سوال ۔ ۱۵ ۔ گفتگو کیوقت جو شخص پلکیں نیچے جھکالے یا خفیہ نگاہ سے دوسرے شخص کیطرف دیکھے تو وہ کیسا آدمی ہوگا؟

جواب ۔ وہ آدمی تنگدل ۔ کم گفتار اور حاسد ہوگا +

سوال ۔ ۱۶۔ جس آدمی کی بھویں چوڑی ہوں مگر بال کم ہوں وہ کس مزاج

کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص کم عقل - سادہ دل - راست باز - ملنسار - اور نیک صحبت کا خواہان ہوگا ◆

سوال - ۱۷ - جس آدمی کے ابرو پہ کثرت سے گھنے بال ہوں (ایسا معلوم ہو کہ بالوں کی تہیں جمی ہیں) اور بھویں کسیقدر نیچے جھکی ہوئی معلوم ہوں وہ آدمی کیسا ہوگا؟

جواب - وہ شخص بے تمیز - جاہل - شکی - کم ہمت - حاسد اور حیلہ باز ہوگا ◆

سوال - ۱۸ - جس شخص کے بھوؤں کے بال باریک اور سیاہ ہوں وہ کس وصف کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص دلیر و دیانت دار ہوگا اور بے سمجھے سوچے کوئی کام نہ کریگا

سوال ۱۹ - جس شخص کے دونو بھوؤں کی درمیانی جگہ معمولی جگہ سے زیادہ (یعنے وہ سفید جگہ جو دونوں ابروؤں کے درمیان ہوتی ہے) وہ کس ڈھنگ کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص سنگدل - حاسد - مکار - لالچی - سستی کا ہیٹھا اور ظلم کا عادی ہوگا ◆

سوال - ۲۰ - جس کی بھوؤں کی درمیانی جگہ کم ہو یعنے بھویں قریب قریب ہوں اُس شخص کو کیسا سمجھنا چاہیے؟

جواب - علم قیافہ کے قواعد کے رو سے وہ شخص کم عقل - مگر خانگی معاملات میں پورا سمجھدار ہوگا نیز وہ شخص اول درجہ کا دلیر اور دوستی کا سچا ہوگا اور شجاعت کے کاموں سے نہایت خوش ہوگا ◆

چوتھا فصل

آنکھوں کے متعلق

سوال - ۲۱ - موٹی آنکھوں کے آدمی کو کیسا سمجھنا چاہیے ؟

جواب - وہ شخص سست حاسد - دروغ گو - بیہودہ مگر شجاع اور راز کو چھپانیوالا اور غبی ہوگا - نیز وہ اپنے تئین نہایت عقیل سمجھیگا ❖

سوال - ۲۲ - جس شخص کی آنکھیں اندر گھسی ہوں اور وہ فاصلے سے بھی دیکھ سکتا ہو تو وہ کس مزاج کا آدمی ہوگا ؟

جواب - وہ شخص مزاج کا تند تیز حاسد وہمی ضدی بہادر بے رحم حافظہ کا قوی مستقل مزاج عیاش ہوگا

سوال - ۲۳ - جس شخص کی آنکھیں بڑی بڑی اور باہر نکلی ہوئی ہوں وہ کس خوص کا آدمی ہوگا

جواب - وہ شخص مزاجکا سادہ بھولا اور نیکی یا بدی کو جلد قبول کریگا ❖

سوال - ۲۴ - جس شخص کی آنکھیں چھوٹی اور گول ہوں وہ کس وصف کا آدمی ہوگا ؟ ❖

جواب - وہ شخص شرمناک - کمزور - فیاض - اور سریع الاعتقاد ہوگا ❖

سوال - ۲۵ - جو شخص ترچھی نگاہ سے دیکھے وہ کس قسم کا آدمی ہوگا ؟

جواب - وہ شخص حیلہ باز - تند مزاج - جھوٹا - حاسد اور بدنصیب ہوگا ❖

سوال - ۲۶ - جو شخص جلد جلد پلکیں بند کرے - اور اس کی آنکھیں بھی جلد جلد حرکت کریں وہ کس طبیعت کا آدمی ہوگا ؟

جواب ۔ وہ شخص عیاش بے اعتقاد وظالم ہوگا ۔

سوال ۔ ۲۷ ۔ جس شخص کی آنکھ کا ڈھیلا چاروں طرف گھومی وہ کس خصلت کا آدمی ہوگا ؟

جواب ۔ وہ شخص حاسد خوشامد طلب ۔ سست بے اعتقاد ۔ جھوٹا اور جھگڑنے والا ہوگا ۔

سوال ۔ ۲۸ ۔ جس شخص کی آنکھیں بیل کی آنکھوں کی طرح ہوں وہ کس قسم کا آدمی ہوگا ؟

جواب ۔ وہ شخص موٹا تازہ ضعیف الحافظہ ۔ کُند ذہن اور گفتگو سے گنوار معلوم ہوگا ۔

پانچواں فصل
ناک کے متعلق

سوال ۔ ۲۹ ۔ جس شخص کی ناک لمبی اور پتلی ہو وہ کس مذہب کا آدمی ہوگا ؟

جواب ۔ وہ شخص دلیر ۔ تند و غضبناک مزاج ۔ سادہ دل اور ادنے ترغیب سے نیکی و بدی کو قبول کریگا ۔

سوال ۔ ۳۰ ۔ جس شخص کی ناک لمبی اور پتلی ہو اور اس کی نوک نیچے کو جھکی ہوئی ہو وہ کس خاصیت کا آدمی ہوگا ؟

جواب ۔ وہ شخص دانا ۔ صاحب تمیز ۔ دیانتدار ۔ متقی ۔ اور مددگار ہوگا ۔

سوال ۔ ۳۱ ۔ جس شخص کی ناک درمیان سے چوڑی اور نوک کیجانب سے

تنگ ہو اس شخص کی کیا صفتیں ہونگی ؟

جواب - وہ شخص فضول گوئی - جھوٹا اور بدنصیب ہوگا +

سوال - ۳۲ - لمبی اور چوڑی ناک کے آدمی کیسے ہوتے ہیں ؟

جواب - ایسے لوگ نہایت محنتی ہوتے ہیں اور جس کام کا پیچھا کرتے ہیں ایسے اخفاء سے کرتے ہیں کہ اس کے حصول سے پیشتر کسی کو اطلاع نہیں ہوتی اور واقف کار کہلانے سے نفرت بھی کرتے ہیں +

سوال - ۳۳ - جس کی ناک کی نوک نہایت تیز ہو اور ناک نہ بہت موٹی نہ چپٹی نہ بہت لمبی اور چوڑی ہو اور یعنے اوسط انداز کی ہو تو وہ کس مزاج کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص مزاج کا چڑچڑا اور زود رنج ہوگا بعد اگر عورت ہے تو وہ نہایت لڑنے اور جھگڑنے والی ہوگی گو خانہ نشینی والی [illegible] ہوگی +

سوال - ۳۴ - جس شخص کی [illegible] ناک [illegible] چھوٹے ہوں تو کس [illegible] کا ہوگا

جواب - وہ شخص [illegible] اور ساتھ ہی مغرور بھی ہوگا +

سوال - ۳۵ - بدن کی نسبت اگر ناک زیادہ سخت ہو تو اس سے کیا سمجھنا چاہیے ؟

جواب - وہ شخص طامع - عیاش - بدعقل اور نیکی کا دشمن ہوگا +

سوال - ۳۶ - جس شخص کی ناک درمیان سے اونچی ہو وہ کس قسم کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص دور اندیش - حلیم الطبع - عالی ہمت - صادق القول اور ہر شخص کی عزت کرنیوالا ہوگا +

سوال ۳۷ - جس شخص کی ناک کی نوک بڑی ہو وہ کس ڈھنگ کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص صلح جوئی - محنتی - اور سمجھدار ہوگا +

سوال ۳۸ چوڑی نوک اور چوڑی نتھنوں کے آدمی کیسے ہوتے ہیں ؟

جواب - ایسے لوگ کند ذہن - سادہ دل - دروغ گو ئی اور جھگڑالو ہوتے ہیں*

چھٹا فصل

لبون کے متعلق

سوال ۳۹ - جس شخص کے ہونٹ موٹے ہون وہ کس صفات کا آدمی ہوگا؟*

جواب - وہ شخص [illegible] سست اور آسانی سے فریب کھا جائیگا

سوال [illegible] - جس شخص کے [illegible] وہ کس صفت کا آدمی ہوگا؟

جواب - [illegible] اچھا ہوگا*

سوال [illegible] - [illegible] اور ایک [illegible] ہوں وہ کس مزاج کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص [illegible] بدبخت ہوگا*

ساتواں فصل

دانتون کے متعلق

سوال - ۴۲ چھوٹے اور کمزور دانتون کا آدمی کیسا ہوگا؟

جواب - وہ شخص حلیم - دیانت دار - ایماندار - اور بدن کا کمزور ہوگا*

سوال ۴۳۔ جس شخص کے دانت لمبے پتلے اور تیز ہوں وہ کس قسم کا آدمی ہوگا؟

جواب۔ وہ شخص حاسد۔ بہادر۔ بےحیا بے شرم۔ بد اعتقاد۔ اور شکم پرست ہوگا۔

سوال ۴۴۔ جس شخص کے دانت پیوستہ اور مضبوط ہوں وہ کس خصلت کا آدمی ہوگا؟

جواب۔ وہ شخص حسن پسند۔ قصے سننے کا شوقین ہوگا۔ اور عمر اس کی دراز ہوگی۔

سوال ۴۵۔ جس شخص کے دانت معمولی دانتوں کی نسبت زیادہ لمبے یا زیادہ چھوٹے ہوں وہ کس قسم کا آدمی ہوگا؟

جواب۔ وہ شخص سمجھدار۔ دلیر۔ حاسد۔ مغرور۔ اور لوگوں کو چشم حقارت سے دیکھنے والا ہوگا۔

آٹھواں فصل

آواز کے متعلق

سوال ۴۶۔ بلند اور بھاری آواز کے آدمی کیسے ہوتے ہیں؟

جواب۔ وہ لوگ دیانتدار۔ مغرور۔ رضامند۔ اور عالی ہمت ہوتے ہیں۔

سوال ۴۷۔ کم بلند اور کمزور آواز کے آدمی کس خاصیت کے ہوتے ہیں؟

جواب۔ ایسے آدمی کمخوار عقل کے کمزور۔ اور ذکی الخیالات ہوتے ہیں۔

سوال ۴۸۔ بلند مگر باریک اور صاف آواز کے آدمی کس وصف کے ہوتے ہیں؟

جواب۔ ایسے اشخاص دور اندیش۔ ذہین سچے اور تیز فہم ہوتے ہیں۔ مگر ساتھ ہی اس کے ان کے مزاج میں تلون اور خوشامد پسندی کی عادت ہوگی +

سوال۔ ۴۹۔ جس شخص کی آواز کمزور اور لرزاں ہو وہ کس خاصیت کا آدمی ہوگا؟

جواب۔ وہ شخص حاسد۔ وہمی سست کمزور اور خوفناک ہوگا +

سوال ۵۰۔ بلند باریک و ناخوش آواز کا آدمی کیسا ہوگا؟

جواب۔ وہ شخص بہادر جنگجو ہی۔ آزار رساں مضبوط اور خود رائے ہوگا +

سوال۔ ۵۱۔ نا ملایم اور بھاری آواز بولنے میں ہو یا گانے میں ان سے کیا سمجھنا چاہیئے؟

جواب۔ ایسی آواز کے آدمی سست اور کم عقل ہوتے ہیں +

سوال۔ ۵۲۔ بھرپور اور ناملایم آواز جو سننے والے کو خوش آئے ان کے آدمی کیسے ہوتے ہیں؟

جواب۔ ایسے لوگ صلح جو۔ کفایت شعار۔ ذی حوصلہ۔ اور مزاج کے کھرے ہوتے ہیں +

نواں فصل

ٹھوڑی کے متعلق

سوال ۵۳۔ جس شخص کی ٹھوڑی گوشت سے بھری ہو وہ کس قسم کا آدمی ہوگا؟ +

گیارہویں فصل

چہرہ کے متعلق

سوال ۵۹۔ جس شخص کے چہرہ پر ادنےٰ حرکت سے پسینہ آجائے وہ کس قسم کا آدمی ہوگا؟

جواب۔ وہ شخص گرم مزاج۔ عیاش۔ قوی الماضمہ۔ کم عقل اور بدزبان ہوگا

سوال ۔ ۶۰۔ جس شخص کا چہرہ گوشت سے پر ہو وہ کس خصلت کا آدمی ہوگا؟

جواب۔ وہ شخص زندہ دل۔ فیاض صاحب تمیز اور زود اعتقاد ہوگا۔

سوال ۔ ۶۱۔ دبلے چہرہ کے آدمی (یعنی جس کے چہرہ پر گوشت کم ہو) کس مزاج کے ہوتے ہیں؟

جواب۔ ایسے لوگ سمجھدار مگر ملتون المزاج ہوتے ہیں اور ان کا کلام حقارت کے کلمات سے آمیز ہوتا ہے۔

سوال ۔ ۶۲۔ گول اور چھوٹے چہرہ کے آدمی کس ڈھنگ کے ہوتے ہیں؟

جواب۔ ایسے اشخاص سادہ دل۔ بے تمیز اور حافظہ کے خراب ہوتے ہیں۔

سوال ۔ ۶۳۔ جس شخص کا چہرہ پر گوشت اور پر شکن ہو وہ کس وصف کا آدمی ہوگا۔

جواب۔ وہ شخص شراب خوار۔ فضول گو۔ دلیر اور جلدی سے مخمور ہو جائیگا۔

سوال - ۶۴ - جس شخص کا چہرہ خوب سرخ ہو وہ کس خاصیت کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص گرم مزاج ہوگا اور بہت جلد خفا ہو جاتا ہوگا ۔

سوال - ۶۵ - جس آدمی کا چہرہ لمبا اور دُبلا ہو وہ کس صفت کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص بیہودہ آزار رساں اور مکار ہوگا ۔

سوال - ۶۶ - گول اور ہموار چہرہ کے آدمی کس طرح کے ہوتے ہیں؟

جواب - ایسے لوگ سست ۔ موٹے ۔ بدکار ہوتے ہیں اور ان کا غصہ بہت [illegible] ۔

سوال - ۶۷ - جس شخص کا چہرہ چھوٹا اور گول [illegible] ہو اور [illegible] چھوٹی [illegible] وہ کس قسم کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص [illegible] ۔ حاسد ۔ [illegible] ۔ جھگڑالو ۔ بیوقوف اور [illegible] ہوگا ۔

سوال - ۶۸ - لمبا خمیدہ اور پتلا چہرہ کیا ظاہر کرتا ہے؟

جواب - ایسے چہرہ کا آدمی [illegible] ۔

سوال - ۶۹ - جس شخص کا چہرہ اوپر کی جانب سے کشادہ اور ٹھوڑی کی طرف سے تنگ ہو وہ کس خاصیت کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص سادہ دل ۔ حاسد ۔ جھگڑنے والا ۔ بدزبان ۔ اور خانگی معاملات کے انجام دینے میں قاصر ہوگا ۔

آدمی ہوگا ؟

جواب ۔ وہ شخص فیاض مگر ساتھ اس کے شیخی باز مغرور بیوفا ہوگا +

سوال ۔۷۔ جس شخص کے بازو بدن کی نسبت بہت چھوٹے ہوں وہ کس خاصیت کا آدمی ہوگا +

جواب ۔ وہ شخص صاحب حوصلہ ۔ حلیم الطبع اور شجاع ہوگا +

سوال ۔۸۔ جس شخص کے بازو گوشت سے پر ہوں اسے کیسا سمجھنا چاہئے ؟

جواب وہ شخص حسن پرست حکایات سننے کا شایق اور زود اعتقاد ہوگا +

سوال ۔۹۔ جس شخص کے بازوؤں پر کثرت سے بال ہوں وہ کس قسم کا آدمی ہوگا ؟

جواب ۔ وہ شخص حاسد ۔ عیاش ۔ ظنی مگر بدن کا کمزور ہوگا +

سوال ۔۱۰۔ جس شخص کے بازوؤں پر بالکل بال نہ ہوں وہ کس صفت کا آدمی ہوگا +

جواب ۔ وہ شخص غضبناک ۔ بےفیض ۔ شوخ ۔ سریع الاعتقاد ہوگا اور جلدی سے فریب کھا جائیگا +

چوتھا فصل

چھاتی کے متعلق

سوال ۔۱۱۔ کشادہ اور گوشت سے بھری ہوئی چھاتی کے آدمی کیسے ہونگے ؟ +

(اکثر) ہوگا +

سوال - ۱۶ - جس شخص کے پیٹ کا گوشت نا ملایم ہو وہ کس وصف کا آدمی ہوگا ؟

جواب - وہ شخص مضبوط - بہادر - فضول - مغرور و بیرحم ہوگا +

سوال ۱۷ - جس شخص کا بدن ملایم سفید رنگ اور موٹا ہو وہ کس مزاج کا آدمی ہوگا ؟

جواب - وہ شخص بزدل - صاحب حیا - حاسد - دروغگوئی گر شیخی باز ہوگا اور اسی بات پر یقین کریگا جو کانون سے سن لیگا +

چھٹا فصل

ٹانگون اور پاؤن کے متعلق

سوال ۱ - جس شخص کی پنڈلی گوشت سے پر اور بالوں سے بھری ہو وہ کس صفت کا آدمی ہوگا ؟

جواب - وہ شخص بہادر - مضبوط - کم عقل - اولاد کا پیارا - اور خوش نصیب ہوگا +

سوال ۱۸ - جس شخص کی ٹانگیں چھوٹی ہوں اور انپر بال بھی کم ہوں وہ کس خاصیت کا آدمی ہوگا ؟

جواب - وہ شخص کمزور - ذکی - بزدل اور میانہ رو ہوگا +

سوال ۱۹ - جس شخص کے پاؤن لمبے چوڑے اور گوشت سے بھرے ہون وہ کس مزاج کا آدمی ہوگا ؟

جواب - وہ شخص بدن کا مضبوط بہت کھانیوالا اور کم عقل ہوگا +

سوال - ۲۰ - جس شخص کے پاؤں دبلے اور نرم ہون وہ کس قسم کا آدمی

ہوگا؟
جواب - وہ شخص کمزور۔ سمجھدار۔ اور خیالات کا تیز ہوگا +

ساتواں فصل

حرکت و سکون اور دیگر متعلقات کی بیانین

سوال ۲۱ - جس شخص کی رفتار آہستہ ہو وہ کس ڈھنگ کا آدمی ہوگا ؟
جواب - اس شخص کا حافظہ خراب - چہرہ سست ہوگا ہر کام میں دیر کریگا اور جو کچھ اُسے کہا جایئگا اُسپر فوراً اعتماد نہ کریگا +
سوال - ۲۲ - جس شخص کی رفتار تیز ہو مگر قدم چھوٹا اٹھاتا ہو وہ کس صفت کا آدمی ہوگا ؟ +
جواب - وہ شخص ہر کام میں ثابت قدم اور کامیاب ہوگا - خیالات اُس کے بلند اور مزاج میں حلم ہوگا +
سوال - ۲۳ - جس شخص کا قدم بڑا مگر برابر نہو اور سڑک کے کنارہ پر چلے وہ کس خاصیت کا آدمی ہوگا ؟
جواب وہ شخص حریص بخیل - حاسد - چاتر اور بدی کرنے کو مستعد ہوگا +
سوال ۲۴ - جو شخص بات کرتے وقت اپنے ہاتھ پاؤں اور سر کو (خواہ کھڑا ہو یا بیٹھا) بیفائدہ حرکت دے حالانکہ حرکت کا موقع نہو اور وہ

حرکت مذبذب بھی معلوم ہوتی ہو تو وہ شخص کس وصف کا ہوگا؟

جواب - وہ شخص قواعد قیافہ کے رُو سے فضول بیعقل - غیبت کرنیوالا شہوت پرست بے اعتقاد ہوگا اور ایک جا قرار نہیں کریگا +

سوال ۲۵ - جو شخص گفتگو کے وقت ایسے فضول حرکتیں نہ کرتا ہو وہ کس مزاج کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص اکثر دانا - نازپروردہ - محنتی ایماندار - فہیم - کفایت شعار ہوگا اور جو کام اسے دیا جاویگا اُسے بخوبی انجام دیگا +

سوال ۲۶ - جو شخص سریع الحرکت ہو یعنے کبھی آگے کبھی پیچھے اور کبھی نیچے آجائے وہ کس قسم کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص بیوقوف - کم عقل - حاسد - بیہودہ اور نقال ہوگا +

سوال ۲۷ - جس شخص کی رفتار میں کسی قسم کا نقص یا لنگ ہو وہ کس ڈھنگ کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص کینہ ور - حاسد - جھوٹا اور غیبت کرنیوالا ہوگا +

قد کے متعلق چند علامات

سوال ۲۸ - جس شخص کا قد سیدھا بلند اور بدن دُبلا ہو وہ کس وصف کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص دلیر - بیرحم - مغرور - شور و غل مچانیوالا - مشکل سے خوش ہونیوالا اگر ناراض ہو جائے تو اس کا خوش ہونا نہایت دشوار ہوگا - نہایت کفایت شعار اور مکار ہوگا +

سوال ۲۹ - جس شخص کا قد موٹا اور لمبا بھی ہو وہ کس خصلت کا آدمی ہوگا

جواب - وہ شخص نہ صرف مضبوط ہوگا بلکہ تشکر گذار اور کم عقل ہوگا +

سوال - ۳۰ - جو شخص نہایت لمبا اور دُبلا پتلا ہو وہ کس مزاج کا آدمی ہوگا ؟

جواب - وہ شخص نئی نئی تدبیریں نکالیگا مگر اس کے اپنے حق میں کوئی بھی سودمند نہوگی اور جس بات کا ارادہ کرے گا اُس کو ضد کریگا +

سوال - ۳۱ - موٹے اور کوتاہ قد کے آدمی کو کیسا سمجھنا چاہیئے ؟ +

جواب - وہ شخص حاسد ـ سوہمی ـ فضول گوئی ـ بدظن اور زود اعتقاد ہوگا ـ اور اگر کسی سے اُسے ضرر پہنچا ہو تو اُسے نہیں بھولیگا +

سوال - ۳۲ - جس شخص کا قد کوتاہ ـ سینہ ہا اور بدن دُبلا ہو وہ کس وصف کا آدمی ہوگا ؟

جواب - وہ شخص دانا ـ بہادر ـ نمک حلال صاحب فراست مگر مکار ہوگا +

سوال - ۳۳ - جو شخص چلتے وقت جھکر چلے (مگر خمیدگی بباعث عمر نہ ہو بلکہ ایک عادت ہو) وہ کس قسم کا آدمی ہوگا ؟

جواب - وہ شخص محنتی ـ عمدہ رازدار ہوگا اور ہر بات کو بغیر معقول دلیل کے قبول نہ کریگا +

سوال - ۳۴ - جو شخص چلتے وقت سینہ و شکم نکالکر چلے وہ کس خصلت کا آدمی ہوگا ؟

جواب - وہ شخص ملنسار ـ زندہ دل ہوگا اور ذرا سی ترغیب سے ہر بات کو قبول کریگا +

اس باب میں اُن بعض علامات کی شناخت درج ہے جن کے ذریعہ تذکیر و تانیث میں فرق کیا جاتا ہے (جیسے داڑھی اور پستان) نیز خاص خاص علامتوں کی پہچان لکھی گئی ہے (جیسے خال) تاکہ ناظرین کسی امر میں غلطی نہ کھائیں کل علامات مشترکہ جو باب اول اور دوم میں مذکور ہوئیں (بہ استثناء اُن چند علامتوں کے جو خاص مردوں میں پائی جاتی ہیں (جیسے سینہ کے بال) مرد و عورت دونوں پر حاوی ہو سکتی ہیں +

پہلا فصل

داڑھی کے متعلق

سوال ۱- جس شخص کی داڑھی بھرپور اور وضعدار ہو وہ کس خصلت کا آدمی ہوگا؟ +

جواب - وہ شخص دیانتدار- ملنسار اور محبت کرنیوالا ہوگا +

سوال ۲- جس شخص کی داڑھی میں کم بال ہوں یا چھوٹی سی داڑھی ہو وہ کس مزاج کا آدمی ہوگا؟

جواب - وہ شخص مغرور- زود رنج ہوگا اور تنہائی کو پسند کرتا ہوگا +

سوال ۳۔ جن مردون کی ڈاڑہی نہیں ہوتی وہ کس خاصیت کے ہوتے ہیں ؟

جواب ۔ وہ لوگ پیدایش سے کمزور ہوتے ہیں ان کے عادات مخنثون سے ملتے ہیں اور مردانگی وحوصلے سے محروم ہوتے ہیں +

سوال ۴۔ جس عورت کے لب زیرین کے نیچے (یا داڑہی کے مقام پر) چند بال مردون کی طرح ہون وہ کس خصلت کی عورت ہوگی ؟

جواب وہ عورت بدن کی مضبوط ہوگی افعال وقوی اس کے مردون کے مشابہہ ہونگے اور وہ مردوں کی صحبت سے خوش ہوگی +

دوسرا فصل

خالوں کے متعلق

سوال ۱۔ جس عورت کی پیشانی پر سیاہ خال وہ کس صفت کی عورت ہوگی ؟

جواب ۔ وہ عورت دولت مند ہوگی اور پانچ بیٹے جنے گی اور وہ پانچوں امیر ہونگے +

سوال ۲۔ جس مرد کی پیشانی پر سیاہ خال ہو وہ کس قسم کا آدمی ہوگا ؟

جواب ۔ وہ شخص بخت آور اور عقلمند ہوگا +

سوال ۳۔ جس مرد کے کف دست میں خال ہو اور مٹھی بند کرنے سے مشت کے اندر آجائے وہ کس مرتبہ کا آدمی ہوگا ؟

جواب ۔ وہ شخص مالدار اور صاحب حکومت ہوگا +

تیسرا فصل

پستانون کے متعلق

سوال ۔ ۱۔ جس عورت کے پستان گول اور سخت ہون اور نگین بھی نمایان ہون تو وہ عورت کس خصلت کی ہوگی ؟

جواب ۔ وہ عورت سعادت مند اور مالدار ہوگی اور اپنے خاوند کو نہایت مرغوب ہوگی +

سوال ۲ ۔ لمبے اور پر گوشت پستانون سے کیا ظاہر ہوتا ہے ؟

جواب ۔ ایسے پستان کثرت اولاد کی علامت ہیں +

سوال ۔ ۳ ۔ چھوٹے اور کم گوشت پستان (مثل خالی کیسہ) کس بات کی نشانی ہے ؟

جواب ۔ ایسے پستان رنج و محنت اور بدبختی کا نشان ہیں +

سوال ۔ ۴ ۔ درشت جلد اور سُرخ رنگ کے پستانوں سے کیا سمجھنا چاہئیے ؟

نوٹ ۔ عورتوں میں داڑھی کا نہونا نوعیت کا تقاضا ہے نیز عورتون میں بباعث برودت مزاج کے مسامات بند ہوتے ہیں اور رطوبت جو بالوں کی غذا ہے ماہ بماہ ایام حیض میں خارج ہوجاتی ہے اس لئے داڑھی کے بال نہیں ہوتے ۔ ایسی عورتیں جن کی ٹھوڑی پر چند بال ہوتے ہیں بہت ہی شاذ و نادر دیکھنے میں آتے ہیں بلکہ لاکھ دو لاکھ میں ایک دو پائی جاتی ہیں + حکیم غلام نبی عفی عنہ

جواب - ایسے پستان بے فرزندی کی علامت ہیں +

سوال ۵ - پستان کے نیچے سُرخ خال یا سرخ مسہ کس بات کی علامت ہے ؟

جواب - وہ عورت پہلے بیٹا جنے گی خصوص جب مسہ یا خال بائیں پستان کے نیچے ہو +

سوال ۶ - جب ایک پستان نرم اور دوسرا سخت ہو یا ایک بڑا اور دوسرا چھوٹا ہو تو یہ کیسی نشانی ہوگی ؟

جواب - یہ رنج و محنت اور اندیشہ کی علامت ہے +

تمام شد

رسالہ

مزید العمر

حکمائے سلف و حال یونانی اور یورپین سب کا خیال ہے اور حقیقتاً اعلیٰ کہ طبیب شفیق الملک [illegible] کی انسانی عمر طبعی ایک سو بیس سال ہے اس کے بعد مرنا ہوتا ہے جو اس سے پہلے مرتا ہے خودکشی کرتا ہے چنانچہ ایک مشہور مثل خودکردہ را چہ علاج گواہ ہے یہ رسالہ ان تمام تدابیر مفیدہ و مجربہ کو بتاتا ہے جو انسان کو عمر طبعی تک پہنچانے میں رہبری کرتی ہیں اور مرض و مرگ سے محفوظ رکھتی ہیں ہم اس سے زیادہ اس کی تعریف نہیں کرنا چاہتے کتاب کی خوبی دیکھنے سے تعلق رکھتی ہے اس میں علاوہ یونانی کے یورپ اور امریکہ فرانس اور جرمن کے نامور ڈاکٹروں کے وہ اہم اقوال درج کئے ہیں جو عمر بڑھانے کے لئے مجرب ہیں درج ہیں۔ قیمت صرف ۸/

بہت سے باب ہیں منجملہ ان کے چند یہ ہیں

درازی عمر کیلئے سب سے عمدہ تدابیر	قوت حیات کم ہونیکے اسباب	سرد آب و ہوا
عمر طبعی کیا ہے	روشنی گرمی ہوا صاف	گرم آب و ہوا
دشمن انسان بیماری موسم بیاری	ان کے بغیر کوئی چیز زندہ نہیں رہ سکتی	نیند کیا چیز ہے
مشرقی ۔	زندگی کیا چیز ہے ۔	نیند کیا کرتی ہے
بہشت عمر کسطرح دور کرتی ہیں ۔	محقق لوگوں کی عمر ۔	نبیذ کی زندگی کی عمریں
عمر بڑی کسطرح ہو سکتی ہے ۔	طبیبوں کی عمر	ایک شادی مفید صحت ہے ۔
اصول جن سے عمر بڑھ سکتی ہے	مختلف ممالک کی عمر	پرتکلف غذا اور گوشت
حکمائے یونان کے اقوال ۔	زمانہ کا اثر	انسان کی زندگی کن امور پر مشتمل ہے
بیماروں کا اثر صحت پر ۔	سطح سمندر سے اونچی جگہ کے مقامات	مزید العمر کے علامات معدہ قوی ہونا
تعویذ گنڈوں کا رواج یورپ میں	کی آب و ہوا عمدہ ہوتی ہے ۔	تمام امراض معدہ سے شروع ہوتے ہیں
اشتہاری حکیم ۔	سے زیادہ بلند مقامات	عمدہ دانت ۔

فِیْهِنَّ قٰصِرٰتُ الطَّرْفِ لَمْ یَطْمِثْهُنَّ اِنْسٌ قَبْلَهُمْ وَلَا جَآنٌّ

حُورٌ مَّقْصُورَاتٌ

یا

اسلام میں تعلیم یافتہ مستورات

جسکو بپاس خاطر

باعث افتخار امرات الہند عفت مآب عصمت پناہ علم دوست جنابہ سیدۃ النساء بیگم صاحبہ تخلص حسرت

غفی الہیہ عفیفہ عالیہ جناب حکیم مولوی خواجہ جعفر حسین صاحب جعفر نمبر ریاست ابوہ ضلع انبالہ

حضرت معظمی و مکرمی جناب محبی سید افتخار عالم صاحب آزاد نے صرف اپنی دینی بہنوں کے لیے نہایت کوشش و جانفشانی سے

تالیف کیا

اور جسکو خاکسار سید علی احسن احسن مارہروی مدیر ریاض سخن نے اپنے اہتمام سے

مطبع مفید العلوم علیگڈھ میں چھپوایا

قیمت فی جلد ایک روپیہ چار آنہ علاوہ محصول ڈاک

اللہ اکبر

تعلیم نسوان

نعت محمد رسول اللہ		حمد لا الہ الا اللہ

اجکل مسئلہ تعلیم نسوان ہر ایک روشن دماغ اور متوجہ دل کے سامنے پیش ہے - اور اب زمانہ ہر ایک سمجھدار شخص کو یہہ سمجھا رہا ہے کہ اگر اپنی حالت درست کرنا مقصود ہے تو اس مسئلہ کی طرف توجہ کرو اور اپنی قوم یا ملک کے اوس حصہ کو جس کی ہاتھ مین قوم یا ملک کے بچون کی تربیت اور پرداخت ہے اس قابل کرنے کی کوشش کرو کہ وہ اپنے اس بڑے فرض اور منصب کو ادا کرنے کے قابل ہو - عورتون کی تعلیم کا مسئلہ اب وہ مسئلہ ہے کہ وہ ٹالے نہین ٹل سکتا - نئی تعلیم نے

جن مردون کے دماغون کو روشن اور دلون کو فراخ کردیا ہے وہ
اب مستعدی کے ساتھ اس مسئلے کے حل کرنے مین ساعی
ہین - اور ہوتے جاتے ہین - لیکن اُنکو ابھی بہت سی دقتون کا
سامنا کرنا ہے - علم کا دشمن ہمیشہ سے جہل رہا ہے - اس امر
مین بھی یہی منحوس سدِ راہ ہے - عورتون کو تعلیم دینے کے خلاف
طرح طرحکے خیالات پھیلے ہوئے ہین - کوئی کہتا ہے کہ تعلیم سے
عورتون کی اخلاق خراب ہوجائینگی - کوئی ڈرتا ہے کہ تعلیم یافتہ
ہونیکے بعد عورتین آزاد ہوکر مردون سے باغی ہو جائین گی -
کوئی اس اندیشہ سے ہے کہ تعلیم پانے کے بعد عورتین اپنے
خانہ داری کے کامون کو چھوڑ دین گی - غرض کہ جس شخص کا
جسقدر اس مسئلے کے متعلق جہل بڑھا ہوا ہے اوسیقدر
بڑی بڑی ہولناک صورتونمین تعلیم النسوان کے نتائج
اوسکے سامنے آتے ہین - لیکن جو علم کی حقیقت کو سمجھے
ہین اور اوسکے فوائد سے آگاہ ہین وہ بجائے ڈرنے کے
تعلیم النسوان کو انسانی ترقی کا منبع اور حقیقی بہبودی کا ذریعہ

سمجھتے ہین۔ تعلیم کا سب سے بڑا اثر یہ ہوتا ہے کہ جسکو وہ
نصیب ہوا وسمین بھلے اور برے مین تمیز کرنیکی قوت بڑھجاتی
ہے۔ اور اپنے حقیقی نفع وضرر کو وہ اچھی طرح سمجھنے لگتا ہی
جو حالتین ہمکو اس زندگی مین پیش آتی ہین وہ پہلی لوگون کو بے انتہا
آچکی ہین تعلیم کے ذریعہ سے ہم گذشتہ لوگون کی تحریرون سے
آگاہ اور اونکے افعال کے نتائج سے واقف ہوجاتے ہین۔
بداخلاقی کے جو بُرے نتائج ہوتے ہین اُون سے جسقدر ایک
تعلیم یافتہ شخص واقف ہوگا ہرگز ایک جاہل نہین ہوسکتا۔
ظاہر ہے کہ وہ شخص جسکو ایک خاص فعل کے بُرے نتائج
معلوم ہین اوس سے زیادہ پرہیز کریگا بہ نسبت اوس
شخص کے جو اون سے ناواقف ہے۔ یہ تجربے سے ثابت ہے
کہ تعلیم یافتہ لوگ بہ نسبت جُہلا کے کم جرائم کے مرتکب ہوتے
ہین۔ تاریخ اور تجربے سے یہ بھی ثابت ہے کہ جسقدر تعلیم بڑھتی ہی
اوسیقدر ارتکابِ جرائم مین کمی ہوتی ہے۔ یعنی مردون کی
عام اخلاقی حالت مین بہتری کی طرف ترقی ہوتی ہے۔

علم انسانون کو بتاتا ہے کہ انکا کس چیز مین اصلی نفع ہے۔
اور اوسی کے ساتھ اوس چیز کے حاصل کرنے کی اونمین قوت
پید اکرتا ہے - اس سے شاید کسیکو اختلاف نہو کہ اپنے ذاتی
نفع ونقصان کو عورتین بھی ایسا ہی سمجھتی ہین جیسے کہ مرد -
عزت کے صحت کے - اور دولت کے جس قدر مرد خواہان
ہین اوسیقدر اپنی حالت کے لحاظ سے عورتین بھی ہین -
پھر کیا وجہہ کہ جو چیز مردون کے لیے ایک حقیقی رہبر ہو وہ
عورتون کے لیے قائم مقام شیطان ہو - اگر علم کی بدولت
مردون کو اپنی خداداد قوتون کو ترقی دیکر اور کام مین لاکر
عزت حاصل کرنے کے ذرائع نصیب ہو سکتے ہون تو کیا
عورتون کے لیئے علم ایسی ہی مفید چیز ثابت نہو گا - اگر
علم کی بدولت مرد اپنی اور اورون کی صحت کو قائم رکھ سکتے
ہین تو کیا عورتین علم سے اسی قسم کا فائدہ نہین اوٹھا
سکتی ہین - کیا لیڈی ڈاکٹرون سے مخلوق کو فائدہ نہین
پہونچتا - کیا تعلیم یافتہ دائیان جاہل دائیون کی برابر ہوتی ہین -

اگر علم کے زور سے مرد خدا کی پیدا کی ہوئی چیزون کو ترکیب دیکر
دولت پیدا کرتے ہین تو کیا عورتین اوسی قوت کے حاصل ہوجانے
پر ویسا ہی نتیجہ پیدا نہین کر سکتین - ان صاف اور سچی باتونسے
انکار کرنا محض اپنی لاعلمی - تنگدلی اور کوتہ اندیشی کا اظہار کرنا ہے
ہان یہ بحث دوسری ہے کہ موجودہ حالت کے لحاظ سے
ہندوستان مین عورتون کو کسقدر تعلیم دی جا سکتی ہے یا دینا
مناسب ہے - ابھی ہمارا مقصود انکو بی - ای - اور ایم - اے
پاس کرانا نہین ہے - لیکن اتنی تعلیم تو ضرور ہوجاے کہ
مائین اپنے بچون کی ضروری تربیت کر سکین - اور بیبیان
اپنے خاوندون کے مزاج کو پہچان کر اون کو خوش کرنیکی قابل
ہون - اتنی تعلیم تو ہو جاے کہ مائین اپنے بچون کے حقیقی نفع
اور نقصان کو سمجھنے لگین - اور خیالی خوشیون اور لغو رسوم
کے پیرایہ مین اپنی اور اپنی اولاد کی زندگی کی خرابی اور بربادی
نکرین - مدرسہ کی فیس کو منگنی اور ختنہ کی تقاریب کے صرف
پر ترجیح دینے لگین - کتابون کے خرچ کو گوٹہ اور کناری کی

خرچ سے بہتر سمجھنے لگین - اولاد کی آیندہ ترقی کے لیے احمقانہ محبت
کو ضبط کرنیکی اونمین قوت پیدا ہو جاے - اور وہ اپنے بچون کو
اپنے سے علحدہ کرکے تعلیم کے لیے کچھ فاصلے پر اور کچھ مدت کیلیے
بھیج سکین - کتنے ہونہار قوم کے بچے ایسے ہین جو بحالت عمدہ
تعلیم اور تربیت ہونے کے اعلی عہدونپر ممتاز اور اعلی درجون کو
حاصل کر سکتے تھے - لیکن محض مان کی احمقانہ محبت کی وجہہ سے
بازار کے بالاخانون مین شکار ہوتے ہین - قوم کے نوجوانون مین
کتنے خاوند ایسے ہین - جو بوجہہ بیبیون کے نالائق ہونیکے بازاری
دوزخون مین اپنی زندگی کو خراب کرتے ہین - خوب سمجھ لینا چاہیے
کہ قوم کی بربادی کے یہ حقیقی اسباب ہین - اگر مردون کو تعلیم
دینا ہے تو عورتون کو بھی دینا لازمی ہے - مردونکی تعلیم پوری
ہو ہی نہین سکتی جب تک کہ عورتون کو تعلیم نہو - کیونکہ مرد کا
اول اوستاد عورت ہے یعنی مان - اور جب اوستاد ہی
جاہل ہوگا تو شاگرد کیسے اوس جہل کے اثر سے محفوظ رہ
سکتا ہے - اوّل سانچا جسمین ہماری علمی اور اخلاقی زندگی

ڈھلتی ہے وہ پیمانہ ہے مان کے علم و اخلاق کا - حقیقت یہ ہے
کہ اس قسم کے مسائل مین راے قائم کرتے وقت اکثر لوگ
اپنے آپ کو رسم کی بیڑی سے آزاد کر کے دل و دماغ کو کام مین
نہین لاتے - جسطرح ہوتا چلا آیا ہے خواہ اوس سے کتنا ہی
نقصان ہوتا ہو لیکن اوسمین تبدیلی ہونا نہین چاہیے - جب
اس مسئلے کے متعلق کوئی تحریک کیجاتی ہے تو یہ خیال کیا
جاتا ہے کہ نئی بات کے لئے کوشش کیجاتی ہے گویا اسلام
کی بیٹیون مین تعلیم کبھی تھی ہی نہین - حالانکہ یہ محض ناواقفیت
کا نتیجہ ہے - اسلام جبکہ اسلام تھا ہمیشہ اوسکی خواتین تعلیم
یافتہ رہین اور اونھون نے علوم مین بڑے بڑے درجے حاصل
کیے - وہ حضرات جو ہر ایک کام کے لیے خواہ کیسا ہی عمدہ کیون
نہو باپ دادا کی نظیر کے طلبگار ہوتے ہین اون کو
چاہیے کہ وہ اس کتاب کا جسکو ہمنے عصمت مآب سیدۃ النسا
بیگم صاحبہ اہلیہ حکیم خواجہ جعفر حسن صاحب پانی پتی کی خاطر
لکھا ہے - ملاحظہ کرین - اور دیکھین کہ اسلام مین

ہمیشہ سے کیسی تعلیم یافتہ عورتین ہوتی آئی ہین - اگر اب یہہ خواہش کیجاتی ہے کہ اب بھی عورتون کو تعلیم ہو تو یہہ کوئی نئی رسم قائم کرنا مقصود نہین ہے - بلکہ پُرانی رسم کو پھر زندہ کرنا ہے - اسی غرض سے اس کتاب مین اون خواتین کے حالات درج کیے گئے ہین کہ جنھون نے کسی نہ کسی علم مین اعلیٰ درجہ حاصل کیا - اور مردون کے اس خیال کو کہ عورتون کے لیے تعلیم مفید نہین ہوسکتی بالکل بے بنیاد ثابت کیا ہے - امید کیجاتی ہے کہ جس نیت سے یہ کام کیا گیا ہے خداوند تعالیٰ اوسمین کامیابی عطا فرمائیگا - آمین -

قوم کا خادم

سید افتخار عالم - آزاد

ساکن مارہرہ ضلع ایٹہ

ممالک مغربی و شمالی

بِسْمِ اللّٰهِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِيْمِ

آمنہ بنت وہب - مکہ معظمہ مین پیدا ہوئین - خاندان قریش سے تہین - وہب بن عبد مناف بن زہرہ بن کلاب بن مرۃ بن کعب بن لوی بن غالب بن فہر کی لڑکی تہین - بہائی کا نام قصی بن کلاب تہا جو بنی ہاشم کے جد تھے - آپکے فرزند حضرت نبی اکرم صلعم تھے - مان کا نام برہ دختر عبد العزیٰ بن عثمان بن عبد الدار بن قصی تہا شوہر کا نام حضرت عبد اللہ تہا جو پیغمبر اسلام کے والد ماجد تھے -

رسول خدا کی ولادت کے چھہ برس بعد انتقال ہوا یعنی ۴۷ قبل ز ہجرت اس دار فانی کو قطع کرکے راہی دار بقا ہوئین - طبیعت مین خدا نے وہ پاکی عنایت فرمائی تہی جسکو اُس زمانہ کے لوگ خوب جانتے تھے - نہایت نیک طینت او صاحب فراست تہین - آپنے اعلیٰ درجہ کی تعلیم بہی حاصل کی تہی - صاحب کتاب مواہب لدنیہ لکھتے ہین کہ حضرت آمنہ نے اپنے فرزند یعنی حضرت محمد مجتبےٰ صلعم کے جمال مبارک مین یہ اشعار لکھے ہین - جن کے دیکھنے سے تعلیم کا اندازہ معلوم ہو سکتا ہے -

اشعار

بارك فيك الله من غلام	يا ابن الذي من حومة الحمام
نجا بعون الملك المنعام	فودي غداة الضرب بالسهام
بمائة من ابل سوام	ان صح ما ابصرت في المنام
فانت مبعوث الى الانام	تبعث في الحل وفي الحرام
تبعث في التحقيق والاسلام	دين ابيك البر ابراهام
فالله انهاك عن الاصنام	ان لا تواليها مع الاقوام

جسوقت آپ رحلت فرمانے لگین اوسوقت آپکی زبان سے یہ کلمہ نکلا اور اوسکے بعد دار فانی کو ہمیشہ کے لیے چھوڑ دیا - وہ آخری فقرہ یہ تہا" کل حیّ میت وکل جدید بال وکل کبیر یفنے و انا میتة وذکری باق وقد ترکت خیرًا وولدت طهرًا" یعنی کل زندہ مرینگے - کل نئی چیز پرانی ہوگی - بزرگ فنا ہوگا - میرا ذکر باقی رہجائیگا اور مین فنا ہوجاؤنگی - مین خیر ونیکی کو چہوڑتی ہون کیونکہ مین نے ایک طاہر لڑکی کو جنا ہے اپنے شوہر یا حضرت رسول خدا صلعم کے بزرگوار کی شان مین جو مرثیہ حضرت آمنہ نے لکہا ہے اوسکے چند اشعار یہ مین "

عفا جانب البطحاء من ال هاشم	وجاور لحدا خارجًا في القمائم
دعته المنايا دعوة فاجابها	وما تركت في الناس مثل ابن هاشم
عشية راحوا يحملون سريرة	لقاوره اصحابه في التزاحم
فان تك غالته المنون ريبها	فقد كان معطاء كثير التراحم

آغا - مرزا عبدالکریم بن مرزا عبدالوہاب معتمد الدولہ کی لڑکی تھی - اسکا نسب فتح علیشاہ شاہ ایران سے ملتا تہا - اعلیٰ درجہ کی تعلیم یافتہ تہی - فارسی کے علاوہ (جو اسکی مادری زبان تہی) عربی مین بہی کامل دستگاہ حاصل تہی - اسکی لڑکی کا نام آغا کوچک تہا - اسکی طبیعت بہی

خداداد موزون پیدا ہوئی تھی - آغا بنت میرزا عبدالکریم کا تخلص نشاط تھا - اوسکی یہ رباعی مشہور ہے ؎

گویند بہشت و حور و کوثر باقی ست	در روز جزا دوزخ و محشر باقی ست
دوزخ چہ بود بغض علی و آتش	جنت بہ محبت ہمیشہ باقی ست

آغا باجی - شاہ فتح علی شاہ والی ایران کی بی بی اور ابراہیم خان جوانشیر شوشی کی بہن تھی - حرم خاقانی کے تمامی خدام نہایت ادب کے ساتھ اسکی عزت و حرمت کیا کرتے تھے - اسکی تعلیم اعلےٰ درجے کی ہوئی تھی - اسکی پاک طبیعت مین موزونیت نے ایک اچھا خاصا فصیح گھر بنا لیا تھا - شعر کا فرش ہی جسمین ذرا سلوٹ نہ تھی اوسکے دل مین اور دماغ مین نہایت سجاوٹ سے فطرتی طور پر بچھا ہوا تھا - ذیل کے اشعار اسکی تصنیف سے ہین ؎

خرم آن کو بسر کوی تو جاے دارد	کہ سر کوی تو خوش آب ہواے دارد
بہ سفر رفت و دلم شد جرس ناتواد	رسم این ست کہ ہر ناقہ دراے دارد

ولہا

سوختم از آتش غم ناصحا تا کے زنی	سینہ ئی بر آتشم دامن برو خاموش باش

ولہا

تا حشر نویسند اگر نشود سطے	از دفتر حسن تو نہ طومار فراقم

آفاق - یہ عورت فارس کی رہنے والی تھی - عاشق چلپی اپنے تذکرہ مین لکھتے ہین کہ آفاقی نہایت طبیعت دار عورت تھی - اسکا شمار فصحا و بلغا مین ہوتا تھا لیکن افسوس اوسکا کلام نہین ملا -

آمنہ - ایک عربی مشہور و معروف شاعر عبداللہ بن عبیداللہ کی پیاری بی بی تھی - ان میان بی بی دونو نمین ایک خداداد محبت تھی - آمنہ کی طبیعت مین غضب کا چلبلاپن تھا - طبیعت کی شوخی اکثر اسکو ایسا بیچین کر دیتی تھی کہ جسکا حد و پایان نہین - با این ہمہ

وہ نہایت مہذب تہی - کیونکہ اوسکو کسی ایسے لائق اوستاد نے تعلیم دی تہی جسکی وجہ سے وہ باسلیقہ اور ہوشیار ثابت ہوئی - علم نے اوسکے دل مین اپنا گہر کر لیا تہا - فصاحت و بلاغت کا سکہ تمامی عرب مین بٹھا دیا تھا - اکثر اوقات اپنے پیارے شوہر سے اثنا گفتگو مین شاعرانہ محاورات استعمال کیا کرتی تہی اور چہیڑا کرتی تہی - اوسکی پاک طبیعت کی تصنیف ہم نذر ناظرین کرتے ہین -

اشعار

وانت الذي خلقتني ما وعدتني | واشمت لي من كان فيك يلوم
وابرزتني للناس ثم تركتني | لهم غرضًا أرمى وانت سليم
فلو كان قول يكلم الجسم قد بدا | بجسمي من قول الوشاة كلوم

صاحب کتاب آغانی اور صاحب تزیین الاسواق نے اس عورت کے بہت سے اشعار لکہے ہین - منجملہ اوسکے چند اشعار یہ ہین -

اشعار

تجاهلت وصلي حين لاحت عمايتي | فهلا صرمت الحبل اذ انا ابصر
ولي من قوى الحبل الذي قد قطعته | نصيب ولي راي وعقل موفر
ولكنما اذنت بالقوم بغتة | ولست على مثل الذي جئت اقدر

آقا بیگم - یہ عورت ہرات کی رہنے والی تہی - اسکا خاندان بڑا اسعزز اور نامی تہا - اگرچہ اسنے اعلے تعلیم حاصل نہین کی تہی مگر اوس کے تہوڑے علم نے اوس کی طبیعت کو نہایت موزون بنا دیا تہا - اوس کا کلام فصیح ہوتا تہا - کم گو بہت ہتی مگر جو کچھہ کہتی تہی وہ سانچے مین ڈہلا ہوتا تہا - وہ کہتی ہے - ؎

آہ از ان وامے کہ دارد رشتۂ جان تار ازو | وائے از ان لعلی کہ ہر دم میخورد خونابہ ازو

آمنہ - یہ لائق و فائق محدثہ شرف الدین موسیٰ بن احمد بن احمد بن محمد بن محمد الانصاری الدمہوجی المحلی کی دختر نیک اختر تہین - انکے والد بزرگوار اپنے زمانے کے مشہور و معروف عالمون مین سے تھے - اور یہ بہی اپنے عہد مین نامی گرامی محدثین مین تہین - امام سیوطی نے علم حدیث مین اسنے بہت سے سبق حاصل کئے تو آمنہ نے وہ اعلے درجہ کی تعلیم حاصل کی تہی کہ علم حدیث مین امام سیوطی جیسے بڑے عالم کی معلمہ تہین - امام سیوطی آمنہ کی بہت قدر کیا کرتے تھے - اور اپنی معلمہ پر انکو بہت ناز تہا - اور اکثر فخر کیساتھ انکا مذکور کیا کرتے تھے - بلاد مصر کا ایک محلہ جہان جلال الدین محلی پیدا ہوئے تھے - انہین لائق خاتون کے نام سے مشہور ہے -

آسیہ - یہ محدث عورت جار اللہ بن صالح بن ابی المنصور کی لڑکی تہین جو سنہ ۹۴ھ مین مکہ معظمہ مین پیدا ہوئی تہین امام سیوطی نے علم حدیث کی فضیلت کی پگڑی انہین کے پاک ہاتھون سے اپنے سر پر باندھی تھی - آمنہ خاتون دختر شرف الدین مذکورہ سے امام سیوطی نے جستہ جستہ علم حدیث کے سبق حاصل کیے تہے - مگر ان سے کامل محدث بنے تہے کسی نے سچ کہا ہے کہ "اچھی مان کے پیٹ سے اچھا ہی لڑکا پیدا ہوتا ہے" دیکھو قاضی مکہ جمال محمد ابن الضیا انہین لائق محدثہ کے فرزند ارجمند تھے -

آمنہ بنت علی - اس محدث عورت کے باپ علی بن عبدالعزیز دمشقی تہے - وہ اسما بنت صفران - عبداللہ ابن السائب اور دوسرے محدثین کی جلسون مین حاضر رہتی تہین اور علم حدیث پڑھا کرتی تہین - اور خود بہی علم حدیث کی تعلیم دیتی تہین - ابن حجر نے اپنی تصنیفات کتاب انباء الغمر وانباء العمر مین اس محدثہ کا ذکر کیا ہے سنہ ۹۰ ہجری مین اس عورت کا انتقال ہوگیا - اور اپنے بعد اپنا ایسا ہمعصر کوئی نہ چھوڑا -

آغا ملک - یہ لائق محدثہ ابراہیم ابن خلیل بن محمود کی لڑکی اور شیخ جمال الدین ابن الزکی کی مشہور و معروف بہن تہین یہ فاضل عورت ابن حجر عسقلانی کی ہمعصر تھین - جن کے پاس

وہ اکثر ملاقات کے لیے آتی جاتی اور علم حدیث مین بڑی شد و مد کے ساتہ مباحثہ کرتی تہین - اِن کا سال ممات سنہ ۱۵ ھ ہے -

اخت المزنی - یہ محدث عورت ابو ابراہیم المزنی کی بہن ہین - جو صحابی شافعی مین تھے کتاب مختصر طبقات سبکی مین لکہا ہے کہ اسی نام کی بہت سی عورتین علم فقہ مین کامل گذری ہین - اور اون مین سے اخت المزنی بہی ہین - یہ وہ عورت لائق و فائق ہین جنہون نے زکات معدن کے مسئلہ مین امام شافعی کے فتوی کی اصلاح کی تہی - اور اوسمین ایک شرط اور بڑہائی تہی - یہ محدث عورت اکثر امام شافعی کی مجلس مین حاضر ہوتی تہین

آنی فاطمہ خانم - دار السعادۃ اسلامبول کی رہنے والی تہی - نہایت مشہور معروف خاندان کی جزو تہی - خواجہ سعد الدین حسن جانی صاحب تاج التواریخ کی اولاد مین تہی اِسکی شادی امیر آغا کے ساتہ ہوئی تہی - جو اسلامبول کا ایک شہزادہ تہا - اسکا انتقال سنہ ۱۲۲۲ ہجری مین ہوا - اِسکا ایک لڑکا آغا امیر زادہ تہا - آنی فاطمہ خانم ایک تعلیم یافتہ عورت تہی - ترکی زبان مین اسکا ایک کامل دیوان مسمی عثمانی موجود ہے -

ابنتہ عقیل حضرت علیؑ کے بڑے بہائی جنکا نام عقیل تہا اونکی بیٹی تہین - خاتونان بنی ہاشم مین انکی فصاحت کا ڈنکا بجتا تہا - حضرت سید الشہدا نے جسوقت شام کے سفر سے مدینہ منورہ مین معاودت فرمائی تہی اوسوقت خاتون مذکورہ مع ایک جماعت کے آپ کے استقبال کے واسطے آئین اور کچہہ نوحہ و زاری کرکے ذیل کے اشعار پڑہے جس سے فصاحت اور بلاغت کا پورا پورا حال معلوم ہوتا ہے - یہ اشعار اونہین کی خاص تصنیف سے ہین -

اشعار

ماذا تقولون اذ قال النبی لکم ۔ ماذا فعلتم و انتم اخر الامم
بعترتی و باھلی بعد مفتقدی ۔ منھم اساری و منھم ضرجوا بدم
ما کان ھذا جزائی اذ نصحت لکم ۔ ان تخلفونی بسوء فی ذوی رحمی

ابن کثیر و کتاب مختصر و تمۃ المختصر اور دوسری مشہور اور معتبر کتابون مین ذیل کا ایک شعر بھی انہین کیطرف منسوب کیا جاتا ہی لیکن صاحب تاریخ طبری نے اس شعر کو حضرت ام کلثوم زوجہ حضرت فاروق اعظم کی طرف منسوب کیا ہی - صاحب طبقات شعرانی نے حضرت زینب کیطرف نسبت کی ہے - اور بعض حضرت سکینہ کا مشہور کرتے ہین -

وھو ھذا

اترجو امة قتلت حسینا	شفاعة جده یوم الحساب

اسماء بنت محمد - یہ جلیل القدر محدثہ محمد بن صصری کی دختر نیک اختر تھین - جو اعیان دمشق سے تھے - آخر ۶۳۵ھ مین وہ پیدا ہوئی تھین - اونہون نے برملی ابن ملان محدث سے حدیث کی کئی ایک کتابین پڑہی تھین - اور بعد ازان کئی ایکبار اونکا درس بھی دیا تہا - انہون نے مدت تک اپنی شادی نہین کی - اس خدا کی پاک بندی کے وجود باجود سے دنیا کو جو فیض اور برکتین حاصل ہوئی تھین وہ تعداد مین بہت ہین - وہ خیرات بہت کرتی تھین - بارہا زیارت خانہ خدا سے مشرف ہوئی تھین - انہین کے بطن شریف سے محمد ابن اسمار جو اپنے زمانے کے ایک مشہور و معروف بزرگ ہین پیدا ہوئے تھے - انکی بہائی قاضی القضاۃ مولنا نجم الدین شافعی تھے جنہون نے انکی ممات سے دس سال قبل قضا کی - ان عالمہ عورت کے زمانے مین مشاہیر رواۃ حدیث سے کوئی بھی اسنے زیادہ معتمر نہ تہا - ابن وردی مشہور و معروف عربی شاعر نے اسماء بنت محمد کی جو مدح کتاب تتمہ المختصر مین لکھی ہی اوسکے دو شعر نذر ناظرین کیے جاتے ہین - انکا انتقال ۷۳۳ھ ذیحجہ مین ہوا -

اشعار

کذالک فلتکن اخت ابن صصری	تفوق علی النساء حجی وشیباء
طراز القوم انثی مثل ھذا	وما التانیث لاسم الشمس عیباء

امۃ الخالق - اس لائق عورت کے والد بزرگوار عبد اللطیف ابن صدقہ ابن عوض المناوی العقبی ہین - انکا سنہ ولادت ۸۱۳ھ بیان کیا جاتا ہے - مشہور و معروف محدثین مین انکا شمار کیا جاتا تہا - یہ مجلس درس مولانا جمال الدین حنبلی مین حاضر رہتی تہین اور مسند ناصری اور معجم صغیر طبرانی کو پڑہتی تھین - سیرۃ ابن ہشام سے بہی علم حاصل کیا تہا - اکثر محدثین نے انکو فتوی کی اجازت دی تہی - کتاب الغیہ بن مالک او منہاج العابدین انکو از بریاد تہی - انہین کتابونکو اونہون نے خود لکہا بہی تہا - اکثر اساتذہ محدثین نے انہین سے روایتین نقل کی ہین - انکی عمر ایک سو سات برس کی تہی ۹۲۰ھ ماہ ذیقعدہ مین ان لائق محدثہ نے اس جہان فانی سے رحلت کی - امۃ الخالق کی سب سے زیادہ بزرگی یہ تہی کہ وہ امام سیوطی کی اوستاد تہین اور ان سے اونہون نے علم حدیث حاصل کیا تہا - امام صاحب نے انکا ذکر کتاب معجم مین کیا ہے -

ام الخیر البغدادیہ - یہ یکتا عصر محدثہ جو جمال النساء کے نام سے زیادہ مشہور ہین بغداد کی رہنے والی تہین - انہون نے اپنے زمانے کے متبحر اور مشہور و معروف عالمونسے جو علم و فضل مین کمال رکہتے تہے اور جو تدریس و تعلیم سے طالبعلمونکو فائدہ پہونچاتے تھے ابن البطی - و ابو المظفر الکاغذی - او شجاع الحربی کو دیکہا تہا - اور اون سے علم حدیث حاصل کیا تہا - اسکے بعد اونہون نے خود بہی تعلیم و اشاعت حدیث مین سعی بلیغ کی تہی اکابر محدثین مثلاً اسمعیل بن عساکر - قاضی تقی الدین سلیمان ابن سعدہ - ابن شحنہ - فاطمہ بنت سلیمان اور دیگر علما متبحرین نے اس عورت سے اجازہ حاصل کیا تہا - علم و فضل کے علاوہ ان مین اعلی درجے کا زہد و ورع بہی تہا - وہ کئی بار حج کو مکہ معظمہ گئی تہین ۶۴۰ھ مین وہ راہی سفر آخرت ہوئین -

ام الفتح - یہ مشہور و معروف محدثہ احمد بن کامل خلف بن شجرہ بن منظور الشجری البغدادی کی لڑکی تہین - علم حدیث مین انکو اسقدر شہرت حاصل ہوئی کہ انکا لقب ابنتہ السلام پڑگیا

حدیث کی تعلیم سے انہون سنے ایک زمانہ دراز تک خلق اللہ کو فائدہ پہونچایا۔
بہت سن رسیدہ ہونیکے بعد وہ ۸۷۱ھ مین راہی ملک بقا ہوئین۔

ام کحہ - یہ محدث عورت اوس بن ثابت انصاری کی بی بی تہین جنکو آنحضرت کی صحبت کا فخر حاصل تہا۔ اور وہ خود بہی صحابیہ مین تہین۔ جب ونکے شوہر اوس غزوہ احد مین فوت ہوئے۔ صرف یہ اور انکی دو لڑکیان باقی رہین تو اسکے عزاؤن نے حسب رسم وعادت ایام جاہلیت یہ چاہا کہ انکا تمام مال واسباب ضبط کرلیا جاے اور ام کحہ اور اسکی دونون بیٹیان ترکے سے محروم رہین۔ ایام جاہلیت کی یہ رسم تہی کہ شوہر کے مال مین زوجہ اور باپ کے ترکہ مین بیٹیون کا کوئی حق نہ تہا۔ اور انہین کوئی میراث نہین دیجاتی تہی۔ اسی مطلب پر یہ آیہ شریفہ مبنی ہے کہ "تاکلون التراث اکلا لما" اور اسی وقت قرآن مجید کی یہ آیت بہی نازل ہوئی کہ "للنساء نصیب" سید انام علیہ الصلوٰۃ والسلام نے اوسکے عزاؤن کو ام کحہ کے مال مین دست اندازی کرنے سے ممانعت کی بعد ازان یہ آیت کریمہ "یوصیکم اللہ" وارثون کو حصہ دینے کیلئے نازل ہوئی۔ اسی آیہ کی بنیاد پر ام کحہ کو آٹہوان حصہ اور اونکی لڑکیونکو تیسرا حصہ دیاگیا اور باقیماندہ مال وسکے عزاؤنکو حوالے کردیا۔

ام ہانی بنت فہد - اس لائق محدثہ کے باپ حافظ تقی الدین بن محمد بن فہد الہاشمی تہے۔ انکو علم حدیث مین اسقدر کمال حاصل تہا کہ علامہ سیوطی انکی شاگردی کو اپنا فخر سمجہتے رہے۔ ذیقعدہ ۸۵۰ھ مین پنجشنبہ کے روز وہ پیدا ہوئی تہین۔ انتقال کا حال معلوم نہین ہے۔

ام ہانی مریم - یہ مشہور ومعروف محدثہ شیخ نور الدین بن ابو الحسن علی بن قاضی القضاہ تقی الدین عبدالرحمن بن عبدالمومن الہورینی الشافعی کی لڑکی تہین۔ انکا ایک لڑکا تہا جو اپنے وقت کا علامہ تہا۔ اوسکا نام علامہ سیف الدین حنفی تہا۔ شعبان کے مہینے ۷۷۸ھ مین پیدا ہوئی تہین اور (۹۳) برس زندہ رہکر شب شنبہ سلخ ماہ صفر ۸۷۱ھ کو انتقال کیا۔ اِس ذہین عورت نے قرآن مجید۔ کتاب ملحہ منظومہ جو نحو مین ہی اور فقہ شافعی

کی کتاب مختصر ابی شجاع کو حفظ یاد کیا تہا - اِنکے نانا فخر الدین لقایانی نے انکو سات
برس کے سِن سے علم تحصیل کرایا تہا - اونہون نے اپنے زمانے کے مشاہیر محدثین سے
احادیث اور مسائل فقہ سماعت کی تہی - پہر اونہون نے امام سیوطی کو علم حدیث کی تعلیم دی تہی
امام سیوطی نے ام ہانی مریم - ام ہانی فہد - اور ام ہانی بنت ابو الفوارس کا ذکر اپنی کتاب
المنجم فی المعجم مین کیا ہے -

الجلیلۃ السلطانیہ - یہ محدثہ سلطان عادل ابی بکر بن ایوب فرمانروای مصر و شام
کی دختر نیک اختر تہین - گو انکا اصلی نام تو مونسہ تہا مگر علم وفضل کی جلالت اور
قدر سے الجلیلہ السلطانیہ مشہور ہوئین -

اروی بنت الحارث - حارث بن عبد المطلب کی لڑکی تہین - اِنکے لڑکے کا
نام مطلب بن ابی دراعتہ السہمی تہا - حضرت رسول صلعم کی چچازاد اور حضرت علی کرم
اللہ وجہہ کی حقیقی بہن تہین صحابیہ مین انکا شمار ہی - ماں کا نام غزیہ دختر قیس بن طریف از نسل
و حارث بن فہر بن سالک تہا - جواہر الملتقطہ کے مصنف لبیب فندی نے ایک مقام
پر اروی کی ایک نقل لکہی ہے کہ امیر معاویہ کا شاہانہ دربار گرم تہا - اتفاق سے اروی
کو چہہ ہزار دینار کی ضرورت پیش آئی - اروی امیر کے دربار مین گئی اور چہہ ہزار دینار کی
درخواست کی - امیر معاویہ نے فوراً چہہ ہزار دینار منگوا دیے - دینے کے بعد امیر نے
اروی کو مخاطب کرکے کہا کہ اگر تیرے چچا کے لڑکے حضرت علی میری جگہ ہوتے تو یہ عطیہ
تجہکو کبہی نہ دیتے - اروی ان کلمات کو سنکر نہایت آبدیدہ ہوئی اور ابو
الاسود الدوئلی کے مرثیہ کے وہ اشعار جو حضرت علی ابن ابی طالب کی
شان مین لکھے تھے پڑھے -

اشعار

الا یا عین ویحک اسعدینا	الا تبکی امیر المومنینا

تبکی ام کلثوم علیہ ۔۔۔ بعبرتها وقد رأت الیقینا
الا قل للخوارج حیث کانوا ۔۔۔ فلا قرت عیون الشامتینا
افی الشهر الحرام فجعتمونا ۔۔۔ بخیر الناس طرا اجمعینا
قتلتم خیر من رکب المطایا ۔۔۔ فذللها ومن رکب السفینا
ومن لبس النعال ومن حذاها ۔۔۔ ومن قرء المثانی والمبینا
وکل مناقب الخیرات فیه ۔۔۔ وحب رسول رب العالمینا
لقد علمت قریش حیث کانوا ۔۔۔ بانک خیرها حسبا ودینا
اذا استقبلت وجه ابی حسین ۔۔۔ رایت البدر راق الناظرینا
وکنا قبل مقتله بخیر ۔۔۔ نری مولی رسول الله فینا
یقیم الحق لا یرتاب فیه ۔۔۔ ویعدل فی العدا والاقربینا
ولیس بکاتم علما لدیه ۔۔۔ ولم یخلق (یخلق) من المتجبرینا
کان الناس اذ فقدوا علیا ۔۔۔ نعام حار فی بلد سنینا
فلا تشمت معاویہ بن حرب ۔۔۔ فان بقیة الخلفاء فینا

امیر معاویہ نے یہ اشعار سنکر اپنی گردن جھکالی - اور کہا اے اروی مین قسم کہاتا ہون کہ تونے جو اسوقت پڑہا اوس سے حضرت علی افضل تر ہین - اوسکے بعد اوس نے اور بہت کچھہ دیا اور اروی رخصت ہوئی - بعض مورخین مذکور الصدر اشعار کو اروی بنت الحارث ہی کی طرف منسوب کرتے ہین -

اروی بنت عبد المطلب حضرت عبد المطلب حضرت رسول خدا کے جد کی لڑکی تہین - یہ اعلی درجے کی تعلیم یافتہ شمار کیجاتی ہین - انہون نے اپنے پدر بزرگوار کے چند مرثیہ لکھے ہین - جنکے بعض اشعار لکھے جاتے ہین - اشعار -

بکت عینی وحق لها البکاء ۔۔۔ علی سمح سجیته الحیاء

علی سھل الخلیقۃ ابطحی	کریم الخیم نیتھا العلاء
علی الفیاض شیبۃ ذی المعالی	ابوہ الخیر لیس لہ کفاء
طویل الباع املس شیظمی	اغر کان غرتہ ضیاء
اقب الکشح اروع ذی فضول	لہ المجد المقدم والثناء
ابی الضیم ابلج ہبرزی	قدیم المجد لیس لہ خفاء
ومعقل مالک وربیع فھر	وفاضلہا اذا التمس القضاء
وکان ھو الفتی کرما وجودا	ویاسا حین تنسکب الدماء
اذا ھاب الکماۃ الموت حتی	کان قلوب اکثرھم ھواء
لضی قدما بذی رای حسیب	علیہ حین تبصرہ البھاء

سیرۃ ابن ہشام اور سامرات محی الدین مین لکھا ہے کہ مسطور الصدر مرثیہ اروی نے قبل اپنے باپ کے انتقال کے لکھا تہا جناب عبدالمطلب نے اپنی بیٹیون اروی وام حکیم البیضا وامیمہ وبرہ وصفیہ اور عاتکہ کو اپنے مرض موت کی حالت مین بلایا اور کہا کہ جو مرثیے تم میرے مرنے کے بعد کہتین وہ قبل میرے مرنے کے کہو۔ خدا نے ان سب کو وہ طبیعت اور ذہن عطا کیا تہا جسکے باعث یہ عورتین بہت مشہور ومعروف ہوگئین۔ حضرت عبدالمطلب کی لڑکیون نے اپنے باپ کی وصیت اوسیوقت پوری کی اور تمام لڑکیون نے ایک ایک مرثیہ لکھا۔

اسماء بنت عبداللہ - یہ عورت قبیلہ بنی عذرہ مین تہی - یہ نہایت فصیحہ تہی - اسکی ایک کہی ہوئی مثل تمامی عرب مین مشہور ہے اسکی دو شادیان ہوئی تہین - اوسکے اول شوہر کا نام "عروس" تہا وہ بہی قبیلہ بنی عذرہ سے تہا - یہ شخص نہایت خوبصورت تہا - لیکن عمر نے وفا کی اور تہوڑے ہی عرصہ مین اوسنے اپنی پیاری بی بی کو ہمیشہ کیواسطے چہوڑ دیا - اور راہی ملک بقا ہوا - اسماء بنت عبداللہ نے وہ تہوڑا عرصہ

گزار کے جسکو ہمارے پاک اسلام نے عدت کے ساتھ تعبیر کیا ہی دوسری نکاح پر آمادہ ہوئی۔ قسمت سے اسکا دوسرا شوہر ایسا کریہ منظر اور بدشکل تھا کہ وہ اوس سے نہایت ناخوش رہا کرتی تھی۔ یہ مہیب شوہر جب اسماء مذکورہ کو اپنے گھر لیچلا تو اوسکی بی بی نے کہا کہ مجھکو اپنے مرحوم شوہر کی قبر پر گریہ وزاری کرنیکی اجازت دی۔ جب اوسکے شوہر نے اجازت دی تو اوسنے اپنے پہلے شوہر عروس کی قبر پر اسطرح گریۂ وزاری شروع کی کہ سننے والونکے دل ہلجاتے تھے۔ اوسوقت اوسنے یہ فقرے اپنی زبان سے نکالے

فقرے

ابیك یا عروس لاعرس معا اشیئا لا یعلمها الناس	یا تغلبا فی اهله و اسدا عند الناس

یعنی مین تجھہ پر گریہ وزاری کرتی ہون اے عروس عروسون کی۔ ای وہ شخص کہ تو رحم کرنیکے وقت مین نہایت نرم دل۔ حلیم۔ اور بردبار تھا۔ اور لڑائی کے وقت مین تری شباہت مثل شیر کے تہی۔ اور تجھہ مین ایک ایسی صفت تہی کہ دوسرے لوگ اُس سے محروم تھے۔

اوسکا شوہر جو ایک طرف کھڑا ہوا تھا اس آخری کلمہ پر چونک اوٹھا۔ اور اپنی بی بی سے کہنے لگا کہ عروس مین وہ کون کون سی ایسی صفتین موجود تہین جنکو دوسرون مین نہین دیکھتی۔ اِس رونے والی نے کہا شعر

کان عن الهمته غیر نفاس	و یعمل السیف صبیحات باس

یعنی وقت پڑنے پر ذرا بھی تسامح او تغافل نہین کرتا تھا۔ بلکہ شمشیر اوسکے ہاتھہ مین ہوتی تہی اور وہ اپنے دشمن کے مقابلہ سے نہین ہٹتا تھا۔ اب تھوڑی دیر کے بعد اسماء نے اپنے پیارے مغفور عروس کی مدح مین یہ فقرے پڑھے۔

یا عروس لاعز الا زهر	الطیب الخیم الکریم المحضر

	معرا شیاء له لا تذکر

یعنی اسے میرے پیارے عروس تیری پیشانی نہایت درخشان تہی - تیرا خلق نہایت پاکیزہ تہا - اور تجہہ مین وہ محاسن حمیدہ تہے کہ جنکو مین اپنی زبان سے ادا نہین کر سکتی - اسکے موجودہ شوہر نے اس سے پہر دریافت کیا کہ عروس کے اون صفات کو بیان کر جو خاص وسمین موجود تہے - لیکن زبان پر نہین آسکتے - اسما نے اسکے جواب مین یہ کلمے زبان سے نکالے -

طیب التکہتہ غیبر البخز	کان عیوفا للخنا والمنکر الیسر غیاّرا عسر

یعنی عروس مرحوم برُے افعال سے بہت پرہیز کرتا تہا - اوسکے جسم سے نہایت عمدہ خوشبو آتی تہی - اوسکے دہن سے وہ بدبو نہین آتی تہی جو دوسرون کے مُنہ سے آتی ہے - اوسکا موجودہ شوہر سمجہہ گیا کہ آخری فقرہ میرے اوپر حملہ کر رہا ہے کیونکہ خود یہ گندہ دہن تہا - اب دونون میان بی بی یہان سے روانہ ہوئے - مگر اسما نے اپنا عطردان یہین چہوڑ دیا - شوہر نے اسما سے اسکا سبب دریافت کیا کہ تو نے اپنا عطردان یہان کیون چہوڑدیا - اسما نے اسکا جواب دیا کہ "لا عطر بعد عروس" یعنی عروس کے بعد کوئی دوسرا عطر نہین استعمال کرنا چاہیے - یہ عربی کا فقرہ تمامی عرب مین ایک مثل ہوگیا اور اب اسطرح سے استعمال ہوتا ہے "لا مخباء لعطر بعد عروس" یعنی عمدہ نہین ہے قدر عطر کی بعد عروسی کے -

اسما بنت یزید الانصاریہ - اس عورت کے باپ کا نام یزید بن السکن الاشہلی تہا یہ حضرت صحابہ مین شمار کیے جاتے ہین - یہ عورت بہی صحابیہ مین سے تہی - اسکی فصاحت کی تمامی عربستان مین شہرت تہی ایک مرتبہ خود آنحضرت صلعم نے اسکی فصاحت پر تعجب کیا تہا - ایک مرتبہ یہ عورت پیغمبر اسلام کے پاس حاضر ہوئی - اور خدمت

بابرکت مین یہ عرض کیا کہ مین اپنے تمامی ہمجنسون کی طرف سے آپکی خدمت مین حاضر ہوئی ہون - اس عورت نے اپنی عرض کو اسطرح سے شروع کیا "بابي انت وامي يارسول الله انا وافدة النساء اليك ان الله عزوجل بعثك الى الرجال والنساء كافة فامنابك وبالهك وانا معشر النساء محصورات مقصورات قواعد بيوتكم ومقضى شهواتكم وحاملات اولادكم وانكم معشر الرجال فضلتم علينا بالجمع والجماعات وعيادة المرضى وشهود الجنائز والحج بعد الحج وافضل ذلك الجهاد في سبيل الله عزوجل وان الرجل اذا خرج حاجا او معتمرا او مجاهدا حفظنا لكم اموالكم وغزلنا اثوابكم وربينا لكم اولادكم نشاركم في هذا الاجر والخير" -

یعنی اے پیغمبر آپ کے اوپر سے ہمارے مان اور باپ فدا ہون مین اپنے ہمجنس عورتون کی طرف سے آپکی خدمت مین حاضر ہوئی ہون - آپکو خدا ے عزوجل نے تمام عورتون اور مردون پر مبعوث کیا ہے - اور ہم سب آپکی رسالت اور خدا کی وحدانیت پر اسلام لائے ہین - اے پیغمبر ہم سب عورتین اپنے اپنے شوہرون کے ساتھ اپنے اپنے گہرون مین رہتے ہین - ہم سے لڑکے بالے پیدا ہوتے ہین - اور آپ لوگ مسجدون مین جاکر نمازین پڑہتے ہین - بیمارونکی عیادت کرتے ہین - بار بار حج کرتے ہین - خدا کی راہ مین جہاد کرتے ہین اگر آپ لوگ یہہ کام کرتے ہین تو ہم آپکے اموال کی حفاظت کرتے ہین - آپکے لباس کے واسطے سوت کاتا کرتے ہین لڑکون بالون کی نگہداشت اور تربیت کرتے ہین - اس صورت مین ہم لوگ بہی آپ لوگون کے ساتہہ عمل خیر کی جزا مین شریک ہین یا نہین - حضرت رسول خدا صلعم نے یہ سنکر صحابہؓ سے فرمایا - تم لوگون نے کبھی ایسی عمدہ فصیح گفتگو کسی شخص کی سُنی ہے - صحابہؓ نے جواب دیا کہ ہم نے کبھی ایسی گفتگو کسی عورت کی نہین سُنی - اسکے بعد رسول خدا نے اسماءؓ کے جواب مین ارشاد فرمایا کہ ای عورت تو اپنی ہمجنسون سے کہدے کہ اگر تم لوگ اپنی شوہرون کو خوش

رکھو گی تو تمکو تمام اعمال خیر کی جزا ملیگی جنکو تو نے اپنی زبان سے ابھی بیان کیا ہی۔

اسما بنت شمس الدین - اسکا باپ بہت بڑا محدث گذرا ہے۔ اسکی لڑکی کا نام شیخ تقی الدین تہا - ابن حجر عسقلانی کے پانچ سال قبل پیدا ہوئی تہی - یعنی ۷۶۸ھ مین اسکے پہلے شوہر کا نام رملی تہا - اوسکے مرنے کے بعد علاء الدین مقریزی کے ساتھ نکاح کیا - یہ عورت فاضل اجل و صاحب تقویٰ تھی - اسکی ایک بہن تھی جسکا نام امتہ الرحیم تہا

اسماء العامریہ - اندلس کے ایک شہر اشبیلیہ کی رہنے والی تہی - اسکے قبیلہ کا نام آل بنی عامر تہا - یہ عورت کامل تعلیم یافتہ تھی - خوشنویس اعلےٰ درجے کی تہی - نظم و نثر دونون کا پایہ بڑھا ہوا تھا - اسنے ایک بہت لمبا چوڑا قصیدہ اپنے گھر کی خانہ داری مین لکھا ہے کہ وہ کیونکر اپنے مال و اسباب اور گھر کی نگہبانی کیا کرتی تہی اوسکے قصیدہ سے دو شعر ہم بھی نقل کیے دیتے ہین - سیر الموحد بن عبدالمومن علی نے بہی اوسکو دو شعر بہی لکھے ہین

اشعار

عرفنا النصر والفتح المبینا	لسیدنا امیر المومنینا
اذا کان الحدیث عن المعالی	رایت حدیثکم فیها شجونا

قصیدے کے آخری شعرون مین اسنے اپنا حسب نسب بہت اچھی طرح سے ظاہر کیا ہے

اسماء عبرت - یہ عورت اسلامبول کی رہنے والی تہی - اسکے باپ کا نام احمد آقا تہا اسکے شوہر کا نام محمود جلال الدین تہا جو خوشنویسی مین مشہور و معروف ہے - اسماء عبرت نے خطاطی مین اپنے شوہر سے زیادہ مہارت حاصل کی تہی - اس نے خود اپنے شوہر سے اس فن کو سیکھا تہا - جلال الدین نے بہی خطاطی کے تمام نکات اسکو سکہا دیے تھے جلال الدین اپنے نام کے ساتھ اپنی بی بی کا بہی نام لکھا کرتا تہا خطوط ممتاز مین اسکے ہاتھ کے بہت سے خط لکھے ہوئے ہین - ابن کثیر نے اسیطرح کی گیارہ عورتین گنائی ہین

اعتماد - یہ عورت معتمد بن عباد سلطان اشبیلیہ کی بی بی تہی - اسکی لڑکی کا نام بثینہ تہا

علم ادب مین اسکو کامل دستگاہ حاصل تہی۔
اعرابیہ۔ شیخ محی الدین اپنے مسامرات مین لکہتے ہین کہ یہ عورت بادیہ نجد سے تہی اور اپنے وقت کی نامانشاہ تہی۔ اسکے مزاج مین حد درجے کی صفائی اور شایستگی تھی۔
خدیجہ بنت عبدالوہاب نے ایک حکایت لکہی ہے کہ خلفاے بنی عباس مین سے ایک شخص اعرابیہ پر عاشق ہوا۔ چند مہینون کے بعد خلیفہ کا اعرابیہ کے ساتھ نکاح ہوگیا۔ خلیفہ اپنی بی بی کو دارالخلافت مین لے آیا۔ وہان کی آب وہوا اعرابیہ کو ناموافق ہوئی اور بجاے ہشاشی اور بشاشی کے اوسکی حالت روز بروز غیر ہوتی گئی۔ اگرچہ اس کا شوہر ایک خلیفۂ وقت تہا۔ تمام آرام وآسایش کی چیزین مہیا تہین۔ مگر اوسکے خادمون مین اسکی لیاقت نہین تہی کہ وہ مکان کو اوسکے ذوق سے آراستہ کرتے۔ اعرابیہ کا دل اس مقام سے نہایت پریشان ہوا۔ کہانا پینا بالکل ترک کردیا۔ اوسکے چہرے پر اُداسی چہائی رہتی تہی۔ دل تنگ ہوگیا تہا۔ وحشت ہروقت دامنگیر رہا کرتی تہی۔ اوسکے شوہر خلیفہ نے ایک دن اوس سے پوچہا کہ جب سے تو یہان آئی ہے مین نے تجہکو ہنستے بولتے نہین دیکہا۔ تیرے چہرے پر نہ بشاشت معلوم ہوتی ہے۔ نہ کہانا اچہی طرح کہاتی ہے۔ آخر اسکا سبب تو کہہ تا کہ جسکا علاج کیا جائے۔
اعرابیہ نے خلیفہ کو جواب دیا کہ مجہکو جنگل کی ہوا خوشگوار معلوم ہوتی ہے۔ جنگل کی نصب شدہ خیمے مجہکو بہشت کا مزا دیتے ہین۔ جنمین جنگل کی ہوائین چارونطرف سی آتی ہون نہرین بہہ رہی ہون۔ آبشار چل رہے ہون۔
ان بہتی ہوئی نہرون اور آبشارون کی آوازین جسوقت میرے کان مین پڑتی ہین اُسوقت میرا دل باغ باغ ہوجاتا ہے۔ خلیفہ نے دجلہ کے کنارے پر ایک نہایت پرفضا کوٹہی تیار کراکے اعرابیہ کو اوسمین بہیجدیا۔ دجلہ کے کنارے پر خلیفہ نے کوٹہی یہ سمجہکر بنوائی کہ اعرابیہ کو اپنا وطن نجد یاد آتا ہے اس کوٹہی کا نام معشوق رکہا تہا۔ نجد ایک

بہت بڑا جنگل ہے - جہان قبیلہ بنی عامر کا فرودگاہ اور مسکن تہا - مجنون عامری نے اپنے رہنے کے لیے یہی جگہہ پسند کی تہی - یہان ریگستانی ٹیلے بہت تھے - بہت سی نہرین بہتی ہوئی نظر آتی تھین - اسی سبب سے جب اعرابیہ نے اس کوٹھی مین قدم رکہا تو اُسکو وادی نجد کا گمان ہوگیا - یہہ دیکھکر اوسکا دل اور بھی بیچین ہوگیا اور پہلے سے زیادہ محزون رہنے لگی - ایک روز اوسکا شوہر خلیفہ خفیہ طور سے اوس کوٹھی مین آیا اور اعرابیہ کو گریہ و زاری کرتے سُنا - جو اپنے خاص تصنیفی اشعار مین سرود کررہی تھی

اشعار

وما ذنت اعرابیة قذفت بها	صروف النوی من حیث لم تک ظنت
تمنت احالیب الرعاة وخیمته	بنجد فلم یقضی لها ما تمنت
اذا ذکرت ماء العذیب وطیبة	وبرد حصاه آخر اللیل انت
لها انة عند العشاء وانة	سحیرا ولو لا اناه لحنت

بعض لوگ لکہتے ہین کہ قیس عامری کے دیوان مین اول تین شعر کچہہ خبری تغیر کے ساتہہ دیوان مذکور مین لکھے ہین اور تیسرا شعر اعرابیہ نے کہا ہے - خلیفہ نے جب پوشیدہ طور سے اعرابیہ کی گریہ و زاری سُنی تو بہت پریشان ہوا اور خیال کیا کہ اسکو نجد مین بہیجدینا مناسب ہے - آخر کار اعرابیہ سے کہا کہ مین تجھکو تیرے وطن مین بھیجے دیتا ہون مین معشوق محل سے تیرے پاس شکار کے بہانے آیا کرونگا - اور وہان تجہہ سے ملاقات کیا کرونگا -

امامہ بنت خزرج - یہ ایک عربی عورت تہی - اسکی طبیعت نہایت موزون واقع ہوئی تہی - اسکی فصاحت عرب مین مشہور ہے اسود بن قنان جو عرب کے بہت بڑے جوانمردون مین شمار کیا جاتا تہا - اوسکی مدح مین امامہ نے ایک قصیدہ لکہا ہے جسکے تین شعر یہان لکھے جاتے ہین -

اشعار

اذ شئت ان تلقی فتی لو وزنته	بکل معدی وکل یمان
وفی بها فضلا وجودا وسوددا	وزربا فذاک الاسود بن فنان
فتی لا یری فی ساحته الارض مثله	لیوم ضرب اولیوم طعان

امامة المریدیہ - اسکے نام مین کچہہ اختلاف ہے بعض اسکو اسامہ کے نام سے پکارتے ہین اور بعض امامۃ کے نام سے - یہ عورت صحابیہ مین شمار کیجاتی ہے - اوسکا قبیلہ مریدیہ کے نام سے مشہور تہا - یہ عورت نہایت قابل ورلائق تہی - ایک شخص ابوعفک یہودی آنحضرت سے جانی دشمنی رکہتا تہا - اپنی خبث طبیعت اور بد باطنی کی وجہ سے ہمیشہ ایذا رسانی کی فکر مین رہا کرتا تہا جسوقت اوسکو اوسکے کسی دشمن نے قتل کر ڈالا اور اسکے قتل کی خبر امامۃ کو ملی تو اوسنے ابوعفک یہودی کے حال مین چند شعر لکہے - وہ شعر یہان ہی لکہے جاتے ہین -

اشعار

تکذب دین اللہ والمرء احمدا	لعمر الذی امناک ادبیس ما منی
حباک خیف اخر الدھر طعنۃ	ابا عفک خذھا علی کبر السن

امۃ اللہ - یہ ایک اسلامبولی عورت تہی - ادب مین اسکو کامل دستگاہ حاصل تہی الٰہیات مین اسکو پورا دخل تہا ۱۰۵۲ سنہ ہجری کے قریب اسکی پیدایش کا سال بیان کیا جاتا ہے - کیونکہ سلطان محمد خان رابع کی ہمعصر تہی اسکے باپ کا نام قاضی زادہ تہا اسکی عمر (۶۳) سال کی تہی یعنی ۱۱۱۵ سنہ ہجری مین اسکا انتقال ہوا تہا - ترکی زبان مین اسکا ایک پورا دیوان تیار ہے جو صدقی امۃ اللہ کے نام سے مشہور ہے - صدقی تخلص کرتی تھی

امۃ الخالق - عبد اللطیف بن صدقہ بن عوض المناوی العقبی کی لڑکی تہی - یہ عورت اپنے زمانہ مین محدثہ شمار کیجاتی تہی ۸۱۳ سنہ ہجری مین پیدا ہوئی تہی - جمال الدین حنبلی کی

مجلس مین حاضر ہوکر مسند احمدی ومعجم صغیر طبرانی کے سبق لیا کرتی تہی - سیرۃ ابن ہشام ہروقت اوسکے زیر نظر رہا کرتی تہی - اس کتاب سے اِس نے بہت سے فوائد حاصل کیے تہے - محدثین وقت نے اسکی قابلیت اور لیاقت دیکھکر اسکو اجازت دی تہی الفیہ بن مالک اور منہاج العابدین کو اسنے خود لکہا تہا اور یہ دونون کتابین اسکو ازبریاد تہین - بعض محدثین سنے اوس سے بہت سی روایتین نقل کی ہین ۹۲۰ھ ہجری مین اوسکا انتقال ہوگیا - یہ عورت بہت خوش حسن تہی - امام سیوطی نے اپنی کتاب منجم مین اسکا ذکر کرکے اوسکے یہ شعر لکھے ہین -

اشعار

هي المقادير قد عني او قذر	ان كنت اخطات فما اخطا القدر
اذا اراد الله امرًا بامرء	وكان ذا عقل وسمع وبصر
اصم اذنيه واعما قلبه	وسله من عقله سل الشعر
حتى اذا انفذ فيه حكمه	رد اليه عقله ليعتبر

امۃ العزیز شریفیہ - اندلس کی رہنے والی تہی شعرگوئی اور ادب مین اوسکو بہت دخل تہا - صاحب نفح الطیب نے یہ دو شعر اوسکی طرف منسوب کیے ہین - اِس مین ایک خاص لطف اور ہے جسکو ناظرین پڑہکر خود سمجہہ لین گے -

اشعار

لحاظكم تجرحنا في الحشا	ولحظنا يجرحكم في الخدود
جرح بجرح فاجعلوا ذا بذا	فما الذي اوجب جرح الصدود

ام حکیم البیضاء - حضرت عبدالمطلب کی صاحبزادی تہین - آپ کا بدن نہایت چمکیلا اور سڈول تہا - عرب کے لوگ آپکے جسم کو بیضاء اور قبیہ الدیباج کہا کرتے تہے آپکی طبیعت نہایت ناظم واقع ہوئی تہی - اور نہایت قادر الکلام تہین - اپنے باپکے مرثیے

مین جو اونھون نے اشعار لکھے ہین اونمین سے چند یہان لکھے جاتے ہین۔

اشعار

الا یا عین جودی و استھلی	و بکی ذا الندی و المکرمات
الا یا عین ویحک اسعدینی	بدمع من دموع ھاطلات
و بکی خیر من رکب المطایا	اباک الخیر تیار الفرات
طویل الباع شیبۃ ذا المعالی	کریم الخیم محمود الحیاۃ
وصولا للقرابۃ ھبرزیا	وغیثا فی السنین الممحلات
ولیثا حین تشتجر العوالی	تروق لہ عیون الناظرات
عقیل بنی کنانہ و المرجی	اذا ما الدھر اقبل بالھنات
ومفزعھا اذا ما ھاج ھیج	بداھیۃ خصیم المعضلات
فبکیہ ولا تسمی لحزن	و ابکی ما بقیت الباکیات

ام الدرداء - نبی اکرم صلعم سے اس عورت نے بہت سی حدیثین سُنی تہین اور نیز اپنے شوہر سے جسکا نام عمیر تہا (یہ شخص بہت بڑا حکیم تہا) حضرت رسول خدا فرمایا کرتے تہے کہ عمیر ہماری امت کا حکیم ہے۔ ابن کثیر لکھتے ہین کہ ام الدرداء بڑی فاضلہ و قابلہ تہی

ام رعلۃ القشیریہ - یہ عورت نہایت فصیح اور موزون طبیعت کی تہی۔ خوش بیانی اوسکی مشہور ہے۔ امام مستغفری نے اسکو صحابیہ مین لکھا ہے۔ حضرت نبوی کی رحلت کے بعد یہ عورت حسنین علیہما السلام کو گود مین لیے مدینے کی گلیون مین پہرا کرتی تہی اور بہت رویا کرتی تہی۔ ایک دفعہ ان دونون بچون کو گود مین لیے ہوئے حضرت فاطمہ کے گہر مین داخل ہوئی اور یہ شعر جو اوسکی خاص تصنیف تہی پڑہا ؎

یا دار فاطمۃ المعمور ساحتھا	ھیجت لی حزنا حیث من دام

ام عقیل - حضرت عقیل بن ابیطالب کی مان تہین۔ نحوی کتابون مین جو کان ک

باب مین یہ شعر جو درج ہے انہین کا ہے ؎

انت تکون ماجد نبیل	اذا تھب شمال بلیل

جسوقت عقیل رویا کرتے تہے اُسوقت اُنکی مان یہ شعر پڑہا کرتی تہین۔

ام العلا - خاص اندلس کا ایک بڑا تاجر تہا جسکی بیٹی تہی۔ تاجر کا نام یوسف تہا یہ عورت صاحب طبع تہی۔ ادبیات مین عالم مانی گئی ہے۔ سنہ ھ ہجری مین یہ عورت زندہ تہی۔ وادی الحجارہ مین پیدا ہوئی تہی اسکی فطانت اور فصاحت بہت مشہور ہے۔ صاحب نفح الطیب مین اوسکے یہ اشعار لکہے ہوئے ہین۔

اشعار

کل ما یصدر عنکم حسن	و بعلیا کم تحلی الزمن
تعطف العین علی منظرکم	و بذکرا کم تلذ الاذن
من یعیش دونکم فی عمرہ	فہو فی نیل الامانی یغبن

ام النساء - عبدالمومن جو ایک بہت بڑا تاجر تہا اوسکی لڑکی تہی۔ فارس مین اسکی تجارت کا مال بہت جاتا تہا۔ ام النسا رکی طبیعت نہایت موزون واقع ہوئی تہی۔ اسکی کلام مین نہایت آبداری اور فصاحت تہی۔ مسامرات محی الدین مین اسکا پورا قصیدہ لکہاہے۔ غالباً کسی کی فتح یا غلبہ مین یہ قصیدہ لکہا گیا ہے۔ کیونکہ ممدوح کی مدح اور شجاعت کا حال بہت کچھ لکہاہے۔ تین شعر یہان بہی نقل کیئے جاتے ہین۔

اشعار

جاء البشیر بوعد کان منتظر	فاصبح الحق ما فی صفوۃ کدر
من خیرھا دخلا بالھدی یا مرنا	و فی و امرہ التسدید والنظر
لبث اذا اقتحم الابطال حومۃ	یغنی الکتاب لا یبقی ولا یذر

امام سیوطی لکہتے ہین کہ مین نے جمال الدین یوسف حنفیہ حافظ بن حجر عسقلانی کے خط

مین دیکھا ہے کہ اس شعر کو ام ہانی مریم نے چند شعر مین شرح کے ساتھہ لکھا ہی شعر

اذا کنت لا تدری و غیرک لا یدری	اذا جن لیل هل تعیش الی الفجر

یہ اشعار ام ہانی کے ہین۔

اشعار

فکن حامد الله شاکر فضله	علی سائر الاحوال فی السر والجهر
وکن ساجد الله ما دامت قادرا	لعلک تحظی بالسیادة والفخر
فیا ایها الانسان لانک جاهلا	واعلم بان الله هو الکاشف الضر
حلیم کریم خالق الخلق کلهم	ورازقهم من غیر مل ولا ضجر
وصل علی المختار اشرف خلقه	علیه سلام الله فی اللیل والفجر

ام الہناء۔ قاضی ابو محمد عبد الحق بن عطیہ اندلسی کی لڑکی تھی۔ طبیعت مین بلا کا زور تہا۔ فی البدیہہ بہت کہا کرتی تھی۔ ادبیات سے ماہر تھی۔ ایک نقل فی البدیہہ شعر کہنے کی مشہور ہے۔ اسکے باپ قاضی ابو محمد جسوقت کسی عہدی پر مامور ہوئے اور جس شہر مین مامور ہو کر جانے کو تھے وہ وطن سے بہت دور تہا۔ اپنے اہل و عیال کو وطن ہی مین چہوڑنے کا ارادہ تہا اسوجہہ سے گریہ کنان گہر مین داخل ہوئے ام الہناء نے یہ حالت اپنے پدر بزرگوار کی دیکھی اور فوراً یہ شعر موزون کیا شعر

یا عین صار الدمع عندک عادة	تبکین فی فرح و فی احزان

صاحب نفح الطیب نے اس حکایت کو لکہا ہے۔

ام الہیثم۔ ابن حجر عسقلانی۔ اصابہ مین لکھتے ہین کہ یہ عورت صحابیہ مین سی تہی۔ اپنی شوخ اور چلبلی طبیعت کی وجہہ سے نہایت فصیح شعر کہا کرتی تہی۔ امامہ بنت ابی العاص کے دوسرے شوہر مغیرہ بن نوفل کے مرثیہ مین یہ دو شعر لکہے مین اشعار

اشاب ذوابتی واذل رکنی	امامته حین فارقت القرینا

تطیف بہ حاجتہا الیہم	ولما استیاست فعت رنینا

اسیمہ بنت عبدالمطلب - یہ اونھین عورتون مین سے ایک عورت ہے جنھون نے اپنے باپ کی فرمایش سے قبل اوسکی موت کے مرثیے کہے تہے - فی البدیہ اشعار لکھنے نے اوسکو بہت مشہور کردیا تہا - اسنے بھی فوراً اپنے باپ کا مرثیہ اُسکے جیتے جی اوسیکی فرمایش سے تیار کیا تہا وہ لکھتی ہے -

اشعار

الا ہلک الراعی العشیرۃ ذوالفقد	وساقی الحجیج والمحامی عن المجد
ومن یالف الضیف الغریب بیوتہ	ذا ما سماء الناس تبخل بالرعد
کسبت ولیدا خیر ما یکسب الفتی	فلم تنفک تزداد یا شیبۃ الحمد
ابو الحارث الفیاض خلی مکانہ	ولا تبعدن فکل حی الی بعد
فانی لباک ما بقیت وموجع	وکان لہ اہلا لما کان من وجد
سقاک ولی الناس فی القبر ممطر	وسوف ابکیہ وان کان فی اللحد
فقد کان زینا للعشیرۃ کلہا	وکان حمیدا حیثما کان من حمد

آغا بیگم - یہ عورت بہت بڑی شاعرہ تہی - اسکا حسب و نسب مشہور ہے - اسمین جلالت اور اقتدار بہت پایا جاتا تہا - شاعرون پر نہایت مہربانی کیا کرتی تہی - بہت سے شاعر اسکے یہان نوکر تہے - انکو انعام و اکرام سے سرفراز کیا کرتی تہی اس عورت کا یہ شعر مشہور ہے -

آہ ازان دامی کہ دارد رشتۂ جان تاب ازو	وای ازان لعلی کہ ہردم میخورم خوناب ازو

آغا بیگم - محمد خان ترکمانی کی دختر نیک اختر تھی - اسکی طبیعت بھی نہایت موزون واقع ہوئی تہی - اسکا یہ شعر مشہور ہے -

ز ہشیاران عالم ہر کرا دیدم غمی دارد	دلا دیوانہ شو دیوانگی ہم عالمی دارد

آغا دوست - یہ عورت ادب مین کامل تھی - اسکی طبیعت مین بھی ایک قسم کی موزونیت تھی - اسکا یہہ شعر مشہور ہے ؎

ہر کجا آن سہ باین زلف پریشان بگذرد	ہر کہ بیند کفر زلف او ز ایمان بگذرد

آرزوی - یہ عورت سمرقند کی رہنے والی تھی - اسکا کلام نہایت دلپسند ہی اسکی یادگار اوسکے یہ دو مطلع ہین ؎

شدیم خاک رہت گر بدرد ما نرسی	چنان رویم کہ دیگر بگرد ما نرسی

ولہا

ماند داغ عشق او بر جانم از ہر آرزو	آرزو سوزست عشق من سراسر آرزو

آقا دوست ثانی - درویش قیام کی لڑکی تھی - علم عروض مین اسکو پوری دستگاہ حاصل تھی - اسکے یہ چند اشعار مشہور ہین -

اشعار

ہر کجا آن سہ بآن زلف پریشان بگذرد	ہر کہ کفر زلف وبیند ز ایمان بگذرد
ای محبان بو العجب رونیست در عاشقی	ہر کہ دامنگیر واین ردش ز درمان بگذرد
ہر کہ عاشق شد از دیگر سر و سامان مجو	ز انکہ عاشق ترک سر گوید ز سامان بگذرد
در فراقش دوستی گیرد چو ابر نو بہار	گریہ زارش چو بیند ابر گریان بگذرد

ام زینب فاطمہ - عباس کی لڑکی - بغداد اسکا وطن تہا - علم فقہ مین کامل دستگاہ رکہتی تھی - یہ اپنے وعظ و پند سے لوگون کو مستفید کیا کرتی تہی - نہایت عابدہ اور زاہدہ تہی - مصری اور دمشقی عورتین اس سے استفادہ حاصل کرنیکو حاضر رہا کرتی تہین ۷۹۴ھ سنہ ہجری مین اوسکا انتقال خاص بغداد مین ہوا -

اقبال بیگم - یہ عورت حیدر آباد کی رہنے والی ہی - بڑی صاحب لیاقت معلوم ہوتی ہے - اسکی تعلیم کا حال دراندازہ اسکے ایک مضمون سے ہو - نومبر ۹۶ سنہ ع کی پیسہ اخبار

مین شائع ہوا تہا معلوم ہوسکتا ہے اور وہ مضمون پردی کی فضیلت پر لکہا تہا جو ناظرین کے سامنے پیش کیا جاتا ہے۔

پردی کی فضیلت

اخلاقی مضامین۔ تمدنی داستانین۔ تعلیم نسوان کے رسالے بہت لکہے گئے اور لکہے جاوینگے۔ مین چاہتی ہون کہ ایسا مضمون لکہا جاوی جو میری بہنون کیواسطے ایک دستور العمل سمجہا جاوے۔ مین اس مضمون مین صرف خیالات ہی نہین ظاہر کرون گی بلکہ حکمای بالغ نظر کے اقوال ونصائح کو جو میری نظر سے گذرے ہین۔ برمحل تمثیل کے طور پر بیان کرونگی۔ مین آجکل اخبارون مین پردے کی نسبت مضامین وغیرہ دیکہتی ہون۔ مناسب سمجہا گیا کہ پردے کی نسبت کچہہ لکہا جاوے۔ میری راے ناقص مین اسلامی بہنون کیواسطے پردے کا ہونا عین رحمت الٰہی ہے۔

بعض آزادی پسند اور نئی روشنی والون نے جو یہ راے قائم کی ہے کہ موجودہ پردہ شرعی پردہ نہین ہے محض غلط ہے۔ ہمارے ہادی کامل ورہنما ہوس اکبر نے اسلام کی مستورات کیواسطے پردے کی نسبت جسطرح حکم فرمایا ہے وہ عین مصلحت ہے۔

”فعل الحکیم لا یخلو عن الحکمۃ“۔

ہمارے شافع محشر پیغمبر عرب کو جو کچہہ اپنی امت سے محبت تہی وہ بیان کی محتاج نہین مین نہین خیال کرسکتی کہ اونہون نے اپنی پیاری امت کی دوسری قومونکیطرح بی پردگی کو پردہ تجویز کیا ہو۔ دوسری قومونکی عورات کی آزادی کے نتیجے جو روز بروز ظاہر ہورہے ہین وہی غیرتمند ونکو تازیانے کا کام دیسکتے ہین۔ اور بجاے ایک تمدنی حالت کے مثال ہی بیان کرتی ہون جو ایک صاحبدل یا کسی فلاسفر کا قول ہے اس سے صاف پایا جاتا ہے کہ بزرگان دین نے پردے کو مستورات اسلام کیواسطے رحمت الٰہی خیال کیا ہے۔ اور یہ ممکن نہین کہ ہادیان بالغ نظر اس مخبر صادق سلطان الانبیا

کے احکام کے قدم بقدم نہ چلتے ہون - اور وہ قول یہ ہے

لقمہ کہ سرپوش نہ بروے بود	از مگس و مور امان کے بود
شب چو نہ بندی سر دیگ نعیم	گربہ و سگ را ز ملامت چہ بیم

یعنی ایک خوان مین طرح طرح کی نعمتین ہین - اگر اوسکے اوپر سرپوش نہو تو ممکن نہین کہ مکھیون اور چینٹیون سے وہ کسی طرح محفوظ رہ سکے - اور اگر رات کو ایک دیگ زردہ یا پلاؤ کی پکا کر یونہی غفلت سے رکہدیجاوے - اوسکا مُنہ نہ ڈہانپا جاوے یعنی اوسکی حفاظت نہ کیجاوے تو کتا اور بلی وغیرہ قابل ملامت نہین ٹھیر سکتے - ملامت کے قابل وہی شخص ہو سکتا ہے جسنے اوس دیگ کو حفاظت سے نہین رکہا - یہی تمثیل پردے کی نسبت صادق آتی ہے - اسلام کے سوای دوسری قومون کی عورات کے خوان عصمت پر ہوس کے سگ و گربہ کی دست اندازیان اظہر من الشمس ہین - در اصل قانون فطرت بہی اسی کا مقتضی ہی کہ مرد باہر پھر کے کما کر بیوی کے پاس لاوے - اور بیوی گھر مین خانہ داری کے انتظام مین مصروف رہے - ہان اگر بیوی بہی خاوند کی طرح باہر ہی پھرتی رہے گی تو گھر کے انتظام کا حال ناگفتہ بہ ہے - ایک عالی دماغ فلاسفر نے کیسا اچہا لکہا ہے

زن ز شوہر چو خرج فزون باشد	حال سامان خانہ چون باشد
زن کہ در کوچہا بہ تگ باشد	زن نباشد کہ بادہ سگ باشد

سلے میری بہنو - مین تمہارے سمجہنے کیواسطے ایک آسان تمثیل لاتی ہون جس سے تمہاری سمجہہ مین بخوبی آجائیگا - کہ عورتون کا گھر مین بیٹھنا ہی راحت و آسایش کا باعث ہے اور مردون کا باہر پھرنا اور کاروبار مین مصروف رہنا ہی قانون قدرت کے مطابق ہے - دیکھو اگر چکی کے دونون پتھر جنبش کرین تو آٹا کیسے پیسا جائیگا - اسیطرح اگر عورت مرد دونون باہر پھرتے رہین تو گھر کا انتظام کیونکر ہوگا

مرد شتابان بہ وزن بادرنگ
آرد نخیزد چو نجنبد دو سنگ

اے میری بہنو۔ تم اچھی طرح جانتی ہو کہ سرمہ آنکھون کیواسطے بنا ہی اور سفیدہ[۱] ہمارے مُنہ کیواسطے۔ اگر اسکے برعکس اِن دونون چیزون کا استعمال کیا جاوے یعنی سرمہ مُنہ پر ملا جاوے اور سفیدہ آنکھون مین لگایا جاوے تو ہم کو کیا کہا جاویگا خود ظاہر ہے کہ سرمہ مُنہ پر ملا تو مُنہ کالا ہوا۔ سفیدہ آنکھون کے استعمال مین لایا گیا تو آنکھین اندھی ہوگئین۔ پس ہمکو بمقتضائے عصمت اوس حکیم کی نصیحت کو جس نے عصمت کے بارے مین تمثیل کے طور پر اپنی پیاری دختر کو دی ہے عمل کرنا چاہیے۔ وہ نظم کے پیرایہ مین نصیحت یہ ہی ؎

دُر خور آن زن کہ درش گشت لئیم
سرمہ بروست و سفیدہ بچشم

اے میری بہنو۔ میرا یہ مدعا نہین ہے کہ محض گھر کے اندر ہی بیٹھے رہنے اور والدین یا خاوند کی پاسبانی سے ہی عصمت قائم رہ سکتی ہے۔ نہین نہین ہرگز میرا یہ خیال نہین ہی۔ بلکہ مین یہ کہتی ہون کہ پردے کے ساتھ عورت کو خود اپنی عصمت قائم رکھنے کا اختیار ہی۔ اگر وہ چاہے تو گوشے مین بھی گنجینۂ عصمت کو رائگان کھوسکتی ہی۔ مثلاً ایک بکری بکریون کے گلّے سے نکلکر خود بھیڑیے کے پاس آجاوے تو اوس کتّے کا کیا قصور ہے جو اوس جگہہ کی پاسبانی کر رہا ہے اسی مضمون کو ایک پاک خیال حکیم نے نظم کیا ہے وہ یہ ہی ؎

بُز چو خود آید سوی گرگ از شبان
سگ چہ کند گرچہ بود پاسبان

اے میری بہنو۔ بادام کی آنکھہ جب بے پردہ ہوگئی تو اوس کا مغز ہر ایک منہ کا لقمہ ہوگیا اور جب تک غنچون کی گرہ نہین کھُلی اوسکے گریبان مین ہوا نہین جاسکتی۔

۱؎ غالباً غازہ یعنی پوڈر سے مراد ہے ۱۲۔

عقلمندون کے واسطے یہی ایک تمثیل پردی کی نسبت کافی ہے۔
العاقل تکفیہ الاشارۃ

اقبال بیگم ترک
تخلص پردہ نشین
مقیم۔حیدرآباددکن۔

حرف الباء

بثینہ۔قبیلہ عذرہ مین سے تہی۔ اسکی مان کا نام حیا تھا اور اسکے باپ کا نام یحیی۔ شعرگوئی مین کامل دستگاہ حاصل تہی۔ تزمین الاسواق مین داؤد انطاکی نے لکہا ہے کہ اسکے ایک دوست کا نام جمیل تہا۔ جو نہایت خوشرو اور صاحب علم تہا۔ بثینہ کو جسوقت اسکے انتقال کی خبر پہونچی تو اوسوقت بہت آبدیدہ ہوئی اور دو شعر کہے جو لکہے جاتے ہین۔

اشعار

وان سلوی عن جمیل لساعۃ	من الدہر ما حانت ولاحان حینہا
سواء علینا یا جمیل بن معمر	اذمت باساء الحیاۃ ولینہا

یہ دونون شعر کہکر زمین پر گر پڑی اور دیر تک اوس پر غشی کیحالت طاری رہی۔
بثینہ۔اسکے باپ کا نام معتمد تھا اور مان کا نام رمیکیہ تھا اور کبھی کبھی اعتماد کی نام سے بھی پکاری جاتی تھی۔ اسکے خاندان مین پشتینی فاضل و ظریف گذرے ہین۔ اسکے دادا کا نام عباد المعتضد اور نانا کا نام ابوالقاسم قاضی محمد تہا۔ اسکی تین بہائی تھے جنکا نام رشید۔ مامون۔ راضی تہا۔ بثینہ ایک مرتبہ

قید کردی گئی۔ قید کی حالت مین اوس نے اپنے مان باپ کے نام ایک منظوم خط لکھا جو یہان نقل کیا جاتا ہے

اشعار

اسمع کلامی واستمع لمقالتی	فهی السلوك بدت من الاجیاد
لا تنکروا انی سبیت وانتی	بنت الملك من بنی عباد
ملك عظیم قد تولی عصره	وکذا الزمان یؤول للافساد
لما اراد الله فرقة شملنا	واذاقنا طعم الاسی من زاد
قام النفاق علی ابی فی ملکه	فدنی الفراق ولم یکن بمراد
فخرجت هاربة فحازنی امرؤ	لم یات فی اعماله بسداد
اذ باعنی بیع العبید فضمنی	من صاننی الا من الانکاد
وارادنی لنکاح نجل طاهر	حسن الخلائق من بنی الانجاد
ومضی الیك یسوم رایك فی الرضا	ولانت تنظر فی طریق رشاد
فعساك یا ابتی تعرفنی به	ان کان ممن یرتجی لوداد
وعسی رمیکیة الملوك بفضلها	تدعو لنا بالیمن والاسعاد

اسکے والدین نے جسوقت یہ خط پایا تو خدا کا شکر ادا کیا۔ اور اس خط کے جواب مین معتمد نے جو خط لکھا تھا اوسمین ایک شعر نصیحت آمیز بھی تھا جو یہ ہے

بنتی کونی به برة	فقد قضی الدهر باسعافه

بدویہ ۔ اسکے شوہر کا نام آمر باحکام اللہ تھا۔ جو خلفای فاطمی مین سے تھا اور مصر مین سلطنت کرتا تھا۔ اسکے شوہر نے ایک عالیشان قصر جسکا نام ہودج تھا۔ رود نیل پر تیار کرایا تھا۔ کیونکہ اسکی طبیعت تنگ مکانات سے نفرت کرتی تھی۔ ہمیشہ فراخی اور وسعت پسند طبیعت یہ چاہا کرتی تھی کہ کھلا ہوا میدان ہو اور اوسمین عالیشان

عمارت جسکو انہار و آبشار چارونطرف سے گھیرے ہوئے ہون - چونکہ قدرتی طور پر
صباحت اور ملاحت کا حصہ اوسمین موجو تہا - اسوجہ سے اوسنے رود نیل کے قصر
مین جو ہودج کے نام سے موسوم تہا رہنا اختیار کیا - چونکہ بدویّہ تعلیم یافتہ بہی تہی -
اسلئے فصاحت اور بلاغت مین بہی اوسکو حصّہ ملا تہا - شعر خوب کہتی تہی -
برہ - بنت عبد المطلب - اسکی بہن کا نام اروی تہا - یہ وہی عورت ہی جسنے اپنے
باپکے انتقال کے قبل مگر اوسکے حکم سے مرثیہ کہا تہا جسکے چند شعر یہان لکھی جاتی ہین

اشعار

اعینی جودا بدمع درر ۔۔۔ علی طیب الخیم والمعتصر
علی ماجد الجدّ داری الزناد ۔۔۔ جمیل المحیا عظیم الخطر
علی شیبتہ الحمد ذی المکرمات ۔۔۔ وذی المجد والعز والمفتخر
وذی الحلم والفضل فی النائبات ۔۔۔ کثیر المکارم جم الفخر
لہ فضل مجد علی قومہ ۔۔۔ مغیر یلوح کضوء القمر
اتتہ المنایا فلم تشوہ ۔۔۔ بصرف اللّیالی وریب القدر

بنان - ابن ظافر لکہتا ہے کہ بنان اور فضل الشاعرہ خلیفہ متوکل کے زمانے مین تہین
ایک مرتبہ خلیفہ متوکل نے ان دونون عورتون کے بازو پکڑکے یہ شعر پڑہا ؎

تعلمت اسباب الرضا خوف سخطہ ۔۔۔ وعلمہ حبی لہ کیف یغضب

اور کہا کہ تم دونون ایک ایک شعر کہو جو میرے شعر سے مناسبت رکہتے ہون -
فضل نے فی البدیہہ یہ شعر کہا ؎

یصد وادنو بالمودۃ جاھدًا ۔۔۔ ویبعد عنی بالوصال واقرب

بنان نے بہی فورًا یہ شعر تصنیف کرکے سنایا ؎

وعندی لہ العتبی علی کل حالۃ ۔۔۔ فما منہ لی بد ولا عنہ مذہب

ناظرین ان اشعار کی مناسبت کو خود ملاحظہ کر سکتے ہین۔

بی بی بیدلی - شیخ عبداللہ دیوانہ کی حقیقی بہن تہی۔ ہرات اسکا وطن تہا۔ علی حزین نے اسکا ذکر کیا ہی اسکا علم وفضل اگرچہ کامل نہ تہا۔ مگر کتب بینی کی سیر بڑھی ہوئی تھی۔ اسکا یہ شعر مشہور ہے ؎

روم بباغ و ز نرگس دو دیدہ وام کنم	کہ تا نظارۂ آن سرو خوش خرام کنم

بکارۃ الہلالیہ - یہ عورت فصاحت مین مشہور ہے۔ اسکے دو شعر مشہور ہین۔

اشعار

یازید دونك فاحتفر من دارنا	سیفا حساما فی التراب دفینا
قد کنت ادخرہ لیوم کریہۃ	فالیوم ابرزہ الزمان مصونا

حرف التاء

تقیہ الارمنازیہ - محرم ۵۰۵ ہجری مین پیدا ہوئی تہی۔ دمشق اسکا خاص وطن تہا اسکے باپ کا نام ابوالفرح تہا جسکا انتقال ۵۰۹ ہجری مین ہوا تہا۔ اسکے دادا کا نام علی بن عبدالسلام تہا۔ اسکے لڑکے کا نام ابوالحسن علی تہا اسکا انتقال صفر کے مہینے مین ۵۷۹ ہجری مین بمقام اسکندریہ ہوا۔

یہ عورت نہایت قابل تہی۔ علم وفضل مین کامل تہی۔ اسکی فصاحت کی بہت شہرت تہی۔ تقیہ نے ابو الطاہر السلفی کی جو اسکندریہ کا رہنے والا تہا نوکری کر لی تہی ابو طاہر کے پانون مین ایک مرتبہ چوٹ لگ گئی۔ اور اوسکی چہوٹی بہن نے اپنے دوپٹہ مین سے تہوڑا کپڑا پہاڑ کر ابو طاہر کے پانون مین باندہ دیا۔ تقیہ نے اسکے پانون کو دیکہکر فوراً یہ دو شعر کہے ؎

لو وجدت السبیل جدت بخدی	عوضا عن خمار تلك الولیدۃ
کیف بی ان اقبل الیوم رجلا	سلکت دہرہا الطریق الحمیدۃ

قاضی شمس الدین بن خلکان نے بیان کیا ہی کہ تقیہ نے ان شعرون کے مضمون کو ہارون بن یحیی المنجم سے اقتباس کیا ہے - ہارون کے شعر یہ ہین -

اشعار

کیف نال العثار من لم یزل	منه مقیما فی کل خطب جسیم
او ترقی الاذی الی قدم لم	تخط الا الی مقام کریم

تقیہ کے قصائد اور قطعات بہت کثرت سے ہین اور بہت آبدار فصیح ہین حافظ زکی الدین ابو محمد عبدالعظیم المنذری نے بیان کیا ہی کہ تقیہ نے ایک قصیدہ خمریہ کے نام سے ملک مظفر تقی الدین عمر برادرزادہ سلطان صلاح الدین ایوبی کی شان مین لکھا تھا جسمین اوسکی بزم کی آرایش کا حال نہایت خوش اسلوبی سے بیان کیا تھا شراب کا دور - لہو ولعب - شوکت وجلال بزم ان سب کا ذکر نہایت مبالغہ سے کیا تھا - ملک تقی الدین نے سُنکر کہا کہ یہ سب باتین لڑکپن کی تھین جو بالکل ترک کردی گئین - تقیہ نے تقی کی ان باتون کو سُنا اور ایک دوسرا قصیدہ رزمیہ کہا جسمین دقائق امور حربیہ کو نہایت واضح طور سے بیان کیا تھا - نکات شعری اور سخن سرائی اعلی درجے کی خرچ کی تہی - جس سے اوسکے ماہر فن ہونے کا پورا اندازہ ہو سکتا ہے - ابو طاہر السلفی (جسکے پاس تقیہ نے نوکری کر لی تہی) سے ابوالحجاج صاحب کتاب الف با جسکا عرف ابو الحسن علی بن حمدون تھا اور جو اسی عورت کا لڑکا تہا اسنے تحصیل علم کیا تہا - اس لڑکے نے اپنی مان کی فرمایش سے اوسکا یعنی اپنی مان کا مصنفہ دیوان) دیوان جمع کیا تہا - اور مان نے یہ حکم دیا تہا کہ تم اسکو پڑہا کرو - ہم اوسکے چند اشعار نذر ناظرین کرتے ہین جنکو تقیہ نے ایک قصیدے مین لکھا ہے -

اشعار

اعوامنا قد اشرقت ایامها	وعلی علی ظهر السماک خیامها
والزمن متبسم بنور اقاحه	لمابکی مزجا علیه غماها
والنرجس لعض الذی احداقه	ترنو فیفهم ما تقول خزامها
والورد یجلی وجنة محمرة	الخجل من فرط الحیاء لثامها
وشقائق النعمان وجناته	خالات مسد خالها رقامها

ذیل کے اشعار حافظ سلفی کی مدح مین ہین

یاصاح قم لسعادة قد اقبلت	وتنبهت لعدلکری نوامها
لما تجدد للفریض حسامها	فخر الائمة شیخها وھمامها
ارض العراق بفضله وشآمها	یاصاح قم لسعادة قد اقبلت
واجمع خواطرنا لنجلی فکرنا	مدح الامام علی الانام فریضة
الحافظ الخیر الذی شهدت له	ارض العراق بفضله وشآمها

تصویر ہندیہ :- صوبۂ بنگال کے مشہور شہر مرشد آباد کی رہنے والی تہی - اسکا اصلی نام بلقیس خانم تہا - تعلیم علوم سے آراستہ وپیراستہ تہی طبیعت مین موزونیت خدادا تہی - فارسی اور اردو دونون قسم کا کلام پایا جاتا ہے یہان ایک شعر ہدیۂ ناظرین کیا جاتا ہے - شعر

فتنہ زائی منت شناختہ ام	بدبلائی منت شناختہ ام

میر جوشش عظیم آبادی بیان کرتے ہین کہ ایک مرتبہ تصویر اپنی شیرخوارہ لڑکی کو کندہے پر ڈالے ہوئے انگنائی مین لیے کہڑی تہی - کہ اتنے مین میر عشقی جو اوسکے شوہر تہے باہر سے آئے - لڑکے کو کندھے پر پڑا ہوا دیکھکر فوراً یہ مصرعہ پڑھا ع دیدم بدوش آمنہ طفلے پری نژادے - تصویر اوسکی بی بی تو بہی فی البدیہہ یہ مصرعہ پڑہا - ع چون مصرعے کہ باشد پیوند مستزادے

تحفۂ عربیہ :- یہ عورت عارف اللہ تھین اور ہمیشہ عشق حقیقی مین بیخود رہا کرتی تھین - نفحات الانس مین اس عورت کا کچھہ ذکر ہوا ہے - یہ عورت اپنے عشق حقیقی کی بیخودی مین آہ وزاری کیا کرتی تھی - کھانا پینا بالکل ترک کر دیا تھا - اسکے گھر کے لوگ اکثر اس سے بیزار اور پریشان رہا کرتے تھے - آخر کار اسکو مجنون سمجھکر پاگل خانہ مین بھیجدیا - سری سقطی جو ایک بہت بڑے بزرگ گذرے ہین - اونھون نے پاگل خانے سے اس عورت کو نکلوایا - یہ عورت اعلیٰ درجے کی تعلیم یافتہ تھی - اسکی وہ نظم جسکو اوسنے پاگل خانے مین تصنیف کیا تہا ہدیۂ ناظرین کی جاتی ہے -

اشعار

معشر الناس ما جننت ولیکن	انا سکرانة وقلبي صیاح
اغللتم یدي ولمات ذنبًا	فیرجھدي في حبه وتفضاح
انا مفتونة بحب حبیبًا	لست ابغي عن بابه منزاح
فصلاحم الذي زعمتم فسادي	وفسادالذي زعمتم صلاح
ماعلی من احب مولی الموالی	وارتضاه لنفسه من جناح

حرف الثاء

ثریا :- یہ عورت اعلیٰ درجے کی تعلیم یافتہ تھی - اسکے باپ کا نام عبداللہ بن الحرث بن امیۃ الاصغر ہے - اسکے شوہر کا نام عبد العزیز تھا - ایک مرتبہ عمر بن ابی ربیعۃ المخزومی نے جو مشہور متقدمین شعراے اسلام سے تھا ذیل کے چند شعر ثریا کے پاس لکھکر بھیجے -

اشعار

کتبت الیك من بلدی	کتاب مؤلہ کمد

كئيب واكف العينين	بالحسرات منفرد
يوزقه لهيب الشوق	بين النحر والكبد
فيمسك قلبه بيد	ويمسح عينيه بيد

ثریا نے جب مذکورہ ابیات کو دیکھا اور پڑھا بہت روئی اور یہہ شعر پڑھ کے چار شعروں مین اوسکو جواب لکھہ بھیجا۔

شعر

بنفسي من لا يستقل بنفسه	ومن هو ان لم يحفظ الله ضائع

ثریا نے جو اشعار جواب میں لکھے وہ یہہ ہیں۔

اشعار

اتاني كتاب لم ير الناس مثله	امد بكافور ومسك وعنبر
وقرطاس قوهية ورباطه	بعقد من الياقوت صاف وجوهر
وفي صدره مني اليك تحية	لقد طال تهيامي بكم وتذكري
وعنوانه من مستهام فواده	الى هائم صب من الحزن مسعر

حرف الجیم

جانان بیگم:۔ عبدالرحیم خانخانان کی لڑکی تھی۔ علم و فضل مین اس عورت کو اعلیٰ درجہ حاصل تہا۔ بہت سے علوم سے واقف تھی۔ اس نیکبخت اور سعادتمند عورت نے قرآن شریف کی تفسیر بہی لکھی ہے۔ جہانگیر نے اسکے ظاہری اور باطنی حسن کی شہرت سنکر اوس سے نکاح کی درخواست کی۔ اس باعصمت عورت نے اپنے گیسو کاٹ کے اور دانتون کو توڑ کے جہانگیر کے پاس بھیجدیا۔ جہانگیر اوسکی اس حرکت کو عفت کی دلیل سمجہا اور بہت تعریف کی۔ اس عورت کا یہ شعر مشہور ہے جو ہدیۂ ناظرین ہے۔

شعر

عاشق زخلق عشق تو پنہان چسان کند	پیدا است از دو چشم ترش خون گریستن

جمیلہ :- ناصر الدولہ جو ملوک بنی حمدان سے تہا اوسکی دختر نیک اختر تہی۔ اس عورت کے جود و سخا کی بہت تعریف کیجاتی ہے۔ ۳۶۶ھ مین جبکہ زیارت مکہ معظمہ کو گئی تہی اوسوقت اوسنے بہت سی نیکیان اپنے لیے جمع کرلین۔ سنہ مذکور مین جتنے حاجی تھے اونکو شربت پلایا۔ خانہ کعبہ کے لیے دو ہزار دینار نذر کیے۔ تین ہزار غلامون کو آزاد کیا۔ اور پانسو پیادون کو جُلتے عطا کیے۔ بہرحال اسقدر عطیات وافر عنایات کیے کہ ام جعفر زبیدہ کا سفر حج لوگ بھول گئے۔ اور زبیدہ کی جگہہ جود و سخا مین جمیلہ کا نام مشہور ہوگیا۔ یہہ عورت تعلیم یافتہ توضرور تہی۔ یہ سب علم ہی کے کرشمے ہین جو دکہلائے گئے۔ یہہ کچہہ ضروری امر نہین ہے کہ ہر پڑہا لکھا کچہہ تصنیف کیا کرے۔ خصوصًا اگلے زمانے کی عورات۔

جمیلہ اصفہانی :- یہہ عورت خوش سیرت خوبصورت خوش طبع اور نہایت شیرین زبان تہی۔ اسکے علاوہ اسنے ایک بہت بڑا یہہ کام کیا ہے کہ ہندوستان کی سیاحت نہایت ادق نظر سے کی تہی اور یہان کے بہت سے حالات دریافت کیے تھے۔ علم سے آراستہ تہی اسکا یہہ شعر مشہور ہے۔

شعر

جز خار غم نرست زگلزار بخت ما	آن ہم خلید در جگر لخت لخت ما

جہان خانم :- یہہ عورت ناصر الدین شاہ قاچار کی مادر مکرمہ تہی اس خاتون نے اپنی مملکت مین جس حسن تدبیر سے بغیر کسی مشیر او رمعین کے انتظام کیا وہ قابل تعریف ہے اوسکی صائب رائی اور متانت فکر اور عقل کی تیزی نے سلطنت مین وہ قوت پیدا کردی تہی جیسی کہ چاہیے

اشعار

بنان وکلکش اندر قلم زده تحریر	دبیر بود نه منشی نه پس چه سلطان بود
سطور خامه او بر بیاض صفحه عدل	بخط ریحان منشور حکم و فرمان بود

اس خاتون کی نسبت ایک ایرانی کے قلم سے جو الفاظ نکلے ہین اونکو ہم بعینہ یہان
نقل کرتے ہین - وہ لکھتا ہے کہ "فی الحقیقہ صفحات خط آن مفخمہ معظمہ طاب ثراہا
کہ ہر یک محض بذل عطیہ وعطاہای وظیفہ واعانت ملہوفین وتامین خائفین وحمایت
بضعفا ورعایت رعایا نگاشتہ شدہ قطعاتی ست کہ دارندگان شطری وسطری ازان
را از عقد مروارید گرامی تر دارند ووسیلہ افتخار ودودمان خود میشمارند وہمین کلک
بنان وتقریر وبیان ورای صائب وہوش ثاقب بود کہ پس از ارتحال شہریار
سرور ماضی محمد شاہ غازی انار اللہ برہانہ تفریق کلمہ از میان بزرگان ارکان
دولت ایران برداشت وبحکام ولایات وایالات ممالک محروسہ ارقام واحکام
نگاشت واعمال وعمال اقطار را در تحت نظم وانتظام گذاشت تا موکب منصور
اعلیحضرت صاحبقران از دارالسلطنہ تبریز بدارالخلافہ طہران شرف ورود ارزانی
فرمود وتخت کیان را بجلوس ہمیت مانوس مزین نمود وتفصیل این اجمال کہ محتوی
بر تسہیل ہزار اشکال ست تاریخی مبسوط میباشد کہ مورخین این دولت ابد آیت نگاشتہ اند
وبرای طالبین خیر وحافظین سیر گذاشتہ واگر ما بخواہیم تکرار وشرح آن گرائیم باید کہ
کتابی جداگانہ تالیف نمائیم وآن از تناسب ووضع این دفتر خارج گردد ومثنوی ہفتاد
من کاغذ شود پس ہمین قدر گوئیم این ملکہ معظمہ ایران کہ روانش در غرقاب جنان
بتسبیح وشادان باد دختر زادہ خاقان خلد آشیان فتحعلی شاہ فرزند امیر کبیر محمد قاسم
خان بن سلیمان خان اعتضاد الدولہ قاجار ووالدہ ماجدہ او خواہر بطنی حسین علی میرزای
فرمانفرما وحسن علی میرزای شجاع السلطنہ است در سال یکہزار ودویست

چهار هجری با-

شعر

که شاهی سپاهی بکردار اوست	محمد شه آن شاهِ درویش دوست

مزیت مزاجیت حاصل نمود و در مهام ملکی با مر اعلی بر نفوذ اوامر دولت افزود
و در هر مورد و موقع کمال کفایت و وفور درایت خود را اظهار فرمود و در سال هزار و
دویست و چهل و هفت در ششم ماه صفر المظفر وجود مسعود همایون اعلی حضرت خسرو صاحبقران
ناصر الدین شاه دام ملکه از بطن طاهر او باطن و ظاهر جهان را آرایش داد و در تمام عمر
شهریار سرور و در یک قسمت از عهد معدلت مهد خسروانه و منصور آن معظمه ملکی را بمهربانی
مادر بلکه خلقی را بکفالت پدر بود از صنایع عالیه در خط و نقاشی مهارتی بکمال داشت
و تفنن را آگاهی کمال دوز می میکرد که ارباب خبرت و سلیقه را بحیرت می آورد افسوس
که در سال هزار و دویست و نود هجری روز دوشنبه ششم ماه ربیع الثانی در آنوقت که
موکب مسعود خسروانی در اقلیم اروپا خاطر بیضا مظاهر همایونی را بکشف دقایق مشغول
میساخت ملکه معظمه روح الله روحها لوای عزیمت بهشت افراخت طایر روحش
در خلد برین سدره نشین شد و اگر تفقد اعلی حضرت شاهنشاه جمجاه که دوام عمر همایونش
اسباب رفاه ست مایهٔ تسلیت نبود گروهی انبوه بخاک سیاه می نشستند اما وزیر
مرحومه ستر کبری و مهد علیا نور الله مضجعها مرحوم شاهزادهٔ معظم علی قلی میرزا ابن
خاقان المغفور فتحعلی شاه الملقب باعتضاد السلطنة بود که علم و فضل و فهم و عقل و تجربه و
بصیرت بزرگ منشی و خبرت او آفاق را گرفته و صیت آن باصقاع و اقطاع رفته است
و از خصائص معظمه مرحومه رضوان الله علیها آنکه عقلی عامل و ذوقی سلیم و طبعی موزون
و استعدادی جامع و حذقی مفرط داشت و بر دانشمندان و کارآگاهان مملکت
وقعی کامل میگذاشت طبقات مردم را حسب المراتب شناسا بود و در عواقب کلیهٔ امور بینا تا ثر مرثیه اش

زیادہ از انکہ بشمار آید و ہوشمند اعداد آن را العدا دنماید نثرہا نوشتہ کہ بلآلی منثورہا ونظمہا کہ جو رسجای قلائد بر نحور فشاندازان جملہ است ۔ بیت

از مرد و زن آنکہ ہوشمند ست	اندر ہمہ حال سر بلند ست
بیدانش اگر زن ست اگر مرد	باشد بہ مثل چو خار بے ورد

اس تحریر سے معلوم ہوتا ہے کہ جہان خانم علاوہ ادب ۔ خوشخطی ۔ ہنر خانہ داری اور سینے پرونے کے علم سیاست مدن مین لائق اور رموز سلطنت سے بخوبی ماہر تھی ۔ یہ فارسی عبارت ۱۳۰۶ھ مین لکھی گئی تھی ۔ جبکہ ناصر الدین شاہ حیات تھے

جہان آرا بیگم :۔ شاہ جہان بادشاہ کی تیسری بیٹی تھی ۔ یکم ماہ صفر ۱۰۲۳ھ روز چہار شنبہ کو یہ خاتون ارجمند بانو بیگم کے بطن سے پیدا ہوئی ۔ ۲۷ محرم ۱۰۵۴ھ کو یکایک چراغ کی لو سے اسکے کپڑون مین آگ لگ گئی ۔ جسکی وجہہ سے اسکے بدن کا بہت ساحصہ جل گیا ۔ اس زمانے مین اسکا باپ دکن مین تہا ۔ ڈاکٹر بوٹن صاحب جو نہایت قابل اور تجربہ کار حکیم تھا ۔ اوسکو سورت سے بادشاہ نے طلب کیا اور جہان آرا کا معالجہ شروع کرایا ۔ چندہی روز مین اس خاتون کو آرام ہو گیا ۔ اسکی عوض مین سیدھے سادھے بادشاہ نے ڈاکٹر موصوف کی خواہش کے مطابق یہ حکم دیدیا کہ بنگالے مین تجارت کی کوٹھیان بنائے اور نہایت آزادی سے اپنی تجارت کو رونق دے ۔ حاجی محمد خان قدسی نے جہان آرا کے جلنے مین ایک قصیدہ لکھا تھا جسوقت وہ قصیدہ بادشاہ کی خدمت مین گذرا تو بادشاہ بہت خوش ہوا اور پانچہزار روپیہ اوس قصیدے کے صلے مین مرحمت کیا ۔ اوس قصیدے کا ایک شعر یہ ہے ۔

شعر

تا سرزدہ از شمع چنین بے ادبی	پروانہ ز عشق شمع راسوختہ است

مرزا محمد علی جسکا تخلص ماہر تھا اسنے ایک مختصر سی مثنوی جہان آرا کی شان
مین لکھی تہی - یہہ مثنوی عنایت خان کے توسط سے جو جہان آرا کا علوم و فنون
مین کامل اوستاد تھا جہان آرا کی خدمت مین پیش کی - جہان آرا نے اوسکو
تمام و کمال دیکھا - تمام مثنوی مین جو شعر اوسکو سب سے اعلی درجے کا معلوم ہوا
اور جس سے خوش ہوکر مبلغ پانسو روپے اوسکو عنایت کیے یہہ تھا -

شعر

بذاتِ او صفاتِ کردگار ست	کہ خود پنہان و فیضش آشکار ست

۳ - رمضان ۱۰۹۲ھ مین اس خاتون کا انتقال ہوا اور نظام الدین صاحب
کے روضے کے صحن مین اس خاتون نے اپنی زندگی مین مقبرہ تیار کرایا - لوح
مزار پر ایک یہہ شعر لکھا ہے -

شعر

بغیر سبزہ نپوشد کسے مزار مرا	کہ قبر پوشش غریبان ہمین گیاہ بس ست

اور یہہ نثر عبارت لکھی ہوئی ہے "هو الحی القیوم"-

جہان خاتون :- یہہ خاتون شیراز کی رہنے والی تھی - اپنے عصر مین
مین بڑی مالدار تھی - اپنے زمانے کے علوم و فنون سے بھی آراستہ و پیراستہ
معلوم ہوتی ہے - عبید زاکانی اکثر اس خاتون کے مکان پر آیا کرتے تھے
جنکا یہہ بہت احترام کیا کرتی تھی اسکے تمام کلام مین سے جو کچھہ ہمکو ملا ہے وہ
یہہ ایک شعر ہے -

شعر

معصو بیست کہ صورت نمی بیناؤ	ہر ذرہ ذرہ خاک آفتاب میباشد

حرف الحاء

جمیلہ :- یہہ خاتون اپنے علم وفضل کیوجہ سے ایک بہت بڑے رتبے پر پہونچ گئی تھی یعنی محدثات مین اسکا شمار کیا گیا ہے ۔ ابوسلمہ التبوذکی جیسا لائق شخص اسی خاتون کا شاگرد رشید تھا۔

حبیبہ :- عبدالعزیز العور کی لڑکی تھی علم وفضل کے علاوہ طبیعت مین خداداد موزونیت تھی چنانچہ اسکے چند اشعار دیوان حماسہ سے نقل کر کے ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہین۔

اشعار

الی الفتی یرتلکا فاقتی	انی ورب الراقصات الی منی
اولی علی ھلك الطعام الیه	ومی بھا جدی وعلمنی الی
حافظ حمیتك لا ابالك واحترز	فکسا منا سمھا النجیع الاسودی
بجنوب مکة ھدیھن مقلد	ابدا ولکنی ابین وانشد
نعفی الوعاء وکل نار ینفد	لا تخرقنه فارة اوجد جد

حبیبہ :- زین الدین عبدالرحمن ابن الامام جمال الدین ابی بکر محمد بن ابراہیم بن احمد بن عبدالرحمن بن اسمٰعیل بن المنصور المقدسی کی دختر نیک اختر تھین انکا بھی شمار محدثات مین کیا گیا ہے کسی زمانے مین یہہ محدثہ خاتون ام عبدالرحمن حبیبہ کے نام سے مشہور تھین اسناد حدیث اور تعداد روات مین ید طولےٰ تھا ذہانت کی ساتھ حافظہ بھی عجیب وغریب تھا۔ شیخ تقی الدین عبدالرحمن بن ابی فہم البلدانی اور خطیب مروان علم حدیث مین اس محدثہ کے استاد تھے اور مختلف علوم کو ابراہیم بن خلیل سے حاصل کیا تھا۔ سبط حافظ سلفی جو اسکندریہ کے مشہور اور معروف محدث تھے اور دیگر علما مثل ابراہیم ابی بکر الزعبی وفضل اللہ بن عبدالرزاق وغیرہ نے جو بغداد کے رہنے والے تھے علم حدیث کی اجازت دی تھی

عام طور سے یہ خاتون تقدس عصمت اور عفت مین مشہور تھی ۸۳۱ھ کے ماہ شعبان مین یہ محدثہ موت کے پنجے سے شیخ سکی صلاح الدین صفدی سے نے جو ۸۴۶ھ مین ایک مورخ گذرا ہی شاگرد الیہا کا حال اونکی اجازت سے اپنی کتاب عنوان النصر مین لکھا ہے۔

حبیبہ خانم :- اسکے باپ کا نام علی پاشا تھا۔ محمد ذہنی آفندی لکھتے مین کہ مین اور یہ خاتون ۱۲۶۲ھ مین پیدا ہوا تھا اس عورت کی شادی محمد افندی جو اسلام بول کے معزز خاندانون مین سے ایک شخص تھا ہوئی تھی۔ تعلیم یافتہ ہونے کی وجہ سے اسکا علم ادب بہت بڑھا ہوا تھا اور اسی وجہ سے اکثر اوقات نظم سے مشغلہ رکھتی تھی اسکے چند شعر جو ترکی زبان مین ہین ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہین۔

	اشعار	

حکردہ تیغ غمزک زخمی و ارکن اتمہ بیکانک	تیر ای قاشی بابی ارتق تیر دیر ترشہ غمزکانک
نگاہ مسنکہ جانا کرشنایان کو زدک اغیاری	یہ تو پارہ لراجدی درون تیغ ہجرانک
او غافل بیخبر نادان عدو یہ ہم اولشین	وصالکدن نزہی دو ایلدک شاد او لسون اکلیک
اسید مرحمت خلق عبث دستندن اپکا فر	سنی بیدین دیشلردی از لدن بلی قدر اپکانک
حبیبہ بیدوا در دون خلاص اولقدہ مشکلہ	امیدہ تیر اسیر دردا و لائلر غیری درمانک

حجابی :- یہ خاتون ہلالی کی لڑکی تھی اسکا وطن استر آباد تھا بعضون نے اسکو خواجہ حاجی کی لڑکی لکھا ہے یہ عورت نہایت خوش طبع تھی اسکا یہہ شعر مشہور ہے

	شعر	

مران بخواریم ای باغبان گلشن خویش	کہ پنج روز دگر مل بخاک یکسان ست

حجنا رہ۔ یہہ خاتون نصیب شاعر کی لڑکی تھی شاعری مین اپنے باپ کی ہم پلے مشہور ہے یہہ دونون باپ بیٹی عباسیون کے زمانے مین موجود تھے۔ خلیفہ مہدی تفریحاً اس خاتون کے محلہ مین جسکا نام علی آباد تھا سیر کنان چلا گیا۔ حجنا اور اوسکے باپ نے خلیفہ کی آمد سنی اور دونون اوسکی خدمت مین حاضر ہوئے اور دونون نے ذیل کے اشعار پڑھے۔

اشعار

رب عیش ولذۃ ونعیم — وبہا مشرق المیدان
بسط اللہ فیہ ابہی بساط — من بہار وزاہر الحوذان
ثم من ناضر من العشب الا — خضر یزہی شقائق النعمان
مدہ اللہ بالتحاسین حتے — قصرت دون طولہ العینان
حففت حافتاہ حیث تناہی — بجنیاہ فی العین کا الظلمان
زینوا وسطہا یطارہ مثل — الثریا یحفہا النسران
ثم خشوا الخیام بیض کا مثال — المہی فی صوائم الکثبان
یتجارین فی غناء سجی — اسعدانی یا نخلتی حلوان
فتقصر السلم من سلم اللہ — وابقی خلیفۃ الرحمن
ولدیہ العز الذی بل ھنت — ابہی عندہ مع ادراک الزمان
یالہ منظرا ویوم سرور — شہدت لذتہ کل حسان

خلیفہ ان اشعار کو سنکر بہت خوش ہوا اور تحسین کی اور دونون کو ہزار درہم عنایت کیے۔ اسی زمانے مین حجنا خلیفہ مہدی کی لڑکی عباسہ کی خدمت مین حاضر ہوئی اور ذیل کے اشعار قحط کی شکایت مین سنائے۔

اشعار

اتيناك يا عباسة الخير لحي	وقد عجفت ام المهاري وكلت
وما تركت منا السنون بقية	سوى رمة ما من الجهد رمت
فقال لنا من ينصح الراي نفسه	وقد ولت الاموال عنا فقلت
عليك ابنة المهدي عوذي بها بهلم	فان محل الخير في حيث حلت

عباسہ نے ان اشعار کو سنکر خلعت او چند قسم کے عطریات مع تین ہزار درہم کے اوسکو عنایت کیے حجنا نے اس عطیہ کی شکر گزاری مین ذیل کے اشعار اوسکو سنائے۔

اشعار

من خوب تسم وتسعين محلکة	مثل المصابيح في الظلمات تلق
اما الحسود فقد امسى تغيظه	غما وكاد برجع الريق يختنق
وذا الصداقة مسرور لنا فرح	بادي البشارة ضاح وجهه شرق

حسانتہ التمیمیہ:- مشہور اور معروف شاعر ابو الحسین کی لڑکی تھی جسکا وطن اندلس تھا اس خاتون کو ادبیات مین ید طولی حاصل تہا اسکا باپ ابو الحسین اسکی ناکدخدائی کے زمانے مین انتقال کر گیا اب یہہ عورت معاش کی طرف سے بہت پریشان ہوئی کیونکہ ابو الحسین کے بعد اوسکے خاندان کے کسی شخص نے اوسکی کفالت نہین کی لیکن اوسکے پاس ایک بہت بڑا کفیل یعنی علم موجود تھا جو اوسکو خلیفہ اندلس کے پاس ذیل کی نظم کے ذریعہ سے لیگیا۔

نظم

اني اليك ابا العاصي موجعة	ابو الحسين سقته واكف الديم
قد كنت ارتع في نعماه عاكفة	فاليوم اوي الى نعماك يا حكم
انت الامام الذي انقاد الانام له	وملكته مقاليد النهى الامم

لا شيء احسن انو اما كتبن كفنا ‏ ادي اليه ولا يعرعلي العدم
لا زالت بالعزة الفضاء تبريا ‏ حتى تذل اليك العرب العجم

خلیفہ اندلس نے اسکو بہت سا روپیہ عنایت کیا اور وہ خوش خوش اپنے گھر واپس آئی۔

حفصہ بنت الحاج الرکونیہ۔ یہ عورت اہالی غرناطہ سے تھی اپنے جمال اور کمال مین بے مانند اور بے مثل تھی ادبیات مین اوسکو پوری واقفیت تھی جسکی وجہہ سے اوسکی طبیعت کی موزونیت مین پوری جلا ہوگئی تھی اسیوجہہ سے لوگ اوسکو شاعرۃ الاندلس کہا کرتے تھے۔ اوسکے تین شعر جنکو اوسنے امیر الموحدین عبد المومن بن علی کی شان مین فی البدیہہ نظم کیے تھے ذیل مین درج کیے جاتے ہین۔

اشعار

يا سيد الناس يا من ‏ يؤمل الناس رفدا
امنن علي بطرس ‏ يكون الدهر عدا
تخط يمناك فيه ‏ الحمد لله وحدا

حفصہ بنت حمدون۔ یہ عورت بھی اندلس کی رہنے والی تھی اور علم ادب مین کامل دستگاہ رکھتی تھی اوسنے اپنے ملازمون کی شکایت مین جو شعر نظم کیے ہین وہ ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہین۔

اشعار

يا رب اني من عبيدي على ‏ جمر الغضا ما فيهم من نجيب
اما جهول ابله متعب ‏ او فطن من كيده لا يجيب

حکیمہ دمشقیہ۔ اس بزرگ عورت کا شمار عارفہ مین کیا گیا ہے۔

شام اسکا وطن تھا - رابعہ شامیہ اس عورت کی مرید تھین -

حمدہ بنت واثق :- اسکا دوسرا نام حمدۃ الہیتیہ تھا قرن چہارم کے آخر زمانے مین موجود تھی - بغداد اسکا خاص وطن تھا یہہ خاتون بہت بڑی واعظہ تھی - صاحب کتاب الوافی بالوافیات کہتے ہین کہ حمدہ نے علم حدیث ابو بکر احمد بن علی بن بدران الحلوانی سے حاصل کیا تھا اور ابن سمعانی نے اس بزرگ عورت سے علم فقہ اور علم حدیث دونون حاصل کیے تھے -

حمدونہ :- اس عورت کا وطن بھی اندلس تھا ادب مین صاحب رتبہ اور شاعر غرا تھی اوسکے چند شعر درج ذیل ہین -

اشعار

ولما ابی الواشون الا فراقنا	و ما لهم عندی وعندك من ثار
وشنوا علی اسماعنا كل غارة	وقل حماتی عند ذاك وانصاری
غزوتهم من مقلتيك و ادمعی	و من نفسی بالسيف والسيل والنار

حسینیہ بنت القمنی :- اس بزرگ عورت کے باپ کا نام عبد الرحمن بن احمد ابن عمر بن عرفاۃ القمنی تھا - جو امام سیوطی کے خاندان مین سے تھی محدثہ مین اسکا شمار کیا گیا ہے - کمال بن خیر اور دوسرے علما نے مشار الیہا کو علم حدیث مین اجازت دی تھی -

حیاۃ خانم :- شاہ اسمعیل صفوی کی بی بی تھی اس عورت کی طبیعت مین خداداد موزونیت تھی - شاہ اسمعیل صفوی کی ایک دوسری بی بی بھی تھی جسکا نام جہان خانم تھا وہ بھی تعلیم یافتہ تھی دونون کی طبیعتین فی البدیہہ واقع ہوئی تھین جہان خانم نے شاہ کے سامنے ایک مرتبہ یہہ شعر پڑھا -

شعر

تو بادشاہِ جہانی جہان زدست مدہ | که بادشاہ جہان را جہان بکار آید

حیاۃ خانم - نے یہہ شعر سنکر فی البدیہہ شعر پڑھا -

شعر

ترکِ غمِ جہان بکن تا ز حیاۃ بر خوری | ہر کہ غمِ جہان خورد کے ز حیاۃ بر خورد

حیاتی :- یہہ خاتون نور علی شاہ کی بی بی تہی اور اسکا عرف بی بی جانی تہا اس عورت کے دس ہزار شعر موجود ہین اون مین سے کچہہ یہان نقل کیے جاتے ہین -

شعر

منع دلم از نالہ مکن در پے محمل | گر نالہ کسے منع نکرد است جرس را

ولہا

چارہٗ دردِ من بیچارہ را | داند و عمداً تغافل میکند

ولہا

ایا طائرِ قدس عرش آشیان | مجو دانہ از دامِ این خاکدان

ولہا

قفس بشکن و بال پر باز کن | بہ گلگشتِ گلزار پرواز کن

حاجیہ :- فتح علی شاہ ایران کی بی بی تہی - صاحب فضل و کمال تہی - اسکا یہہ شعر مشہور ہے -

شعر

طوافِ کعبہ مرا حاجیہ میسر شد | خدا نصیب اہلِ دلی زیارت کند

حرف الخا

خدیجہ بنت بدران :- اس عورت کا عرف ام سلمہ تھا - اس محدثہ کے
والد بزرگوار مولانا شہاب الدین احمد بن خلف بدران تھے - خدیجہ ۸۰۶ہجری مین
پیدا ہوئی تھی ۸۰۸ ہجری مین اوسکو اوسکے والد بزرگوار نے مجلس تدریس محدثین
کرام مین لیجاکر حاضر کیا - کیونکہ اوس زمانے مین علم حدیث کا بہت چرچا تھا اور لوگ
اپنے بچون کو ابتدا سے عمر سے حدیث پڑھاتے تھے - یہہ محدثہ امام سیوطی
کی استاد تھی اور امام موصوف کو علم حدیث مین اجازہ بھی دیا تھا -

خدیجہ معروف بہ ام الفضل :- اس لائق محدثہ کے باپ ابو القاسم
عبد الرحمن تھے - جو ابن الحارثیہ اپنی لائق مان کے نسب سے مشہور تھے
اور اسیطرح ان کے دادا بھی اپنی ماں کے نام سے شہرت رکھتے تھے
یعنی ان کو عبد اللہ ابن القرشیہ کہتے تھے - اس خاندان کی تمام عورتین اور
مرد جنکا حال سید مرتضےٰ نے تاج العروس مین لکھا ہے لائق گذری ہین -
خدیجہ علم و فضل مین یکتائے روزگار اور صاحب فراست تھی - یہہ عورت قرن ششم
کی مشہور و معروف محدث عورتون مین سے تھی - اور خاص مصر مین اس عورت
کی بود و باش تھی -

خدیجہ بنت القیم :- اس عورت کا لقب امۃ العزیز تھا - بغداد اسکا خاص
وطن تہا - اسکے باپ کا نام حامد تھا - اسکے باپ نے جب یہہ دیکھا کہ میری لڑکی کو تحصیل
علم سے شوق ہے - تو اوسکے اسباب تمام نے نہایت خوبی سے فراہم
کر دیے - صرف تقریر اور تجوید کا کام خود اپنے ذمہ لیا - تھوڑے ہی عرصے مین خدیجہ
نے تحصیل علم کر لیا - یہہ عورت اکثر عورتون کو جمع کرکے وعظ کہا کرتی تھی - ایک
عرصہ دراز کے بعد ترک موعظہ کرکے عزلت نشینی اختیار کر لی تھی - خدیجہ نے بغداد
مین ابن شیرازی سے تحصیل علوم کیا تہا - مصر مین علی بن المنجا العامری اور ابن النجیری

سے کسب علم کیا تہا - دمشق اور تبوک مین علم حدیث حاصل کیا - ادبیات مین شعر
شمار کیجاتی تہی - مقامات حریری کا اکثر درس دیا کرتی تہی - اوس زمانے کے لوگون
نے اگرچہ علم تجوید یعنی قرات بہی اس سے حاصل کی تہی مگر اسمین ایسی کامل نہ تہی جیسی کہ
ادبیات مین تہی - سنہ [illegible] ہجری مین اوسکی ولادت اور سنہ [illegible] ہجری مین وفات ہوئی -

خان زادہ :- میرزا وکا تبریزی کی لڑکی تہی - اسکی طبیعت بہی نہایت موزون
تہی - اسکا یہہ شعر مشہور ہے -

شعر

شبے در منزل ما میہمان خواہی شدن یانہ	انیس خاطر این ناتوان خواہی شدن یانہ

خدیجہ :- احمد بن الطنبا کی لڑکی تہی - اسکے زمانے کے لوگ اسکو فاضل متبحر
خیال کرتے تہے اسکا عرف ابن الحبلیۃ تہا - اسکی لڑکی بہی محدثہ تہی - اسکے لڑکے
کا نام زین الدین عمر الباسی تہا - جو ابن حجر کا اوستاد تہا - اس عورت کا انتقال
سنہ [illegible] ہجری مین ہوا -

خرنق بنت قحافہ :- شاعرہ تہی اسکے یہہ دو شعر مشہور ہین -

اشعار

اعاذلتي على رزء افيقي	فقد اشرقتني بالعذل ريقي
فلا وابيك اسى بعد بشر	على حي يموت ولا صديق

خزانہ :- فتوح واقدی مین لکہا ہے کہ خزانہ خالد بن جعفر بن قرطہ کی لڑکی تہی
فتوحات عراق مین سعد بن ابی وقاص کے ساتہ تہی - اس لڑائی مین اول جو
شخص شہید ہوا اوسکے مرثیہ مین یہہ شعر اوسنے کہے تہے -

اشعار

فيا عين جودي بالدموع السواجم	فقد شرعت فينا سيوف الاعاجم

وجزنا على سعد وعمر ومالك	وسعد سعيد الحبشي مثل الغمائم
هم فتية العز الوجوه اعزة	ليوث لدى الهيجاء شعثا جماجم

خولہ بنت الازور۔ ضرار بن الازور کی بہن تھی۔ اسکا شمار صحابیہ مین ہوا۔ یہ عورت اعلےٰ درجے کی تعلیم یافتہ تھی۔ شاعرۂ غرا تھی۔ فتوحات مصر و شام مین یہ عورت برابر حاضر رہتی تھی۔ اسکا بھائی ضرار جب جنگ انطاکیہ مین اسیر ہوا تو اوسوقت خولہ نے ابیات ذیل اوسکے حال مین لکھی تھین۔

اشعار

الا مخبر ابعد الفراق يخبرنا	فمن ذا الذي ياقوم اشغلكم عنا
فلو كنت ادري انه اخر اللقا	لكنا وقفنا للوداع وودعنا
الا ياغراب البين هل انت مخبري	فهل بقدوم الغائبين تبشرنا
لقد كانت الايام تزهو لهم بهم	وكنا بهم تزهو وكانوا كما كنا
الا قاتل الله النوى ما امرة	واقبحه ماذا يريد النوى منا
ذكرت ليالي لجمعنا سوية	ففرقنا ريب الزمان وشتتنا
لئن رجعوا يوما الى دار عيرهم	لثمنا خفافا للمطايا وقبلنا
ولم انس اذ قالوا ضرار مقيد	تركناه في دار العلا وديمنا
فما هذه الايام الا معارة	وما نحن الا مثل لفظ بلا معنى
ادى القلب لا يختار في الناس غيرهم	اذ ماذا ذكرهم ذكر قلبي المضنى
سلام على الاحباب في كل ساعة	وان ابعدوا عنا وان منعوا منا

ذیل کے اشعار بھی ضرار کی گرفتاری مین کہے ہین

اشعار

ابعد اخي بلذ الغمض عيني	فكيف ينام مقروح الجفون

سابکی ما حییت علی شقیق ۔ اعزعلی من عین الیمین
فلو انی لحقت بہ قتیلا ۔ لهان علی اذ غیر المهین
وکنت الی السلوا دی طریقا ۔ واعلق منہ بالحبل المتین
دانا معشر من مات منا ۔ فلیس یموت موت المستکین
وانی ان یقال مضی ضرارا ۔ وکم فی الحرب یقصم الغصون
وقالوا کم بکاؤک قلت مهلا ۔ اما ابکی وقد قطعوا وتینی

مزروعہ بنت عملوق جو فصحاے عرب سے تھی اوسنے جب خولہ کے اشعار مذکورالصدر سنے تو اسپنے لڑکے صابر بن اوس کے حال مین جو ضرار کے ساتھ جنگ انطاکیہ مین گرفتار ہو گیا تھا ذیل کے اشعار کہے

اشعار

ایا ولدی قد زاد قلبی تلهبا ۔ وقد احرقت منی الحشا ودللمدامع
وقد ضرمت نار المصیبة شعلة ۔ وقد حمیت منا الحشا والاضالع
واسئال عنك الركب كی یخبرو نی ۔ بحالك کیما تستکن المدامع
فلم یك فیهم مخبر عنك صادقا ۔ ولا منهم من قال انك راجع
فیا ولدی مذ غبت کدرت عیشتی ۔ فقلبی مصدوع وطرفی دامع
وفکری مقسوم وعقلی موله ۔ ودمعی مسفوح ودا ری بلاقع
فان تك حیا مت لله حمده ۔ وان تکن الاخری فما العبد صانع

غفیرہ بنت غفار ۔ سلمہ بنت زراع ۔ لبنی بنت سوار ۔ سلمی بنت النعمان ام ابان ۔ هند بنت عمرو ن اور زینب الانصاریہ ۔ یہ سب عورتین صاحب شجاعت گذری ہین ۔ واقعات یرموک اور اجنادین مین یہ سب عورتین خیمون کے ستونون سے بڑی جرات کے ساتھ اپنے دشمنون

سے لڑائی تعیین۔

حرف الدال

دفرہ:- یہہ محدثہ عورت طبقۂ اول کے ثقہ تابعین مین سے تھی۔ بصرہ مین اکثر رہا کرتی تھی۔ محمد بن سیرین نے انھین سے حدیث کی روایت کی ہے۔ اصابہ مین ابن حجر عسقلانی لکھتے ہین کہ اصحاب کتب ستہ مین سے ایک شخص نے اپنی کتاب مین۔ دفرہ سے ایک حدیث ثبت اور استخراج کی جسکو اس لائق محدثہ نے حضرت عائشہ ام المومنین سے روایت کیا تہا۔

دلشاد:- فتح علی شاہ شاہ فارس کی بی بی تھی۔ یہ عورت بہت بڑی بلیغ تھی۔ طبیعت مین کچہہ موزونیت بھی۔ یہہ شعر اسکا مشہور ہے۔

شعر

طاعات سنکران محبت قبول نیست	صد بار اگر بہ چشمۂ زمزم وضو کنند

دہنار:- اسکے باپ کا نام مسحل تھا جو کہ مالک بن سعد زید مناۃ کی اولاد مین تہا۔ اسکے شوہر کا نام عجاج تھا۔ لیکن عجاج کو اپنی بی بی سے کچہہ زیادہ الفت نہین تہی۔ دہنار کی طبیعت چونکہ موزون واقع ہوئی تہی اس سبب سے دہنار نے اپنے باپ کے والی مملکت یمامہ کے پاس اس امر کی شکایت لکہی۔ چونکہ عجاج بہی اوسی مملکت کا رہنے والا تہا۔ عجاج نے نہایت شرمندہ ہوکر دہنار کو طلاق دیدی۔ والی یمامہ نے کچہہ اراضی عجاج سے دہنار کو دلوادی اور عجاج نے فوراً فی البدیہہ یہہ شعر پڑہے۔

اشعار

اظننت الی ھنار وظن مسحل	ان الامیر بالقضاء یعجل
عن کسلاتی والحصان یکسل	عن السفاد وھو طرف ھیکل

دہنا نے جب یہ اشعار سُنے اوسنے بھی فی البدیہہ یہ دو شعر کہے۔

اشعار

واللہ لولا خشیۃ الامیر	وخشیۃ الشرطی والمشیر
لحلت من شیخ بنی الفقیر	الجولان صعبۃ عسیر

حجاج نے جب اپنا جواب سُنا تو اوسکے جواب مین پھر یہ دو شعر کہے۔

اشعار

تاللہ لا تخدعنی بالضم	الیک والتقبیل بعد الشم
الا بعزھا زیلی ممتے	ینزعی عنی فتحی من کمی

حرف الذال

ذات النطاقین:- اس خاتون کا اصلی نام تو اسماء تھا جو جناب خلیفہ اول ابوبکر صدیق کی بڑی صاحبزادی تھین۔ اکثر لوگ ان کو ذات النطاقین بھی کہا کرتے تھے۔ اسکی وجہ یہہ ہے کہ نطاق عربی مین پٹکے کو کہتے ہین۔ زنان عرب اپنے بہت پر عموما کپڑے کی ایک پٹی باندہ لیا کرتی تھین۔ رسول عربی جس وقت مکے سے ہجرت کرنے کے ارادے سے جناب ابوبکر صدیق کے مکان پر آئے اور سامان ہجرت درست فرمانے لگے تو گٹھری وغیرہ باندہنے کے لئے کوئی چیز نہ تھی اسماء نے اپنا نطاق جسکو وہ کمر سے باندھے ہوئے تھین دیدیا۔ رسول خدا نے اوسکی طولا دو پٹیاں کرلین۔ ایک سے تو مشکیزے کا دہانہ باندھا۔ اور دوسری سے وہ پوٹلی باندھی گئی جسمین کھانا تھا۔ آنحضرت نے اسماء کی ہمدردی سے خوش ہوکر فرمایا کہ اللہ جلشانہ اس ایک پٹکے کی عوض تمھین دو پٹکے عنایت فرمائیگا۔ بس اسی وقت سے اسماء کا نام ذات النطاقین پڑگیا۔ اسماء کی والدہ کا نام قتیلہ تھا جو عبدالعزیٰ کی لڑکی تھین

اسمار کو سن تمیز پر پہونچنے کے بعد یہ فخر حاصل ہوا کہ زبیر بن عوام ایسے
جلیل القدر صحابی کی زوجہ ہوئین۔ حضرت زبیر جنکا شمار عشرۂ مبشرہ مین کیا جاتا ہے یہ
وہی زبیر ہین۔ انکے صاحبزادے کا نام عبد اللہ تھا جو انہین معصومہ کے بطن سے
پیدا ہوئے تھے اور جو اسلام کے مشہور ناموربین اور ایک عرصے تک مکہ مین خلافت
کرتے رہے۔ یزید کے بعد عبد الملک بن مروان نے تاج سلطنت اپنے سر پر
رکھا جب اسکے مظالم حد سے گذرنے لگے تو اہل مکہ نے مجبور ہوکر مخالفت کی اور
عبد اللہ بن زبیر جو پیشتر سے والی مکہ تھے اونکو خلیفہ برحق قرار دیا۔ اونھون نے ۹ برس
تک اطراف عرب مین حکومت کی اور آخر دمشق سے اونکے مقابلے کے لیے وہ ظالم
شخص بھیجا گیا جسکا نام ظالمونکی فہرست مین سب سے زیادہ ابھرا ہوا اور خون کے
حرفون مین لکھا ہوا ہمیشہ نظر آئیگا۔ یعنی حجاج بن یوسف۔ حجاج نے
مکہ معظمہ کا محاصرہ کر لیا۔ کوہ ابوقبیس اور بلندیون پر منجنیق لگا دیے گیے۔ اور
خاص خانۂ خدا پر بھی گولون کے نشانہ بازی کی گئی۔ عبد اللہ بن زبیر کے گرد اونکے اعزہ
واقارب اور نیز اہل فوج مین سے کل بارہ ہزار سپاہی تھے۔ اون لوگون نے
پہلے بڑے صبر و تحمل سے کام لیا۔ جب محاصرے کو سات مہینے گذر گئے اور لوگ
بھوکون مرنے لگے تو سب نے مجبور ہوکر حجاج سے پناہ مانگی اور ابن زبیر کو چھوڑ کے
چلے گئے۔ آخرکار انکی بیکسی اسحد تک پہونچ گئی کہ خود اونکے دونون نور نظر اور
جگر گوشہ حمزہ اور حبیب اونکا ساتھ چھوڑ کے چلے گئے۔ عبد اللہ بن زبیر ایسے ایسے
نازک وقتون مین کہ جب موت اور بدقسمتی انھین آنکھون سے نظر آتی تھی نہایت
حیران ہوئے۔ اور کون تھا جس سے کچھ مشورہ کرتے۔ جناب اسمار ذات النطاقین
ابھی زندہ تھین۔ ابن زبیر اونکی خدمت مین حاضر ہوئے۔ اور عرض کیا۔ اماں جان
یارون نے میرا ساتھ چھوڑ دیا۔ اور بیوفائی کی۔ اس سے زیادہ کیا ہوگا کہ خاص

بیٹون مین سے بھی دو اس سخت امتحان کے موقع پر ثابت قدم نہ رہ سکے - یہ
چھ چند لوگ باقی ہین یہہ بھی کبتک - چند ساعت مین ساتھ چھوڑکے یہہ بھی چلے
جائین گے - اگر مین اطاعت قبول کرلون تو یقین ہے کہ حجاج اور اوسکے
متواتر کا میری خدمت کو رد نکرین گے - آپ اس بارے مین کیا فرماتی
ہین - یہہ سُنکر اسما نے کہا - بیٹا - اپنے واجبات اور اپنے فرائض کو تمھین
خوب سمجھ سکتے ہو اگر تمھارے دل مین کوئی تردد نہین ہے اور تمکو یقین ہے کہ تم
حق پر ہو اور لوگونکو حق کی ہی جانب بلاتے ہو تو حجاج سے مقابلہ کرو اور خدا کی
مقرر کی ہوئی تقدیر پر شاکر رہو - اور یقین جانو کہ خدا تمھین اور تمھارے دوستون
کو شہادت کے بعد بہت کچھ جزاے خیر عطا کریگا - واقعی اس صورت مین تم بھی ایسے
سے نہ دبو - اور نہ اونکی اطاعت کرو - اگر تمھاری غرض اس حکومت سے
دنیا طلبی ہے تو تم خدا کے بہت بُرے بندے ہو - اس لیے کہ صرف اپنے
نفس کی خواہش پوری کرنے کے لیے سیتنے ہزارون بندگان خدا کا خون کرایا -
ہان اگر تم یہہ کہتے ہو کہ ہون تو مین حق پر مگر بوجہ اس ضعف کے سوا سر اطاعت
جھکانے کے کسیطرح مفر نہین - تو سنو یہہ جوانمردون کا کام نہین ہے - کب
تک زندہ رہوگے - ایک دن مرنا ہی ہے - لہذا یہی مناسب ہے کہ آج ہی
ناموری اور عزت کے ساتھ سفر آخرت کرو - اور دنیا کے ذلیون مین اگر بچاؤ
ابن زبیر نے کہا - اماں جان - مین ڈرتا ہون کہ اہل شام مجھے طرح طرح کے عذابون
مین مبتلا کرین گے - اور میری لاش کو سولی پر چڑھا ئین گے - اس کے جواب
مین جناب ذات النطاقین نے نہایت صبر و تحمل سے کام لیکر کہا - بیٹا جب
بکری کو ذبح کر چکے اور اسکے بعد اگر اوسکی کھال بھی کھینچ لین تو اوسے صدمہ نہین
پہونچتا ہے - خدا سے مدد اور اعانت کی دعا کرو - اور اپنے ارادے مین ثابت

قدم رہو - یہہ سُنکر عبداللہ بن زبیر نے کہا - اے والدہ میری بھی یہی نیت ہے
اور الحمدللہ کہ مین ہمیشہ اسی ارادے پر قائم رہا - ابتداے عمر سے آج تک
مین نے کبھی اس زندگی ناپائدار کے فریبون مین آکر دنیا پسندی نہین
کی - مین خدا کو گواہ کر کے کہتا ہون کہ مین نے بنی امیہ کی اگر مخالفت کی تو صرف
اسی غرض سے کہ کہین ایسا نہو کہ وہ لوگ اپنے جور و تشدد سے خدا کی حرام
کی ہوئی باتون کو حلال اور حلال چیزون کو حرام کر دین - پھر اس خوف سے
کہ کہین ایسا نہو کہ وہ لوگ خدا کی محبت کو خود بھی چھوڑ دین - اور دنیا سے بھی
چھوڑا دین - آپ نے میرے ارادے کو اور مضبوط کر دیا - اور میری تائید کی
آج مین ظالمون کے ہاتھہ سے مارا جاؤن گا - آہ! کہین ایسا نہو کہ آپ کے
دل کو میرے مرنے سے صدمہ پہونچے - امان جان - آپ اپنا معاملہ خدا کی
سپرد کر دیجیے اور یقین جانیے کہ آپ کا بیٹا کسی گناہ کا مرتکب نہین ہوا - بدکاری
اور برائی کی راہ نہین چلا - احکام الٰہی کے جاری کرنے مین اور انصاف پسندی
کے حقوق ثابت کرنے مین اوس نے کبھی کوتاہی نہین کی آج تک جب کسی
سے عہد کیا اوس سے بیوفائی نہین کی - دیدہ و دانستہ کبھی کسی مسلمان
یا معاہدی پر کسی قسم کا ظلم نہین جائز رکھا - اپنے عمّال کو کبھی ظلم و ستم کی
اجازت نہین دی - اور ہمیشہ میرے نزدیک کوئی چیز خدا کی مرضی سے زیادہ
پسند نہ تھی - خداوندا اسوقت جو کچھہ میری زبان سے نکلا اپنے نفس کو بڑھانے
اور غرور کے لیے یا اپنی تعریف کے طور پر نہ تھا - بلکہ اس سے صرف اسقدر
مقصود تھا کہ مین ان الفاظ سے اپنی مادر شفقہ کے دل کو تسلی دے
سکون - اسما بولین - بیٹا - انشاءاللہ تیرے معاملے مین مین صبر سے
کام لون گی - اگر میرے سامنے تم مغلوب ہوکر دشمنون کے ہاتھہ سے

مارے گئے تو مین صبر کرون گی - اور خدا مجھے اس صبر کا اجر دیگا - اور اگر خدا نے تم کو کامیاب کیا تو تمھین دیکھکر مین اپنی آنکھین ٹھنڈی کرونگی - بس اب قدم بڑھاؤ اور خدا کی راہ مین دل کو مضبوط کر کے نکلو - ابن زبیر نے کہا - امان جان! اب مین جاتا ہون - اسوقت آپ مجھے بے دعا کے نہ بھیجیے - میرے حق مین دعا فرمائیے اسمار بولین - مین ہر وقت تمھارے لیے خداوند کریم کی درگاہ مین دعا کرتی رہونگی اگر کسی امد نے دنیا طلبی اور حکومت کے شوق مین لڑائی کی تو تم نے ٹھیک ٹھیک صرف خدا تعالے کی خوشی پوری کرنے کے لیے اسلحۂ جنگ ہاتھہ مین لیے ہین یہ کہکر اسمار نے دعا کے ہاتھہ اوٹھائے - اور یہہ کلمات اپنی زبان سے نکالے - خداوندا - عبداللہ کے دن کے روزون اور اوسکی رات کی عبادتون کی عوض مین اور تیرا اون تمام عبادتون کی عوض مین جو مجھہ سے اور اوسکے باپ سے ظہور مین آئین - اپنی رحمت تو اوسکے شامل حال کر دے - اپنے اس فرزند کو مین تیرے سپرد کرتی ہون - اور تو نے جو کچھہ اسکی قسمت مین لکھا ہے اوس پر مین راضی ہون - بار الہا - اس حال مین مجھے شکر کرنیوالون کا ثواب حاصل کرا - ابن زبیر نے یہہ کلمات سُنتے ہی اپنی مان کے ہاتھون پر بوسہ دیا - اسمار فرمانے لگین - تو کیا بیٹا اب تم مجھہ سے رخصت ہوتے ہو - عبداللہ نے کہا - جی ہان مین رخصت ہونے ہی کی غرض سے حاضر ہوا ہون اس لیے کہ مجھے آج سفر آخرت کرنے کا کامل یقین ہے - اسمار نے یہہ فرمایا - دیکھو ہوشیاری سے سیدان مین نکلنا - مگر آو بیٹا مین تمھین رخصت کر دون - یہہ کہکر فرزند کو گلے سے لگایا - اتفاقاً ذات النطاقین کا ہاتھہ زرہ پر پڑا جسکو عبداللہ بن زبیر پہنے ہوئے تھے - فرمانے لگین - عبداللہ جن لوگون کو شہادت کی آرزو ہو اون کو جوشن و خفتان سے کیا کام -

ابن زبیر کہنے لگے - اماں جان - مین سنے صرف آپکے دل کو تسلی دینے کے لیے یہہ زرہ گلے مین ڈال لی تھی - ورنہ حقیقت مین مین نے زندگی کی طمع مین اسے نہین پہنا - اسما بولین - عبد اللہ - مجھے خدا پر بھروسا ہے - اس زرہ سے کیا ہو سکتا ہے - عبد اللہ نے یہہ سُنکر زرہ اوتار ڈالی - اسکے بعد آستینین چڑھائین - دامن چڑھا کر کمر مین باندھ لیے اور میدان جنگ مین قدم رکھا - سبحان اللہ - حضرت اسما کا جوش اور استقلال - اور نصیحتانہ کلمات کس جوش کے بھرے ہوے تھے - حقیقت مین حضرت اسما کی یہہ سب باتین اس امر کا کافی ثبوت دے رہی ہین کہ آپ ایک لائق اور عمدہ تعلیم یافتہ خاتون تھین

حرف الرّاء

رابعہ :- یہہ وہ رابعہ عدویہ - شامیہ اور جیلانیہ نہین ہین جنکی ولایت اور خدا پرستی کا ڈنکا تمام دنیا مین بجتا تھا - یہہ ایک محدثہ ہے جسکا ذکر ابن حجر عسقلانی نے اپنی کتاب ابنا مین کیا ہے - ۸۳۰ھ ہجری مین انکا انتقال ہوا ہے معلوم ہوتا ہے کہ یہہ رابعہ ابن حجر عسقلانی کی لڑکی تھی - جو ۸۱۵ھ ہجری مین بمقام مکہ معظمہ شیخ زین الدین البالسی مشہور محدث کی مجلس درس مین حاضر ہوئی تھی بہت سے محدثین مصر و شام سے اونہون نے اجازہ لیا تھا - اور شیخ الشیوخ محب الدین ابن الاشقر نے اُسکے ساتھہ اپنا نکاح کیا تھا - رابعہ سے یہہ دو شعر مشہور ہین -

اشعار

تعصي الاله وانت تزعم حبه	هذا العمرك في القياس بديع
لو كان حبك صادقا لاطعته	ان المحب لمن يحب مطيع

زینب بنت القلیجی :- یہہ لائق محدثہ شہاب الدین احمد القلیجی کی لڑکی اور امام

سیوطی کی اوستاد تھین - اپنی دادی سارہ بنت شیخ تقی الدین السبکی سے اونہون نے علم حدیث حاصل کیا تھا - انکی پیدایش ۸۸۰ھ اور وفات ۸۶۹ھ ہجری مین واقع ہوئی تھی -

رقیّہ :- اس محدثہ کے پدر بزرگوار محمد بن علی بن وہب القشیریہ تھے - یہہ عورت مصر کی رہنے والی تہی اوہبین اسنے علم حدیث کی تعلیم پائی تھی - یہہ خدا کی بندی - خیر - صلاح - تقوی - علم او فضل مین مشہور تھی - اس عورت کی تاریخ وفات چودھوین ماہ شعبان ۷۴۱ھ ہجری ہے - اسی نام کی تین اور محدث عورتین یعنی رقیہ بنت محمد التعلبی - رقیہ بنت التجانی - رقیہ بنت القاری تھین -

رامہ بنت الحصین :- یہہ عورت نجد کی رہنے والی تھی - اسکا شمار بھی شاعرون مین تھا - اسکے یہہ دو شعر مشہور ہین -

اشعار

یا لیت شعري ولیت صبر عفیفا	هل اهبطن قریة لیست بها راوا
لقد تبدلت من نجد و ساکنه	او ضابها الدیك یزقو والتنانیر

ریا العقلیہ :- بہت بڑی شاعرہ تھی - بصرہ اسکا وطن تھا - یہہ شعر اسکے مشہور ہین -

اشعار

فما وجد مغلول بتیماء موثق	بساقیه من ضرب القیود کبول
قلیل الموالي مسلم بجریرة	له بعد نومات العیون عویل
یقول له البواب انت معذب	غدا الا غدا او مسلم فقتیل
باکثر مني لوعة یوم بان لي	فراق حبیب ما الیه سبیل

عشية امشي القصد ثم يردني	عن القصد روعات الهوى فيميل

رابعة العدویہ :- اسمٰعیل العدویہ کی دختر نیک اختر تھی - نہایت عابدہ زاہدہ اور پاک طینت عورت تھی - امام ابو القاسم القشری اپنے ایک رسالے مین تحریر فرماتے ہین کہ رابعہ اکثر اوقات مناجات مین یہہ کلمہ کہا کرتی تھی - "وا الٰہی دلے کہ ترا دوست دارد آیا او را در آتش مے سوزانی" ایک مرتبہ اوسکے کان مین اوس حسرت بھرے جملے کا یہہ جواب سُنائی دیا کہ "وو ظن بد مبر کہ پروردگار رحیم اینکار نمی کند" خلاصہ یہہ کہ رابعہ دل کی صفائی اور کمالات نفس مین بہت سے لوگون پر تفوق رکھتی تھی - لوگون نے اوسکی صداقت - دیانت داری - حقائق عرفان اور شہود کی وجہ سے تاج الرجال کا لقب دیا تھا - زہد - تقویٰ اور تقدس مین اتنی شہرت حاصل کی کہ ضرب المثل تھی - اس عورت کے زمانے مین ایک مشہور شخص حسن بصری تہا جسوقت کہ رابعہ کا پیارا شوہر انتقال کرگیا تو حسن موصوف نے رابعہ سے درخواست کی کہ میرے ساتھ شادی کرلے - رابعہ نے حسن سے حقائق و معارف کے چند سوال کیے آخر کار حسن کے ساکت ہونا پڑا اور یہہ شعر پڑھے -

اشعار

راحتي يا اخوتي في خلوتي	وحبيبي دائما في حضرتي
لم اجد لي عن هواه عوضا	وهواه في البرايا محنتي
حيثما كنت اشاهد حسنه	فهو محرابي اليه قبلتي
ان امت وجدا وما ثم رضا	وا عنائي في الورى واشقوتي
يا طبيب القلب يا كل المنى	جد بوصل منك يشفي مهجتي

یا سروری وحیاتی دائماً	منائی منك وایضاً شوقی
قد هجرت الخلق جمعاً ارتجی	منك وصلاً فهو اقصی منیتی

سُفیان ثوری نے ایک مرتبہ رابعہ سے کہا - کہ حضرت حق جل وعلا کے ساتھہ تیرا ایمان اور اعتقاد کیسا ہے - رابعہ نے کہا کہ مین خدا کو جہنم اور بہشت کے شوق مین نہین پوجتی بلکہ کمال عشق سے اوسکی عبادت کرتی ہون - اس کے بعد اس مناجات کو جو اوسکی خاص تصنیف شدہ ہے سُنایا -

مناجات

احبتك حبین حب الهوی	وحبا لانك اهل لذاك
فاما الذی انت اهل له	فکشفك لی الحجب حتی اراك
فاما الذی هو حب الهوی	فشغلی بذکراك عمن سواك
فلا الحمد فی ذا ولا ذاك لی	ولكن لك الحمد فی ذا وذاك

مختصر یہہ کہ ارباب سلوک رابعہ کو ارباب کرامت جانتے ہین - اس کے سنہ وفات مین لوگون نے اختلاف کیا ہے - بعضے ۱۳۵ ہجری اور بعضے ۱۸۵ بیان کرتے ہین -

رابعہ اصفہانی :- سلاطین سامانی کے زمانے مین یہہ موزون طبیعت عورت ہوئی تھی - اسکے دو شعر مشہور ہین -

اشعار

دعوتم امنیست بر تو کایزدت عاشق کنا	بر بت سنگین دل نامهربان خویشتن
تا بدانی درد عشق و داغ مهر و غم خوری	چون بہ ہجر اندر بہ پیچی پس بدانی قدر من

رشحہ کاشانی :- اسکا دوسرا نام بیگم تھا باپ کا نام ہاتف کاشانی تھا - میرزا علی اکبر متخلص بہ نظیری کی بی بی تھی - میرزا احمد متخلص بہ کشتہ کی مان تھی -

نہایت سخن سنج - خوش موزون اور شاعرہ تھی - اسکا ایک دیوان موجود ہی جسمین تین ہزار اشعار ہین - چند شعر یہان بھی لکھے جاتے ہین -

اشعار

آن بت گلچہرہ یا رب بستہ از سنبل نقاب | یا بافسون کردہ پنہان در دل شب آفتاب

دیگر

دل رفتہ و زخون دیدہ مارا | پیداست بہ رخ ازان علامت

دیگر

می طپد از شوق دل در سینہ ام گوئی کہ باز | تیر دلداری بدل زابرو کمانی میرسد

دیگر

بقصد صید تو چون رشحہ دیدمش گفتم | کہ ندیدہ شکار مگس کند شہباز

دیگر

اشکم ز بیم ہجر تو ہر روز تا سمک | آہم ز دست خوی تو ہر شام تا سماک

رضیہ بیگم الملقب بہ بلقیس جہان :- سلطانہ رضیہ بیگم ۱۲۳۶ عیسوی مین تخت شاہی پر بیٹھی - دہلی مین پیدا ہوئی تھی اور قاعدہ ملکی کے بموجب اسکی پرورش عمدہ طریقے سے کی گئی - شاہی خاندان کا یہہ طریقہ تھا کہ اگر لڑکا پیدا ہوتا تو وہ محل کے باہر پرورش پاتا تھا - اور اگر لڑکی پیدا ہوتی تھی تو محل کے اندر ماں سے علحدہ خاص عورتون مین اوسکی پرورش کیجاتی تھی - اس کام کے لیے شریف زادیان چن چن کر رکھی جاتی تھین - اور ملازمت کے وقت دینی علوم مین اونکا امتحان لیلیا جاتا تھا - کیونکہ نو برس تک لڑکی اونکے پاس رکھی جاتی تھی - اس عرصے مین قرآن مجید اور ضروری دینی مسائل اوسے از بر کرا دیتے تھے - اسکے بعد سپہ گری اور ملکی معاملات کی تعلیم کیلئے وہ محل کے چھوٹے سے اسکول مین تعلیم حاصل کرتی تھی -

جو صرف شہزادیون کے لیے مخصوص تھا - چنانچہ جب ہماری سلطانہ رضیہ بیگم
پیدا ہوئین - تو اونکے لیے بھی اس سلطانی قاعدے کا برتاؤ کیا گیا - رضیہ یا آیندہ سلطانہ
کی صورت و شکل نہایت حسین او جمیل تھی - شمس الدین التمش گو اپنے بیٹے رکن الدین
التمش کو بہت چاہتا تہا مگر وہ اب اس ہونہار لڑکی کے آگے اس کی
محبت کو بھی بھول گیا اور قدرتی طور پر جون جون رضیہ بڑی ہوتی گئی اوسے
یقین ہوتا جاتا تھا - کہ آیندہ زمانہ مین یہی میری معاون اور قوت بازو ہوگی -
جب رضیہ کی عمر چار برس اور کچھہ مہینے کی ہوئی تو اوسے
قرآن مجید پڑھایا گیا - تین برس مین اوسنے قرآن مجید ختم کرلیا - گو اوسے
اسلامی رسم و رواج کے مطابق موسیقی کی تعلیم ہوتی تھی مگر فطرت نے
اوسکو خوش الحانی کا حصہ بھی دیا تھا - اسکی آواز مین درد اور لوچ اس
بلا کا تھا کہ جہان وہ قرآن شریف پڑھنے لگی اور سامعین سننے لگے - ممکن نتھا
کہ اوسکو کوئی پڑھتا ہوا دیکھے اور آیتین سنکر رونہ دے -

قرآن شریف کے ختم ہونے کی تقریب خوب دھوم دھام اور شاہانہ
تزک و احتشام سے عمل مین آئی - ہزارون روپیہ محتاجین اور فقرا کو
تقسیم ہوا اور تمام لشکر کی نہایت خوش اسلوبی سے تین دن تک دعوت رہی
لوگون کو انعام و اکرامات اور خلعتین ملین - اور بہت کچھہ محل اور دار الخلافہ
مین خصوصًا خوشی منائی گئی - قرآن مجید کے ختم ہونیکے بعد فارسی لٹریچر
کی کتابین شروع ہوئین - اور اسکے ساتھہ ہی شاہانہ ادب و آداب کی
تعلیم ہوتی رہی - رضیہ کو ذہن اور حافظہ دونون روز ازل ہی سے
عطا ہو چکے تھے - جس طالب علم مین یہہ دونون صفتین ہون اور پھر شوق
بھی ہو تو وہ خلاف امید اتنی جلدی علم حاصل کر سکتا ہے کہ لوگ دیکھہ کر دنگ ہو جاتے

ہین۔ رضیہ مین بھی یہی اوصاف تھے۔ اسنے تین برس کے عرصے
مین فارسی لٹریچر مین خاصی دستگاہ پیدا کرلی۔ یون تو فارسی اسکی مادری
زبان تھی۔ مگراب وہ باقاعدہ لکھہ پڑھ سکتی تھی۔ گو وس زمانے مین اظہار
مطالب کے لیے عبارت آرائی اور انشاپردازی مین بہت کچھ خرچ ہوتا تھا
مگر رضیہ مختصر اور سادہ نویسی مین تمام قلعے مین مشہور تھی۔
غرض تیرہ برس کی عمر تک رضیہ کسی قدر پابندی کی تعلیم پاتی رہی اور
جب چودھوین برس مین قدم رکھا۔ تو ابر مالی مین حصہ لینے کا زمانہ آگیا
اس عرصے مین وہ تیر اندازی چابک سواری فنون جنگ مین بھی خوب
مشاق ہوگئی تھی۔ اور ایک دن اپنے حیرت انگیز کام سے اس نے
اپنے باپ کی توجہہ جبرًا اپنی طرف مائل کرلی حسب معمول التمش اپنے
حرم سرا کی بیگموں کو لیکر شکار مین گیا۔ اثناے شکار مین ایک شیر نے
بُری طرح التمش کو زخمی کرڈالا ہوتا۔ مگر سراپردے سے رضیہ جا پہونچی
اور شیر کو تلوار سے دو ٹکڑے کرکے گرادیا حقیقت مین یہہ ایک خطرناک
دلیری تھی مگر التمش یہ حیرت انگیز نظارہ دیکھکر دنگ رہگیا۔ اور آج سے
اسکی نگاہ مین رضیہ کی اور بھی وقعت بڑھی۔ رکن الدین اسکا بڑا بھائی
بچپن سے کاہل جود اور آرام طلب تھا۔ جب التمش اپنے بیٹے کی توجہہ
سلطنت کی طرف پھیرنا چاہتا تھا مگر وہ عیش کا بندہ دنیا سے دل کو فانی
خیال کرکے اپنی آیندہ قسمت کو آفت مین پھنسانے اور اپنی خاندانی عظمت
کو مٹانے مین مصروف تھا۔
مگر رضیہ اپنے بھائی کی بالکل ضد تھی۔ گو وہ جنس اناث مین پیدا ہوئی تھی
مگر اوسمین استقلال۔ بہادری۔ جرأت مردون سے زیادہ تھی۔ ۰۰۰

خوب سمجھتی تھی کہ ہماری خوش تدبیری نہ صرف مفتوحات اور مقبوضات کو ہمارے قبضے مین رکھے گی بلکہ ہمارے خاندان کی عظمت اور وقعت کا باعث بھی ہوگی - رضیہ ابھی سن بلوغ کو پہونچی ہی تھی کہ اُسے یکایک یہہ خیال ہونے لگا کہ اگر باپ کے بعد مین ہی تخت سلطنت پر بیٹھون تو مناسب ہے - باایہمہ اسکی نیک نیتی اور ایماندارانہ فطرت غصب کا کریہہ اور بدنما الزام اپنے ذمہ لینا چاہتی تھی کہ بھائیون کے ہوتے وہ وارث تاج وتخت بن جائے - مگر پھر بھی خدا کی مخلوق کی حفاظت اور انتظام ملکی کے سنبھالنے کی ضرورت نے رضیہ کے اس خیال کو شکست دی اور اب اُسے یہہ یقین ہوگیا کہ اگر مین اپنے بھائیون کا حق سلطنت غصب کرکے حکمران بن جاؤن گی تو بھی مجھپر کوئی الزام قائم نہین ہوسکتا - کہ میری ذات سے اُس عاقبہ کی توقع ہے اور اِن لوگون سے ملک مین فتنہ و فساد پیدا ہوگا - ایسی حالت مین میرا فرض ہے کہ سلطنت کی باگ اپنے ہاتھہ مین لیلون - اور انصاف وعدل کے قوانین جاری کرون - مگر ابھی وہ وقت نہ آیا تھا کہ وہ اپنے خیالات کا اظہار مان باپ کے آگے کرسکتی - اسلیئے کہ مان تو اسقدر مغرور اور جاہلانہ مزاج کی عورت تھی کہ اس سے التمش بھی بات کرتے ہوئے ڈرتا تھا - اور باپ کے آگے متین اور سنجیدہ بنا چاہتی تھی - اس نظر سے ایسی گفتگو جس مین چھچھورپن کے سوا سے بچپن بھی پایا جاتا ہو وہ کیونکر کرسکتی تھی - سب سے پہلے حکومت حاصل کرنیکی جو تدبیر اوسکے دل مین آئی وہ یہہ تھی - کہ امراء دربار کی ایک حدتک تالیف قلوب کیجائے - اس عمدہ خیال نے خود اوسکی رہنمائی سلطنت کے اندرونی معاملات مین کی -

ایک روز التمش ایک راجپوت کے درشت اور نا ملائم جواب سے ناراض ہوا۔ اور یہان تک عتاب کو طول ہوا کہ دربار بھی بند ہو گیا۔ راجپوت نے بہتیری تدبیرین کین کہ کسیطرح غضب سلطانی فرو ہو۔ مگر بے سود۔ آخر یہہ سمجھکر کہ رضیہ اپنے باپ کے مزاج مین بھی بہت دخیل ہے اوسنے اپنی بی بی کو محل سلطانی مین بھیجا۔ اور رضیہ کی خدمت مین التجا کی کہ حضور کوشش کر کے میرا قصور معاف کرا دین یہہ موقع رضیہ کو اچھا ہاتھ آیا۔ اسنے راجپوت کی بی بی کی بہت خاطر کی اسکا نذرانہ بخندہ پیشانی قبول کر لیا۔ اور رخصت کے وقت ایک قیمتی خلعت سے سرفراز فرمایا۔ اور اطمینان دلایا کہ کام حسب مراد ہوگا مگر آیندہ احتیاط کے لیے سخت تاکید کر دی۔ وہ خوشی خوشی اپنے گھر واپس آئی۔ اور ساری کیفیت اپنے میان سے بیان کر دی۔ غرض اوسی دن اودھرا ودھر کی باتون کے بعد رضیہ نے اپنے باپ کے سامنے یہہ معاملہ پیش کیا اور التمش کو مجبوراً اوسیوقت چوبدار راجپوت کے گھر بُلانے کے لیے بھیجنا پڑا اور اسطرح ایک پیچیدہ گتھی یون آناً فاناً مین سُلجھ گئی۔ رضیہ کی دانائی۔ فراست۔ معاملہ فہمی۔ ذہانت اور طلاقت کے آگے ان اونے معاملات کی عقدہ کشائی کوئی حقیقت نہین رکھتی تھی۔ اسکا حکمرانہ دماغ خود بخود جہانداری کی کُل قابل تحسین صفتین پیدا کرتا جاتا تھا۔ یہہ مردانہ کھُلے دربار مین آتی اور آزادانہ طور پر ہر معاملات پر بحث کرتی۔

رفتہ رفتہ یہان تک نوبت پہونچ گئی تھی۔ کہ بعض اوقات باپ کے تخت کے قریب اور امرا کے ساتھ دست بستہ کھڑی ہو کر مشورے دینے لگی۔ یہہ ایک معمولی بات تھی کہ رضیہ باپ کے پہلو بہ پہلو بازار اور شکار مین گھوڑے

پر سوار ہوتی تھی اور کسی قسم کا حجاب نہ تھا - وہ دلیری سے آنکھین دو چار کرکے بات چیت کیا کرتی تھی - اور قدرتی طور پر کچھہ اوسکا رعب جو اوس نے خلیق بنکر پبلک اور ملک اتہار تھضیہ پر بٹھایا ایسا تھا کہ انتظام اوسکے سپرد کر دیا - تعجب ہے کہ دربار عام مین جو شوکت اور رعب رضیہ کے چہرے سے برستا تھا وہ التمش کو بھی نصیب نہ تھا

الفنسٹن صاحب بہادر اپنی تاریخ ہند مین لکھتے ہین "سلطانہ رضیہ کل شاہانہ صفات سے متصف تھی اور اگر اوسکے طریق و عادات کو جانچ کرتے ہین تو اوس مین سوا اسکے اور کوئی عیب نہین پاتے کہ وہ عورت تھی" فرشتہ کی خاص عبارت یہہ ہے "سلطان رضیہ بجمیع صفاتے کہ بادشاہان عاقل کامل را اے را باید محلّی و مزین بود صاحب نظران کار آگاہ بجز آنکہ در صورت نسوان مخلوق بود عیبے درو نے یافتند" جہان تک تاریخ شہادت دیتی ہے رضیہ لاکھ دو لاکھ مردون مین یکتا تھی - اور نہ صرف التمش بلکہ پبلک بھی رضیہ کو اپنا سلطان اور آیندہ حکمران سمجھتے تھے - پہلا کام جو رضیہ نے جوان ہوکر کیا وہ ایک عظیم الشان مسجد کی تعمیر تھی - چونکہ بہت بڑی ہوشیار اور نقشہ نویس تھی خود ایک مسجد کا نقشہ بناکر باپ کی خدمت مین پیش کیا - التمش نے کم فرصتی کا بہانہ کیا رضیہ نے اوسکی تعمیر کا انتظام اپنے ذمے لینا پسند کیا - التمش نے تجویز منظور کر لی اور اب مرمت کا کام شروع ہوگیا - مسجد کا صرف ایک ہی مینار بننے پایا تھا کہ التمش بنفس نفیس خود ایک مہم مین گیا اور رضیہ کو عنان حکومت اپنے ہاتھہ مین لینی پڑی اسلیے وہ کام کچھہ مدھم سا پڑ گیا - ایک مینار جو تیار ہوا تھا اتبک قطب صاحب

کی لاٹ کے نام سے مشہور ہے ۔ یہہ مینار دہلی سے سات کوس کے فاصلے پر جنوب کی جانب واقع ہے ۔ اس ناتمام حالت مین بھی یہہ لاٹ عجائب روزگار ہے ۔ اس لاٹ کے تین درجے سنگ سرخ کے اور چوتھا درجہ سنگ مرمر کا بنا ہوا ہے ۔ اور ہر ایک درجے پر آیاتِ قرآنی کندہ ہین ۔ یہہ لاٹ اپنے ارتفاع مین ستر گز ہے ۔ اور آخری نیچے کا دور پچاس گز ہے اندر سے مجوّف ہے اور اسکی کل سیڑھیان ۳۰۸ ہین ۔ اور بھی چھوٹے چھوٹے مینارے بنائے گئے جنمین سے ایک آدھ اب بھی موجود ہے اور باقی زمانے کی تغیرانہ عادات کے شکار ہوگئے ۔ یہہ مسجد ضرور بنتی مگر خاندانون کے عظیم الشان انقلابات نے ایسے پسندین کام کو تکمیل پر پھونچنے نہ دیا اور وہ یون ناتمام ہوکر رہ گیا ۔

اب سب سے زیادہ دلچسپ اور ناظر سوانح کو اپنی طرف کھینچنے والا نظارہ ہماری سلطانہ کی وہ خداداد حکمرانہ شہنشاہی جبروت کی انتظامیہ قوت کا ہے جو اپنی نوعیت اور کیفیت مین جیسا بے نظیر ہے ویسا ہی اسلامی دنیا کے لیے زیادہ افتخار کا باعث ہے ۔

یہہ پہلی ہی بار ہے کہ ایک اسلامی خاتون ایسی حالت مین کہ عنفوانِ شباب ہو اور اپنے سے زیادہ مستحق بھائیون کی موجودگی مین اپنے باپ کی غیر حاضری مین ایسی سلطنت کی باگ ہاتھ مین لے جو ابھی نئی نئی ہند مین قائم ہوئی ہو اور جسمین مخالفانہ عناصر بہت شد و مد سے ملے ہوئے ہون ۔ شخصی حکومت اور وہ بھی مشرقی آب وہوا مین وُزرا کی متضاد طبائع کو ایک پیمانے مین قائم رکھنا اور بہادر راجپوتون کو اعتدال کی حد تک قائم

رکھنا ایسی بچی کو کہ جسکی عمر بھی بہت کم ہو اور جسکے بھائی بھی اپنا حق سلطنت غصب ہونے پر اوسکی طرف سے دلی کدورت رکھتے ہین کتنا مخوف اور مشکل معاملہ ہے۔

باپ کے چلے جانے کے بعد ہماری سلطانہ تاج شاہی سر پر رکھکر تخت پر جلوہ افروز ہوئی۔ اور رسم سلطنت کے بموجب کل وزرا دست بستہ حاضر خدمت ہوئے۔ جمال الدین بدایونی نے اپنی تاریخ خاندان غلامان مین اوس دن کی عجیب کیفیت لکھی ہے۔ گو زیادہ مطوّل ہونے سے ہم بعینہ درج نہین کر سکتے تاہم بھی کچھ ہدیہ ناظرین کرتے ہین۔ وہ لکھتا ہی۔ جس تزک و احتشام سے شہنشاہی لباس مین نوجوان رضیہ دربار مین نمودار ہوئی وہ دیکھنے سے علاقہ رکھتا تھا۔ چہرے پر نقاب تھی۔ سوا سے بھولے پن اور اوس نزاہت کے جو فطرتی طور پر عورتون کی صورت مین ہوتی ہے اور کوئی ثبوت اوسکی عورت ہونیکا نہ تھا۔ قاعدے کے موافق کل وزرا دست بستہ حاضر خدمت تھے اور تمام فوجی افسر بھی نمبر وار اپنے اپنے مرتبے کے لحاظ سے اپنی نئی سلطانہ کی خدمت مین آداب بجا لانیکو حاضر ہوئے تھے۔ بھائیون مین سے ایک بھی نہ تھا۔ رضیہ گو ابھی لڑکی ہی تھی۔ مگر قدرتی طور پر اوسکا رعب اہل دربار پر اسقدر تھا کہ کوئی اوسکے چہرے کو آنکھ بھر کر نہ دیکھ سکتا تھا۔ رضیہ نے پہلا سوال جو وزیر اعظم سے کیا وہ فوج اور محکمہ مال کے بارے مین تھا۔ رضیہ نے کہا کہ والد ماجد ایک خوفناک مہم پر تشریف لیگئے ہین مین چاہتی ہون کہ فوج اور رسد کا سامان کیا جاے۔ تاکہ ضرورت کیوقت یہان سے اور بھی ہر قسم کی مدد پہونچ سکے۔ وزیر نے نہایت خوش اسلوبی سے جواب دیا اور کہا کہ فوج اسقدر کافی ہے کہ اور نئی فوج بھرتی کرنے کی ضرورت نہین ہے۔

ہان سامان رسد کی فراہمی ایک ضروری امر ہے - یہہ سنکر سلطانہ نے فورًا محکمہ کمسریٹ کے افسر کے نام حکم بھیجدیا - کہ بیس ہزار فوج کی باربرداری اور رسد کا سامان ہر وقت تیار رکھے - خزانۂ شاہی کی بابت بہت سی باتین ہین - بعد ازان ڈاک کے انتظام کے لیے وزیر کی طرف اشارہ ہوا اور ارشاد ہوا کہ مین یہہ چاہتی ہون کہ ہر روز جنگ کی مفصل کیفیت سنتی رہون - یہہ بات سب سے زیادہ مشکل بلکہ دشوار تر تھی - نہ ابھی باغیون سے راستے پاک ہوئے تھے - نہ سڑکونکا کافی انتظام ہوا تھا - التمش کی فوج بھی لڑتی بھڑتی اور باغیونکو پسپا کرتی ہوئی بہ مشکل اپنی منزل مقصود پر پہونچی تھی - وزیر سلطانہ کا یہ ارشاد سنکر کسی قدر خاموش ہوا خود بھی سلطانہ نے سنجیدگی سے اس اہم اور پیچ در پیچ مسئلے کے سلجھانے مین عقل لڑائی اور چند دیگر امور پر بحث کر کے دربار برخاست کر دیا - اور حکم دیا کہ کل ہم ایک ایسا جغرافیائی نقشہ چاہتے ہین جس سے یہہ اندازہ ہو اور ہم جانچ کر سکین کہ کون کون سے پہاڑ - دریا - نالے اور مزاحم ریاستین بیچ مین پڑتی ہین جو ہماری فوجی ڈاک کی مزاحم ہوسکتی ہین - موجودہ زمانے کے لحاظ سے یہہ سوال گو چندان وقعت کے قابل نہ سمجھا جائے مگر اوس پرانے زمانے اور سلطانہ رضیہ کی عمر پر خیال کرنے کے بعد معلوم ہوگا کہ عورتون کی جنس مین تو بہت کم ایسی مدبرہ اور روشن دماغ گذری ہین - دوسرے دن حسب الارشاد وزرا نقشے بنا بنا کر لائے - مگر جو نقشہ رضیہ نے ساری رات مین تیار کیا تھا - سب سے مفید اور اعلی درجے کا ثابت ہوا - اور اسی کے مطابق ڈاک کا انتظام احسن طریقے سے انجام پایا پھر رضیہ نے بذات خود تمام دفتر کی جانچ کی اور اوسکا انتظام اس عمدگی سے کیا کہ جس وقت چاہو دفتر کا حساب کتاب

صاف طور پر مل سکے تقریباً چھ مہینے تک رضیہ اپنے باپ کی قائم مقامی
کرتی رہی۔ اس عرصے مین جس خوش اسلوبی سے اسنے انتظام سلطنت
کو سنبھالے رکھا۔ وہ نہایت ہی بڑی تعریف کا مستحق ہے۔ چھ مہینے کے
عرصے مین شاید رضیہ کو دو شب بھی آرام سے سونا نملا۔ وہ رات دن
اسی چکر مین رہتی تھی کہ کسیطرح تمام وزرا اور پبلک یہہ سمجھ لے کہ رضیہ
سلطنت کے قابل ہے۔ وہ اپنے بھائیونکی کمزور فطرت کو بخوبی جانتی تھی۔ اور اوسے
یہہ بھی علم تھا کہ اونکی حاسدانہ طبائع ضرور ایسی حالت مین کہ اس سلطنت
کی باگ میرے ہاتھہ مین آئیگی کچھہ نہ کچھہ رنگ لائیگی۔ ایسی نازک صورت
کے حدوث کے قبل اسنے یہہ قائم مقامی کا زمانہ اپنے لیے رحمت سمجھا
اور اس تگ و دو مین ہوئی کہ تالیف قلوب کیجائے۔ اور اسطرح کارروائی
کیجائے کہ لوگ مجھہ سے راضی بھی ہو جائین۔ اور انتظام سلطنت مین بھی
کوئی رخنہ نہ پڑے۔ ہفتے مین دو دن اس نظر سے عام دربار کیا کرتی تھی اور
ہر شخص کو خواہ وہ کسی طبقے اور درجے کا ہو اجازت دیدی گئی تھی کہ اگر وہ
کوئی استغاثہ پیش کرنا چاہے تو دست بدست سلطانہ کو دے
سکتا ہے۔ عوام الناس نے اس حکم کو آنکھون سے لگایا۔ اور وہ
اپنی سلطانہ پر جان نثار کرنے لگے۔ بعض دفعہ ایسا بھی ہوا ہے کہ وہ
کسی اہم مقدمہ کی تحقیقات کے لیے بنفس نفیس موقع واردات پر پہونچی
اور فریقین کے اظہار قلمبند کرکے داد انصاف دی۔ چھ مہینے کی قائم مقامی
کے زمانے مین اوسنے اپنے سول اور ملٹری افسرون کو اپنے
پر فریفتہ کر لیا۔ گو اوسکے بھائی اور اونکی پارٹی اس سے ناراض
بھی رہے۔ علاوہ انکے وہ ارکان سلطنت جو آرام طلب و مرتشی تھے رضیہ سے خوش نہوئے

گو بظاہر وہ دربار مین وفادار خادمون کی صورت بنا کر
سامنے کھڑے ہوتے تھے۔ مگر دل مین اپنی روشن دماغ سلطانہ
کی طرف سے کبیدگی ہی رکھتے تھے۔ ایک نئی بات جو سلطانہ رضیہ نے
کی وہ ساقیون کا سڑک پر سے اوٹھوا دینا تھا۔ اوسنے اعلان جاری
کیا کہ آیندہ سے کوئی ساقن بن سنور کر سڑک پر نہ بیٹھا کرے۔ کیونکہ انکا
یون عام شاہراہون مین بیٹھنا نہ صرف عصمت پناہ خواتین کی تخریب
عادات جمیلہ کا باعث ہوتا ہے بلکہ نوجوان بچے بھی بگڑتے ہین۔ ان
ساقنون کے لیے محلّون مین جگہہ مقرر کر دی کہ وہ وہان بیٹھکر حقہ وغیرہ
پلایا کرین۔ اسیطرح شراب کی دکانین بھی عام شاہراہون سے
اوٹھا دی گئین اور جتنے خلاف شرع امور ہوتے تھے اونکا اس خوبصورتی
سے انسداد کیا کہ کام کا کام بنگیا اور کسیکو گران بھی نگذرا۔ بڑی بات
جو راجپوتون کی تالیف قلوب کے لیے کی وہ یہہ تھی کہ اونکے مندر اور
پرستشگاہون کے لیے اوقاف مقرر کر دیے اور اس مضبوطی سے
اون کا عملدرآمد ہوا کہ التمش بھی اپنی بیٹی کی تجویز سے منحرف نہو سکا۔ یہ
ترکیب راجپوتون کے عظیم الشان اور خونخوار گروہ کو اپنی مٹھی مین لانیکی
بہت اچھی تھی۔ مگر اس سے راسخ الاعتقاد ملا جنکو پولٹیکل مذاق کبھی ہوا ہی
نہین نہو سکتا ہے برہم ہوئے اور ایسی حالت مین اوسکے عیش پرست بھائیو
اونکو بھڑکانے اور اون سے ملجانیکا بہت اچھا موقع ملا یہ سب کام سلطانہ
نے تقریباً چھہ مہینے مین کر لیے اور حتی الامکان اسنے ہر تجدید انتظام کی
اطلاع اپنے باپ سے کرتی رہتی تھی۔ غرض اوسنے یہہ ثابت کرکے دکھایا
کہ التمش کے بعد ایک مین ہی ہون جسکے جسم پر قبای سلطانی ٹھیک آسکتی ہے

موجودہ زمانے کی ترقی کے پہلو سے سلطانہ رضیہ کو نہ دیکھو بلکہ ابتدا سے
حالت پر جبکہ انسانی نسل نے اتنی ترقی نہ کی تھی ایک ایسی لڑکی کی فطرت
پر خیال کرو جسنے نہ اکسفورڈ یونیورسٹی مین تعلیم پائی تھی نہ کیمبرج دارالعلوم کا
پاس حاصل کیا تھا نہ اوسکے خاندان مین متعدد حکمرانہ پشتین گذری تھین۔
ایسی صورتون ایسی آب و ہوا۔ ایسے زمانے مین ایک ایسی روشن دماغ
سلطانہ کا پیدا ہوتا اور صرف اپنی قابلیت اور دماغی وسعت سے اپنے بھائیون
کو پھلانگ کر سلطانہ یا مالک تخت و تاج بن جانا کسقدر اسلام کی بزرگی
ظاہر کرتا ہے۔ اس کے علاوہ ایک نامور بات جو اس سے پائی جاتی ہی
وہ یہ ہے کہ اسلام مین عورتون کا کسقدر احترام اور قدر کیجاتی ہی
اور گذشتہ اسلامی حکمرانون کے کیسے انصاف پسند دماغ تھی کہ التمش
نے اپنے مستحق سلطنت بیٹون کو صرف اس نظر سے خارج کرکے کہ انکی عیش پرستی
سلطنت کو برباد کرگی اپنی بیٹی کو سلطانہ بنادیا۔ التمش کا چونکہ اول ہی
سے یہہ ارادہ تھا کہ رضیہ کو اپنے بعد تخت دونگا۔ اوسنے امتحاناً
چھہ سات مہینے کے لیے کل اختیارات تفویض کرکے اس بات کا
اندازہ کیا کہ یہہ ہونہار شہزادی کس درجہ تک میرے دلی مدعا کے برلانے
کی قابلیت رکھتی ہے جب وہ اپنے مہم مین کامیاب ہوکر دارالخلافہ
مین واپس آیا اور اوسنے انتظامی معاملات کی جانچ کی تو اوس کی
آنکھین کھلی کی کھلی رہ گئین۔ اور اوسے یقین ہوگیا بلکہ اوس نے اپنے
دل مین یہہ سمجھ لیا کہ اگر اسکے ہاتھہ مین سلطنت کی باگ دینے مین کوئی
شخص مانع ہوا تو اوسے تلوار سے سمجھاؤنگا۔
رضیہ کے بھائیون نے اپنے باپ التمش کے آگے شکایت کی اور متعصب

مُلّاؤن کا ایک فتوے جو بڑی محنت سے ترتیب دیا گیا تہا اوسکی خدمت مین پیش کیا - اور کہا رضیہ اپنی اس کارروائی سے کہ اُس نے راجپوتون کی عبادتگاہ کیلیے گاؤن وقت کر دیے ہین - درجۂ کفر تک پہونچ گئی - ساتھ ہی اس کے اونھون نے یہہ بھی کہا کہ ہمنے حضور کے خوف کے مارے کوئی کارروائی نہین کی - مبادا امن مین خلل پڑجاے - اور سخت خونریزی ہو ورنہ ہمین بہ حیثیت مسلمان اور حصہ دار سلطنت ہونے کے اختیار تہا کہ بزور بازو رضیہ کو یہہ کام نکرنے دیتے - التمش گو دل مین اپنے بیٹون کی یہہ تقریر سُنکر اور علما کی کف آلود باتین گوش گذار کرکے سخت ملول ہوا مگر بظاہر اوسنے نہایت سنجیدگی سے سُنا - اوسپر غور کیا اور یہ اطمینان بخش جواب دیا کہ کل رضیہ کی موجودگی مین مین اس معاملے کا اطمینان بخش فیصلہ کرونگا - چنانچہ وقت مقررہ پر فتوے دینے والے مولوی سع اور فاضل علما کے رضیہ اور اوس کے بہائیون کے ساتھہ حاضر ہوے - رضیہ کشمکش و پیچ مین تھی کہ دیکھیے کیا فیصلہ ہونیوالا ہے - اُسے اسبات کی مطلق پروانہ تھی کہ سلطنت کا استحقاق جاتا رہیگا - بلکہ اُسے یہ خیال تہا کہ مبادا اس جد و جہد سے اوقاف دیے ہوئے واپس نہو جائین - التمش نے جن وزرا کو اس مقدمے کے فیصلے مین شریک کیا تہا اونکے سوا اور کسیکو کانون کان خبر نہ تھی - کہ آج شب کو محل مین کس بات کا سمجھوتہ یا فیصلہ ہو رہا ہے - جمال الدین بدایونی نے علما کی طول طویل بحثون کو نقل کیا ہے مگر ہم اونھین غیر ضروری سمجھ کر قلم انداز کرتے ہین - اور صرف وہ سوال وجواب لکھتے ہین جو مفتیون اور رضیہ مین ہوئے - اور جن پر التمش نے فیصلہ کیا - پہلا الزامی سوال مفتیون کی طرف سے یہہ تہا کہ تمنے کفر مین اعانت

دی رضیہ نے اس الزام کو حقارت سے سُنا اور منہ بناکر یہ جواب دیا کہ منے کفر کو نہین بلکہ اسلام کو قوت پہنچائی ہے - مینے وہ تدبیر کی ہے جس سے اسلام کے قدم ہندوستان مین مدتون تک جمے رہین - مینے اپنا مذہبی فرض سمجھکر انکی پرستشگاہون کے لیے اوقاف نہین مقرر کیے ہین بلکہ ایک دنیوی حکمران کی حیثیت سے محض دنیا کا معاملہ سمجھکر یہہ تالیف قلوب کی کارروائی کی ہے - یہہ سُنتے ہی مفتیون کو سانپ سونگھہ گیا اور اوسکے بھائی بُت کیطرح آنکھین پتھرائے ہوئے رہگئے - التمش نے نعرۂ تحسین بلند کیا - اور فیصلہ کیا کہ جو کچھہ رضیہ کہتی ہے بالکل صحیح اور قابل عمل ہے رضیہ کے بھائی اور اُن کے معاون مفتی اپنا سا مُنہ لیکر واپس چلے آئے اور ایک تازہ دشمنی رضیہ کی طرف سے اون کے دلون مین جگہہ پکڑ گئی - گویا ایک بڑی زبردست مخالفانہ پارٹی کی بنیاد اس تاریخ سے سلطنت کے جگر مین رضیہ کے خلاف پڑ گئی - جس نے بعد ازان نہ صرف رضیہ بلکہ سلطنت کو ظلم کا جوہر دکھایا اور اپنی کوتہ اندیشی سے یہانتک کارگزاری کی کہ التمش کا خاندان ہی صفحۂ ہستی سے حرف غلط کیطرح مٹا دیا -

اب ہم اپنی سلطانہ کی زندگی کا نیا زمانہ شروع کرتے ہین اور اوسی ایک مستقل حاکمانہ جلال مین تخت پر جلوہ افروز دیکھتے ہین - جس مین کئی کرور آدمیون کی جانون پر وہ خودمختاری سے حکومت کریگی اور تمام نظم ونسق صرف اسی کی والا ذات پر منحصر ہوگا - اِسکے باپ التمش کے انتقال کے بعد جو سفر ملتان مین ہوا شاہی خاندان مین جھگڑے قصے برپا ہوگئے - اور آخرش التمش کا بیٹا فیروز تخت نشین ہوا - مگر چونکہ یہہ حد درجے کا عیاش اور شریر النفس تہا اسلیے امور سلطنت کے انجام دہی مین اس سے

غفلت ظہور مین آئی - تمام کاروبار مین ابتری پھیل گئی - اور طوائف الملوکی کی
صورت ہر طرف نظر آنے لگی - اس نے اندھا دھند خزانۂ عامرہ کا روپیہ
بھانڈون اور نقالون کو نذر کرنا شروع کردیا - اسکے سبب سے
بغاوت نمودار ہوگئی - اور سات مہینے کے بعد فیروز اپنے باپ کے
تخت سے اوتار دیا گیا - اب تمام ارکین سلطنت مین یہہ سوال پیش ہوا
کہ کون تخت شاہی پر جلوہ افروز ہو - ہماری سلطانہ کی دانشمندی
کے سب قائل ہوگئے تھے فی الفور سب کی آنکھین سلطانہ رضیہ کی طرف
متوجہہ ہوئین - اور تمامی امرا اور وزرا نے ملک ۱۲۳۶ء مین
اوسکو تخت پر بٹھادیا - اس زمانے مین ایک گروہ ایسا بھی تھا
کہ جس نے عورت ذات کی فرمانبرداری قبول کرنے سے انکار کیا
اور سلطانہ کے مقابلے مین علم بغاوت بلند کیا مگر سلطانہ نے حکمت
عملی سے دشمن کے لشکر مین نفاق ڈالدیا جسکے سبب سے ایک ایک جانی دشمن
ہوگیا جو نہایت سرکش تھے اونھین سلطانہ نے قتل کروا ڈالا - اور باقی
شخصونکی دلجوئی کرکے منصب عطا کیے اور اسطرح یہہ بغاوت ٹھنڈی ہوگئی
دو برس سے زیادہ سلطانہ رضیہ بیگم کے زمانے مین خوب امن وامان رہا
اور اوسکے حسن انتظام سے رعایا مین آسودہ حالی کی صورت دکھائی دینے
لگی تجارت کو ترقی ہوئی - مالگذاری وقت پر وصول ہونے لگی - ناظم اپنا کام
اچھی طرح سرانجام دیتے تھے - وہ بے نقاب سر سلطنت پر جلوہ افروز
ہوتی تھی - اور اصالتاً خود فریادین سُنا کرتی تھی - وہ اکثر ہاتھی پر سوار ہوکر
شہر کا انتظام دیکھا کرتی تھی - اور اوسکے حسن و قبح پر اپنے ارکین سلطنت
کو مطلع کیا کرتی تھی - سنہ نشینی سے قبل سلطانہ کو اپنی شادی کا مطلق خیال تھا

یہہ امورات سلطنت مین کچھہ ایسی غلطان پیچان رہا کرتی تھی کہ اوسکو اپنی ذاتی خواہشات کی خیالات کی طرف ذرا بھی رجحان نہ تھا - اگرچہ چند شخص اوسکے ساتھہ عقد کے آرزومند تھے مگر سلطانہ نے کسی کی طرف اس خاص بارے مین ذرا بھی التفات نہ کی - بعد جلوس البتہ اوسکی طبیعت نے ایک ایسے شخص کے دل مین جگہہ پائی کہ دنیوی لحاظ اور مرتبت کی وجہہ سے بالکل ناقابل سمجھا جاتا تھا - اور تھا بھی جسکی وجہہ سے ایک عظیم بلا مین گرفتار ہو کر جان بحق ہوئی -

رابعہ بصری :- یہہ عورت تبع تابعین کے عہد مین تھی - اور فصاحت و بلاغت کے کمال سے اپنے قرآن مجید پر اسقدر تصرف حاصل کرلیا تہا کہ ہماری نظر مین اسکی ذکاوت اور نیز اوسکا وہ ملکہ جسکی بدولت وہ قرآن کی ہر آیت کو نہایت مناسب موقع پر استعمال کرتی تھی بہت ہی حیرت انگیز چیز ہے اور شاید اپنے اس کمال کے اعتبار سے اسلام کی تیرہ سو برس کی مدت مین وہ منفرد ثابت ہوگی - عبداللہ بن مبارک جو امام اعظم ابوحنیفہ کوفی علیہ الرحمۃ کے ارشد تلامذہ مین ہین بیان کرتے ہین کہ ایک مرتبہ مین مکہ معظمہ گیا - اور ارادہ تہا کہ مدینہ طیبہ جاکے تربت حضرت رسالت پناہ صلعم کی زیارت سے بھی شرفیاب ہونگا - مین اپنے اونٹ پر سوار تن تنہا جا رہا تھا - اور عرب کے ریگستان اور پہاڑون کی گھاٹیان قطع کرتا چلا جاتا تھا کہ راستہ مین ایک جگہہ دور پر کچھہ سیاہی نظر آئی - قریب جاکے غور سے دیکھا تو معلوم ہوا کہ ایک ضعیفہ عورت بیٹھی ہوئی ہے نہ کوئی آگے ہے نہ کوئی پیچھے - ایک سوتی چادر اور ایک سوتی خمار سر پر پڑی ہوئی ہے - مین نے حیرت سے اوسکی طرف دیکھا اور کہا "

السلام علیک و رحمۃ اللہ و برکاتہ " اوسنے جواب دیا " سلام قولا من رب رحیم

(یعنی سلام قول ہے پروردگار مہربان کی جانب سے) مین نے کہا خدا تم پر رحمت کرے یہان کیا کر رہی ہو۔ جواب دیا ،،وَمَنْ يُّضْلِلِ اللّٰهُ فَلَا هَادِيَ لَهٗ،، (جسکو الله گمراہ کر دے اوسکو راہ بتلانیوالا کوئی نہین) اس جواب سے مین سمجھا کہ یہہ راستہ بھول گئی ہے دریافت کیا وہ اور جاتی کہان ہو،، بولی ،،سُبْحَانَ الَّذِيْ اَسْرٰى بِعَبْدِهٖ لَيْلًا مِّنَ الْمَسْجِدِ الْحَرَامِ اِلَى الْمَسْجِدِ الْاَقْصٰى،، (پاک ہے وہ الله جو لیگیا اپنے بندے کو مسجد حرام (کعبہ) سے مسجد اقصیٰ (بیت المقدس) کی طرف مین سمجھ گیا کہ حج سے فراغت کرکے اب بیت المقدس جاتی ہے۔ پوچھا کب سے تم اس مقام پر پڑی ہو۔ وہ بولی ،،ثَلٰثَ لَيَالٍ سَوِيًّا،، (تین راتین پوری) مین نے کہا تمھارے پاس کچھ کھانیکو تو ہے نہین آخر تمنے بسر کیونکر کی بولی ،،هُوَ يُطْعِمُنِيْ وَيَسْقِيْنِ،، (وہی مجھے کھلاتا ہے اور پلاتا ہے) مین نے پوچھا۔ اور تم وضو کس چیز سے کرتی تھین بولی ،، فَلَمْ تَجِدُوْا مَآءً فَتَيَمَّمُوْا صَعِيْدًا طَيِّبًا (اور نہ پاؤ تم پانی تو تیمم کرو پاک مٹی سے) مین نے کہا میرے پاس کھانا ہے کھاؤ گی بولی۔ وہ ثُمَّ اَتِمُّوا الصِّيَامَ اِلَى الَّيْلِ ،، (پھر تمام کرو تم روزے کو رات تک) مین نے کہا یہ رمضان کا تو مہینا نہین ہے۔ جواب دیا۔ وہ وَمَنْ تَطَوَّعَ خَيْرًا فَاِنَّ اللّٰهَ شَاكِرٌ عَلِيْمٌ ،، (اور جو بطور نفل نیک کام کرے تو الله قبول کرنیوالا اور جاننے والا ہے) مین نے کہا۔ لیکن سفر مین تو ہمین روزہ نہ رکھنا مباح ہے۔ جواب دیا وَاَنْ تَصُوْمُوْا خَيْرٌ لَّكُمْ اِنْ كُنْتُمْ تَعْلَمُوْنَ ،، (اور اگر روزہ رکھو تم تو تمھارے حق مین بہتر ہے اگر تم جانتے ہو) آخر اوسکی قرآن خوانی سے عاجز آکے مین نے کہا۔ جسطرح مین تم سے باتین کرتا ہون اسیطرح آزادی سے تم مجھ سے باتین کیون نہین کرتین۔ اسکے جواب مین اوسنے کہا۔ وہ مَا يَلْفِظُ مِنْ قَوْلٍ اِلَّا لَدَيْهِ رَقِيْبٌ عَتِيْدٌ ،، (نہین منہ سے نکالتا ہے کوئی بات مگر یہہ کہ اوسپر

ایک جاسوس پہنچا ہے۔) مین نے پوچھا۔ تم کس قبیلے کی عورت ہو
اوسنے کہا۔ "وَلَا تَقْفُ مَا لَيْسَ لَكَ بِهِ عِلْمٌ ط إِنَّ السَّمْعَ وَالْبَصَرَ وَالْفُؤَادَ كُلُّ أُولَٰئِكَ
كَانَ عَنْهُ مَسْئُولًا" (اور نہ واقف ہو تو اوس چیز سے جسکا تجھے علم نہین ہی تحقیق
کان اور دل سب اسکے متعلق باز پرس ہوگی۔ مین نے کہا مجھ سے خطا ہوئی
معاف کرو۔ وہ بولی۔ "لَا تَثْرِيبَ عَلَيْكُمُ الْيَوْمَ ط يَغْفِرُ اللَّهُ لَكُمْ" (نہین تم پر
سرزنش آج اللہ تمہارے گناہ معاف کرے۔) مین نے کہا مین تمھین اپنی اونٹنی
پر بٹھا کے لیچلون چلو گی۔ کہا "وَمَا تَفْعَلُوا مِنْ خَيْرٍ يَعْلَمْهُ اللَّهُ" (اور جو نیکی کا
کام تم کرو اللہ اوسے جانتا ہے) مین نے اونٹنی بٹھائی اور کہا آؤ۔ کہنے لگی "قُلْ
لِّلْمُؤْمِنِينَ يَغُضُّوا مِنْ أَبْصَارِهِمْ ط" (کہہ تو مومنین سے کہ اپنی آنکھین بند کرلین)
مین نے آنکھین اوسکی طرف سے پھیر لین اور کہا لو سوار ہو۔ اوسنے جیسے ہی سوار
ہونیکا قصد کیا اونٹنی بھڑکی اور اوسکی چادر پھٹ گئی اپنی چادر کو پھٹے
دیکھ کر بولی "وَمَا أَصَابَكُمْ مِّن مُّصِيبَةٍ فَبِمَا كَسَبَتْ أَيْدِيكُمْ" (اور تمکو جو مصیبت
پہونچے وہ خود تمھارے ہاتھوں سے ہے۔) مین نے کہا اچھا تم ذرا ٹھیر جاؤ
مین اونٹنی کو باندھدون تب تم سوار ہونا۔ جواب دیا۔ "فَفَهَّمْنَاهَا سُلَيْمَانَ"
(پس سمجھایا ہم نے سلیمان کو) مین نے اونٹنی کو باندھ کر کہا۔ اب سوار ہو۔ وہ
سوار ہوئی۔ اور اونٹنی کی پیٹھ پر بیٹھکر کہا "سُبْحَانَ الَّذِي سَخَّرَ لَنَا
هَٰذَا وَمَا كُنَّا لَهُ مُقْرِنِينَ وَإِنَّا إِلَىٰ رَبِّنَا لَمُنقَلِبُونَ" (پاک ہے وہ اللہ جس نے
اسکو ہمارا مطیع کیا اور ہم اوسکی صلاحیت نہ رکھتے تھے اور ہم اسپنے پروردگار
کی طرف توجہ کرنے والے ہین) مین نے اونٹنی کی مہار ہاتھ مین لی اور دوڑتا
چلاتا چلا۔ یہ حالت دیکھکر بولی۔ "وَاقْصِدْ فِي مَشْيِكَ وَاغْضُضْ مِن صَوْتِكَ"
(اور نرمی کرو اپنی چال مین اور پست کرو اپنی آواز کو) یہ سنکر مین آہستہ آہستہ

چلانے لگا اور چلانے کی جگہہ ضعیف آواز سے بطور ترنم کچھہ اشعار پڑھنے لگا
تو بولی "فَاقْرَؤُا مَا تَيَسَّرَ مِنَ الْقُرْاٰنِ" (اور پڑھو جسقدر توفیق ہو قرآن سے)
مین نے کہا اللہ نے تم مین بہت سی نیکیان پیدا کی ہین۔ بولی۔ وَمَا يَذَّكَّرُ اِلَّا
اُولُوا الْاَلْبَابِ " (اور نہین سمجھتے ہین مگر صاحبان عقل) تھوڑی دور چلکر مین نے
دریافت کیا۔ تمھارے شوہر بھی ہین۔ کہنے لگی "يَا اَيُّهَا الَّذِيْنَ اٰمَنُوْا
لَا تَسْئَلُوْا عَنْ اَشْيَاۤءَ اِنْ تُبْدَ لَكُمْ تَسُؤْكُمْ" (اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو
نہ سوال کرو اون چیزون سے کہ اگر ظاہر ہوجاین تو تمکو بُری معلوم ہون) یہہ
سُنکر مین خاموش ہوگیا۔ اب ہم چلتے چلتے قافلے مین پہونچے اور اوس ضعیفہ
سے مین نے دریافت کیا کہ قافلے مین تمھارا کون ہے۔ کہا "اَلْمَالُ وَالْبَنُوْنَ
زِيْنَةُ الْحَيٰوةِ الدُّنْيَا" (مال اور دولت جو دنیاوی زندگی کی زینت ہین)
مین سمجھا کہ اسکے بیٹے قافلے مین ہین۔ مین نے کہا۔ اور اونکا پتہ کیا ہے۔ وہ
بولی۔ "وَعَلَامَاتٍ وَبِالنَّجْمِ هُمْ يَهْتَدُوْنَ" (اور علامتین ہین اور تارون سے
وہ راستہ پاتے ہین۔) مجھے معلوم ہوا کہ اوسکے لڑکے قافلے کے رہبر ہین
مین اونٹ کی مہار پکڑے ہوئے خیمون مین پھرنے لگا۔ اور
رہبرون کے حلقے مین پہونچ کر مین نے کہا تمھارا خیمہ کونسا ہے۔
پہچانو۔ کہنے لگی۔ "وَاتَّخَذَ اللّٰهُ اِبْرَاهِيْمَ خَلِيْلًا۔ وَكَلَّمَ اللّٰهُ مُوْسٰى تَكْلِيْمًا۔ يَا
يَحْيٰى خُذِ الْكِتٰبَ بِقُوَّةٍ" (اور لیا اللہ نے ابراہیم کو دوست۔ اور بات کی اللہ نے
موسے سے بات کرنے کر۔ اے یحییٰ لے تو کتاب مضبوطی سے) مین سمجھ گیا کہ یہہ
اوسکے بیٹون کے نام ہین۔ اور آواز دی۔ اے ابراہیم اے موسیٰ اے
یحییٰ۔ ناگہان تین نوعمر لڑکے نکلے جو اسقدر خوبصورت تھے کہ گویا چاند کے ٹکڑے
ہین۔ لڑکون نے اپنی مان کو اوتارا۔ اور ہم سے بیٹھہ کر باتین کرنے لگے۔

یکایک اوس عورت نے چلا کر کہا "فَابْعَثُوا اَحَدَكُمْ بِوَرِقِكُمْ هٰذِهٖ اِلَى الْمَدِيْنَةِ فَلْيَنْظُرْ اَيُّهَا اَزْكٰى طَعَامًا فَلْيَاْتِكُمْ بِرِزْقٍ مِّنْهُ" یہہ سنتے ہی ان مین سے ایک بازار دوڑا گیا اور جو کچہہ ملا لا کے سیر سے سامنے رکھدیا۔ وہ عورت بولی۔ "كُلُوْا وَاشْرَبُوْا هَنِيْٓـًٔا بِمَآ اَسْلَفْتُمْ فِى الْاَيَّامِ الْخَالِيَةِ" (کھاؤ اور پیو برکت کے ساتھ بعوض اوسکے جو گذشتہ خالی دنون مین تم کرچکے ہو۔

مین ضعیفہ کی باتین سن سنکر اسقدر حیرت مین تھا کہ مین سے لڑکون سے کہا۔ سنو۔ مین اپنے اوپر تمھارے کھانے کو حرام سمجھتا ہون جب تک یہہ نہ بیان کرو کہ یہہ کون خدا کی بندی ہے اور اوس کی داستان کیا ہے۔ لڑکون نے کہا ہمین بیان کردینے مین کوئی عذر نہین۔ یہہ ہماری والدہ ہین۔ چالیس برس ہوئے جب سے سوا قرآن کی آیات کے اور کوئی لفظ اون کی زبان سے نہین نکلا۔ اور اونھون نے اس خوف سے اور باتین کرنا چھوڑ دی ہین کہ مبادا کوئی ایسا لفظ زبان سے نکلجائے جسکی قیامت کے دن جوابدہی کرنا پڑے۔ ابن مبارک کہتے ہین مین نے سنکر تعجب کیا اور کہا یہ خدا کی مہربانی ہے جس کے حاق ہو جائے۔ اس قصے سے ثابت ہوتا ہے کہ تعلیم نے اس عورت مین کسقدر لیاقت پیدا کردی تھی۔ کہ اپنا کام قرآن ہی سے نکال لیا کرتی تھی۔ اور پھر یہہ بھی معلوم ہوتا ہے کہ تعلیم نے اسکے دل پر کسقدر پاک اثر پیدا کیا۔ اور اونے کتنا اعلے درجہ اتقا کا دکھایا۔ جو شاید کبھی مردون مین نہ نظر آیا ہوگا۔

رملہ بنت شیبہ :۔ شیبہ بن ربیعہ کی لڑکی تھی۔ اس عورت کا شمار صحابیات مین کیا گیا ہے۔ جسوقت اسکا باپ جنگ بدر مین مارا گیا اوسوقت رملہ نے یہہ شعر کہے جو ذیل مین درج کیے جاتے ہین۔

اشعار

يحيى الرحمن صائبة يوجـ — و مكتة اويا طراف الحجون

تدين لمعشر قتلوا اباها — اقتل ابيك جائك باليقين

حرف الزاء

زبیدہ خاتون:- خلیفہ عباسی جعفر بن منصور کی لڑکی اور ہارون رشید کی بی بی تھی - یہہ خاتون بڑی مخیرہ تھی - اسکے محل مین سو عورتین حافظ قرآن نوکر تھین - اسنے اپنی عالی ہمتی سے مکۂ معظمہ مین ایک نہر کھدوا ئی تھی - اسکا شوہر ہارون رشید - امور مملکت مین اس سے مشورہ کیا کرتا تھا - یہہ خاتون اکثر علوم سے واقف تھی - نظم کی طرف بھی طبیعت مائل تھی - اسکے ایک لڑکے کا نام امین تھا - طاہر نے جس وقت امین کو قتل کروا ڈالا اوسوقت امین کی مان زبیدہ خاتون قصر خلافۃ مین تشریف فرما تھی - کہ ایک خواص نے اکر کہا حضور بیٹھی لیا کرتی ہین امیر المومنین قتل کر دیے گئے - زبیدہ نے کہا پھر کیا کرون - اوسنے ترغیب دی کہ حضرت عائشہ جسطرح حضرت عثمانؓ کے خون کی دعویدار ہوئی تھین حضور بھی امیر المومنین کے خون کا عوض لین - زبیدہ نے کہا - لا ا ملک ما للنساء وطلب الدماء - اسکے بعد مامون کو یہہ منظوم خط لکھا -

اشعار

لوارث علم الاولين وفهم — وللملك المامون ام جعفر

كتبت وعيني مستهل دموعها — اليك ابن عمي من جفون ومحجر

وقد مسني ذل وضر كآبة — وارق عيني يا ابن عمي تفكر

اتى طاهر لا طهر الله طاهرا — فما طاهر فيما اتى بمطهر

فاخرجنی مکشوفۃ الوجہ حاسراً	واھب اموالی واخرب دوری
یعز علی ھارون ما قد لقیتہ	وما مر لی من ناقص الخلق اعوری
فان کان ما اہدی بامر امرتہ	صبرت لامر من قدیر مقدر

اور اپنے لڑکے امین کے مرثیے مین کچھہ فارسی اشعار لکھے جنکے دو شعر یہہ ہین۔

اشعار

ای جان جہان جہان ناخوش بے تو	بعد اور پریشان و مشوش بے تو
رفتی تو و من بے تو بماندم فریاد	تو در خاکی و من در آتش بے تو

زیب النسا بیگم:۔ اسکے باپ کا نام عالمگیر تھا۔ جو اپنے وقت کا نہایت مدبر بادشاہ ہوگذرا ہے۔ شاہ نواز خان صفوی کی دختر کی لڑکی تھی۔ ۱۰۴۸؁ہجری مین دہم شوال کو پیدا ہوئی تھی۔ کلام مجید کی حافظہ تھی۔ علوم عربی اور فارسی سے بخوبی ماہر تھی۔ خطوط نستعلیق۔ نسخ۔ شکستہ وغیرہ وغیرہ لکھنے پر قادر تھی۔ سینکڑون علما۔ شعرا۔ اور خوشنویس منشی اسکی قدردانی کے سایے مین خوشحال رہا کرتے تھے۔ نحو۔ صرف اور فقہ مین بھی کامل دستگاہ تھی۔ نظم سے نہایت دلچسپی تھی۔ اس نے اپنی ہوداغی کی وجہہ سے شادی نہین کی۔ اور ۱۱۱۲؁ہجری مین فوت ہوئی اسکے کچھہ اشعار ذیل مین درج ہین۔ لیکن مخفی جو اسکا تخلص لوگ مشہور کرتے ہین بالکل غلط ہے۔

ابیات

بلبل از گل بگذرد گر در چمن بیند مرا	بت پرستی کے کند گر برہمن بیند مرا
در سخن پنہان شدم مانند بو در برگ گل	ہر کہ دیدن میل دارد در سخن بیند مرا

ولہا

از تاب و تبم مهر سما را که خبر کرد — وز گریهٔ من ابر و هوا را که خبر کرد
بیرون همه سرسبز و درونم همه پرخون — از حالتِ من برگِ حنا را که خبر کرد

ولها

در نهان خونم بعینه گرچه برگِ تازه ام — حالِ من در من نگر چون برگِ سرخ اندر حناست
دخترِ شاهم ولیکن رو بفقر آورده ام — زیب و زینت بس همینم نامِ من زیب النساست

ولها

خیز کرشمه ریز کن نرگسِ نیم مست را — از تهِ جام جرعه ده ساقیِ می پرست را
بهرِ شهادتِ جهان یک نگه از تو بس بود — گرمِ غضب چه میکنی غمزهٔ تیز دست را
تاب مده بطرّه ات بر دلِ مو گره مزن — بدعتِ تازه منه قاعدهٔ شکست را

ولها

بنگر به تهیدستیِ ما کز سرِ همت — بر سفرهٔ حاتم ننشیند مگسِ ما

ولها

گرفتم آنکه از رحمت گناهِ عاصیان بخشد — به محشر بس بود داغِ خجالت روسیاهان را

ولها

میدهم آب از سرشکِ خویش باغِ خویش را — تازه میدارم ببوی گُل دماغِ خویش را

ولها

درسِ عشقت را بیانی دیگر است — این مدرس را زبانی دیگر است
تا بکی سرگرمِ کارِ این جهان — این جهان را هم جهانی دیگر است
از شرابِ عشق می سوزد جگر — نقلِ این می از دکانی دیگر است

حرف السین

سکینہ :- حضرت سکینہ رضی اللہ عنہا حضرت امام حسینؓ کی صاحبزادی کی

فضائل کا منظر دیکھکر حیرت ہوتی ہے۔ احوص ادب کا امام اور ملک عراق کا فخر جب مدینے مین آیا۔ اور وہان کے تمام کاملین کا اوسنے جائزہ لیا۔ جو لوگ بڑے بڑے کامل العیار خیال کیے جاتے تھے۔ احوص کی نکتہ چینی سے عہدہ برا نہو سکے۔ کوئی ایسا نہ تھا جو مدینے کے مرکز قابلیت کی ناموس کو محفوظ رکھ سکتا۔ جب وہ حضرت سکینہ کی خدمت مین آستانہ بوسی کو حاضر ہوا تو آپنے اوسکے تمام مجموعہ لٹریچر مین سے چند جگہہ ایسی مبصرانہ نکتہ چینی کی کہ اوسکو دعوی انا ولا غیری ترک کرنا پڑا۔ ایسے ہی فرزدق اور جریر عراق کے مشہور شعرا جن سے زیادہ اوس زمانے مین کوئی روشن ستارہ شاعری کے افق پر نتھا۔ مدینے مین آئے۔ اور حضرت سکینہ کی خدمت مین حاضر ہوئے تو آپنے ہر ایک کے کلام مین جو کہ تمام شعرا کی موزون طبائع کی محک پر جانچ لیا گیا تھا چند مقامات پر تخطیہ کیا اور اون کو تسلیم کرنا پڑا۔ اس سے حضرت سکینہ کے حافظے کی وسعت اور علم کی غایت کا پیمانہ معلوم ہوتا ہے۔

سیدہ بیگم :۔ سید ناصر سادات جرجان کی لڑکی تھی۔ وطواط کی ہمعصر تھی۔ یہہ چند شعر اوسکی تصنیف سے ہین۔

اشعار

دلی دارم بہ پہلو بیقرار از ہجر یار خود — چہ گویم پیش بیدردان ز درد بیقرار خود

بدرد مبتلایان گریم کہ خود گردد دل خارا — چہ یاد آرم من سرگشتہ از یار و دیار خود

ازان پیوستہ در عالم چنین سرگشتہ میگردم — کہ می بینم چو زلف او پریشان روزگار خود

گلی از باغ وصل او نچیدم بر مراد خود — چو غنچہ گرچہ خون دیدم دل امیدوار خود

ز استغنا ندارد گوش یکبار آن جفا پیشہ — اگر در پیش او صد بار گویم حال زار خود

بکار خویش حیرانم کہ از عشق بتان ہرگز — سروکاری نمی بینم من مسکین بکار خود

ازین سوزیکہ سرِ دارم زعشق او بیرون بجز اہم سوخت آخر سیّدہ لوح مزار خود

سیّدالنسا بیگم:۔ اس عورت کی سوانح عمری ہمکو بذریعہ خط وکتابت ملی ہے۔ جو خاص اس نیک بخت عورت کے ہاتھ کی لکھی ہوئی ہے۔

ہمارے خط کے جواب مین جو کچھہ اوسنے لکھا ہے ہم بعینہٖ اوس کو درج کرتے ہین۔ ناظرین اوسکی علمی استعداد عصمت۔ نتیجۂ علم عفت۔ خود معلوم کرلین گے۔

بسم اللہ الرحمن الرحیم

بخدمت فیضدرجت جناب سید اختار عالم صاحب آزاد دام فیضہٗ

تسلیم۔ آپکا مکرمت نامہ بطلب سوانح عمری فیض آسود ورود لایا۔ معزز و مفتخر فرمایا۔ قبل از تحریر سوانح عمری آپ کے اس احسان وکرم کا نہایت ادب کے ساتھ شکریہ ادا کرتی ہون کہ بذریعہ آپکے ارادے اور علو ہمتی کے ہم پردہ نشینان کو یہہ افتخار حاصل ہوا کہ ہم گمنامون کا نام بھی صفحۂ قرطاس پر زیب ارتسم فرمایا جائے۔

رباعی

اگر ہر موی من گردد زبانے	ز تو رانم بہ ہر یک داستانے
نیارم گوہر شکر تو سفتن	سر موئے ز احسان تو گفتن

ہندوستان مین بعہد شاہان ماضیہ عورات کے علم و فضل و ہنر و کمال کی قدر کی جاتی تھی۔ بعد سنہ ۱۱۳۱ ہجری کو جب محمد شاہ بادشاہ دہلی تخت نشین ہوا تو روز بروز ہندوستان جنت نشان پر ادبار آیا اور بوجہہ پریشان خاطری و بے بضاعتی وقتاً فوقتاً تنزل ہوتا رہا۔ اور شرفا کے گھرون سے دولت علم و ہنر معدوم و مفقود ہوگئی خصوصًا

مستورات پردہ نشینون کے علم و ہنر بوجہ ناقدری مستور ہوگئی تھے
بلکہ عورات بہ نظرِ حقارت دیکھی جاتی تھین - اب بعد انقضائے زمانۂ
دراز کے جناب فیضماب منشی محبوب عالم اڈیٹر پیسہ اخبار کے
اخبار گوہر بار مین جو ہم گناہون کے مضامین طلب فرمائے گئے
تو معلوم ہوا کہ زمانے نے کروٹ بدلی اور بختِ خفتۂ مستورات بیدار
ہوئے - اور بوستانِ خزان دیدہ مین بہار آئی - غنچۂ خاطرِ نسوان جو کہ
پژمردہ تھے شگفتہ ہوئے - خداوند کریم آپکی اس ہمتِ مردانہ مین برکت دے
اور کامیابی حاصل ہو - آمین ثم آمین - ع - این کار از تو آید و مردان
چنین کنند -

سانح عمری سیدالنساء مخفی

۱۳ ہجری ۱۴

سیدالنساء بیگم کا حسب و نسب

میرے باپ قاضی بدرالدین احمد صاحب خلف اکبر قاضی شرف الدین احمد صاحب
صدیقی قوم کے شیخ اور اکابرین قصبہ کوتانہ سے ہین - قاضی محمد امین میرے
جد امجد تھے - جنکو شاہانِ مغلیہ سے عہدۂ قضا عطا ہوا تھا - اور میرے زمانہ پیدائش
تک رجسٹر نکاح خوانی میرے دادا صاحب کے پاس موجود تھا - تین سو چوراسی ۳۸۴
موضع جو نواح کوتانہ سے تھے بجز میرے دادا صاحب یا اون کے
نائب کے کوئی شخص نکاح خوانی نہ کرسکتا تھا - میری والدہ صاحبہ
معظمہ مکرمہ شیخ امان اللہ صاحب قریشی پانی پتی کی دختر

نیک اختر ہین - یہہ صاحب نہایت درجہ حلیم الطبع اور سلیم المزاج درویش
منش تھی - اور قاری عبد العزیز صاحب دہلوی سے دست بیع
تھی - زمانہ سپاہ گردی (یہہ ایک ٹیڑا تخص مشہور رہے) مین شیخ محمد روشن
ان کے والد بزرگوار فرخ آباد مین جاکر مقیم ہوئے - اور تین ثلث
اپنی عمر کے وہین طے کیے - بعد انتقال شیخ محمد روشن - شیخ امان اللہ
صاحب میرے نانا جس زمانے مین مقام میرٹھ چھاونی پڑی -
تشریف لاکر آباد ہوئے - اور مکانات - دکانات اور احاطہ تعمیر
کرایا جو اب تک احاطہ شیخ امان اللہ مشہور و معروف ہے -

سید النساء بیگم کی والدہ کی شادی ہونا

۱۲۵۴ھ ہجری مین بعمر شانزدہ سال میری والدہ صاحبہ کی شادی
قاضی بدر الدین احمد بن قاضی شرف الدین احمد صاحب سے بمقام
میرٹھ ہوئی - اور وہ رخصت ہوکر قصبہ گوتانہ اپنی سسرال مین
مع جہیز بھیجی گئین - میرے معزز ناظرین باتمکین پر واضح رہے کہ
میرے دادا صاحب مرحوم قاضی شرف الدین احمد بساعت مریخ پیدا
ہوئے تھے - جبر و تعدی و ترش روئی اونکا خلقی امر تھا - کوئی اولاد
ناخلف بھی اپنے باپ دادا کی اہانت کرنا پسند نہین کرتی - اور نہ کوئی
فرد بشر اسکا کو گوارا کرسکتا ہے - چونکہ یہہ سوانح عمری ہے - اور
حق گوئی کلمۂ حق ہے لہذا کوئی امر یا واقعہ پوشیدہ رکھنا عقلا کے
نزدیک خلاف عقل ہے ع راستی موجب رضای خدا است - ان بزرگ
کا ایسا برتاؤ خاص میری والدہ ہی کے ساتھ نہ تھا بلکہ اپنے تمام رشتہ
دارون کے ساتھ بھی اسی طرح پیش آتے تھے - جو حال بدسلوکی کا اب

بیان کیا جاتا ہے وہ مشتے نمونہ از خروارے ہے۔ جسقدر زیورات۔ پارچاب وظروفات وغیرہ اسباب جہیز میری والدہ کے ہمراہ آیا تھا میرے دادا نے اپنے قبضے مین کر لیا۔ اور قسم قسم کی تکالیف دینی شروع کین۔ کہ جسکے بیان سے قلم دوزبان کا سینہ چاک ہے چونکہ میرے والد قاضی بدرالدین احمد اپنے والدین کے تابع حکم تھے اسلیے میری والدہ کی کچھ امداد نہ کر سکے۔ کیونکہ بارہا انکے والد نے یہہ فرمایا تھا کہ اگر تمنے اپنی بی بی کی طرفداری کی تو تمکو عاق کر دونگا۔ القصہ اسی پریشانی اور خستہ حالی مین تین سال گذری

سیدالنسا بیگم کی پیدائش

مین قصبہ کوتانہ ضلع میرٹھ جو مضافات دہلی سے کنارہ دریا سے جمن واقع ہے بتاریخ ۱۶ - ماہ محرم الحرام ۱۲۸۵ھ مطابق ۱۸۶۸ء بروز یکشنبہ بوقت آٹھ شب کے پیدا ہوئی تو میری والدہ صاحبہ کے ساتھ سسرال سے وہ سلوک ہوا کہ ناگفتہ بہ ہے۔ گویم مشکل وگر نگویم مشکل۔ کیا کہون کچھ کہا نہین جاتا۔ چپ بھی لیکن رہا نہین جاتا۔ بوجہ عدم توجہی قاضی شرف الدین احمد صاحب زچہ خانے مین تیل تک نہ تھا کہ چراغ تک روشن ہوتا۔ بجاے چراغ داغ دل جلتا تھا۔ گھٹی کی عوض والدہ صاحبہ نے مجھے شہد چٹایا۔ جو بضرورت کسی دوا کی رکھا ہوا تھا۔ بجاے اچھوانی میری والدہ نے اپنا خون جگر پیا۔

سیدالنسا بیگم کا اپنے نانا کے گھر مع اپنی والدہ کی پہونچ جانا

جب ان مصائبات کو سہتے سہتے میری والدہ کا خون سوختہ ہوگیا تو وہ بیمار شدید بعارضہ یرقان اسود ہو کر صاحب فراش ہو گئین۔

دوہرہ

تن تولہ نارہا اور ماشہ رہا نہ ماس
رکت رائی نارہا اور گیہوں بھر نا سانس

جب میرے دادا صاحب نے جانا کہ میری والدہ قریب المرگ ہین تو حکم دیا کہ فورًا اونکو یہان سے اون کے باپ کے گھر روانہ کر دیا جائے چنانچہ ایک بہلی مین بہ ہمراہی ایک خادمہ کے سوار کرا کر روانہ کر دیا۔ اوسوقت میری عمر تین سال کی تھی۔ جب قصبۂ برناوہ کے متصل کرشنی ندی پر پہونچے۔ تو کشتی مین سوار ہوکر پار اوترتے وقت گاڑی اولٹی اور مین ندی مین گر گئی۔ اوسوقت میری والدہ کے مُنہ سے بے ساختہ یا علی مدد نکلا۔

اشعار

غریق لجۂ غم کو نکال لیتا ہے
یہہ نام گرتے ہوئے کو سنبھال لیتا ہے

دیگر

اس کا اثر خفی و جلی کہہ کے دیکھ لو
مشکل مین یا علی ولی کہہ کے دیکھ لو

ناظرین اوس وقت کی بیقراری اور مایوسی کی حالت جو میری والدہ پر ہوئی ہوگی خود تصور کر سکتے ہین۔ کہ ایک پردہ نشین بی بی بجز گریہ و زاری اور دعا بجناب باری کے اور کیا کر سکتی ہے۔ جب کسی ملاح وغیرہ نے میرے پکڑنے کے لیے بوجہ طغیانی ندی کے پانی مین جانا قبول نکیا تو میری والدہ نے دست بدعا ہوکر یہہ شعر پڑھا۔ ؎

درین دریای بے پایان درین طوفان موج افزا
دل افگندیم بسم اللہ مجریھا و مرسٰھا

پڑھکر چاہتی تھین۔ کہ کشتی سے ندی مین اپنے آپ کو گرا دین اور زندگی سے ہاتھ دھوئین۔ ”اِنَّ اللہَ عَلٰی کُلِّ شَیْءٍ قَدِیْرٌ“

ناگہان قریب کشتی پانی مین ایک تلاطم عظیم پیدا ہوا اور معلوم ہوا کہ غیب سے کسینے میری والدہ کو پانی مین گرنے سے روک لیا اور مجھے کنارہ ندی پر بٹھادیا - ناظرین مین صحیح و سالم برآمد ہوئی - ایک قطرہ آب تک میرے زیر حلق نہین پھونچا - ع چہ باک از موج بحر آنرا کہ باشد نوح کشتیبان
القصہ اوسی روز بوقت شام مقام چھاونی میرٹھ اپنے نانا صاحب مرحوم ومغفور کے مکان پر پہونچ گئے - میرے نانا صاحب اور ماموں صاحبان نے وہ شفقت فرمائی کہ جسکی تحریر مین زبان قلم قاصر ہے - تین سال تک میرے نانا صاحب زندہ رہے اور مین مع اپنی والدہ کے اون کے سایۂ عاطفت مین پرورش پاتی رہی - اور میری والدہ صاحبہ مجھے قرآن شریف پڑھاتی رہین - جب ساتوان سال مجھے شروع ہوا تو نانا صاحب کا سایہ سر سے اوٹھ گیا - اونھون نے اس دار فنا سے عالم بقا کو رحلت فرمائی - اس سانحۂ جانسوز سے جو صدمہ میری والدہ کو پھونچا وہ بیان سے باہر ہے -

سیدالنسا بیگم کا دہلی مین اپنی خالہ کے گھر جانا

میری حقیقی خالہ صاحبہ منشی کرم احمد صاحب قریشی اوکرسیر منسوب تھین - اپنے والد بزرگوار کے انتقال کی خبر وحشت اثر سنکر راے بریلی سے جو لکھنؤ کے قریب ہے بتقریب عزا پرسی میرٹھ تشریف لائین - مجھ سے اور میری والدہ سے نہایت درجہ محبت رکھتی تھین - بعد چہلم نانا صاحب مرحوم ومغفور اپنے ہمراہ مجکو دہلی لے آئین - میرے خالو صاحب دہلی کے باشندے تھے - اس سبب سے میرا دہلی رہنے کا اتفاق ہوا بعد عرصہ ایک ماہ میری والدہ جو کسی ضرورت سے میرٹھ رہ گئی تھین

وہ بھی دہلی تشریف لے آئیں۔ چند روز خالہ صاحبہ کے یہاں رہ کر مناسب نہ سمجھا کہ بہن بہنوئی کے دست نگر ہوکر رہیں۔ اسلئے علیحدہ مکان لیکر رہنے لگیں۔ چونکہ میری والدہ پڑھنا۔ لکھنا۔ سینا پرونا۔ کشیدہ بیل بٹی کامدانی وغیرہ کا کام بخوبی جانتی ہیں اسی ذریعے سے اپنی گذر اوقات اور میری پرورش کرتی رہیں۔ اور اسی محنت و مشقت پر قناعت کی۔

شعر

توکل پیشہ کے نزدیک کیا رتبہ تونگر کا		قناعت ہے وہ دولت جس سے دل رہتا ہی مستغنی

سیدالنسا بیگم کا نورمل اسکول دہلی مین داخل ہونا

سنہ ۱۲۹۲ ہجری مین مجھے میری والدہ نے داخل اسکول کیا۔

معلمہ اس مدرسے کی فاطمہ سلطان بیگم صاحبہ بنت مرزا فرخ عرف مرزا فخرو ولی عہد ابن ابو ظفر سراج الدین بہادر شاہ دہلی کی تھین۔ دس سال تک اوستانی صاحبہ ممدوحہ سے تعلیم پاتی رہی۔ اور بھی بہت سی لڑکیان میری ہمعصر امیر زادون اور نوابون کی اسی مدرسے مین پڑھتی تھین۔ اوستانی صاحبہ موصوفہ کو صدہا اشعار فارسی اور اردو نوک زبان تھے۔ ہر بات مین ضرب المثل اشعار پڑھا کرتی تھین جبکہ میرا میلان خاطر اوستانی صاحبہ نے بجانب نظم پایا۔ تو معیار الاشعار مصنفہ مولوی مہدی علی خان ذکی۔ لکھنوی۔ مجھے پڑھائی۔ یہہ کتاب علم عروض مین مستند ہے۔ اُسی زمانے سے کبھی کبھی بوقت فرصت مدحیہ اشعار نظم کرتی اور اوستانی صاحبہ سے اصلاح لیتی تھی۔ اور خفی تخلص اس عاجزہ کا قرار پایا تھا۔

چنانچہ یہہ غزل سنہ ۱۳۰۲ ہجری مین میری تصنیفات سے ہے جو درج

کی جاتی ہے۔

غزل

گرچہ ظاہر ہی مدینے مین قیام احمدؐ
عرش اعلی سے بھی اعلی ہی مقام احمدؐ

مدکرتی تھین اوسی دیکھ کی ارواح رسل
لوح محفوظ پہ لکھا تھا جو نام احمدؐ

تھا یہہ اعجاز کہ کفار تھے لاتی ایمان
سنگدل موم تھی سن سن کے کلام احمدؐ

تھا بنی کی لب لعلی کا جو مشتاق خدا
شب معراج سنی اوسنی کلام احمدؐ

حضرت روح امین آپکے اک خادم تھے
لیکے جاتے تھے خدا پاس پیام احمدؐ

جائے اسطرح مدینے مین خفی ہے یہہ دعا
دل مین صلوات ہو اور لب پہ ہو نام احمدؐ

سالانہ امتحان پر انعام کتب و پارچات و دیگر اشیای نوشت و خواند برابر مجھے ملتا رہا۔ اور اپنی ہم مکتب لڑکیون مین میرا نمبر اوّل رہا۔ اور وظیفہ یاب رہی ۔ ۱۳۰۳؁ ہجری مین بوساطت مس بونڈ صاحبہ مہتممہ مدرسہ زنانہ میرے ہاتھ کی کا پیان بہ حضور ملکہ معظمہ قیصرہ ہند دام اقبالہا بھیجی گئین۔ جسکی جلد و (عوض) مین بھی انعام پایا۔ یہہ سب فیضان صحبت بابرکت اوستانی صاحبہ ممدوحہ کا ہے کہ اس ہیچمدان کو تھوڑا سلیقہ نوشت و خواند کا ہوگیا ورنہ من آنم کہ من دانم۔

شعر

جمال ہمنشین در من اثر کرد
وگرنہ من ہمان خاکم کہ ہستم

سید النسا بیگم کی قصبہ پانی پت مین شادی

۱۳۰۱؁ء مین بذریعہ اوستانی فاطمہ سلطان بیگم صاحبہ میری الہ معظمہ معلمہ مدرسہ زنانہ مقرر ہوکر پانی پت مین تشریف لیگئین۔

اس مدرسے مین دختران شرفا و نجبا قوم انصار تعلیم پاتی تھین۔
قصبۂ مذکور کی مستورات سے والدہ کا ربط و ضبط ہوگیا۔ خصوصاً عورات
قوم انصار و الا تبار سے زیادہ اُنس ہوا بوجہ اسکے کہ شیخ
امان اللہ صاحب میرے نانا مرحوم بھی اسی قصبے کے قدیم باشندے تھے
انھین مستورات مذکور الصدر سے ایک بی بی معمر وجواد و خلیق نجیب
الطرفین الموسوم بہ کنیز کحسین صاحبہ کو میری والدہ سے نہایت درجہ
محبت تھی۔ ایک روز تخلیہ مین ستاتو موصوفہ نے اپنے چھوٹے بیٹے کیلئے
میری خواستگاری کی۔ چونکہ اوس زمانہ مین مجھے تعلیم سے فراغت حاصل
نہین ہوئی تھی میری والدہ صاحبہ نے یہی عذر پیش کیا۔ اور وعدہ فرمایا
کہ انشاء اللہ تعالیٰ۔ بشرط خیریت بعد فراغتِ تعلیم آپ کی خواہش
پوری کیجائیگی۔ ابھی مینے مدرسہ نہ چھوڑا تھا کہ بی بی کنیز کحسین کا انتقال
ہوگیا۔ تھوڑے عرصے کے بعد مینے تعلیم سے فراغت پائی۔ تب میری والدہ کو
یہہ فکر لاحق ہوئی کہ حسب دستور شرع شریف میری شادی کے بار
سے سبکدوش ہون۔ ناظرین یہہ بات بھی لائق گزارش ہے کہ ابتدا
زمانۂ پیدائش سے اسوقت تک میرے والد قاضی بدرالدین احمدؒ نے باوجو
تقضا کرجانے قاضی شرف الدین احمد میرے دادا کے بدستور قدیم میری او
میری والدہ کی دستگیری نہین کی۔ کیونکہ یہ نقش بے اعتنائی و لاپروائی کا
قاضی صاحب کلان اپنے لوحِ دل پر منقوش کر گئے تھے۔ وہ "جبل گردد
جبلّی نہ گردد" کے مصداق رہے۔ جب مستودہ کو نین بی بی کنیز کحسین
کی وفات کے بعد بہ تقریب سوم خواجہ جعفر حسین صاحب جو بعہدۂ طبابت من
جانب سرکار انبالہ مین مامور تھے پانی پت تشریف لائے

تو اون کے گھر کی مستورات نے میری والدہ سے میری نسبت کا تذکرہ کیا
اور وصیّت مرحومہ ومغفورہ کو یاد دلایا تو اِس رشتے کو بہ طیبِ خاطر میری
والدہ نے منظور کیا۔ پانی پت سے دہلی تشریف لیجا کر اور میری خالہ صاحبہ
سے صلاح لیکر بقدر وسعت و امکان انتظام شادی کیا۔ ع

بہر کاریکہ ہمت لبستہ گردد		اگر خارے بود گلدستہ گردد	

دہم ماہ جمادی الثانی ۱۳۰۲ ہجری روز شنبہ وقت ۹ بجے شب کے بساعت
سعید حکیم خواجہ جعفر حسن صاحب موصوف سے میرا عقدِ نکاح ہوا اور قاضی
احمد حسین صاحب دہلوی نے نکاح خوانی کی۔ اِس تقریب مین
اکثر شرفا دہلی اور عزیز اقربا سکنائے میرٹھ شریک تھے
میرے حقیقی خالو منشی علی احمد صاحب نے تمام کاروبارِ شادی کو
انجام دیا۔ اور حسب دستور زمانہ جہیز دیکر رخصت کیا۔ مین اپنی
سسرال یعنی پانی پت مین بخیریت تمام پہونچ گئی۔ حضرات ناظرین
مین نہایت افسوس کے ساتھ اس امر کو ظاہر کرتی ہون۔ کہ اس موقع
پر بھی میرے باپ اور چچا شریک نہوئے۔ باوجود اسکے کہ میری والدہ
نیک چلن اور عصمت مآب صابر و شاکر اب تک اِن کے عقدِ نکاح مین ہین
بجز اسبابات کے کہ وہ نان و نفقے کی طالب ہوئین اور کوئی باعث ملال خاطر
میرے والد کا نہ تھا۔ یہہ بھی ایک مقامِ عبرت ہے۔ میرے شوہر حکیم خواجہ
جعفر حسن صاحب رئیس پانی پت المتخلص بہ جعفر مصنف دیوان "چراغ حق"
(مولف کو بھی چراغِ حق کا ایک نسخہ اس خاتون نے بھیجا ہے) اولاد خواجہ
ایوب انصاری سے ہین۔ سلسلۂ نسب اونکا بذریعہ اصلاب طاہرہ و
ارحام پاکیزہ سرآمد علمای عصر حاوی بسرار فقہ و اصول سرخیل

فضلاے دہر واقف رموز منقول ومعقول خواجہ عبداللہ پیر ہرات قدس سرہٗ تک پہونچا ہے۔ جدامجد ان کے خواجہ فضل علی خان صاحب التخلص بہ ضابط منصب دار بادشاہی تھے۔ اب تک اراضیات معافیات آل تمغہ قصبۂ پانی پت مین انکے پاس موجود ہین۔ اور اب عرصے دس سال سے بعہدۂ مینیجری ریاست راے پور ضلع انبالہ مقرر ہین۔ اسی باعث سے مین ریاست راے پور مین سکونت پذیر ہون۔ اگر لفظ اختصار نامۂ والا مین مندرج نہوتا تو گلہاے واقعات سے صفحۂ قرطاس کو رشک بوستان جنت بناکر پیش کرتی۔ اکثر واقعات تحریر سے باقی چھوڑ دیے گئے۔ کہ ناظرین کو طوالت سے ملال خاطر نہو۔ فقط-

رقیمہ النسا بیگم بقلم خود۔ ۶۔ ماہ دسمبر ۱۸۹۶ء

مضمون ذیل بھی اسی خاتون کا ہے جو براہ راست ہمکو پہونچا ہے۔

مین اپنی ہمعصر بہنون کے روبرو ایک مضمون فوائد تعلیم نسوان پیش کرتی ہون بچشم غور دیکھین اور بگوش جان سُنین

حیوان مطلق اور حیوان ناطق گوشت پوست و استخوان وخون ورگ وپٹے مین یکسان ہین۔

سوال۔ پھر انسان جو اشرف مخلوقات کہلاتا ہے کیا باعث ہے؟

جواب۔ بوجہ علم کے "اول ما خلق اللہ العلم" اور بعضی احادیث مین یون آیا ہے" اول ما خلق اللہ العقل"۔ اور بعضی کتب ہاے معتبرہ مین "اول ما خلق اللہ القلم"۔ تحریر ہے۔ پس معلوم ہوا شرافت انسانی علم اور عقل سے ہے۔ جب علم اور عقل دونون

مجتمع ہونے تو قلم سے کار تحریر لیا گیا۔ علم کے معنی جاننے کے ہین اور جاننا وہ شے ہے کہ جس سے نیک و بد خیر و شر۔ اچھے برے مین انسان تمیز کر سکے۔ اور اپنے خالق کو کہ جسنے مشت خاک سے ابو البشر حضرت آدم علیہ السلام کو بناکر خلعتِ انسانیت پہنایا۔ اور اشرف مخلوقات بنایا۔ تو اوّل انسان کا یہہ فرض ہے کہ اپنے خالق کو پہچانے۔ اور اوسکی شناخت بغیر علم بامشکل بلکہ ناممکن ہے۔ ع۔ کہ بے علم نتوان خدارا شناخت

دُوُم یہہ کہ امورات دنیوی مین بھی علم سے بہت سے فوائد حاصل ہوتے ہین۔ اور امداد ملتی ہے۔ مثلاً۔ کھانا پکانا۔ سینا پرونا۔ گھر کی آراستگی۔ مہمان نوازی۔ اولاد کی تربیت۔ شوہر کی اطاعت ان سب باتون کا مدار علم پر ہے۔ جیساکہ فی زماننا عورات یورپ بوجہ علم انتظام خانگی مین مستورات ہندوستان پر گوی سبقت لیگئی ہین۔ خصوصًا ہماری ملکہ وکٹوریہ قیصرۂ ہند دام اقبالہا وحشمتہا۔ اہل دنیا کی بیش زبانون مین گفتگو کرتی ہین۔ اور ہرایک ملک کے آدمیون کو اُن ہی کی زبانون مین نہایت فصاحت و بلاغت سے جواب باصواب دیتی ہین۔ اور اتنے وسیع ملک یعنی انگلستان و ہندوستان وغیرہ وغیرہ کی عنانِ حکومت اپنے ہاتھہ مین لیکر رعیت کو انصاف اور عدل سے اسقدر آرام اور چین دیا ہے کہ شاہان گذشتہ کے زمانے مین ایسی آزادگی اور امن نصیب نہین ہوا۔ یہہ سب نتیجہ علم ہے۔ اور رعایا کی بہبودی کے لیے ہر ملک و ہر شہر و قصبہ جات و دیہات مین مدارس زنانہ قائم کیے ہین کہ ہمارے ملک کی مستورات دولتِ علم سے فیضیاب ہوکر اپنے

امورات دینی و دنیوی کو بخوبی سر انجام دین - اور ان جواہرات بے بہا سے مالا مال ہوجائین - کہ صرف کرنے سے ہمیشہ بڑھتے ہین - لیکن ہزار افسوس کہ عوام الناس کے خیالات اسکے برعکس ہین یعنی مستورات کے پڑھانے لکھانے کو عیب جانتے ہین - اور اگر کوئی شخص اس بارے مین ترغیب دے بُرا مانتے ہین - بعض اشخاص کا خیالِ ناقص و گمانِ باطل یہ ہے - کہ عورتین پڑھنے لکھنے سے آوارہ اور نڈر ہو جاتی ہین - اور اپنی عالی خاندانی کے جامۂ پاک پر دھبہ لگاتی ہین - یہہ بالکل اون کا خیال خام اور ایک قسم کا جنون ہے -

شعر

بھلے کو یہہ بُرا سمجھے بُری کو یہ بھلا سمجھے	پڑین پتھر سمجھ پر انکی یہ سمجھے تو کیا سمجھے

یہہ امر ظاہر ہے اور ہر ذی عقل اس بات سے ماہر ہے کہ جو انسان صاحب علم ہوگا نیک بد مین تمیز کریگا - اور احکاماتِ خدا و رسول سے بھی ڈریگا - اور جو بے علم ہوگا وسواسِ شیطانی اوسکے دل مین زیادہ راہ کرینگے پس پڑھنے لکھنے سے عفت عصمت پر کوئی داغ نہین لگتا - بقولِ سعدی شیرازی علیہ الرحمۃ - ؎

تو پاک باش برادر مدار از کس باک	زنند جامۂ ناپاک گازران بر سنگ

کتب ہای تواریخ ماضیہ و قصص و ناول مصنفۂ زمانۂ حال سے پایا جاتا ہے کہ بہ نسبت خواندون کے ناخواندہ لوگ خواہ وہ مذکر ہون یا مونث مرتکب افعال زشت کے ہوتے ہین - مخالفانِ تعلیم نسوان کے روبرو ایک اور دلیل علمی پیش کرتی ہون - از روی حساب ابجد اعداد ذی علم کے ۸۵۰ ہین اور اعداد بے علم کے ۱۵۲ اپس بہ نسبت بےعلم کے ذی علم کا مرتبہ ۶۹۸ حصے

زائد ہے۔ اور عالم و جاہل کے اعداد جو دیکھے گئے تو جاہل سے عالم کے عدد ۴۰۳ زائد ہیں۔ اس سے ثابت ہوتا ہے کہ بہرحال خواندہ کا درجہ ناخواندہ سے زیادہ ہے۔ حیف کہ ہماری قوم اس پر بھی اپنی لڑکیوں کو تعلیم سے محروم رکھتی ہے۔ دیکھو ہندوستان میں بیگم صاحبہ بھوپال کیسی ذی لیاقت اور صاحب علم ہیں جنکی تصنیفات سے ایک کتاب موسوم بہ تہذیب الانسان لائق دید ہے۔ جس میں جملہ امورات دینی و دنیوی۔ اخلاقی و معاشرتی بحوالہ حدیث ونقل قرآنی نہایت وسیع و بسیط مندرج ہیں جسکے پڑھنے اور دیکھنے سے فوائد کثیر حاصل ہوتے ہیں۔ پس یہ بھی نتیجہ علم ہے۔ کہ نام نامی بیگم صاحبہ موصوفہ کا تمام ہندوستان میں اظہر من الشمس ہے بچشم انصاف دیکھو کہ اون کے علم سے تمام مستورات کو کسقدر فوائد حاصل ہوسکے۔ اگر خدانخواستہ بیگم صاحبہ بےعلم ہوتیں تو مثل نگین انگشتری انکا نام اپنی ہی ریاست میں محدود رہتا۔ مہارانی صاحبہ میسور بھی علم و لیاقت میں مشہور ومعروف ہیں۔ جو مہاراجہ صاحب والی میسور کے انتقال کے بعد ریاست کی کونسل انتظامیہ کی پریسیڈنٹ مقرر ہوئی ہیں۔ اور ہماری گورنمنٹ نے بوجہ انکی علمی لیاقت کے انکی پریسیڈنی منظور فرمائی ہے۔ یہہ زمانہ حال کی چند مثالیں پیش کی گئیں۔ اب زمانہ گذشتہ کی مستورات ذی علم کے حالات درج کرتی ہوں۔ جبکہ نورالدین جہانگیر بادشاہ دہلی نے اپنے چھٹے سال جلوس یعنی ۱۶۱۱ء میں نورجہان بیگم سے اپنی شادی کی تو بیگم صاحبہ مذکورۃ الصدر نے بوجہ اپنی قابلیت اور لیاقت علمی کے جہانگیر ایسے نازک مزاج بادشاہ کو اپنا فریفتہ اور مطیع کرلیا۔ اور تمام امورات سلطنت کا اختیار حاصل کرکے اس خوبصورتی سے

انجام دیا کہ یہہ مثال صفحۂ روزگار پر تا قیامت باقی رہیگی - اور بہت سی
اشیاء از قسم پارچات و زیورات اختراع کیے جواب تک عورات
ہندوستان کے استعمال مین آتی ہین - جنکی تفصیل محتاج بیان نہین -
مطالعہ کتب تواریخ سے مفصل ظاہر ہے - اہل ہنود مین مہارانی لیلاوتی
جی ایک بڑی عالمہ فاضلہ ریاضی کی گذری ہین - لیلاوتی جو علم ریاضی مین مستند
کتاب ہے ان ہی کی تصنیف اور تالیف سے ہے - رانی صاحبہ ممدوحہ نے
اپنے ہی نام پر اس کتاب کو موسوم کیا تھا - ظاہر ہے کہ مہارانی صاحبہ
راج پاٹ مکانات کا اسوقت صفحۂ روزگار پر نشان تک باقی نہین رہا لیکن
نام گرامی اونکا زمانہ حال تک بوجہہ علمی لیاقت کے باقی ہے اور آیندہ رہے گا -
مہارانی گندھاری جو مہاراجہ دھرت راشت کی مہارانی تھین وہ بھی ایسی
عالمہ اور فاضلہ تھین کہ بیاس جی جیسے عالم اور رشی سے جنھون نے اٹھارہ
پران اور بہت سی کتب تصنیف کی ہین مباحثہ کرتی تھین -
اور مہاراجہ جیسے عالم شہزادون کے دلائل کو قبول فرماتے تھے یہہ بھی نتیجہ
علم ہے - ان تاریخی مثالون سے ثابت ہوتا ہے کہ اہل ہنود مین بھی تعلیم نسوان کا
قاعدہ قدیم سے مروج ہے - اور عورات کے پڑھانے لکھانے کو کوئی عیب
نہین مانا گیا - عورات جو ناقص العقل کہلاتی ہین یہہ سب خرابی بوجہہ بعلمی کے
ہے - جو کہ لڑکیون کو بے علم رکھا جاتا ہے اور مدت العمر اون کی
کار و خدمت مین مثل لونڈیون زرخرید کے گذرتی ہے جبکہ وہ علم
سے بے بہرہ رہین تو عقل کہان سے لائین - کیونکہ چراغ عقل علم ہے وہ
اونکے دل مین روشن نہین کیا گیا - پس اس صورت مین ناقص العقل کیا
بلکہ بیعقل کہنا اونکے لیے درست ہو سکتا ہے - اب یہہ بات غور طلب ہے

سوال) کیا خالق نے عورت کو بے عقل پیدا کیا ہے۔ ؟

جواب) ہرگز نہین۔ لڑکا لڑکی خلقت مین یکسان ہین۔ زمانۂ رضاعت مین دونون کے کھانے۔ پینے۔ سونے۔ جاگنے۔ ہنسنے۔ رونے مین ایک سی حالت ہوتی ہے۔ جب ہوش سنبھالا تو لڑکے کو علم کی اچھی تعلیم دی گئی۔ اور لڑکی کے ناک کان چھدائے گئے۔ اور وہ کام محنت ومشقت کے بتائے گئے کہ جسمین عمر عزیز اوسکی رائگان ہوئی۔ اور وہ ہونہار لڑکی پستی کی حالت مین رہی۔ جب اوسکی شادی ہوئی اور وہ اپنی سسرال گئی تو وہان کی حالت ناگفتہ بہ ہے۔ اگر شوہر تعلیم یافتہ ملا تو یہ بیچاری جاہل ہے جاہل اور صاحب علم کی موافقت ہونا مشکل بلکہ غیر ممکن ہے۔ بالفرض اگر شوہر نے صبر وشکر کرکے کچھہ اوسکی جہالت پر خیال نکیا اور اپنی قوم اور برادری کی شرم سے یا خوف خدا سے اپنا محکوم سمجھکر بھرا کھلتا تب بھی اوسکی وقعت ومنزلت اوسکی نگاہ مین ہرگز نہین ہوسکتی۔ اگر عورت خواندہ اور شوہر اوسکا ناخواندہ ہے تو وہ عورت اپنی علمی لیاقت اور قابلیت سے شوہر کو اپنا مطیع بنا لیگی۔ اور افعال مذموم کا مرتکب نہونے دیگی۔ اب مخالفین تعلیم نسوان بچشم انصاف دیکھین اور عدالت کرین کہ لڑکیونکی پڑھانین کسقدر فائدی حاصل ہوتے ہین۔ ای میری پیاری بہنو۔ ای صاحبزادیو تمکو لازم اور مناسب بلکہ انسب ہے کہ علم کے حاصل کرنیمین کوشش کرو کیونکہ یہ ذریعہ بہبودی دارین کا ہی فقط

حرف الشین

شجرۃ الدر:۔ یہ خاتون خاندان ایوبیہ کے ساتوین تاجدار الملک الصالح کی سریہ تھی۔ اسکی ابتدائی حالت کی نسبت کسی مورخ نے کچھہ بھی نہین لکھا ہے جس سے اسکی طفلی۔ خاندان۔ تعلیم وغیرہ کی حالت کا پتہ لگ سکے

قرائن سے معلوم ہوتا ہے کہ اسکو تعلیم و تربیت کافی طور سے دیگئی تھی۔ جسکی وجہ سے ملک صالح کے پاس اسکی قدر و منزلت تھی۔ اور معاملات ملکی مین بھی اسکی رائے لیجاتی تھی۔ حرم مین داخل ہونے کے چند سال بعد ایک لڑکا پیدا ہوا جسکا نام خلیل رکھا گیا۔ اسی وجہ سے اسکی کنیت بھی ام خلیل ہے۔ اور اب اسکا رتبہ اور زائد ہوگیا۔ افسوس ہے کہ یہہ لڑکا طفلی ہی مین ماں کی گود سے جدا کردیا گیا۔ اور وہ تمام امیدین جو اس پیارے لڑکے سے اسکی ماں کے دل مین تھین حرف غلط کی طرح مٹ گئین۔ مگر اس لڑکے کے مرنے سے اوس وقعت مین جو شجرۃ الدر کی ملک صالح کی نگاہ مین تھی ذرا بھی فرق نہین آیا۔ جسکا اندازہ اسی سے ہوسکتا ہے کہ وہ اوسکو نہ صرف معمولی اوقات ہی مین بلکہ اکثر اوقات لڑائی کے وقت بھی اپنے ساتھ رکھا کرتا تھا۔ اگر اسموقع پر کسی قدر ملک صالح کا حال لکھا جائے تو بیجا نہ ہوگا۔

مورخین نے اسکی نیکی۔ دانشمندی۔ بیدار مغزی کی تعریف کی ہے جسوقت یہ تخت نشین ہوا تھا اوسوقت ملک کی عجیب حالت ہو رہی تھی۔ خزانہ مین روپے کا نام نہ تھا۔ بغاوتین دن بدن بڑھ رہی تھین شاہی دعویدارون نے الگ شور مچا رکھا تھا۔ ایسی حالت مین جس عمدگی سے اسنے سلطنت کی اوسکا نتیجہ بہت ہی جلد ظاہر ہوگیا۔ نہ وہ بغاوتین رہین نہ وہ سرکشیان۔ ملک کی آبادی اور بہبودی مین کوشش کی۔ روضے کا قلعہ بنایا گیا۔ مکہ معظمہ جو مصر کی حکومت سے خارج ہوگیا تھا پھر شامل کرلیا گیا۔ ایک بہت بڑا کالج قصرین مین قائم کیا گیا۔ جسکی پروفیسری کے لئے نامور علما کا انتخاب کیا گیا اوسنے ایک نئی فوج بحریہ کے نام سے قائم کی جسکو تیار کرنیکی وجہہ یہ تھی کہ

الملک الناصر نے کسی زمانے مین الملک الصالح کو قید کر دیا تھا۔ اور ایسے وقت مین جبکہ اسکی خاص فوج نے بھی اسکی تائید نکی۔ اسکے مملوکون نے کوشش کرکے اسکو قید سے آزادی دلائی تھی۔ اور اوس دلوز سے الملک الصالح کے دل مین اونکی وقعت بڑھتی گئی۔ اور آخر جب یہ تخت نشین ہوگیا تو اوسنے اور نئے ہزار غلام خریدے۔ اور پھر اونھین آزاد کیا گیا۔ اور اونکی ایک نئی فوج بنائی گئی جسکا نام بحریہ رکھا گیا۔ اور رفتہ رفتہ اون مملوکون نے اسقدر وقعت الملک الصالح کے دلمین پیدا کی کہ اپنے سارے کام اُون ہی کو تفویض کر دیے آیندہ واقعات کے لیے بحریہ کا خیال رکھنا ضرور ہے۔

اندرونی انتظامات سے کسیقدر فرصت ملی تھی کہ عیسائیون نے اپنی عادتی خام خیالی شروع کر دی۔ چنانچہ لوئی شاہ فرانس نے ۶۴۷ھ ہجری مین پچاس ہزار فوج کے ساتھ دمیاط کا رخ کر دیا۔ جو پہلے بھی ایک دفعہ اُون کے زیر تصرف رہ چکا تھا۔ غریب مسلمانون نے جب دیکھا کہ اس فوج کے ساتھ مقابلہ ممکن نہین۔ اور وہ تمام ظلم بھی اونکے پیش نظر تھے جو عیسائی کسی شہر کے فتح کرنے کے بعد وہان کے باشندون سے برتتے تھے۔ تو اونھون نے بھی مناسب سمجھا کہ بھاگ نکلین۔ مسلمانون کا نکلنا تھا کہ عیسائیون نے اوسپر قبضہ کر لیا۔

الملک الصالح اوسوقت دمشق مین تھا۔ جون ہین اوسکو خبر معلوم ہوئی اوس نے فوراً مقابلے کی تیاری کر لی۔ اور ضروری بندوبست کے بعد فوراً چل کھڑا ہوا۔ دمیاط کے قریب منصورہ نامی مقام تک پہونچ چکا تھا۔ بلکہ اپنا کیمپ بھی وہان قائم کر چکا تھا۔ اور محاصرے کی تدابیر بھی شروع کر دی تھین کہ قضا نے مہلت ندی اور اوسی جگہہ ۱۴ شعبان ۶۴۷ھ ہجری مین ۴۴ سال کی

عمر اور ۱۰ - سال کی حکومت کے بعد مر گیا۔

خیال کیجیے کہ اوسوقت کیسی خطرناک حالت ہو رہی تھی - فوج کو اگر ذرا بھی معلوم ہو جائے کہ اوسکا بادشاہ مر گیا تو ابھی اوسکے دل بودے اور اوسکی ہمتین پست ہو جائین - اور پھر کوئی ایسا مدبر جنرل بھی نہین جو فوج کا ایسی سراسیمگی کی حالت مین بندوبست کر سکے - سامنے مسیحیون کی پچاس ہزار فوج پڑی ہوئی ہے جو ایسی پریشانی کی دل سے خواہشمند تھی - ایسے خوفناک وقت مین جس عمدگی کے ساتھ شجرۃ الدر نے کام کیا ہے - بے شبہہ اوسکی اعلیٰ لیاقت اور مدبری کی ایک زبردست اور روشن دلیل ہے - اور جس سے شجرۃ الدر کو بھی اون نامور مدبرون مین تسلیم کرنا پڑتا ہے جنھون نے ایسے نازک وقتون مین اپنی فوج کو نہ صرف تباہی اور شکست ہی سے بچا لیا بلکہ کامل طور سے فتح دلوائی ہے -

الملک الصالح کے تین بیٹے تھے - مگر اوسوقت ایک ہی لڑکا توزان شاہ ایسا تھا جو موت کے ہاتھون سے بچا ہوا تہا اور جو اوسوقت کیفا مین تھا -

شجرۃ الدر نے اپنی دور اندیشی سے اس امر کو نامناسب خیال کیا کہ فوج کو بادشاہ کی موت سے اطلاع دیجائے - جس سے نہ صرف اون ہی کی بربادی اور تباہی ہوگی بلکہ عیسائیونکی قدم پورے طور سے جم جائینگے - اور اون کیساتھ مقابلہ کرنا مشکل ہوگا - جو عمدہ تدبیر اوسنے سوچی اور جسکی عمدگی مین کسیکو کلام نہین ہو سکتا یہ تھی کہ توزان شاہ کو اسکی اطلاع دیدیجائے - اور یہان لشکر پر یہ ظاہر کر دیا جاے کہ بادشاہ مریض ہے اور باہر آ نہین سکتا - یہہ تدبیر اوسنے سوچکر ایک قاصد کو کیفا مین بھیجدیا - اور یہان لشکر پر یہہ ظاہر کر دیا کہ بادشاہ باہر آ نہین سکتا - اور اوسکی مرضی ہے کہ تم لوگ اوسکے بیٹے توزان شاہ کے ہاتھ پر

بیعت کرو۔

سب لوگون نے توزان شاہ کے مطیع رہنے کے لیے قسم کھائی - اور اس امر کو بدل وجان منظور کیا۔ سب کام بعینہ اوسی طور سے کیے جاتے تھے جس طور سے ملک صالح کی زندگی مین ہوتے تھے۔ ایک مورخ (مقریزی) کے الفاظ یہہ مین۔ "وسب امور علی حالہ جاری تھے۔ خدمتگار تک اپنے اپنے کام مین مستعد تھے سفرۃ تک چُنا جاتا تھا۔" سب کام شجرۃ الدر کی طرف سے ہوتے تھے - اور لوگون کو یہہ گمان تھا کہ وہ بادشاہ کی جانب سے ہین۔

عیسائی بھی خاموش نہ تھے۔ اسموقع کو اونھون نے غنیمت سمجھا - اور خود ہی پیش قدمی کرکے منصورہ مین آپڑے - ادہر سے بھی اون کے حملون کا جواب دیا جاتا تھا - یہان یہی حالت تھی کہ توزان شاہ کیفہ سے دمشق پہونچکر تخت نشین ہوگیا - اور فوجی لوگون کو معلوم ہوگیا کہ اونکا بادشاہ انتقال کرچکا اور گیارہ رمضان المبارک کو منصورہ مین آگیا اور عنان حکومت اپنے قبضے مین لیلی۔

چند روز تک یون ہی مقابلہ ہوتا رہا۔ آخر ایک روز عیسائیون نے دفعتہً مسلمانون پر حملہ کردیا - مسلمان جو اونکے حملے سے بیخبر تھے بہت ہی تتر بتر ہوگئے - امیر فخرالدین جو ایک نامی جنرل تھا مارڈالا گیا - اور شاہ لوی شاہی خیمے تک پہونچ چکا تھا - اور قریب تھا کہ مسلمانون کے قدم اوکھڑ جائین - مگر جب اوس قادر مطلق اور لایزال کی مرضی نہ تھی کہ مسلمان شکست کھائین - بلکہ اون مغرورون کا جو اپنی تعداد پر پھولے نہ سماتے تھے غرور توڑنا تھا - تو پھر کیسے مسلمان بھاگ سکتے تھے - غرضکہ اوسیوقت بحریہ نے جس سے ناظرین بخوبی واقف ہین ایسا سخت مقابلہ کیا کہ عیسائیون کے قدم اوکھڑ گئے

ایک سَو پندرہ افسر مارے گئے اور مدتون کی کامیابی ایک گھنٹے کے عرصے مین سخت ناکامیابی سے بدل گئی - بڑی فوج کا تو یہ حال تہا - بحری فوج کا حال اوس سے بھی زیادہ خراب ہوگیا - اوّل تو خدا کی قدرت ایسا سخت طوفان چلا کہ جہاز شکستہ ہوگئے - اور جو باقی رہے اونمین سے ۳۲ جہاز گرفتار کر لیے گئے اس سخت حملہ سے عیسائیون کی طاقت بالکل ضعیف ہوگئی - اور اس درخواست کے مستدعی ہوئے کہ اگر بیت المقدس اور چند سواحل شام اونھین دیدیے جائین تو وہ دمیاط چھوڑ دین گے - لیکن یہ درخواست منظور نکی گئی -

چونکہ عیسائیون کی رسد ملنے کا راستہ روک دیا تھا - اسلیے چند ہی روز مین اونھین مجبورًا دمیاط واپس جانا پڑا - عیسائیون کا دمیاط کی طرف رُخ کرنا تھا کہ مسلمانون نے بھی اونکا پیچھا کیا اور عیسائیون کی ایک بڑی تعداد کو موت کے سپرد کردیا - اب عیسائیون کی جماعت بہت ہی تھوڑی رہگئی - آخر بہت سی دقتون کے بعد لوئی گرفتار ہوا - اور بڑی ذلت کے ساتھ منصورہ کو واپس لایا گیا - اب فوج نے قیام بے فائدہ سمجھا اور القاہرہ واپس آئی جو کچھ حال لوئی کا ہوا وہ آیندہ مذکور ہوگا -

اس لڑائی سے مملوکون کی قوت اور زیادہ ترقی کرگئی - توزان شاہ نے اب الملک الاعظم اپنا لقب اختیار کیا تھا کم عمر اور ناتجربہ کار تھا - تخت پر بیٹھتے ہی شجرۃ الدر سے جسکی بدولت اوسکو شاہی نصیب ہوئی تھی - الملک الصالح کے مال وخزانہ کا مطالبہ اور ساتھ اوسکے سخت سخت دھمکیان دینی شروع کردین - گو شجرۃ الدر نے اوس سے انکار کیا لیکن اوسکے انکار پر توزان شاہ نے ذرا لحاظ نہ کیا جب اوسکی سختی حد سے گذر گئی تو مجبور ہوکر شجرۃ الدر نے مملوکون سے اسکی شکایت کی - مملوکون کو یہ بات ناگوار گذری - توزان

ایک اور بے اعتدالی یہ کی کہ اقطائی ایک نامی مملوکی سے جو بہت بڑا اپنا تہا اور جسکی وقعت مملوکون مین بہت تھی اور جسکو شجرۃ الدر نے قاصد بنا کر کیفیہ کو بھیجا تھا امیر الامرا بنانے کا وعدہ کیا تھا۔ لیکن توزان نے اپنا وعدہ پورا نکیا جس سے اقطائی اوسکے مخالف ہو گیا۔ توزان شاہ نے ان ہی باتون پر اکتفا نکیا بلکہ مملوکون کے رتبے گھٹا دیے۔ اور اونکی طرف سے بے رخی کرلی اتو مملوکون کو بھی غصہ آیا اور دو ہی مہینے کی سلطنت کے بعد اونھون نے اسکا کام تمام کر دیا جب توزان شاہ مار ڈالا گیا۔ اور ملک الصالح کا کوئی اور بیٹا بھی نرہا جو تخت پر بٹھایا جائے تو مملوکون نے شجرۃ الدر کو اپنا بادشاہ بنانا پسند کیا جسکی حسن تدبیر اور کاروائی سے وہ واقف ہو چکے تھے۔ گو ایک قلیل ہی مدت مین اسکے دیکھنے کا اتفاق ہوا تہا چنانچہ سب نے ملکہ شجرۃ الدر سے اس امر کی قبول کرنے کی درخواست کی اور ساتھ ہی یہ بھی عرض کیا گیا کہ امیر عز الدین ترکمانی مقدم العسکر مقرر کیا جائے۔

(عز الدین کو الملک الصالح نے خریدا تہا اور بچپن ہی سے اپنے زیر حفاظت اسکو تعلیم دلوائی تھی۔ اسوقت وہ چاشنی گیر کے عہدے پر مامور تہا جو صرف اسی شخص کو عطا ہوا تہا جسپر بادشاہ کو بھی اعتبار ہوتا تھا) اور خود عز الدین اس معاملے کی اطلاع دہی کے لیے شجرۃ الدر کی خدمت مین حاضر ہوا۔ جو اسوقت قلعۃ الجبل مین تھی۔ ایسے وقت مین جبکہ حکومت قبول نکرنے سے خانہ جنگی پیدا ہوتی تھی شجرۃ الدر نے انکار کرنا پسند نکیا۔ بلکہ کہا جا سکتا ہے کہ بخوبی قبول کیا۔ ۱۰۔ صفر ۶۴۸ھ ہجری مین مملوکون نے بیعت کی اور مطیع رہنے کی قسم کھائی۔ ۱۳۔ تاریخ کو خاص القاہرہ مین دربار ہوا جسمین حسب مراتب انعامات تقسیم کیے گئے۔ اور امرا کو خلعت

عنایت ہوئے۔ سکّے پر یہ عبارت کندہ کیگئی۔ المسعصمتہ الصالحتہ
ملکۃ المسلمین والدۂ منصور الخلیل خلیفۃ امیر المؤمنین۔
فرامین پر والدہ خلیل کے دستخط کیے جاتے تھے۔ منبر پر خطیب خلیفہ عباسی
کی دعا کے بعد یون کہتا " احفظ اللھم ھذہ الجھۃ الصالحیۃ ملکۃ المسلمین
عصمۃ الدنیا والدین ام خلیل المعتصمۃ صاحبۃ السلطان
الملک الصالح"۔ عز الدین ایبک بھی مقدم العسکر
بنا دیا گیا۔

اپنے قلیل زمانہ حکومت مین جس لیاقت و عمدگی سے
اوسنے حکومت کی اسکے ثبوت مین ہمکو کچھ لکھنے کی ضرورت نہین ہے۔ اسکے
زمانے کا امن اور باہمی خانہ جنگون کا واقع نہونا ہی ہمارے دعوی کی ایک
زبردست دلیل ہے۔

سب سے بڑا واقعہ جو اوسکے قلیل زمانہ حکومت مین واقع ہوا وہ دمیاط
کا واپس لینا ہے۔ ہم پہلے بیان کر آئے ہین کہ لوی گرفتار ہوکر
القاہرہ لایا گیا۔ ابھی اسکی نسبت کسی قسم کا فیصلہ نہین کیا گیا تھا کہ
تورانشاہ مار ڈالا گیا۔ شجرۃ الدر کو سب سے پہلے اسی اہم معاملے کا تصفیہ
کرنا تھا۔ شجرۃ الدر نے اپنی دانائی سے ذیل کے شرائط کرکے صلح کر لی۔

(۱) دمیاط واپس دیا جائیگا۔

(۲) وہ مسلمان جو دمیاط مین گرفتار کر لیے گئے تھے۔ رہا کر دیے جائین گے۔

(۳) آٹھ لاکھ دینار مسلمانون کو اوس غارت کے معاوضے مین جو دمیاط
مین کیگئی تھی دیے جائین گے۔

(۴) اور اوسکے عوض مین لوی اور دوسرے مقیدین کو رہا کرنا ہوگا۔

چنانچہ لوی مع دیگر معتقدین کے آزاد کر دیا گیا - اور عیسائیون نے رقم معہود ادا کر دی - اور دمیاط چھوڑ دیا - لوی جب فرانس گیا تو اوس نے پھر لڑائی کی تیاری کی مسلمانون کو اسپر سخت افسوس ہوا - ابن مطروح نے جو ایک نامور شاعر تہا ایک قصیدہ لکھا - اور وہ ایک قاصد کے ذریعے سے لوی کے پاس بھیجا گیا - قاصد نے جب لوی کے روبرو کھڑے ہو کر قصیدہ کو سنانا شروع کیا - تو لوی بھی مارے شرم کے پانی پانی ہو گیا - اور لڑائی کا قصد ترک کر دیا قصیدہ مذکور کے چند شعر یہہ ہین -

اشعار

قل للفرنسیس اذا جئتہ — مقال صدق عن قوول نصیح

اے قاصد تو جب فرانسیس لوی کے پاس جائے تو ایک سچی بات ایک ناصح قائل کیطرف سے اوسکو کہدینا -

وکل اصحابیک اودرتہم — لحسن تدبیرک بطن الضریح

تو نے اپنے تمام ساتھیون کو اپنی خوش تدبیری سے قبر کے بطن مین اوتار دیا -

خمسون الفا لا یری منہم — غیر قتیل او اسیر جریح

جنکی تعداد پچاس ہزار تھی - جن مین سے اب بجز مجروح قیدی یا مقتول کے اور کوئی نہین دیکھا جاتا -

{وقل لہم ان اضمروا عودۃ — لاخذ ثار او لفعل قبیح}
{دار ابن لقمان علی حالہا — والقید باق والطواشی صبیح}

اگر اون کے دل مین بدلہ لینے یا اور کسی برے کام کیوجہ سے دوبارہ آنیکا قصد ہو تو اے قاصد اونسے کہدی کہ ابن لقمان (یہ شخص لوی کا قید کی زمانہ مین محافظ تھا) کا گھر علی حالہ ہے - اور قید صبح طواشی (یہہ اوس مکان کا نام ہے جسمین لوی قید رکہا گیا تہا) بہی باقی ہے

جس خوبی سے شجرۃ الدر نے اسکا فیصلہ کیا - اوس سے اوسکی دانائی ظاہر ہورہی ہے - اوسنے نہ صرف دمیاط اور مقید مسلمانون ہی کو واپس کرا لیا بلکہ اون بیش قیمت جانون کو بھی بے فائدہ ضایع ہونے سے بچالیا - جو اوسکے فتح کرنے مین آتین - اور یہی نہین بلکہ اوس نقصان کا جو دمیاط کے لوٹے جانے اور لڑائی کی وجہہ سے ہوا تہا ایک حد تک معاوضہ بھی ملگیا -

اگر عیسائی محسن شناس ہین - اور اونمین ذرا بھی انصاف کا مادہ موجود ہے تو وہ سمجھ سکتے ہین کہ اس نیک مزاج عورت نے اوس ظلم کو دیکھتے ہوئے جو عیسائیون نے مسلمانون کے ساتھ کیا تھا کسقدر رحم کیا -

چند روز کے بعد شجرۃ الدر نے عزالدین ایبک سے نکاح کرلیا - اور ہم اس بات پر اوسکی نسبت کوئی الزام نہین لگا سکتے - چونکہ عورت کا حاکم ہونا ایک نئی بات تھی اور آنکھ کھول کر لوگون نے کسی عورت کو فرمانروا نہین دیکھا تھا اس لیے عموماً شجرۃ الدر کی نسبت وہ دلش نہ آسکے - کل اہل شام اسکے برخلاف ستھے - اور اونھون نے ایوبیہ خاندان کے ایک شہزادے الملک الناصر سے جو حلب کا والی تہا - خلیفہ ہونے کی درخواست کی - اسی خبر سے القاہرہ مین پریشانی پھیل چکی تھی - اسپر طرہ یہہ ہوا کہ مستعصم باللہ (اخیر خلیفہ عباسیہ) نے بھی مملوکون کو لکھ بھیجا - کہ "بڑے افسوس کی بات ہے کہ ایک عورت خلیفہ بنائی گئی ہے - کیا تمھارے پاس کوئی مرد اس قابل نہین ہے کہ والی ہوسکے اگر ہے تو پھر کیون نہین وہ والی بنایا جاتا اگر نہین ہے تو یہان سے بھیجا جاسکتا ہے " - خلیفہ کا خط پہونچا ہی تھا کہ راستے مین خبر آئی کہ الملک الناصر نے دمشق پر قبضہ کرلیا - ایسے وقت مین شجرۃ الدر نے حکمران رہنا بالکل مصلحت وقت کے خلاف سمجھا

جس سے باہمی مخالفت کو ترقی ہو۔ اور ہزارون جانین ناحق ضایع ہون۔ بالآخر اوسنے یہہ سوچکر اپنے آپ کو حکومت سے معزول کردیا۔ اور معزالدین ایبک (اپنے شوہر) کی جسکو اب سبھون نے اپنا والی مقرر کرنا چاہا تھا۔ اطاعت پسندکی۔ اور یون تین مہینے کے قریب سلطنت بعد اس نامور عورت کی سلطنت کہ جس سے امید ہوتی تھی کہ نئی نئی اصلاحین ہون گی۔ اور ملک ان خرابیون سے جسمین وہ مبتلا تھا پاک ہوجائیگا ختم ہوگئی۔ اور اسکے بعد سے اوس نامور خاندان کی حکومت اوٹھ گئی جس نے قریب سو برس کے حکومت کی تھی۔ اور جنکی شوکت کا ڈنکا ایشیا اور یورپ مین بجا کرتا تھا۔

اب معزالدین بالاستقلال حاکم بن گیا۔ ہمکو اسکے حالات سے بحث کرنی مقصود نہین ہے۔ صرف اتنا کہدیا جا سکتا ہے کہ اسکے بعد سات برس تک معزالدین خلیفہ رہا۔ اور شجرۃ الدر اوسکی ویسی ہی مشیر رہی جیسی الملک الصالح کی تھی۔

اب ہمین اوس دردناک اور غمخیز واقعے کی تشریح کردینا چاہیے۔ جس سے معز اور شجرۃ الدر ہمیشہ کے لیے اس دنیا سے جدا ہوگئے۔ اور جس سے شجرۃ الدر کی لائف پر سخت دھبہ لگتا ہے (گو اوسمین کسیقدر مجبوری ہی کیون نہو) سات برس گذر گئے اور ان دونون مین کوئی نااتفاقی پیدا نہوئی۔

۶۵۵ھ ہجری مین معز نے کسی وجہ سے والی موصل کی بیٹی سے شادی کرنی چاہی۔ شجرۃ الدر کو (شاید اسوجہ سے کہ معز نے اسکی عین حیات مین دوسری بی بی سے شادی نکرنے کا اقرار کیا تھا یا اوس رشک وحسد سے جو ایسی حالتون مین ہوتا ہے بہرحال کسی وجہ سے) یہ امر ناگوار گذرا۔ اور جب اوسکو کسی طور سے اس امر کی امید نہ ہوسکی کہ معز اس رادے سے باز رہ سکیگا تو او

آخر الدوار الکی پر عمل کرکے خود سغر کو ہی دنیا سے رخصت کردینا چاہا جس سے
سپہر والی موصل کی بیٹی کے جھگڑے کا بھی بالکلیہ فیصلہ ہوجائے - اور اس غرض
سے اوسنے محسن جوہری نامی طواشی سے سازش کی - اور اوس نے چند
آدمیون کو ساتھ لیکر سغر کو حمام مین مار ڈالا - اس موحش خبر کا پھیلنا تھا کہ سغر
کے مملوکون نے چاہا کہ بانی قتل کو بھی وہی مزہ چکھا دین جو اوسنے سغر کو
چکھایا تھا - مگر مملوکون سے قبل پینے کی ایک اور سر یہ تھی جس سے سغر کا ایک
لڑکا بھی پیدا ہوا تھا - اوس نے اس کام کو پورا کرنا چاہا - اور اس ارادے سے
وہ اپنی لونڈیون کے ساتھ شجرۃ الدر کے پاس گئی - اور دم کے دم مین اوسکی
بھی وہی حالت کردی - جو ابھی ابھی تھوڑی دیر ہوئی چند غلامون نے سغر کی
کی تھی - اور یون ایک دم مین دو ایسے شخصون کی جان لیلی گئی - جن مین سے
ایک انتہا درجے کا بہادر تھا - اور دوسری وہ عورت تھی جس نے سلطنت
مصر کو نازک وقت مین آفتون سے بچایا تھا - اور اپنی اعلےٰ درجے کی
بیدار مغزی سے سلطنت مصر کی بہبودی اور فلاح مین ایک بہت بڑا پارٹ
لیا تھا - اور جسکی لائف اون لوگون کے خیالات کی جو نوع اناث کو حیوان مطلق
سے بھی کسیقدر کم سمجھتے ہین - اور نیز عیسائی مورخین کے اس دعوی کی کہ
اسلام نے عورتون کو محبوس کرکے اون کے قوای دماغی اور جسمانی کا
استیصال کردیا ہے - ایک زبردست تردید کرنیوالی ہے اور جسکی آنکھین
بند ہوتے ہی اس ناموسلطنت کا بھی خاتمہ ہوگیا - جو ایوبیہ کے نام سے دنیا
مین مشہور ہے - اور اسی پر اس مختصر لائف کا بھی خاتمہ ہے -

شاہجہان بیگم :- نواب شاہجہان بیگم صاحبہ دام شوکتہا کے
والد بزرگوار کا اسم گرامی نواب جہانگیر خان بہادر شمشیر جنگ تھا

والدۂ مرحومہ کا نام سکندر بیگم تھا ۔ بیگم صاحبہ کا مولد بھوپال ہے ۔ سنہ ۱۲۵۴ ہجری مین پیدا ہوئی تھین ۔ ۱۵ ۔ محرم سنہ ۱۲۶۳ ہجری مین جبکہ ۹ ۔ برس کی عمر تھی ۔ گورنمنٹ عالیہ کے حکم سے اپنے باپ کی جگہہ تخت سلطنت پر رونق افروز ہوئین ۔ اپنی مادر مہربان کے سایۂ عاطفت مین پرورش پائی اور تمام علوم وفنون فارسی کو نہایت خوش اسلوبی سے حاصل کیا ۔ یہان تک کہ لکھنا پڑھنا خط وکتابت ۔ سلیقۂ سیاست مدن اور ملک کے نظم ونسق کے طریقے بتمام وکمال اکتساب کیے ۔ نہم شوال سنہ ۱۲۷۶ ہجری مین جبکہ بائیس سال کی عمر تھی تمام ریاست کے کاروبار کو اپنی والدۂ معظمہ کے سپرد کردیا ۔ لیکن غرّہ شعبان سنہ ۱۲۸۵ ہجری مین تمام اراکین ریاست کی طرف سے زیب اورنگ ہوئین ۔ لارڈ میو گورنر جنرل کے زمانے مین گورنمنٹ عالیہ کی استرضا اور اطلاع سے سنہ ۱۲۸۸ ہجری مین نواب صدیق حسن خان صاحب کے ساتھہ نکاحِ ثانی ہوا ۔

ایک عدد کے تعمیہ سے اس نکاح کی تاریخ اس جملے سے ظاہر ہوتی ہے ۔ ” وآخر یجتونھا “ سنہ ۱۲۸۹ ہجری مین رمضان المبارک کے مہینے مین بہ زمانہ لارڈ نارتھہ بروک گورنر جنرل ہندوستان گرینڈ کمنڈر اسٹار اوف انڈیا کا خطاب بمبئی مین گورنمنٹ عالیہ کی طرف سے عنایت جسپر ملکہ معظمہ وکٹوریا کی مہر اور وزیر اعظم انگلستان کے دستخط تھے ۔ سنہ ۱۲۹۲ ہجری مین جبکہ شاہزادۂ پرنس اوف ویلز کلکتے مین تشریف لائے تھے اوسوقت بیگم صاحبہ موصوفہ بھی مع نواب صدیق حسن خان صاحب بہادر کے کلکتہ تشریف لیگئی تھین ۔ شاہزادہ پرنس اوف ویلز نے ایک تمغہ جدید اور بہت سے ولایتی تحفے عنایت کیے ۔ بحمد اللہ تعالیٰ اسوقت

شاہجہان بیگم صاحبہ تخت سلطنت پر جلوہ افروز ہین اور نہایت خوبی سے اپنی رعاکی پرورش مین مصروف ہین - اسوقت غالبًا ہر شخص بھوپال کے مالی اور ملکی انتظام کو خوب جانتا ہے کہ کس خوبی اور عمدہ تدابیر سے نواب شاہجہان بیگم صاحبہ دامت شوکتہا سرانجام دے رہی ہین - دین اسلام کی تقویت مین جو جو کام ملکہ شاہجہان نے کیے حقیقت مین وہ لائق تعریف ہین - سینکڑون قصیدے اوسکی شان مین اور توصیف مین اہل فارس اہل عرب اہل ہند نے لکھے ہین - ملکۂ شاہجہان چونکہ تعلیم یافتہ اور صاحب فراست ہین اسوجہ سے اہل ہنر کی قدر افزائی کرتی ہین اور اپنے جود و کرم سے بہت مہربانی فرماتی ہین - جنابہ موصوفہ کی طبع وقاد اور ذہن خداداد سے جو کچھہ ہمکو ملا ہے وہ یہہ ہے -

رباعیات

دریافت عطای کبریائی مارا	درحضرت اوست جبہہ سائی مارا
چون عاجزی از پادشاہان مقبولست	نازم کہ کشد بہ پادشاہی مارا

ودیگر

ای شاہجہان وراز شد عمر گناہ	شد نامۂ اعمال تو چون قیر سیاہ
نومید مشو کہ داد گر ہست رحیم	کوہ گنہت شود بوزن پر کاہ

ودیگر

این عمر دراز صرف عصیان بودہ	یکبار ترا نہ چشم گریان بودہ
با این ہمہ اعوجاج بخشش خواہی	گر نیست عمل بیا پشیمان بودہ

ودیگر

گو بہر گناہ وقت فرصت باشم	در طاعت حق کمینہ ہمت باشم
نومید نیم کہ ناامیدی کفرست	ہر لحظہ امیدوار رحمت باشم

رباعی

افتاد بگورم گذر آن سرو روانرا ‏— من مرده خوشم زیست مبارک دگرانرا
ای چرخ چه کردی سلیمان و سکندر ‏— کز تو ہوس عیش بود شاہ جہان را

غزل

ہر دم ز حسنِ یارِ من ریزد تجلای دگر ‏— چشمم بود در ہر نظر محوِ تماشای دگر
ہر ذرہ خاکِ درش خورشیدِ تابان در برش ‏— از پرتوِ مہرِ رخش دارد تجلای دگر
خوبانِ دنیا گو ہمہ خوبند از سر تا بپا ‏— نامِ خدا آن دلربا دارد سراپای دگر
از بوریای زاہدان بوی ریا آید بجان ‏— بہر نمازِ عاشقان باشد مصلای دگر
باور مکن قولِ عدو ساغر کجا شیشہ کو ‏— ای محتسب این ہای ہو دارم ز صہبای دگر
من میروم سوی حرم دل میکشد سوی صنم ‏— من میروم جای دگر دل میرود جای دگر
جانم بہ تنگ آمد ازو یارب چسان سازم بدو ‏— من میزنم رای دگر او میزند رای دگر
ای عشقِ بے پروا بیا تا وارہم از ما سوا ‏— جز دردِ تو نبود مرا در دل تمنای دگر
از شرمِ رنگِ آلِ او دیگر بود احوالِ و ‏— گل بر سرِ آن لالہ رو دارد تماشای دگر
ای مونسِ غمخوارِ من خلقی پئے آزارِ من ‏— بس مہرِ ایزد یارِ من دارم نہ پروای دگر
شاہِ جہانم بیگمان ہم تاجورِ ہندیان ‏— جز یادِ داور در جہان دارم نہ سودای دگر

حرف الضاد

ضبیعہ :- جزیتہ بن ثابت انصاری ذوالشہادتین کی لڑکی تھی - اور ام عطیتہ الانصاری کی خواہر تھی - فن شاعری مین پورا ملکہ حاصل تھا -

اپنے باپ مرحوم کے مرثیے مین جو اشعار اسنے لکھے ہین وہ ہدیۂ ناظرین کیے جاتے ہین -

اشعار

عین جودی علی خزینة بالدمع	قتیل الاخراب یوم الفرات
قتلوا ذا الشهادتین عشوا	ادرک اللہ منهم بالترات
قتلوہ فی فتیه غیر عول	یسرعون الرکوب للدعوات
نصروا احمد الموفق ذا العدل	ودانوا بذاک حتی الممات
لعن اللہ معشرا قتلوہ	ورماهم بالخزی والآفات

حرف الطاء

طاہرہ بیگم الملقبہ بہ فخر النساء - یہ تعلیم یافتہ عورت لکھنؤ کی شریف زادیون مین سے زندہ موجود ہے۔ اسکی سوانح عمری ایک عجیب عبرت انگیز واقعہ ہے زمانۂ طفولیت مین جبکہ یہہ دو تین برس کی تھی ایسے سخت مصائب مین مبتلا رہی کہ اوس ماسنے کے واقعات دیکھہ کر بے اختیار دل بھر آتا ہے اور آنسو نکل پڑتے ہین۔ منشی نولکشور نے اسکی زندگی کے واقعات کو جسکو طاہرہ نے خود اپنے قلم سے ضبط کیا ہے طبع کی ہے۔ فی الحقیقت اوسکی سوانح جسکا نام افسانۂ نادر جہان ہے متاثر الفاظ مین لکھی گئی ہی۔ ہم اپنے ایک شفیق دوست کے ارشاد کے بموجب اوسکی سوانح عمری سے چند سطرین اوسجگہہ سے نقل کرتے ہین جس جگہہ سے کہ اوسنے اپنی ہمجولیونکو مخاطب کیا ہے وہ لکھتی ہی۔ وہ اے میری پیاری ہموطن ہمجولیو (عریضۂ طاہرہ) نیک زنون کا دلچسپ قصہ جو تمہارے سامنے ہدیے کے طور پر مینے پیش کیا ہے اس سے یہہ میرا مطلب نہین ہے کہ مین اسپی وسیسی تالیف کے قابل اور تعریف کے لائق ہون۔ یا تمہاری نصیحت اور اپنی فضیلت منظور ہی۔ یا پیر مغان بنکر سمجھانیکو بیٹھی ہون

بلکہ میری خاص غرض یہ ہی کہ میری خاوند ومالک نے جیسا مجھی سرفراز اور کنیز نوازی فرمائی ہی وہ تمہین
بھی ظاہر ہوتا کہ یہ بھی ایک قسم کا شکر یہ میرے نامۂ اعمال مین لکھا جائی - اور خداوند عالم اسکی بدلے مین
یہ امرتبہ اور بڑھائی - یہ میری ساری عمر کی اپنی بیتی کہانی ہی جو الخسا مجکبتیا تھہ ہاتھہ پھیلائے سر جھکائی
تمھین نذر دی رہی ہون - مانو تو دیتا نہین تھہ - چاہو اسکا چربہ لے لیا اور مارو - چاہو میرے منہ پر پھنک مارو
اگر کچھہ سمجھہ کر عمل کیا تو مجھے مول لیلیا تمھاری دل شاد کرنیکو مینی یہ غم پالا ہی - تمھین بلاؤن نے نکالنی کو اپنے
مین مصیبت مین ڈالا ہی - تمھاری گلو خلاصی کیلئی اپنا گلا پھنساتی ہون - تمھین ٹھنڈا رکہنی کیلئی اپنا دل
جلاتی ہون - جب کا لیپا دو ہاتھہ - اب کا لیپا دیکھو آ - گو مین ٹوٹی پھوٹی لکھی پڑہی تھی لیکن تصنیف
کے قابل اور نہ تعریف کی لائق - سچ کہون تو بوجھہ مجھسی اوٹھہ سکتا - خدا بھلا کری میرے اوستاد مرزا
محمد عباس حسین صاحب ہوش کا جنہون نے تمھاری درد سے میرے دلکو دکھایا اور یہ نسخہ لکھوایا - اونہین کے
تصدق سے مجھی غیرت آئی اونہین کی بدولت تمنے یہ دولت پائی - انصاف اور قدر سے دیکھو اور پڑہو گی تو
ان دو رسالونکو دو خزانے پاؤ گی جنکی گرہ پڑے جواہر (بھولی بسری باتین) دل مین رہ جانیسے مالا مال ہو
جاؤ گی - تمھاری محبت کی دھن مین پشتم پشتم مینی یہ دونون حصے تو لکھہ ڈالے - لیکن دیباچے پر پہونچکر
اٹک گئی - منزلکے قریب تھک گئی - جو لکھا تھا ترتیب دیا - جوڑ گانٹھہ کر مرتب کیا - چوٹی کا مضمون
جوڑ نیکی سول چیز (دیباچی) کو جو دیکھتی ہون بالکل کچھہ نہین اولٹ پلٹ کر کئی دفعہ لکھا مگر پسند نہ آیا
و نجانہ کر سکی ہزار زور لگایا آخر کو چپ ہی اوستاد سے یہ دلکی بات کہی - کہ لیجئی کتاب تو بنگئی مگر
سر نہین - سراسر عیب ہے ہنر نہین درست کر دیجئی تصویر مین رنگ بھر دیجئی - اونھون نے طلب فرما کر
قلم اوٹھا کر کچھہ کاٹا کچھہ بنایا کچھہ گھٹایا کچھہ بڑھایا - مبتدا کو خبر کیا - ادھر کے اودھر کیا - آخر کی بھرتی
نکالی - فقرون مین جان ڈالی - طول کو کم کیا - فضول کو قلم کیا - کانٹے پھینک دی - پھول چن لئی - جو کانٹا
وہ جو پرکھا تو کسطرح کٹنے ہی کی قابل تھا جو بنایا وہ نور وضیا مین تصویر ماہ کامل تھا - رنگ بھر
کر دکھایا طبیعت سے باغ لگایا - اب خطا کی جگہہ صواب ہی اور چراغ کی مقام پر آفتاب - وہ زنانی بات
بیت تھی - یہ مردانی بول چال ہی - وہ جادو تھا - یہ سحر حلال ہی پہلی الجھی ہوئی عبارت

تھی - اب سلجھی ہوئی فصاحت مینے بگاڑا - اونھون نے بنایا - ساری گتھی کو سلجھایا - نہ وہ اسطرح
دیباچے مین محنت فرماتے میرا اگڑا کام بناتی نہ میری محنت ٹھکانے لگتی - نہ دلکی کلی کھلتی - نہ وہ
اپنا عزیز وقت میرے کہنے سے دیتین نہ چار غیرونمین مجھے عزت ملتی - نہ کسی ہاتھ ہلانیکی نوبت آتی نہ دینے کے
قابل یہ چیز ہوتی نہ بیچاتی - سارے منصوبے زیری کیطرح غنچہ دل مین رہجاتے کسی کام نہ آسکتے - ایک
دن ایسا ہوتا کہ میرے ساتھ اونکا بھی خاتمہ ہوجاتا - مجھے اپنے اور جملہ جہان کے خدا سے امید کہ
وہ اپنے فضل و کرم سے اسکو مقبولیت اور تاثیر کے دوہرے دوہرے خلعت عطا فرمائیگا اور حق
ڈھونڈھنے والون کو نفع پہونچائیگا - اگر کوئی بات اچھی معلوم ہو دعائے خیر سے یاد کرلینا - کتاب
بہت بڑی ہے بھولی چوکی ہون تو معاف کردینا - مینے تم صاحبونکی دل لگی اور جی گھبرانیکے خیال سے
اس کتاب کے دو حصے کردیے پہلے کا نام تو تم سن چکی ہو دوسرے کا لقب صحیفہ نادرہ ہے - پہلے حصے مین
میری ابتدائی عمر اور کنوارپتے کی باتین ہین - جو اول سے آخر تک طرح طرح کی خوبیون اور
نیکیون سے بھری ہوئی ہین - کسی حصے مین نہ مینے تمھین مخاطب بنایا ہے اور نہ خطاب کرکے سمجھایا ہے - کہ بہن
خبردار تم وہ کام نکرنا او میری بہن مین قربان یہ بات ضرور کرنا - ہان راہین نیکی - بدی -
ثواب - عذاب - خیر - شر - اونچ نیچ - کی بخوبی دکھلائی ہین - نہ تو میرا منہ نصیحت کرنیکے
قابل تھا اور نہ کوئی نصیحت کے نام سے سنتا - جسے کتاب کا نام دیکھکر پیار آتا وہ نصیحت سے بگڑ جاتا
سیدھے دلکی ایک آ دہ خدا کی نیک بندی ایسی بھی ہوتین جو نصیحت کے مزے کو کڑوا کسیلا نہ بتاتین
ساری کتاب پڑھ جاتین - میرا مقصود اصلی جو تھا کہ سب پڑھین یا دیکھین سنین وہ فوت ہوجاتا
اسلیے مینے اپنے باغ مین کڑوے پھل کا درخت نہین لگایا - مزیدار شے کو تے کی قابل نہین بنایا - دوسرے جس عمر کا حال
ہے وہ خود اس قابل نہ تھی جو کوئی نصیحت کا نام لے اور کمزوری کی زمانے مین یہ سر اتنا بھاری کام لے
دوسرے حصے مین بیاہ جانے اور تجربہ حاصل کرچکنے کے بعد البتہ مین نصیحت کرسکتی تھی لیکن وہان بھی
مصلحتاً مینے وہ رویہ اختیار نہین کیا فقط نام بدل دیا پہلا عریضہ ہے جس سے انتہا کا چھٹاپا پایا جاتا
ہے - اور دوسرا صحیفہ ہے جو اپنا بڑاپا دکھاتا ہے - اس حصے مین پھول ٹھنے کے روز

سے پھل پانیکے دن اور پھیرا ورا وکی پروان چڑھانے تک کا رتی رتی ریزہ ریزہ حال لکھا ہی
اسکی بھی ویسی ہی حالت ہے - اور قصّی کر پردی مین نصیحت - سُسرال جانیکا زمانہ - اوسمین شکلونکا پیش
آ حطر حکی غمونکا سامنا - ایک ایک کا روکنا تھامنا - کیسیکی بُرائی نہ لینا - دلپر آنچ نہ آنے دینا
جی نہ جلانا - غصہ نہ دکھانا - عقل سے کام نکالنا - مصیبت کے پہاڑ ٹالنا - ایک ڈبی کیسا تھ لکھا ہے
جو سچ ہونیکے علاوہ مختصر اور بامزہ ہی - خدا میری اس تالیف کو تصنیف کا مرتبہ دی - اور تم سبکا
دستور العمل کری - آ میری مُنہ بولی بہنو لو یہ نیا جوڑا پہنو - تمھاری کپڑی پُرانی اور میلی ہی نہین ہوگی
بلکہ داغ دھبّے پڑنے سے کچھ نجس بھی معلوم ہوتے ہین - اونھین گھس پس کر اوتر دو - اور یہ پاک صاف
اُجلی پوشاک بدلو - اب مین تمھین خدا کو سونپتی ہون اور یہ دعا دیتی ہون کہ انجام بخیر ہو - نہ
کسی سی دشمنی ہو نہ بیر - زندگی امی جی سے گذارو - دولت پر لات مارو - بی کھٹکے بسر کرو - راحت
سے سفر کرو - پھولو پھلو عیش اوٹھاؤ عقبیٰ مین جنت پاؤ - سر پر بخت گھڑی نہ آئے - اُفتاد
شُدنہ دکھائے - وہم سے میل جول نہو - زبان پر بُرا بول نہو - شان مین چھینٹے نہ پڑین - زبان
سے پھول نہ جھڑین - آبرو کے ساتھ بات رہے - پالا تمھارے ہاتھ رہے - شوہر کی طاعت
سے کام ہو - مرتے دم زبان پر خدا کا نام ہو - ایمان کی دولت ساتھ لیجاؤ - اپنی جگہ نیکی
کو دیجاؤ - اللہ بس باقی ہوس - لو رخصت کی آخری بندگی لو - اور سُنو یہ میری کہانی سُنو -

رباعی

لو کہتی ہی طاہرہ کہانی اپنی	دکھلاتی ہے آشفتہ بیانی اپنی
وہ ہو کہ نہ ہو تمسے ملے یا نہ ملے	چھوڑے جاتی ہی یہ نشانی اپنی

اسکے بعد اوسنے اپنی پوری سوانح عمری لکھی ہے - اگر ہم مختصر کر کے ناظرین
کے سامنے پیش کرین تو بھی چار چھ جزو سے کم مین نہین آسکتی - اسواسطے صرف
یہان پر اوسکی ایک نظم مناجات جو نہایت پُر اثر ہے ہدیۂ ناظرین کر کے اسکا حال ختم
کرتے ہین - شائقین مطبع سے طلب کر کے پوری سوانح عمری دیکھ لین -

مناجات

ہمین نیک توفیق دے اے کریم
کہ ہے تو سمیع و بصیر و رحیم

بنا ہم غریبون کا انجام کار
کہ ہے سب طرح کا تجھے اختیار

تری دی ہوئی عقل سے کام لین
نہ سر پر حماقت سے الزام لین

کرین یون مصیبت مین خوش خوش بسر
کہ اپنون کو شادی ہو سمجھین اگر

تری دی ہوئی آبرو کھو نہ دین
گنوا کر یہ موتی سی شے رو نہ دین

ترے غم کے ہنس ہنس کے کاٹا کرین
عسل تلخکامی کا چاٹا کرین

بری سمجھین حرص و ہوا و ہوس
جو مل جائے اوس پہ قناعت ہو بس

نہ دل مین ہو بغض و کینہ نہ بیر
یہ گھر صاف ہو ہو کے دکھلائے سیر

تصور برے دل مین آنے نہ پائین
خیال بد وسعت دکھانے نہ پائین

نہ ہو وہم و سودا سے ہم کو تمام
پھرے سر نہ لین ہول سودائے خام

طبیعت کا نقشہ بدلنے نہ دین
ذرا نفس کا زور چلنے نہ دین

نہ شیطان کو ہم دلپہ دین دسترس
نہ اوجھین سے گھر کو بنائین قفس

صفا یون رکھین شیشۂ دل کو ہم
کہ مانو یہ ہو غیرت جام جم

کدورت سے آئے نہ اس پر غبار
کہ کہلائے یہ جام اعجوبہ کار

کرین کبر و نخوت نہ ہرگز روا
نہ سمجھین کسی رنج مین بھول کر

نہ پوری پٹے پیٹنے کی ہوئی خو
نہ چھوٹے بڑوں سے ہوں ہم دو بدو

کوئی حرف شکوہ زبان پر نہ آئے
کوئی لفظ بیجا زبان پر نہ آئے

سدا بکھین بد زبانی کو ہم
سمجھین برا لن ترانی کو ہم

زبان کے لڑانے کی عادت نہ ہو
کبھی حد سے بڑھنے کی جرأت نہ ہو

جہان کی بلاؤن پہ صابر رہین
فلک کی جفاؤن پہ شاکر رہین

بلا سمجھیں اہل ولا کے لیے | جفا جانیں اہل وفا کے لیے
بُری بات کرنے سے نفرت رہے | زباں میں ہمیشہ حلاوت رہے
نہ غصے میں ہو تلخ گوئی شعار | رہے نرمی و آشتی پر مدار
تری یاد سے ہم نہ غافل رہیں | عبادت پہ ہر وقت مائل رہیں
کبھی روئیں ہم تو تری ڈر سے روئیں | ہنسیں گر تو آپے سے باہر نہ ہوئیں
جلائے اگر آتش رنج و غم | کریں یاد نارِ جہنم کو ہم
کسے حکا ہو جلاپا اگر | تو ہونے نہ دے عقل دل پر اثر
جو ہو مرگ اولاد سے دل پہ داغ | تو سمجھیں جلا تیرے گھر میں چراغ
نہ بھولیں تجھے بال بچوں میں ہم | ہوں مشہور کنبے کے سچوں میں ہم
نہ چھوڑیں کبھی تیرا روزہ نماز | رکھیں گرمی حشر سے دل گداز
نہ دیں فکر اولاد میں غم کو طول | نجائیں تجھے اونکے ماتم میں بھول
نہ پیسے کے ہو نیکی پہ پیٹا مچائیں | نہ بیکار کی فکر میں تن گھلائیں
سوال و طلب اپنا شیوہ نہو | غذا است نجا ہوئے میوہ نہو
سمجھلیں تجھے ضامن رزق جب | تو کیوں ہم کسی سے کریں کچھ طلب
نہ ترلقے تو ہمکو ذلت سے دے | جنے دے مگر ساتھ عزت کے دے
کریں ترک باطل ہے حق سے کام | عطا کر تمیز حلال و حرام
حیا آنکھ میں سرمے کی جا رہے | نظر میں گنہ کا نتیجا رہے
وہ روز جزا کا ہو کھٹکا لگا | کریں آئے دن جس سے ہم رت جگا
کسی سے برائی کی عادت نہو | ہر اک نیک خو ہو بُری لت نہو
گنہ کوئی چھوٹا بھی سرزد نہو | بلا ہم نہوں گو بلا رد نہو
نہ طوفان جوڑیں نہ غیبت کریں | نہ ہم مفتری ہوں نہ تہمت کریں

ہر اک طرح کے پیچھے آگے رہین
ملین جس سے کنبے مین دل سے ملین
بہو بیٹیو نمین وہ روشن ہو نام
کچھ اسطرح حق بات کہہ جائین ہم
ہمارے کہے کے اثر کم نہون
نہون ہم ہمارے طریقے رہین
اطاعت کے انداز سکھلا کے جائین
کہین اُف نہ مان باپ کے جب تئین
دل وجان سے حق اونکا جانا کرین
نہ شک لائین احکام قرآن مین
بدا ہو کے جب دوسرے گھر مین جائین
کرین شوہرونکا نہ ہم حق تلف
نہ بے پوچھے اونکے قدم اک اوٹھائین
بچائے رہین اونکی عزت کو ہم
نہ دین ہاتھ سے اپنی عزت کبھی
نہ نامحرمون پر کرین اک نگاہ
سدا نقد عصمت بچائے رہین
چلین اونکی مرضی پہ لیل و نہار
کرین اونکو یون اپنا مختار ہم
ہون دلسے ہماری وہ باتین پسند
بگڑ کر زبان کو بگڑنے نہ دین

بدی رونے سے دور بھاگے رہین
ہمین غیر باتون مین وہ گل کھلین
کہ شرمائے گردون پہ ماہ تمام
کہ مرکر بھی دنیا مین رہ جائین ہم
یہہ باتین جہانمین ہین ہم نہون
سب اس طرز کا ہمکو موجد کہین
ہم اسطرح گھر کرکے دکھلا ئے جائین
صلہ نیک لین تجھسے اس صبر پر
ترے اہل سب اونکو دعا کرین
نہ فرق آئے ہم سب کے ایمان مین
سلیقے سے ہم گھر دونون بنائین
اطاعت سے ہو اونکی اپنا شرف
نہ بے حکم مان باپ کے گھر مین بنائین
لٹائین نہ اون سبکی دولت کو ہم
ڈھٹائی سے بدلین نہ ہم ست کبھی
نہ ہم دین و دنیا مین ہون روسیاہ
کنبے سے یہ رشتے نبھائے رہین
نہ نکلے زبان سے "نہین" "زینہار"
کہ مالک وہ ہون اور غمخوار ہم
کہ منہ دیکھتی ہی رہین ساس نند
الجھ کر گرہ دل مین پڑنے نہ دین

نہ تردامنی سی ہو تہمت اپنی نم
نہ سوکھے لہو خوف سی دمبدم

جو اولاد ہو صالح و نیک ہو
نہ دو چار دس پانچ ہون ایک ہو

نہ ہون چھپکے بھی بزم پر ہم بلا
رہین نقد و فاقے مین نسبت کی سیر

بجا لائین آنکھونسے ہم اونکی کام
نظر اونکے رخ پر رہے صبح و شام

مروت نگہہ کی نگہبان ہو
حجاب اپنی آنکھون کا دربان ہو

رہین اونسے جب بات ہنسکر کرین
بگڑنیسے خوش ہون نگاہ سے ڈرین

وفاداریونکی دکھائین چلن
کرین شکریہ اونکا سر و علن

نہ بگڑین نہ روٹھین نہ غصہ دکھائین
کبھی آنکھ پھیرین نہ تیوری چڑھائین

رہی سو کبھی ٹکڑونپہ بھی ترزبان
گرمی گاڑھی کا وصف ہو بزبان

ادب سے جھکائے رہین اپنے سر
بڑی اونکی حرمت ہو پیش نظر

خوشی سے کرین گھر کے سب کام کاج
نہ جھنکین نہ ٹیکین نہ ہون بدمزاج

اگر دل کچھ اپنی نزاکت دکھائین
تو ہم صبر کی سل کا پتھر لگائین

ہر اک وانکی ایذا ہو راحت ہمین
نظر آئے عسرت بھی عشرت ہمین

جنے اونکی محنت کے خوش ہو کے کھائین
غذا کیطرح ہاتھ منہ دھو کے کھائین

ہر اک راز شوہر پہ دین اپنی جان
نہ نام اونکا رکھین نہ ہون بدگمان

عزیز اونسے کپڑا نہ گہنا کرین
نہ شوہر کا صدمہ گوارا کرین

جواب اوسکو دین ہنسکے حسب الطلب
رہے آنکھ نیچی کرین بات جب

نہ فرمائشونکی ہو عادت ہمین
رہی ضد سی اور ہٹ سی نفرت ہمین

نہ سیرت نہ صورت پہ ہو ہمکو ناز
بہت دیکھین بھالین نشیب و فراز

وہ ہو اپنا رکھوپت رکھا پت پہ دھیان
نہ بگڑی کبھی خواب مین بھی زبان

کسی رنج مین سسا سنا ہو اگر
تو شوہر کے آگے نہ ہون ہم نڈر

حرف العین

عائشہ رض:- آپ کی والدہ کا نام ام رومان تھا اور آپ کے پدر بزرگوار حضرت ابی بکر خلیفہ اول جناب رسول خدا تھے آپکا نکاح حضرت محمد رسول خدا صلعم کے ساتھ ہوا تھا اسیوجہ سے آپ کو ام المومنین کہتے ہین- محمد رسول اللہ کی سب سے زیادہ پیاری اور دوسری بیوی تھین- حضرت عائشہ رض سے بہت سی حدیثین منقول ہین- اسلیے محدثات مین آپکا شمار کیا گیا ہے حضرت عائشہ رض نے رسول خدا کی تعریف مین جو اشعار لکھے ہین اون مین سے دو شعر یہان نقل کیے جاتے ہین-

فلو سمعوا فی مصر اوصاف خدہ	لما بذلوا فی سوم یوسف من نقد
لواحی زلیخا لو رأین جبینہ	لآثرن بالقطع القلوب علی الاید

نمونے کے طور پر حضرت عائشہ رض کے کچھ حالات مختصراً اور لکھے جاتے ہین- ۹ سالہ عمر مین اونکو علاوہ نثر وغیرہ کے سولہ ہزار شعر محفوظ تھے اکثر صحابہ جو علم کی حیثیت سے مرجع کل تھے آپ کی جدید معلومات سے مستفید ہوا کرتے تھے- جتنا حصہ حدیث و قرآن کا آپ کی روایت سے مروی ہے یا جن احادیث کی آپنے توجیہ کی ہے اومین ایسی روشنضمیری اور سنجیدگی ہے کہ اوسکو دیکھکر حکمت مآب طبیعتین حیران ہین- اونکے علمی درجے کی شہادت اس سے بھی ملتی ہے کہ اکثر خاندانی بیبیان اون سے استفادہ کرکے علمی دنیا مین قدم رکھا کرتی تھین آنحضرت نے فرمایا ہے- خذوا العلم من ھذہ الحمیراء اس سُرخ رنگ خاتون سے علم حاصل کرو اس حدیث مین نبوت کی زبان نے اونکو انسانی طبقے کا علمی رہنما بتایا ہے- اونکے اوصاف اور اقوال کے متعلق

مبسوط تقریر ہے۔ لیکن مین عبد اللہ بن عمر رضی اللہ عنہ کے تقابل مین چند حدیثین بیان کرتا ہون۔ جس سے دونون کی وسعت نظر اور غور و فکر مین موازنہ ہو سکتا ہے۔

عبد اللہ بن عمر نے فتوے دیا کہ عورتین غسل مین اپنے بال کھولا کرین۔ حضرت عائشہ رضی نے سُنکر فرمایا عبد اللہ ابن عمر سے تعجب ہے وہ عورتون کی بال کھولنے کا حکم دیتے ہین اون کے سر منڈوانے کا حکم کیون نہین دیتے مین نے رسول خدا کے ساتھ بارہا ایک ظرف سے غسل کیا ہے مین صرف تین بار سر پر پانی بہا لیا کرتی تھی۔

بعض امور رسول خدا صلی اللہ علیہ و آلہ وسلم عمل مین لائے تو بعض صحابہ رض کو اشتباہ ہوتا تھا۔ کہ یہہ امر عبادۃً آپنے کیا ہے۔ مثلاً حج سے فارغ ہوکر مقام ابطح مین آپنے قیام فرمایا تھا حضرت ابو ہریرہ اور عبد اللہ بن عمر کا خیال تھا کہ یہہ قیام بطریق عبادت تھا اسلیے وہ قیام کو حج مین سُنت قرار دیتے ہین لیکن حضرت عائشہ رض کی رازجو طبیعت نے اوسکو تسلیم نہین کیا اونھون نے فرمایا کہ یہ قیام محض اتفاقی تھا سُنت نہین ہے۔

عائشہ بنت طلحہ:۔ ان کے شوہر کا نام مصعب بن زبیر تھا۔ اپنے زمانے کے لوگون سے علم مین فائق تھین۔ انکے علمی فتوحات کا دائرہ اس زمانے کے ہر علمی فاتح سے زیادہ وسیع تھا۔ انکی قابلیت کا اندازہ اس سے ہو سکتا ہی کہ ہشام بن عبد الملک خلیفہ نے دمشق سے حج کا قصد کیا اوسکے ہمراہ کاملین کی ایک جماعت تھی جنھون نے علمی مرحلون مین تکا پو کرکی کرتے اپنے آپ کو خلافت کی پایے کی بلندی کے قریب کر لیا تھا۔ خلیفہ نے عائشہ رض

کی قابلیت سنکر حضوری مین بلایا اور ہر شخص کی معلومات سے ہر شعبہ مین انکی معلومات کا موازنہ کیا۔ فما یاسرنا ہاالا والحمتہ جو اون کے مقابلے مین آتا گیا اوسکو وہ خاموش کرتی گئین۔

عصمتی :۔ یہ خاتون ایک مشہور و معروف خاندان کی لڑکی تھی۔ اسکے ہمعصر اسکے کمال اسکی بلاغت اسکی عصمت اور عفت پر ناز کرتے تھے۔ یہہ خاتون تعلیم یافتہ تھی۔ اور موزون طبیع بھی۔ اسکا یہ شعر مشہور ہے۔

آن کعبہ کہ دست وہد کعبۂ دل است	از پا شکستگان طلب کعبہ مشکل ست

حرف الفاء

فاطمہ خانم :۔ یہ خاتون جودت پاشا مبصر مجلس لوکلا و ولتہ علیہ عثمانیہ ایدہ اللہ بالاقبال کی صاحبزادی ہین اعلی درجے کی تعلیم یافتہ۔ صاحب عصمت و عفت ہین۔ حال مین اس خاتون نے بطور ناول کے ایک کتاب جسکا نام زنان اسلام ہے لکھی ہے۔ عربی زبان مین بھی اسکا ترجمہ ہوگیا ہے جو بیروت مین چھاپا گیا ہے۔ اس ناول مین وہ بحث درج ہے جو یوروپ کی ایک شریف عورت نے جسکا نام میڈم ف ہے فاطمہ خانم سے کی تھی۔ یورپ کی لیڈی نے زنان اسلام اور اسلام پر جو الزامات لگائے ہین اونکو اس مسلم لیڈی نے نہایت لیاقت سے جواب دیکر اوسکے پوچ اور لچر الزامات کو رد کیا ہے ہم اس مقام پر اوسکی کتاب کی ابتدائی تحریر کو ہدیۂ ناظرین کرتے ہین اگر ہم پورے سوال وجواب لکھین تو دس بارہ جزو ہمکو اور زیادہ بڑھانے ہونگے اسلیے ہم اپنے اس اختصار پر اکتفا کرتے ہین وہ لکھتی ہے کہ "انسان کا خاص ہے کہ وہ مل کر ایک جگہہ رہنا پسند کرتا ہے اون مین ایک کو دوسرے کی مدد اور

اعانت کی ضرورت ہوتی ہے۔ اس لیے گروہ گروہ بنکر ایک جگہ رہنا شروع ہوا۔ جس سے مدنیت یا شہریت کی بنیاد قائم ہوگئی۔ ہر شخص اور ہر گروہ کی مختلف امیدون اور متباین خواہشون کی تکمیل نے مختلف طریقے اختیار کرنے پر مجبور کیا۔ جس سے لین دین بول چال مین فرق پیدا ہوا اور رفتہ رفتہ زبانون قومون اور مذہبون مین تفریق پیدا ہوگئی۔ قدیم مذہب والون نے اپنے زمانہ مین تنہائی گوشہ نشینی مین زندگی بسر کرنا پسند کیا تاکہ اون کے سوا اور کوئی اونکے حال سے واقف نہو۔ ایک ملک والون کو دوسرے ملک والون سے ربط پیدا کرنیکے ذرائع مثل قافلون اور کشتیون کی آمد رفت کے جو ایک قوم کو دوسری قوم سے ملا دیتے مین اوسوقت مین بھی رائج تھے لیکن بری اور بحری سفر کی تکلیفات کے سبب آمد و رفت کم ہونیسے دور دراز ملک کے رہنے والے اپنے ہمجنسون کے حالات سے پورے طور سے واقف نہین ہو سکتے تھے۔ اگر یورپ مین کوئی واقعہ ہوتا تو اوسکی خبر ایشیا والون کو ایک سال سے کم مین نہین معلوم ہو سکتی تھی۔ اسیطرح یورپ والون کو بھی دنیا کے واقعات کا علم مدت دراز کے بعد ہوتا تھا۔ جسوقت سے تجارتی جہاز جاری ہوئے۔ آمد و رفت کی کثرت ہوگئی اور نقل و حرکت مین سہولت اور آسانی حاصل ہوگئی۔ ریل کے سبب سیر و سیاحت مین اور بھی زیادہ ترقی ہوگئی پھر تار برقی ایجاد ہوئی جس سے خبر پہونچنے مین سفر سے بھی زیادہ آسانی ہوگئی۔ یہانتک کہ جن حوادثات کا علم دور و دراز کے رہنے والون کو سالہا سال کے بعد ہوا کرتا تھا۔ اب ایک لمحہ مین اوسکی خبر پہنچ سکتی ہے۔ حاصل یہ ہے کہ اسوقت عالم نے ایک نیا طرز بدلا ہے۔ جو پہلے طریقے سے بالکل جدا ہے۔ یورپ والون نے جو تمام اشیاء کی تحقیق اور تفتیش مین سرگرم ہین اگر ہمارے حالات اور

عادات معلوم کرنے مین کوشش کی ہے لیکن مجکو معتبر سیاح عورتونسے
جو قسطنطنیہ کی سیر کو آئین تھین ملنے کا اتفاق ہوا - اونکی گفتگو سے معلوم
ہوتا تھا کہ ہماری طرف سے یورپ والون کے خیالات ایسے غلط اوہام
پر مبنی ہین جنکو سنکر مجھے بھی اوسیقدر تعجب ہوتا تھا جسقدر کہ اونکو یہ
خیال گذرتا تھا کہ یہ کسی دوسرے ملک اور دوسرے مذہب والونکا ذکر کرتے ہین
جو حالات مینے ان سیاح عورتون سے سنے وہ یورپ کی تحریرات مین (جو
سفرنامونکی شکل پر لکھے جاتے ہین) درج ہین لیکن سفرنامے کوئی علمی کتابین نہین
ہین جنمین ہر چیز کی تحقیق اور تفتیش کی جاتی ہو بلکہ اونکی تحریر عموماً خیالی افسانون
کی سی ہوتی ہے - جو (رومانس) کے قصے کے طرز پر لکھے جاتے ہین
سوال یہ ہے کہ یہ اوہام کسطرح پیدا ہوئے کیا یورپ والون نے اپنی
کسی خاص غرض سے پیدا کرلئے ہرگز نہین کیونکہ یورپ کے معتبر سیاح اپنی پوری
کوشش اور سرمایہ عالم مین پھیلی ہوئی اشیا کے حقائق دریافت کرنے
مین صرف کرتے ہین اور اونکی اطلاع اور معلومات سے اونکے اہل وطن
فائدہ اوٹھاتے ہین - پس لازم ہے کہ اس قصور کو ہم اپنے ذمہ لین -
مقتضاے کمال بھی یہی ہے کہ آدمی اپنی ذات کے نقصانات اور عیوب کا خود
اندازہ کرے جو شخص اپنے عیوب پر غور کرتا ہے اور دوسرون سے اوسکا
مقابلہ کرتا ہے وہ بیشک حق اور صواب پر ہوتا ہے اور اعلے درجے اور بلند
مرتبے پر پھنچتا ہے یہ ظاہر ہے کہ کسی جگہہ کے لوگون کے خیالات اور عادات
کی واقفیت شہر اور بازارین پھرنے اور مشہور موقعون کے دیکھنے سے حاصل نہین ہوتی
کسی مذہب کے حقیقی حالات دریافت کرنے کے لیے اوس مذہب کے مردون
اور عورتون سے ملنا اور مختلف قسم کی بات چیت کرنا اور ایک عرصے تک

انکی صحبت مین رہنا ضرور ہے - چونکہ ہماری عورتین پردہ نشین ہین اسلئے سیاحون کو اون سے ملنے اور اون کے ساتھہ ہمکلام ہونے کا موقع ملنا محال ہے - لیکن ان سیاحون مین بعض عورتین بھی ہوتی ہین جنکی معلومات کسی طرح مردون سے کم نہین ہوتی - اون کے ذریعے سے بہ آسانی عام سیاح مسلمان عورتون کے اصلی حالات سے واقف ہوسکتے ہین - لیکن ان عالمہ اور سیاح عورتونکو اُن مستورات سے ملکر جنکی زبان سے یہ واقف نہون کچھہ معلوم نہین ہوسکتا - وہ اسوقت گونگونکی طرح اشارون ہی سے کام نکالنے پر اکتفا کرتے ہین اسوقت بعض ترکی بیگمات فرانسیسی زبان بھی جانتی ہین مگر اونمین اکثر ایسی ہین جنھون نے فرانسیسی دایہ کے ذریعے سے فرانسیسی طرز پر پرورش پائی ہے صرف علوم ہی حاصل کرنے کے لیے نہین بلکہ محض فرنچ لیڈی بننے کے لیے - چونکہ وہ احکام شرعی سے ناواقف ہوتی ہین اور مذہبی احکام کو پس پشت ڈالدیتی ہین اور فرانسیسی طرز پر زندگی بسر کرتی ہین اُن سے ملنا اور باتین کرنا ایسا ہے جیسا یک اوغلی مین کسی فرانسیسی خاندان سے (قسطنطنیہ کا ایک محلہ ہے جہان فرانسیسی رہتے ہین) ملنا اونکے ملنے سے کچھہ فائدہ ہوتا ہے - نہ کوئی بات ٹھیک طور پر معلوم ہوسکتی - اور اُن سے کوئی شخص اسلامی طرز معیشت کا حال (جسکو کہ اونھون نے فضول سمجھکر چھوڑدیا ہے) دریافت کرے تو وہ اسلام کی خوبی اور پاکی بیان کرنے سے اپنی لاعلمی کے سبب خاموش ہوجاتے ہین - اور نہایت غصے اور طیش مین آکر پردے کا ذکر شروع کردیتے ہین اور یہ سمجھتے ہین کہ جسقدر ناگوار امور ہین وہ احکام شریعت سے لیے گئے ہین اور وہ اُن چیزون سے بحث کرتے ہین جنکا اونکو مطلق علم نہین اس سے غیر لوگون کو اُس پاک مذہب پر جسکی شمع ہدایت سے ہمکو نور ہدایت او

جس کی پاک آیات سے ہمکو شفا ایمان نصیب ہوتا ہے - افترا پردازی اور
نکتہ چینی کا موقع ملتا ہے - اکثر یورپ کی سیاح عورتین جو ہمارے شہر قسطنطنیہ
مین سیاحت کے لیے آتی ہین وہ ان رموز کے دریافت کرنے کے لیے اون
مسلمان خاندانون سے ملنے کی نہایت شائق ہوتی ہین - جو پرانے طریقے
اور قدیمی اصول پر زندگی بسر کرتی ہین بعض مسلمان خاندان عورتونکی تسلیم
کو گناہ سمجھتے ہین - صرف فرانسیسی کی تعلیم کو نہین بلکہ ضرورت سے زیادہ ترکی
زبان کی تعلیم کو بھی برا جانتے ہین - اونکو معلوم نہین کہ ازواج مطہرات اور
اونکی مقدس صاحبزادیان کسقدر عالمہ تھین - اور شروع اسلام مین کسقدر مستورات
علم ادب کی ماہر گذری ہین - اور علم و فضل مین اونکا کیا درجہ تھا - باوجودیکہ
چہرے کا کھولنا شرعًا حرام نہین - بلکہ بالون کا ڈھانکنا واجب ہے - لیکن مین دیکھتی
ہون کہ وہ اوسکے خلاف منہ کو چھپاتی ہین - اور بالون کو ظاہر کرتی ہین حالانکہ
یہ ہے کہ اعتدال ہم سے مفقود ہے ہم اپنی خواہشات سے اسقدر مغلوب ہوجاتے
ہین کہ وہ ہمکو جسطرف چاہتی ہین لیجاتی ہین - ہم نہین جانتے کہ کسطرف چلین - کمی بیشی
حالانکہ کمی اور زیادتی دونون مضر اور بری ہین - اور اعتدال یعنی اوسط درجہ
سب سے بہتر ہے - حدیث شریف مین آیا ہے - خیر الامور اوسطها -
سب کامون مین اعتدال اچھا ہے - جو سیاح واقعی حالات دریافت کرنا چاہین
اونکو ایسے خاندانونسے ملنا چاہیے جو فرانسیسی زبان جانتی ہون - اور اسلامی
طرز پر زندگی بسر کرتی ہون - اور مذہب کی پابند ہون - مگر مسافرونکو اسکا دریافت
کرنا مشکل ہے اکثر سیاح بیوغلی کے (عیسائیونکا محلہ ہے) ہوٹلونمین قیام کرتی ہین
اور وہان کے باشندونسے (جنکا علم اوس محلے تک محدود ہے) حالات دریافت
کرتی ہین اور اونھین مین سے مترجم اپنے ساتھ لیتے ہین جو جلدی

جواب دینے کی غرض سے بے معنی بکنا شروع کر دیتی ہین - اور اوس چیز مین زبان درازی کرتی ہین جسکا اونکو مطلق علم نہین - اس لیے ہمارے حالات خیالی قصون کے موضوع بنجاتے ہین - یہہ سب جانتے ہین کہ اہل یورپ ہمارے احکام مذہبی پر جو حکمت اور عقل کے موافق ہین اعتراض نہین کرتے بلکہ وہ مسلمان عورتون کو نہایت مظلوم اور ستم رسیدہ سمجھکر اونکی ہمدردی کے خیال سے ان امور پر زور دیتے ہین - مجھے یورپ کی چند عورتون سے ملنے کا اتفاق ہوا جو قسطنطنیہ کی سیر کو آئی تھین - اون سے یورپ والون کے عجیب خیالات اور بے اصل توہمات جو اونکے دلون مین ہماری طرف سے بیٹھے ہوئے ہین معلوم ہوئے - یہ حالات ایسے عجیب تھے کہ مجھسے ضبط نہو سکا کہ اُنکو اپنے ہی تک محدود رکھون - بلکہ میرے دل نے مجکو مجبور کیا کہ جسطرح یہ گفتگو ہوئی اوسیطرح اوسکو اپنے ہمعصرون کے سامنے پیش کردن - اسکے بعد اوس عیسائی اور مسلم لیڈی سے جو مباحثہ ہوا ہے وہ قابل دید ہے -

فاطمہؓ :- رسولؐ خدا کی صاحبزادی تھین - آپ کی کنیت ام محمدؐ تھی کبھی کبھی مبارکہ - طاہرہ - زاکیہ - راضیہ - مرضیہ - اور بتول کے لقب سے بھی پکاری جاتی تھین - آپ کا سنہ ولادت واقعۂ فیل کے ۳۵ برس قبل بیان کیا جاتا ہے - آپکے شوہر حضرت علیؓ خلیفہ چہارم تھے اور آپکی والدہ حضرت خدیجہؓ جو رسولؐ خدا کی پہلی بی بی ہین تھین - حضرت فاطمہ فصاحت و بلاغت اور علم عروض مین اعلےٰ درجے کی تعلیم یافتہ ہوی تھین - یہان انکے دو شعر ہدیہ ناظرین کیے جاتے ہین جو باعتبار اصول فصاحت و بلاغت آپ اپنے نظیر ہین اشعار

صُبّت علی مصائب لو انها	صُبّت علی الایام صرن لیالیا
ماذا علی من شم تربۃ احمد	ان لا یشم مدی الزمان غوالیا

حرف القاف

قرۃ العین:- اس نوجوان لڑکی کا اصلی نام زرین تاج تھا۔ یہ ایران کے نامور علما کے گھرانے مین پیدا ہوئی- اسکا باپ حاجی محمد صالح ایک مشہور فقیہ اور اسکا چچا ملا محمد تقی قزوین کا ایک نہایت معزز عالم مجتہد تھا- اور اسکا چچیرا بھائی ملا محمد تقی کا بیٹا ملا محمد ایک عالم آدمی تھا جس سے قرۃ العین کی بعد مین شادی ہوئی- چونکہ ایک تو اس لڑکی کو بچپن ہی سے غور وخوض کی عادت تھی اور پھر علم سے ایک طبعی مناسبت اور شوق بھی تھا- کچھہ تو یہ اتفاقات ایسے واقع ہوئے اور کچھہ اوسکی محنت اور شوق- غرض اوسنے ذاتی تعلیم مین ایک نہایت حیرت انگیز ترقی کی- جو دنیا مین عورتون کو (خواہ وہ کسی ملک کی ہون) بہت کم نصیب ہوتی ہے- عورتین تو عورتین ہمارے ملک مین مردون مین بھی ہزارون مین ایک آدھ ایسا نکلے گا جو علمی واقفیت اور بلند خیالی مین اس نوجوان عورت کا ہم پلہ ہونے کا دعوے کرے-

اس گھر مین صبح وشام علمی چرچون کے سوا اور کوئی شغل نہ تھا ان باتونکو وہ ہمیشہ بڑے غور سے سُنتی اور خود بھی راے دیتی- اکثر جب گھر کے لوگ اور دوسرے عزیز ایک جگہہ جمع ہوتے تو علمی مباحثے چھڑ جاتے- اسمین قرۃ العین بھی نہایت جوش کے ساتھہ حصہ لیتی- اُسکی فصاحت- اُسکے دلائل ایسے نہ تھے جو دلون پر اثر نہ کرین- اور پھر اُسپر حُسن- حیا- اور عصمت- غرض وہ اپنے مان باپ اور چچا کی آنکھون کا تارا اور اپنے سارے خاندان کی سرتاج تھی- بلکہ سچ تو یہ ہے کہ نہ صرف اُسکے خاندان کو بلکہ سارے شہر قزوین کو اس قابل- باحیا اور حسین لڑکی پر فخر و ناز تھا-

لیکن بدقسمتی سے جیسا ایران کے بعض نام کے مؤرخ لکھتے ہین (اگر فی الحقیقت یہ کوئی بدقسمتی ہے) اوسنے باب سے خط وکتابت شروع کی اور وہ اوسکی تعلیم پر ایسی فریفتہ ہوئی کہ اُسنے نہ صرف اقرارٌ باللسان وتصدیقٌ بالقلب پر اکتفا کیا بلکہ اُسکی ترویج اور اشاعت کے لیے گھر سے باہر قدم نکالا۔ وہ کچھ مدت کربلا مین رہی اور پردے کے پیچھے سے لکچر دیتی۔ فقہ وحدیث وآیات قرآن کی تفسیر اس خوبی اور فصاحت کے ساتھ کرتی تھی کہ ایک انبوہ کثیر اوسکے سننے کیلیے جمع ہوجاتا تھا۔ علمارنے گورنر سے شکایت کی کہ یہ نوجوان عورت یہان کفر والحاد پھیلانیکی کوشش کررہی ہی اور اُسنے شہر کے بہت سی نوجوانو نکو اپنی فصاحت اورحسن کے جادو سے ورغلا کر بابی بنالیا ہے۔ گورنرنے اُسے گرفتار کرنا چاہا۔ لیکن قرۃ العین کو کسیطرح اسکی پہلے سے خبر لگ گئی وہ فوراً کربلا کو چھوڑ چھاڑ بغیر پروانۂ راہداری کے سیدھی بغداد جا پہونچی۔ بغداد مین سب سے پہلے وہ مفتی صاحب کے ہان گئی اور اُنکے سامنے اپنے مذہب اور خیالات کو نہایت فصاحت اور قابلیت کے ساتھ ظاہر کیا۔ لیکن اب بحث یہ پیش ہوئی کہ آیا وہ ان خیالات کی اشاعت اس ملک مین کرسکتی ہی یا نہین۔ یہ مسئلہ بغداد کے بادشاہ کی سامنے پیش ہوا۔ جس نے گورنمنٹ سے اُسکی نسبت استفسار کیا۔ آخرکار اسکا فیصلہ قرۃ العین کے خلاف ہوا اور اُسے مجبوراً سلطنت عثمانیہ کو چھوڑنا پڑا۔ لیکن باوجود اس تکلیف اور مصیبت کے وہ مایوس نہین ہوئی۔ بلکہ بغداد سے واپس ہوتے ہوئے اُسنے کرمان شاہ اور ہمدان تک سفر کیا اور اپنے لکچر نہایت جوش وخروش کے ساتھ جاری رکھے اور بہت سے لوگون کو بابی بنالیا۔ جس مین سے شیخ صالح۔ شیخ طاہر۔ ملا ابراہیم محلاتی۔ اور شیخ سلطان عرب مشہور شخص ہین۔ اسجگہ ایسے امر کا ظاہر کرنا مناسب معلوم ہوتا ہی کہ یہہ لکچر

یا وہ تعلیم جسکی اشاعت قرۃ العین اسوقت ملک ایران مین کر رہی تھی کس قسم کی تھی اور اس کا کیا مقصد تھا۔

اس بات کا ضرور خیال رکھنا چاہیے کہ یہ زمانہ باب کی تعلیم کا ابتدائی زمانہ تھا۔ اور باب کی وفات کے بعد جو انقلابات بابی مذہب مین پیدا ہوئی اوسکا شان گمان بھی نہ تھا۔ کیونکہ باب کی وفات کے بعد ایک شخص مرزا حسین علی نے پیغمبری کا دعویٰ کیا اور اپنا لقب بہاء اللہ اختیار کیا اور کہا کہ مین وہی شخص ہون جس کی بشارت باب نے اپنی کتاب مین دی ہی چنانچہ اکثر باب اُسکے پیرو ہوگئے۔ اور اب بابیون مین دو فرقے ہین ایک بہائی جو بہت بڑا فرقہ ہے اور بہاء اللہ کا پیرو ہے۔ اور دوسرا ازلی جو مرزا یحییٰ صبح ازل کی پیرو ہین اور باب کی تعلیم کے معتقد ہین۔ لیکن میرا مقصد یہان مختصراً اُن خیالات کے بیان کرنے کا ہے جس کی اشاعت مین قرۃ العین سرگرم تھی۔ مختصراً یہ ہین

"چونکہ مخلوق کے لیے خدا کی ذات کا پہچاننا ناممکن ہے اس لیے "مشیت اولیٰ" نے انسان کی ہدایت او تعلیم کے لیے وقتاً فوقتاً انسان کی صورت مین حلول کیا۔ یہ اوتار پیغمبر کہلاتے ہین زمانہ گذشتہ مین اونکی بیشمار تعداد ہو چکی ہے اور ایسی ہی آیندہ ہوتی رہیگی۔ جیسے وہ پچھلے زمانے مین اور پیغمبرون کے ذریعے سے بولتی تھی اب وہ باب کے ذریعے سے بولتی ہے۔ اس کے بعد وہ "من یظہرہ اللہ" کے ذریعے سے بولیگی۔ اور پھر اور لوگون کے ذریعے سے کیونکہ ان ظہورون کی کوئی انتہا نہین۔ مشیت اولے آفتاب کی مانند ہے جو ہر روز نکلتا ہی اور غروب ہو جاتا ہے۔ لیکن حقیقت مین سورج وہی ہے گو عام بول چال مین ہم اُسے "آجکا سورج" اور "کل کا سورج" کہتے ہین۔ اسیطرح اگرچہ ہم عام بول چال مین حضرت آدم حضرت نوح۔ حضرت موسیٰ۔ حضرت داؤد۔

حضرت عیسیٰ - اور حضرت محمدؐ صلعم کی نسبت الگ الگ ذکر کرتے ہیں - مگر فی الحقیقت جو چیز کہ اُن میں بولتی تھی وہ ایک ہی تھی - یہی ہیں حضرت محمدؐ کے اُن الفاظ کی معنی "اما النبیا فانا" - مشیت اولی کے سب سے اخیر ظہور کو واقع ہوئے (۱۲۷۰) برس گذرے ہیں - اب اُسنے مرزا علی محمدؐ (نقطا)مین حلول کیا ہے اور اسکے ذریعے سے بولتی ہے -

ہر ایک ظہور کی لوگون کو خبر دی گئی - مثلاً یہودیون سے کہا گیا کہ مسیح آنیوالا ہے لیکن جب وہ عیسیؑ کی صورت مین آیا تو اونھون نے انکار کردیا - کیونکہ انکا خیال تھا کہ وہ اِس طرح نہین آئیگا بلکہ بڑے جلال اور شان و شوکت کیساتھ آئیگا - مگر اُنکا خیال ناممکن اور خلاف فطرت تھا - اِسی طرح عیسیؑ کے پیروؤن کو یہ بشارت دی گئی کہ مسیح پھر واپس آئیگا - مگر جب وہ محمدؐ کی صورت مین آیا تو اونھون نے انکار کردیا اور اب تک اُسکے آنے کی توقع رکھتے ہین - اگرچہ اُس ظہور کو واقع ہوئے ہزار سال سے زیادہ ہوچکے ہین - اسیطرح مسلمانونکو یہ بشارت دی گئی کہ امام مہدی آنے والا ہے اور اس دن کیلئے دعا مانگتے رہو جب وہ ظاہر ہوگا - اور جب کبھی تم اوسکا نام لو تو اسکے ساتھ یہ الفاظ زیادہ کرو عجل اللہ فرجہٗ اب وہ آیا ہے آیات بینات کے ساتھ - مگر اسکے ماننے سے انکار کرتے ہین - اسلیے کہ اُسکے آنے کا طریقہ انکی فضول خیالات اور توہمات کے مطابق نہین -

"اے مسلمانو"! تم یہودیون کو الزام دیتے ہو کیونکہ اونھون نے حضرت عیسیٰ کو مسیح موجودہ تسلیم نہین کیا عیسائیون کو برا بھلا کہتے ہو کیونکہ اُونھون نے حضرت مسیح محمدؐ کو فارقلیط قبول نہین کیا - اگرچہ حضرت عیسیٰ نے صاف صاف کہدیا ہے کہ میرے بعد ایک آنیوالا ہے - تم اِس شبا کو تسلیم کرتے ہو کہ اُنکا یہ

خیال کسقدر لغو اور بے معنی تھا کہ پیغمبر موعود کی بعثت کے وقت ظاہر طور پر نہایت حیرت انگیز غیر معمولی عجیب اور خلاف فطرت واقعات دیکھنے مین آئین گے - لیکن تم جانتے ہو کہ اسکا مطلب روحانی نشانات سے تھا نہ کہ جسمانی سے - اور یہانتک تم ٹھیک ہو - مگر غضب تو یہہ ہی کہ تم یہودیون اور عیسائیون کو کھلم کھلا نہایت بیباکی کے ساتھہ الزام دیتے ہو - پر اتنا نہین سمجھے کہ بعینہ وہی کام تم خود کر رہے ہو اور اُس ظہور کے نہ ماننے پر تمھین اصرار ہی کہ ابھی تک امام کے آنیکی نشانیان ظاہر نہین ہوئین - یا تو یہہ تم تسلیم کرو کہ عیسائی اور یہودی بھی اپنے اپنے خیال مین ٹھیک ہین - یا ان فضول اور پوچ اعتراضات سے بالکل دست بردار ہو جاؤ -

کیا تم نے اسلام سوچ سمجھکر اختیار کیا ہے یا بے سوچے سمجھے اپنے آبا و اجداد کی تقلید سے اگر محض تقلید ہے تو سچے ایماندار نہین ہو اور حقیقت مین اُون کافرون اور مشرکون کی مانند ہو جنھون نے پیغمبرون کی دعوت اسلام کے جواب مین یہ کہا تھا - ہمنے اپنے باپ دادون کو اس مذہب مین پایا اور ہم اُون کی تقلید کرتے ہین " اگر تم نے سوچ سمجھکر اور غور کر کے اس مذہب کو اختیار کیا ہی تو تمھارے پاس کون سے ثبوت ہین - تم نے پیغمبر کو اپنی آنکھون سے نہین دیکھا اور نہ تم نے انکے معجزے دیکھے تو بس تمھارے پاس پیغمبر کے لکھے ہوئے الفاظ کے سوا اور کوئی ثبوت نہین ہی - اور یہی ایک ثبوت تھا جسکا پیغمبر نے ہمیشہ دعوی کیا - اور جب مخالفین نے کوئی نشانی مانگی تو اونھون نے بڑے زور کے ساتھہ کہا اگر تم سچے ہو تو اسکے مانند ایک سورہ لکھو " مخالفین مین سے کوئی دم نہ مار سکا اور کچھہ اوپر بارہ صدیون تک یہ دعوی لاجواب رہا - مگر ان دنون مین ہاشمی قوم کا ایک نوجوان مرزا علی محمد شیرازی پیدا ہوا ہی اور اونے آلہی شان

یعنی رسالت کا دعوے کیا ہے جسکے ثبوت مین اُسنے قرآن کی مانند ایک
کتاب لکھی ہے۔ اگر قرآن محمدؐ کی رسالت کی دلیل ہے تو بیان بھی اُسکے مصنف
کے دعوے کی صداقت کے لیے کافی ثبوت ہے۔ یہ اعتراض کیا جاتا ہے کہ
زبان کی آیتین غیر صحیح ہی نہین بلکہ اسمین قواعد کی غلطیان بھی بکثرت پائی جاتی
مین یہ اعتراض اُس دلیل کے نہ سمجھنے کا باعث ہے جسپر حضرت محمدؐ کی دعوی
کی بنیاد تھی۔ اگر فصاحت کے اصطلاحی معنی لیے جائین تو قرآن ایسا فصیح نہین
جیسے عربی کی بعض پرانی نظمین جو زمانۂ جاہلیت مین لکھی گئی ہین بلکہ فصاحت
جسکا دعوے کیا گیا ہے اور جو خدا کا الہام ہے اس سے یہ مطلب ہے کہ لوگون کے
دلونپر ایسا حیرت انگیز اثر پیدا کرے کہ وہ اپنے ایمان کے لیے اپنی جان
تک قربان کردین یہ لکھا ہے کہ "جب خدا کسی چیز کو پیدا کرنا چاہتا ہے تو وہ
کہتا ہے کہ ہوجا وہ ہوجاتی ہے" پیغمبر کے الفاظ مین بھی یہی زور ہوتا ہے کیونکہ
وہ مشیت اولی کا ظہور ہے حضرت محمدؐ نے کہا "مکہ مین حج کرو"۔ اور ہر سال
ہزارہا آدمی وہان جمع ہوتے ہین۔ اُنھون نے کہا "رمضان مین روزہ
رکھو" اور لاکھون آدمی ہر سال اس حکم کی اطاعت کرتے ہین باوجودیکہ
اس مین سخت تکلیف اُٹھانی پڑتی ہے اب پھر ایک نیا حکم آیا ہے۔ اب ہم
"الستُ بربکم" کے الٰہی آواز کے جواب مین ہزارہا "بلا بلا" کہین گے"۔
یہ ایک اجمالی نظر ہے بابی تعلیم پر جسکی اشاعت اُسوقت قرۃ العین بڑی
زور شور سے کر رہی تھی۔ اور اس سے بابیونکی مذہبی تعلیم کا کسی قدر اندازہ
ہوسکتا ہے شروع شروع مین بابی قرۃ العین کی طرف سے بہت بدگمان تھے
اور اسکی تمام کوشش اور سعی کو بُری نگاہ سے دیکھتے تھے یہان تک کہ ان
مین سے چند نے باب سے یہ لکھکر دریافت کیا کہ آیا ایک عورت کے لیے یہہ

مناسب ہے کہ وہ کھلم کھلا سب کے سامنے تقریرین کرے - باب نے اسکے جواب مین نہ صرف اسکی تمام کوششون کو پسند کیا اور نہایت جوش کے ساتھ تعریف کی بلکہ اُسے جناب طاہرہ کا لقب عطا فرمایا جس نام سے وہ اب تک بابیون مین یاد کیجاتی ہے اُسوقت سے وہ فرقہ بابی مین نہایت معزز اور ممتاز سمجھی جانے لگی - اور اوسکی وہی عزت ہوتی ہے جیسی مسلمانون مین حضرت فاطمہؓ کی -

ہمدان سے آنے کے بعد اوسنے ایک ایسا بڑا قصد کیا جسے سُنکر حیرت ہوتی ہے اور اُس لاوارث عورت کی ہمت اور جرأت کا کسی قدر اندازہ ہوسکتا ہے اوسنے اُس بات کا عزم بالجزم کرلیا کہ مین محمد شاہ شاہ ایران کو بابی بناؤنگی اور اس ارادے سے اوسنے طہران کا سفر اختیار کیا - لیکن اتفاق سے اوسکے باپ حاجی محمد صالح کو کسی طرح اسکی خبر لگ گئی وہ بہت گھبرایا کہ نہ معلوم کہ یہ لڑکی ہمارے سر پر کیا بلا لائیگی - اور فوراً اپنے چند نوکر اسکے پیچھے روانہ کئے جو بڑی مشکل سے اوسے قزوین واپس لائے -

قرۃ العین کی شادی غالباً اوسوقت ملا محمد تقی کے بیٹے ملا محمد سے ہوچکی تھی مگر افسوس کہ یہ شادی سرسبز نہوئی اور ہوتی کیونکر جبکہ ملا محمد کو بابیون اور شیخیون کی نفرت اپنے باپ کے ترکے مین ملی تھی اور آخر کار قرۃ العین نے اُسکے ساتھ رہنے سے انکار کردیا -

خدا کی شان ہے کہ جو فرقہ یا خاندان کسی خاص خیال کا سخت مخالف ہوتا ہے تو اُسی فرقہ یا خاندان مین سے کوئی نہ کوئی ایسا شخص نکل آتا ہے جو اپنے لوگون کے مخالف اُس خیال کا پورا پورا اسوید بنجاتا ہے - وہ کون تھا جس نے اہل عرب اور قوم قریش کے کفر و الحاد کو مٹایا اور اونکے تین سو ساٹھ

بتون کے سراوڑا دیے اور دنیا کو تاریکی سے نکال کر توحید کا کلمہ سکھا یا وہ اُنکی قوم اور ملک کا پیغمبر ع بی ۔ تہ ر تشی تھا سینٹ پال کون تھا ۔ ایک پکا یہودی اور مسیحیون کا جانی دشمن ۔ لیکن اُسی نے یہودیون کا مخالف نبکر عیسائیت کو اونکے پنجے سے چھڑایا اور ایک علحدہ چرچ قائم کر دیا ۔

دیانند سرستی کون تھا ۔ ایک برہمن ۔ لیکن اُسنے ہندوستان کے برہمنونکی مخالفت مین ایک پُرزور قوت قائم کر دی ۔ اسی طرح محمد تقی کے خاندان مین جو باب کے خیالات کا سخت مخالف تھا یہہ لڑکی پیدا ہوئی ۔ حاجی ملا محمد تقی قزوین کا مجتہد شروع ہی سے شیخ احمد احسائی اور اُسکے مقلدین سے سخت نفرت کرتا اور انھین کافر کہتا تھا ۔ چنانچہ اُسنے قزوین مین اُسی مشہور شیخ سے کئی بار مباحثے کیے اور لوگون کو اوسکی طرف سے اسقدر بدگمان کر دیا کہ آخر اوس بیچارے کو شہر چھوڑنا پڑا ۔ لیکن جب باب کی تعلیم ایران مین پھیلنی شروع ہوئی جسکے دعوے اسقدر بڑے اور حیرت انگیز تھے تو اُس شخص کی نفرت اور حقارت اور بھی بڑھ گئی ۔ مگر بڑا غضب تو یہہ ہوا کہ خود اسکی بہو اور بھتیجی نے باب کی تعلیم کو نہ صرف دل سے قبول ہی نہین کیا بلکہ اس مذہب کی اشاعت کے لیے کھلم کھلا چہرے سے نقاب اتار کر بڑے دھڑلے سے وعظ کہنا شروع کیا اور اُس مذہب کی رکن اعظم سمجھی جانے لگی ۔ یہہ دیکھکر ملا محمد تقی آپے سے باہر ہو گیا اور اوسکے غیظ و غضب کی کوئی انتہا نہ رہی ۔ اور جلکر باب کی تعلیم کی مخالفت مین وعظ کہنے شروع کیے اور عام طور پر شیخ احمد احسائی اور باب پر لعنت بھیجنے لگا ۔ آخر اس بدزبانی کا یہہ نتیجہ ملا کہ قزوین ہی کی ایک مسجد مین مرزا صالح اور دو تین اور بابیون نے خنجر سے اوسکا کام تمام کر دیا یہہ واقعہ ۱۸۴۸ء مطابق ۱۲۶۴ھ ہجری مین واقع ہوا ۔ اس جرم مین کئی بابی گرفتار کیے گئے اور اونھین

سخت سخت تکلیفین دی گئین اُن مین سے مرزا صالح شیرازی نے اپنے جرم کا اقبال کیا کہ صرف مین نے بغیر کسیکی مدد کے مجتہد قزوین کو قتل کیا ہی اور تمام حالات قتل کے تفصیل کے ساتھ بیان کیے اور اُس خون بھرے خنجر کا نشان بتایا جس سے یہہ خوفناک جرم وقوع مین آیا تھا۔ چنانچہ مرزا صالح اور چند اور مشتبہ بابی طہران بھیجدیے گئے۔ مگر صالح باوجودیکہ وہ بیڑیون مین جکڑا ہوا تھا۔ مازندران بھاگ گیا اور باقی بابی شیخ صالح عرب اور ابراہیم محلاتی بُری طرح قتل کیگئے اور یہہ پہلے بابی تھے جو ایران مین قتل ہوئے۔ قرۃ العین کے خاوند ملا محمد نے اپنے باپ کے قتل کا الزام قرۃ العین پر لگایا اور اُسے گورنر قزوین کے سامنے پیش کیا لیکن بعد تحقیقات کے یہہ الزام بالکل غلط اور بے اصل ثابت ہوا اور وہ رہا کردی گئی۔ اب تک بعض متعصب ایرانی مورخ قرۃ العین پر ملا محمد تقی کے قتل کا الزام لگاتے ہین۔ اگرچہ اُنکے پاس کوئی ثبوت اسکا نہین ہے۔

اگرچہ قرۃ العین اپنے چچا کے قتل کے الزام سے بالکل بری ہوگئی لیکن اب اسکا قزوین رہنا بالکل ناممکن ہوگیا اور اسلیے وہ اپنے وطن مالوفہ کو خیرباد کہکر طہران سے ہوتی ہوئی خراسان گئی اور وہان سے بدشت پہونچی جہان وہ بابیونکی ایک مشہور مجلس مین موجود تھی اور اپنی خوش تقریر اور فصاحت سے تمام اہل مجلس کو محظوظ کیا۔ بدشت سے وہ مازندران بھاگ کرگئی جہان کچھہ دنون کے بعد بابی مذہب کے پرجوش لیڈر ملا حسین اور محمد علی بالفروشی بھی اُس سے آملے یہان اکثر لوگ اُنکے پاس آتے اور اُنکے مذہب کی نسبت گفتگو کرتے۔ قرۃ العین نے عام طور پر ایک نہایت عمدہ تقریر کی اور مارے جوش کی اُسکا نقاب زمین پر گر پڑا لوگون پر اوسکے حسن خداداد حسن۔ فصاحت اور حیرت انگیز ہمت کا بڑا اثر پڑا۔ بہت سی لوگون کی آنکھون سے آنسو جاری تھی اور اُسی کا کلمہ پڑھتے تھے

مگر یہان بھی وہ چین سے نہ رہ سکی اور اُسے مجبورًا بھاگنا پڑا۔ راستے مین وہ بابیون کے ایک گروہ سے ملی جو شخص طبرسی کو جا رہے تھے اونکے ساتھ وہ ویران جنگلون اور گانون مین چھپتی پھری اور اس سے چند روز پہلے کہ وہان بابیون اور شاہی فوج مین لڑائی شروع ہوئی وہ اُن سے جدا ہو کر نور پہونچی جہان وہ جنگ مازندان کے ختم ہونے تک اطمینان سے رہی۔

لیکن کچھ عرصے کے بعد نور کے باشندون نے اُسے گورمنٹ کے حکام کے حوالہ کر دیا اور وہان سے وہ طہران بھیجدی گئی۔ تھوڑی مدت پہلے قرۃ العین نے طہران کا قصد کیا تھا لیکن وہ ایک عظیم الشان قصد تھا یعنی محمد شاہ کو بابی بنانیکا اور اب وہ یہان کشان کشان آئی اسوقت اپنی مرضی سے اور آزادانہ طور پر آنا چاہتی تھی اور اب وہ آئی اُسی شاہ مغفور کے بیٹے شاہ ناصرالدین قاجار کے سامنے مگر پابزنجیر جسوقت وہ سامنے حاضر کیگئی تو شاہ نے اوسکی طرف دیکھکر کہا۔ ”ہیئتش خوشم می آید بگذارکہ باشد“ (مجھے اسکی صورت بھلی معلوم ہوتی ہے۔ اسے چھوڑ دو) مگر احتیاطًا محمود خان کلانتر کوتوال شہر کی حفاظت مین رکھی گئی کیونکہ بابیون اور شاہی فوج سے ابھی ابھی لڑائیان ہو چکی تھین اسلیے اندیشہ تھا کہ یہہ کوئی نیا فساد پیدا نہ کرے غرض قرۃ العین ایک عرصے تک محمود خان کلانتر کے ہان رہی۔ ایک دفعہ کا ذکر ہے کہ ایک بڑی تیوہار کے روز شہر کی اکثر عورتین محمود خان کے گھر مدعو تھین اور خوشی خوشی اپنے جشن مین مشغول تھین کہ اتنے مین قرۃ العین نے ایک نہایت پُرزور اور فصیح تقریر شروع کی۔ سب کی سب عورتین جشن و سرور تو بھول گئین اور ہمہ تن گوش ہو کر اوسکی طرف متوجہ ہوگئین۔ قرۃ العین آخری دم تک یعنی اگست ۱۸۵۲ء تک اُسی گھر مین رہی یہہ قید اوسکی بہت سخت نہ تھی اور کبھی کبھی بابی اُس سے

مختلف جیلون اور بیابانون سے ملتے رہتے تھے۔ اُسکی زندگی یہان معرکۂ خطر مین نہ تھی۔ مگر اُس عرصے مین ایک نہایت افسوسناک حادثہ واقع ہوا جسکا اثر نہ صرف قرۃ العین پر پڑا۔ بلکہ تمام فرقۂ بابی پر ایک مصیبت اور بلا نازل ہوئی اور تمام ملک ایران مین ایک ہل چل پڑ گئی۔

اتوار کے روز ۱۵۔ اگست ۱۸۵۲ء کو صبح کے وقت شاہ ناصر الدین اپنے محل واقع نیاوران جو کوہ البرز کے دامن مین ایک خوبصورت گانون ہی سوار ہو کر نکلے اتنے مین تین شخص شاہ کے پاس پہونچے شاہ سمجھے کہ یہ عرضی دینا چاہتے ہین اسلیے پاس آنیکی اجازت دی جب قریب پہونچ گئے تو ایک نے پستول نکالکر پادشاہ کی طرف چلایا مگر نشانہ خطا ہوا اور دوسرے شخص فتح اللہ نے شاہ کو گھوڑے پر سے گھسیٹ کر زمین پر دے مارا اور چاہتا تھا کہ گلا کاٹ ڈالے کہ ایک فراش نے پہنچکر قاتل کا سر اوڑا دیا۔ اوسیوقت مستوفی آیا اور اوسنے بادشاہ کو بچانے کے لیے اپنے آپ کو شاہ پر ڈالدیا شاہ سمجھے کہ کوئی قاتل ہے اور گھبرا کر کہا کہ تم مجھے کیون قتل کرتے ہو۔ مین نے تمھارا کیا کیا ہی مگر جب اوسنے کہا کہ مین ہون دوست تو شاہ سنبھل گئے۔ ناسخ التواریخ مین اس واقعے کو کسیقدر اختلاف سے لکھا ہی کہ شاہ کے اوسان بالکل بجا اور درست رہے اور اپنے آپ کو نہایت استقلال و جوانمردی سے بچا پایا۔ اسی خوشی مین قاآنی نے دو قصیدے لکھے ہین پہلے قصیدے مین وہ لکھتا ہے۔

آخر شوال خسرو شد سوار از بہر صید کز کمین ناگاہ جستند و افگندند زود	آسمان آتش دہندان و آفتابش در رکاب تیرہای آتشین زی خسرو مالک رقاب

دوسرے قصیدے مین وہ واقعہ کا ذکر اسطرح کرتا ہے۔

آخر شوال را ہر سال زین پس عید کن	چاکران شاہ را دعوت نما از ہر کران

ہے بگو شاہ بیا زاہد بر و خازن بخش	ہے بگو ساقی بدہ چنگے بزن مطرب بخوان
عید قربان شہش کن نام و ہجو گوسفند	دشمنان را سر ببر در راہ شاہ کامران

الغرض اس واقعے نے بابیون کی حالت کو بالکل متبدل کر دیا - اور اس وقت سے بابی ہونا ایک جرم سمجھا جانے لگا - اور جن لوگون پر بابی ہونیکا شبہہ تھا سب گرفتار کیے گئے اس مین مرد عورت بچے سب شامل تھے اتنی عنایت یا رحمدلی انپر ضرور کیگئی کہ جو کوئی ان مین سے باب پر لعنت بھیجے گا یا اوسکے مذہب سے انکار کر دیگا وہ بالکل آزاد کر دیا جائیگا حقیقت مین بڑی حیرت انگیز بات ہے کہ بیسیون تو قتل ہوئے - سینکڑون گرفتار ہوئے طرح طرح کی تکلیفین دی گئین - قید کیا - شکنجے مین دیا - لوہے گرم کر کرا و نکے جسمون پر لگائے - مگر آفرین ہے اونکی ہمت پر اور نہ معلوم کہان کا جوش اُنکی رگ و پے مین سرایت کر گیا تھا کہ ایک بچے کے منہ سے بھی لعنت تو درکنار انکار کا لفظ تک بھی نہ نکلا - بلکہ اپنی جان دینے کو وہ موجب فخر و عزت سمجھتے تھے اور خوشی خوشی آگے قدم بڑھاتے تھے - ان قیدیونمین آقا محمد علی تبریزی - آقا سید حسین یزدی - آقا سید حسن یزدی - آقا سید احمد تبریزی خود باب اور اوسکے دوسرے ہمراہی بابیون کے بڑے نامور لیڈر اور علما موجود تھے جو تھوڑی دیر کے اوس مہمان مین یا اور کوئی وقت جاتا ہے کہ دنیا سے اور دنیا اُنسے رخصت ہونے کو ہے - لیکن اس نامراد گروہ مین ایک حسین عورت بھی ہے جو ان سب مین الگ دکھائی دے رہی ہے - اور مجھے یہہ کہنے کی کچھ ضرورت نہین کہ وہ قرۃ العین ہے ایک روز صبح کو محمود خان خوش خوش اپنے گھر آیا - اور قرۃ العین سے کہنے لگا کہ مین تمھارے لیے ایک خوشخبری لایا ہون - اُسنے پوچھا " وہ کیا " کہا کہ " تم یزدان بلائی جاؤ گی " اور وہان تم سے صرف ایک سوال پوچھا جائیگا اور

وہ یہہ کہ قرۃ العین کیا تم بابی ہو - بس اس سے زیادہ تم سے اور کچھہ
نہین پوچھا جائیگا اور یہہ سوال بھی ایک معمولی اور رسمی ہوگا - تم اسکے جواب مین
صرف ایک "نہین" کا لفظ کہدینا اور پھر تم ہمیشہ کے لیے آزاد ہو جاؤگی اور اتنا
کہنے مین تمھارا حرج کیا ہے یہ تو سب جانتے ہین کہ تم بابی ہو پر اسمین سراسر
فائدہ ہی فائدہ ہے" قرۃ العین نے اسکا جواب دیا "تمھین اب اصل خبر معلوم
نہین کل جو ہونے والا ہے وہ میرے لیے اُس سے زیادہ خوش اور بہتر ہے
جو تم کہتے ہو - کل دوپہر کو تم جو میرے جلانے پر مقرر کیے جاؤگے - اور مجھے
خدا تعالیٰ اور اعلیٰ حضرت باب کی عام طور پر شہادت دینے کی عزت حاصل
ہوگی اور اب محمد خان تم دیکھو اور غور کرو جو مین کہتی ہون - کل میری موت
تمھین میری صداقت کا ثبوت دیگی - وہ آقا جسکی تم دل و جان سے خدمتگذاری
کر رہے ہو تمھارے اس جوش کی کچھہ داد نہ دیگا - کچھہ زیادہ مدت نہ گذریگی کہ
تم اُسی کے حکم سے نہایت بیرحمی کے ساتھہ قتل کیے جاؤگے اس سے پہلے
کہ وہ بُری گھڑی تمپر آئے جو اٹل ہے مین تم سے التجا کرتی ہون کہ تم اپنے
دل کو ٹٹولو اور اُس صداقت کے حاصل کرنے کی کوشش کرو جو ہمیشہ قائم
رہنے والی ہے"

صبح ہوئی اور کل کا دن آیا - اور اوسکے ساتھہ وہ گھڑی بھی آئی جو آتی ہے تو
پھر ٹلتی نہین - قرۃ العین مع اپنے دوسرے ہمراہیون کے سلطنت کے وزرا
عقلا - عہدہ داران - علما کی مجلس مین پیش کی گئی - اس مین بادشاہ اور
اوسکے مشیر بھی تشریف رکھتے تھے - قرۃ العین سے وہی سوال نہایت
متانت کے ساتھہ کیا گیا جسکا اُسنے وہی جواب دیا جو اُس سے توقع کیجاتی
تھی اور اپنی بابی ہونیکو نہایت عزت و فخر کیساتھہ بیان کیا - اسپر اب سب ساکت

ہوگئے اور نہایت افسوس کے ساتھہ اسکے قتل کا فتویٰ دیا گیا۔ اس مین کسی قدر اختلاف ہے کہ وہ کیونکر قتل کیگئی۔ بعض کہتے ہین کہ اُسے جلا دیا گیا۔ لیکن اکثر کا اتفاق اسپر ہے کہ اسکا گلا گھونٹ کر نگارستان یا باغ ایلخانی کے اندھے کنوے مین ڈالدیا اور اوپر سے پتھر بھر دیے۔ اسکی موت نہایت ہولناک تھی۔ مگر اُسنے نہایت جوانمردی اور استقلال سے اُسی برداشت کیا مرنا ایکروز سبکو ہی اور اگر قرۃ العین طبعی موت سے نہین مری بلکہ وقت سے پہلے ظالمون نے اُسے قتل کرڈالا تو کوئی تعجب کی بات نہین دنیا مین ایسے ہزارون اور لاکھون خون ہوئے ہین لیکن یہہ یاد رہی کہ اُس جوانمرد عورت کا نام ہمیشہ عزت کے ساتھہ لیا جائیگا۔ اور لوگ اوسکی ہمت و استقلال اور لیاقت کی داد دین گے مگر اوسکے قاتل ہمیشہ ذلیل رہین گے اور دنیا مین نفرت اور حقارت کے ساتھہ یاد کیے جائین گے۔

افسوس ہے کہ قرۃ العین کا کلام بالکل تلف ہوگیا ہے اور چند نظمون اور خطوط کے سوا کسی اور چیز کا پتہ نہین لگتا۔ لیکن زیادہ افسوس کی بات یہہ ہے کہ یہہ چند نظمین اور خط بھی آسانی سے دستیاب نہین ہوسکتے اور خصوصاً اس ملک مین مخالفون نے اوسکے کلام کے تلف کرنے اور بدلنے مین بہت کوشش کی ہے۔ مثلاً اسکے اشعار کو بعض اوقات دوسرے شاعرون کی طرف منسوب کردیا ہی اور اوسکا تخلص نکال کر کسی دوسرے کا تخلص رکھدیا ہی یا جہان کہین باب کی طرف کچھہ اشارہ تھا اُن اشعار کو بالکل نکال دیا ہی اور اپنی طرف سے کچھہ اشعار زیادہ کردیے ہین تاکہ یہہ معلوم ہی نہو کہ یہہ نظم کسکی ہے اسلئے بڑی دقت اسمین آ پیدا ہوگئی ہی کہ اگر کوئی نظم اس قسم کی مل بھی جائے تو یہہ تحقیق کرنا کہ فی الحقیقت یہہ قرۃ العین کی نظم ہی نہایت مشکل ہی مجھے بہت

تحقیق اور چھان بین کے بعد اوسکی دو نظمین ملی ہین۔ مین نے اوسکی نسبت چند بابی علما سے بھی خط وکتابت کی چنانچہ وہ بھی اُسے تسلیم کرتے ہین۔ مین اُن دو غزلون کو بیان لکھتا ہون۔ گو یہ غزلین شاعرانہ لحاظ سے اعلیٰ درجے کی نہون لیکن اُنکے پڑھتے وقت اسکا خیال رکھنا چاہیے کہ انکی مصنف ایک عورت ہے اور عورت بھی کون ایک ستم رسیدہ فرقے کی۔ صرف یہی ایک خیال اُسکے لطف اور اثر کو دوبالا کردیگا۔

من کلام طاهره

جذبات شوقك الجمت بسلاسل الغم والبلا
همه عاشقان شکسته دل که دهند جان بره ولا

اگر آن صنم ز ره ستم پے کشتن من بے گنه
لقد استقام بسیفه فلقد رضیت بما رضا

سحر آن نگار ستمگرم قدمے نهاده به بسترم
واذا رأیت جماله طلع الصباح کانما

نه چو زلف غالیه بار او نه چو چشم فتنه شعار او
شده نافهٔ بهمه ختن شده کافرے بهمه خطا

تو که غافل از مے وشاهدی پے مرد عابد وزاهدی
چه کنم که کافر جاهدے ز خلوص نیت اصفیا

براه زلف معلقے پے اسپ وزین معرقے
همه عمر منکر مطلقی ز فقیر فارغ بے نوا

تو و ملک وجاه سکندری من ورسم وراه قلندری

اگر آن خوش ست تو و خوری وگر این بدست مرا نثر
بگذر ز منزل ما و من بگزین بہ ملک فنا وطن
فاذا فعلت بمثل ذا فلقد بلغت بما تشا

دیگر

لمعات وجهك اشرقت و شعاع طلعتك اعتلا
ز چہ را والست بربکم نہ زنی بزن کہ بلیٰ بلیٰ
بجواب طبل الست تو ز ولا چہ کوس بلیٰ زوند
ہمہ خیمہ زد بدر دلم سپہ غم و حشم بلا
من و عشق آن مہ خوبرو کہ چو زد صدای بلا برد
بہ نشاط و قہقہہ شد فرو کہ انا الشہید و بکربلا
چو شنید نالہ مرگ من پے ساز من شد و مرگ من
فمشی الی مهرولہ و بکی علی مجلجلا
چہ شد کہ آتش حیرتے زنیم بہ قلہ طور دل
فسککتہ و دککتہ متدککا متزلزلا
پے خوان دعوت عشق او ہمہ شب زخیل کروبیان
رسد این صفیر مہینے کہ گروہ غمزدہ الصلا
تو چہ فلس ماہی حیرتی چہ زنی ز بحر وجود دم
بنشین چو طاہرہ دم بدم بشنو خروش نہنگ لا

علاوہ اسکے قرۃ العین کی تصنیف سے ایک مثنوی بھی ہے۔ جو مثنوی مولوی جلال الدین رومی کے وزن پر ہے۔ اور جسکے کئی سو شعر ہیں۔

اسکے شروع کے دو شعر یہہ ہین -

اشعار

در تعنی آسے ای طیر علا	در شر انداز اوراق ثنا
آدمی را سوی جنت باز آر	در مقام سر وحدت باز آر

اس سوانح عمری کو ہمنے معلم نسوان سے نقل کیا ہی جسکو مولوی محب حسین صاحب مالک سالہ مذکور نے مولوی محمد عبدالحق صاحب بی اے کی کتاب تاریخ بابیان مین سے نقل کیا ہی - اگرچہ اس لائق خاتون کے حالات میرے ہاتھہ بھی لگے تھے مگر وہ ایسے مختصر اور مجمل تھے کہ مولوی صاحب موصوف کی کامل مضمون کو دیکھکر بس یہہ جی چاہا کہ اپنے مضمون کو کاٹ ڈالون اور اوسکی جگہہ اس واضح اور صاف مضمون کو اپنی کتاب مین درج کردون - آخرکار یہی ہوا اور نذر ناظرین کیا گیا -

حرف الکاف

کوکب :- اس خاتون کا اصلی نام ستارہ بانو تھا اور کوکب تخلص شیخ ابو مفضل الدین سعدی شیرازی کی دختر نیک اختر تھی - اسکا یہہ مطلع مشہور ہی -

عشقباز ان روبسوی قبلہ آن کو کنید	ہر کجا محراب ابرویش نماید رو کنید

کاملہ :- عہد اکبر شاہ مین یہہ خاتون موجود تھی - فیضی کے مرثیے مین جو اسنے رباعی لکھی ہی وہ یہہ ہے -

فیضی مخور این غم کہ دلت تنگی کرد	بابای امید عمر تو لنگی کرد
میخواست کہ مرغ روح میدیدہ دوست	زین واسطہ از قفس شتابنگی کرد

کنیز فاطمہ :- شاہ سلیمان کابلی کی والدہ کا نام ہے - یہہ مطلع اسکا مشہور ہے -

منم دُختِ سلطانِ اقلیمِ جانم | کنیزِ فاطمہ و مادرِ سلیمانم

(top line as printed: مشرد کہ فخر برد آسمان بدورانم | کنیزِ فاطمہ و مادرِ سلیمانم)

حرف المیم

مہری :- یہہ خاتون حکیم عبد العزیز ہراتی کی بی بی تھی- شاہرخ مرزا جو گوہر شاد بیگم کا مصاحب تھا اوسکے زمانے مین یہہ دونون موجود تھے- مہری کی موزون طبیعت اور شیرینیِ کلام نے اسکو بہت مشہور کردیا تھا- اوسکی ایک غزل اور چند شعر یہان لکھے جاتے ہین ملاحظہ ہون -

اشعار

بیخِ ہر خاری کہ آن از خاکِ من حاصل شود | ز ابرار مسواک سازد دست ولایعقل شود

کردم براوجِ برجِ مہِ خویشتن طلوع | ہان اے حکیم طالعِ مسعودِ من نگر

یارب چہ سرشتم زچہ آب وچہ گل ست | میلم ہمہ سوی دلبران چگل ست

گر میل مرا بسوی پیران بودے | از پیرِ ضعیف ناتوانم چہ کل ست

غزل

حلِ ہر نکتہ کہ از پیرِ خرد مشکل بود | آزمودیم بیک جرعۂ مے حاصل بود

گفتم از مدرسہ پرسم سببِ حرمتِ مے | در ہر کس کہ زدم بے خرد و لایعقل بود

خواستم سوزِ دلِ خویش بگویم با شمع | داشت خود او بزبان انچہ مرا در دل بود

در چمن صبحدم از گریہ و زاری دلم | لالۂ سوختہ خون در دل و پا در گل بود

انچہ از بابل و ہاروت روایت کردند | سحرِ چشمِ تو بدیدیم ہمہ را شامل بود

دولتے بود تماشای رخت مہری را | حیف صد حیف کہ این دولت مستعجل بود

مہستی :- یہ خاتون سلطان سنجر سلجوقی کے یہان نہایت عزت وحرمت سے اپنی زندگی بسر کرتی تھی موزونیِ طبیعت اور رعنائیِ قامت اسکی مشہور ہے

اسکے چند اشعار درج ذیل ہین اشعار

قصاب چنانکہ عادتِ اوست مرا ۔۔۔ افگند و بکشت و گفت این جہت مرا
سر باز بقدرے نہد بر پایم ۔۔۔ دم میدہدم تا بکشد پوست مرا
افسوس کہ از طرف گلت خار گرفت ۔۔۔ زاغ آمد و لالہ را بہ منقار گرفت
سیمای زنخدانِ تو آورد مداد ۔۔۔ شنجرفِ لبِ لعلِ تو زنگار گرفت
شبہا کہ بناز با تو خفتم ہمہ رفت ۔۔۔ دُرہا کہ بنوکِ غمزہ سُفتم ہمہ رفت
من عہدِ تو سخت سُست میدانستم ۔۔۔ بشکستنِ آن درست میدانستم
ہر دشمنی ای دوست کہ با من کردی ۔۔۔ آخر کردی بنخست مے دانستم
جام را بکفِ دستِ تو نشستِ دگرست ۔۔۔ یدِ بیضا دگر و دستِ تو دستِ دگرست

اسکی ایک نقل مشہور ہے۔ سلطان سنجر کے ساتھ ایک جلسے مین شب کی وقت بہت سے لوگ بیٹھے ہوئے تھے۔ مہستی نے ہواخوری کے لیے سنجر سے اجازت چاہی مہستی اجازت لیکر باہر جاکر کیا دیکھتی ہی کہ برف پڑ رہی ہے۔ وہان سے واپس جاکے شاہ کے جلسے مین شامل ہوگئی۔ شاہ نے مہستی سے دریافت کیا کہ ہوا کیسی ہی۔ اسکے جواب مین اُسنے یہ رباعی پڑھی۔ رباعی

شاہا فلکت اسپِ سعادت زین کرد ۔۔۔ وز جملہ خسروان ترا تحسین کرد
تا در حرکت سمندِ زرین نعلت ۔۔۔ بر گل ننہد پاے زمین سیمین کرد

محمدی جان :- اس نیکبخت خاتون کا اصلی نام عباسی بیگم ہے اسنے اپنی دردآمیز سوانح عمری اپنے خاص قلم سے لکھکر ہمارے پاس بھیجی ہے اسکی صاحبزادی کا نام سید النسا بیگم ہی۔ یہہ وہی خاتون ہے جس کی خاطر سے ہمنے یہہ کتاب لکھی ہی۔ ابتدا مین اسکی ایک نظم بھی ہے جو نہایت خوش اسلوبی سے لکھی گئی ہی۔ ناظرین اسکی دردآمیز سوانح عمری

ذیل کی نظم سے شروع ہے ملاحظہ فرماوین ۔

نظم محمدی جان صاحبہ

ابتدا ہے بنامِ ایزدِ پاک
کی عطا جسنے فہم اور ادراک

سب جہان مین عیان ہی اوسکی شان
جانتے ہین سب اُسکو جانِ جہان

بعد ابلاغِ تحفہاے سلام
کہ یہی ہے طریقۂ اسلام

عاجز و کمترین و بے توقیر
کرتی ہے اسطرحسے اب تحریر

اُسکی تالیف کیون نہ اکرم ہو
جو کہ خود افتخارِ عالم ہو

شاخِ طوبےٰ کا ہو قلم پُر نور
اور مرکب ہو نور سے معمور

حوضِ کوثر کا وسین ڈالون آب
جسکی خوشبو سے آب ہووے گلاب

حق تعالیٰ رکھے ہمیشہ شاد
اور یوم الحساب سے آزاد

مدح یہہ آپکی نہین ہے فضول
آپ سید ہین آلِ پاک رسولؐ

تھے مقفل زنون کے بخت پلید
آپ نے بھیجدی ہی اُنکی کلید

خفتہ بختون کو ہوشیار کیا
اُن پہ احسانِ بیشمار کیا

اِن کی فرد کون سنتا تھا
تھین گرفتارِ دامِ رنج و بلا

کیون خبر ہوتی اُنکی حالت کی
جنکی اب تک خراب ہے مٹی

جب یہہ تدبیر آپ نے سوچی
لکھی جاوے سوانحِ عمری

برسون سے ہوگیا ہے یہ دستور
کہ یہ نسوان ہین جہل مین مشہور

نہین کرسکتین کوئی ایسا کام
کہ زمانے مین جس سے ہو کچہ نام

علم و دانش ہنر ہین سب مستور
قید مین جس طرح کوئی مجبور

لکھنے پڑھنے کو جانتے ہین بُرا
اِن کی حالت سے مرد بے پروا

گھر میں جو شے ہیں عیان لیل و نہار
ہے اور نے بچوں کی خدمتگار

مرد ہیں لڑکے ہیں عیال عجب
پڑھنا عورت کا جانتے ہیں عیب

اور نکلا ہے ہم میں عیب بڑا
مدرسے میں ہے تم نے پایا کیا

دیکھتے ہیں ہمیں حقارت سے
نام لیتے ہیں تو کراہت سے

لکھنے پڑھنے لگے [illegible] زنے
سنتے ہیں اُنکے ہم زبانوں سے

اپنی عادت سے کب گذرتے ہیں
سینکڑوں نام ہمکو دھرتے ہیں

شکر کرتی ہوں میں ہزاروں بار
بخت عورات کا ہوا بیدار

جب چھپے گی سوانح عمری
پھر تو کھلجائیگی یہ سب قلعی

جب یہ خورشید ہوگا تابندہ
مرد جہال ہونگے شرمندہ

اب نہ دے طول نظم کو مستور
لکھ سوانح میں حال [illegible]

ما بیدلان باغ جہان ہمچو برگ گل
پہلو بہ یکدگر ہمہ در خون نشستہ ایم

بندی خاکسار مصیبت آثار ادبار نشان عباسی بیگم عفی عنہا جان ناظرین باتمکین کی خدمت بابرکت میں مودب دست بستہ عرض کرتی ہے کہ یہ کمینہ ناتراش آلودہ فکر معاش اچھا لکھنا پڑھنا نہیں جانتی صرف کارروائی کر لیتی ہے لہذا عرض ہے کہ میری داستان دردآمیز مصیبت خیز جس صاحب وقار کی نظر اشرف سے گذرے میری بے استعدادی اور کم لیاقتی کی عیب پوشی فرمائیں۔ ع

بکریمان کارہا دشوار نیست

میری زبان اردو حسب محاورۂ زمانۂ سابق ہے لائق تقریر او قابل تحریر نہیں سوانح عمری کا لکھنا ایک امر اہم ہے۔ جو بخوبی نوشتہ ہو چکا ہ

۱۔ واضح رہے کہ مطلب سوانح عمری اس عاجزہ کے آیا اور میری پیاری دختر لخت جگر نور نظر سیدالنساء بیگم نے مجھے اس بات پر مجبور کیا کہ سوانح عمری اپنی لکھوں۔ چارناچار قلم ہاتھ میں لیا اور لکھنا شروع کیا۔ اب ذرا متوجہ ہو کر میرے رنج و راحت کا حال بگوش دل سنیں۔

عباسی بیگم عرف محمدی جان کا حسب

میرے دادا شیخ محمد روشن صاحب پانی پتی قوم قریش مخدوم شاہ بہاءالدین بہاءالحق قدس سرہ کی اولاد سے ہیں۔ اونکے جدامجد شیخ احمد صاحب بعہد عالمگیر شاہ دہلی ملتان سے جہت حصول علم دہلی میں تشریف لائے بعد حصول علم دین وغیرہ دستار فضیلت مع فرمان معافی اراضی واقع قصبہ پانی پت حضور بادشاہ سے لیکر قصبہ مذکور میں قیام پذیر ہوئے۔ جنکا مزار مبارک محلہ قریش میں اب تک موجود ہے اور ہر سال ماہ ربیع الثانی میں عرس ہوتا ہے اور مشائخین کا اجتماع ہوتا ہے۔ میرے دادا صاحب محمد روشن کی شادی مسماۃ مقبول النساء سے جو خاندان پیر کالے صاحب سے تھیں دہلی میں ہوئی تھی۔ زمانہ بہاؤ گردی میں مع اپنی بی بی کے فرخ آباد میں جا کر سکونت پذیر ہوئے۔ اور اسی شہر میں انکے تین بیٹے اور تین بیٹیاں پیدا ہوئیں۔ دو بیٹوں اور تینوں بیٹیوں کی شادی وہیں کر دی۔ مگر میرے باپ خورد سال تھے یعنی ۲ سال کی عمر تھی انکے والد محمد روشن نے انتقال کیا بعد چند سال اپنی والدہ کے پاس رہے میرے والد کے بہنوئی شیخ محمد ہاشم تجارت پیشہ تھے انکو اپنی ہمراہ کلکتے میں لیگئے ۱۲ سال تک انکی ہمراہ رہکر کاروبار تجارت اور نوشت و خواند میں ملکہ حاصل کیا۔ جب فرخ آباد

مین واپس آئے تو اپنی والدہ کو زندہ نہ پایا یعنی انکا بھی انتقال ہو گیا تھا۔ میرے باپ فرخ آباد مین اپنی بہن کے پاس رہنے لگے۔

عباسی بیگم عرف محمدی جان کے نانا کا حال مع واقعات

میرے نانا کا نام محمد نور علی تھا فاروقی فرقے کے شیخ باشندے گرد و نواح شاہجہانپور کے تھے انکے باپ شیخ سخاوت علی کسی انگریزی فوج کے صوبہ دار بہادر تھے جسکی پلٹن کا نام و نمبر مجھے یاد نہین۔ جب بھرتپور ۱۸۲۶ء مین مانک ڈیک پر لڑائی ہوئی صوبہ دار بہادر کے گولی لگی اور جان بحق ہوئے۔ میرے نانا کی عمر ۲۲ سال کی تھی اور یہ اپنے باپ کے اکلوتے بیٹے تھے کل اثاث البیت مع بیس ہزار روپیہ نقد اور پانچسو اشرفی اور چند انگشتری طلائی جسپر جواہرات بیش بہا نصب تھے مع چند کس لونڈی و غلام و اسپ وغیرہ ترکہ پدری سے انکو ملا۔ انکی والدہ کا انتقال انکے باپ کے سامنے ہو چکا تھا اور کوئی سرپرست نہ تھا اثاث البیت اسپ سواری فروخت کر دیا لونڈیون اور غلامون کو کچھ کچھ زر نقد دیکر آزاد کیا۔ لیکن دو غلام مسمیان شاد یخان و وزیر خان سے جو انکے ہم سن اور رفیق تھے انکی مفارقت گوارا نکی اسلیے انکو اپنے پاس رکھا اور بھرتپور سے جانب کلکتہ روانہ ہوئے دریاے ہوگلی مین کشتی پر سوار تھے کہ طوفان آیا اور کشتی نے چکر کھایا ملاحون نے ہر چند کوشش کی لیکن کشتی غرق ہو گئی۔

ناظرین میرے نانا کو علم شناوری مین دستگاہ کامل تھی بمجرد غرق ہونے کشتی کے اونھون نے بہر دو غلامون کو تہ آب سے بانہہ پکڑ کر نکالا۔ اوس وقت بہ چادر زانو بیٹھ کر زانوی راست پر ایک غلام اور زانوی چپ پر دوسرے غلام

کو بچا کر شناوری کرنا شروع کی تھوڑی دور پہنچے تھے کہ ناگہان سامنے سے ایک
صاحب ڈنڈمیر نامی جو کسی فوج کے کرنل تھے ایک بجرے پر شکار کھیلتے ہوئے
آرہے تھے ۔ میرے نانا کو چار زانو سطح آب پر بیٹھے ہوئے دیکھکر حیران ہوئے
اور انکے نکلوانیکی کوشش کی اور بجری کو قریب لاکر انکو بجرے پر سوار کرلیا
اور استفسار حال کیا ۔ مردو غلاموں نے کیفیت گذشتہ مع حالات غرقی
بیان کی صاحب ممدوح نے انکی خستہ حالی اور تباہی پر رحم کھاکر ملاحون کو حکم
دیا کہ غوطہ زنی کریں جو مال مغروقہ برآمد ہوسکے نکالیں ۔ بموجب حکم صاحب ہی غوطہ
غواصوں نے غوطہ لگا کر تہ آب تلاش کیا تو کل اسباب مغروقہ سے ایک
خریطہ چرمی جسمیں پانچسو اشرفی مذکورہ بالا مع انگشتری ناسے و مہر صوبہ دار
صاحب بہادر دستیاب ہوا ۔ وہ خریطہ پُر از زر و جواہر صاحب بہادر کے
پیشکش کیا صاحب موصوف نے وہ انگشتری طلائی جسمیں ہیرا درہر و نصب تھی
پسند کرکے قبول فرمائیں اور باقی انگشتری مع پانصد اشرفی میرے نانا صاحب
کو واپس دیں اور ساٹھ روپیہ ماہوار مقرر کرکے اپنی مصاحبت میں رکھا ۔ اور
چند روز کلکتے میں مقیم رہے اور یہیں ایک شریف خاندان کی بی بی مسماۃ
ضیاء النسا سے اپنی شادی کی ۔ ان بی بی بنگالن سے انکی اولاد نہ ہوئی ۔
تب تو انکو وطن جانیکی بی بی ضیاء النسا نے ترغیب دی اور کہا ہماری عمر
انحطاط کو پہونچی مگر نخل مراد بارور نہ ہوا ۔ میری خواہش ہے کہ آپکے وطن جاؤں
اور تمھاری والدہ کی قبر کی زیارت کروں اور دعا مانگوں شاید خداوند کریم
انکی روح کی برکت سے ہمارا دامن امید گوہر مراد سے پُر کرے ۔ چونکہ ایک مدت
سے میرے نانا صاحب اپنے وطن سے علیحدہ تھے وطن جانے پر راضی
ہوگئے ۔ رباعی

خاک وطن از ملک سلیمان خوشتر	خار وطن از سنبل و ریحان خوشتر
یوسف که بمصر بادشاهی میکرد	می گفت گدا بودن کنعان خوشتر

الغرض میرے نانا صاحب اپنی بی بی بنگالن کے وطن مین پہونچکر وہان محمد لطیف
نامی کے قریبی رشتہ دار جو بہت معتبر و شاندار آدمی تھے وہ بھی فوت ہو چکے تھے
انکی ایک بیٹی مسماۃ نصیب النساء بعمر دہ سالہ اپنے ماموں محمد یوسف کے زیر سایہ
محبت پرورش پاتی تھی۔ بی بی بنگالن نے جو مین دیکھا اس لڑکی کے حسن و جمال
خداداد پہ فریفتہ ہوئین۔ اور اوسکے ماموں محمد یوسف سے درخواست کی۔ کہ
اس لڑکی کی شادی میرے شوہر سے کردو مین دیرینہ سال اور لاولد ہون
شاید خداوند کریم اپنا کرم کرے اور کوئی اولاد اس لڑکی کے بطن سے پیدا
ہو جائے۔ اور ہمارے مال و اسباب کی وارث ہو۔ غرضکہ اونکو آسودہ حال
اور اپنا ہم قوم دیکھکر باوجود اس لڑکی کی کم سنی کے شادی کردی۔ پس یہی
خاتون اس عاجزہ کی نانی ہین۔ اس شادی کو تھوڑا عرصہ گذرا تھا کہ
کرنل صاحب مذکور کی تبدیلی دہلی کی ہوئی یہان پہونچکر صاحب موصوف نے
میرے نانا صاحب کو پھر یاد کیا اور اونکو وطن سے دہلی مین بلایا یہ دونون
بیبیان اور ہر دو غلام انکے ہمراہ آگئے۔ صاحب ممدوح نے انکے آنے
سے پیشتر ایک احاطہ دہلی مین متصل باغ ملکہ [illegible] جس جگہ اب [illegible]
ہے مع چند مکانات پختہ تعمیر کرایا تھا جو میرے نانا صاحب کو عطا ہوا۔
اور اس مکان مین آرام تمام رہنے لگے اور بہت سی جائداد خرید کی تھوڑے
عرصے کے بعد [illegible] ایک دختر نیک اختر پیدا ہوئی جسکا نام جواہر بیگم رکھا
گیا۔ بعد اسکے بی بی بنگالن نے وفات پائی۔ اور خود جنرل صاحب
پنشن لیکر ولایت کو تشریف لے گئے۔ اس زمانے مین دہلی سے [illegible]

تک میرے ناناصاحب کی ڈاک گاڑی چلتی تھی اور تجارت بھی کرتے تھے بہت
انتظام ڈاک میرٹھ جانے کا اکثر انکو اتفاق ہوتا تھا۔ انھین دنون مین کیمپ
میرٹھ کی بنا ہوئی جسکا سنہ مجھے یاد نہین۔ صاحب مجسٹریٹ کیمپ نے ایک
قطعہ زمین واسطے آبادی کے انکو عطا فرمایا۔ جسکے تین حصے کرکے ناناصاحب نے
حسب ذیل تقسیم کیے۔ ایک حافظ نصیر الدین صاحب رئیس بدایون کو کہ میرے
ناناصاحب کے دلی دوست تھے دیا اور دوسرا قطعہ پر بھولال بقال کو کہ
انکے کار تجارت مین گماشتہ تھا اور ایک اپنے پاس رکھا یہ تینون احاطے
برابر برابر تعمیر ہوئے جو صدر بازار کیمپ میرٹھ مین اب تک موجود ہین۔
بعدہٗ میرے ناناصاحب نے اپنی بی بی نصیب النسا بیگم اور اپنی دختر جواہرا بیگم
کو ہمراہ ہر دو غلامان مذکورہ بالا مع اسباب خانگی میرٹھ مین بلالیا اور احاطے
مین رکھا انکی دختر جواہرا بیگم کی عمر قابل شادی کے ہوگئی تھی اسی درمیان
مین میرے والد کے بہنوئی مع اپنے قبائل اور میرے باپ کے اسباب
تجارت لیکر فرخ آباد سے چھاؤنی میرٹھ مین تشریف لائے اور میرے
ناناصاحب کے احاطے مین مکان کرایہ لیکر رہے جب میرے والد شیخ
امانت اللہ کو لائق و فائق دیکھا بعد گفت و شنید اپنی دختر جواہرا بیگم
کی شادی انکے ساتھ کردی اور کل کارخانہ تجارت ڈاک اپنے داماد کے
سپرد کردیا اور فرمایا۔

شعر

سپردم بہ تو مایۂ خویش را — تو دانی حساب کم و بیش را

میرے والدین کے حسب ذیل اولاد ہوئی۔
محمد احسان اللہ صاحب متخلص بہ محشر جو بہ مقام میرٹھ کی چھاؤنی سفر مینا

کے میر منشی ہیں۔
منشی محمد ضیاء اللہ صاحب مرحوم۔ (۳) مولوی فخر الدین صاحب مرحوم (۴) بابو آفتاب الدین صاحب جو ہارگ ماسٹری کے دفتر میر ٹھہ میں ملازم ہیں (۵) منشی عبد العزیز صاحب مرحوم (۶) علاء الدین مرحوم (۷) علی الدین مرحوم (۸) شعراجی بیگم مرحومہ ہمشیرہ کلان شاہ بیگم جو کمپ میرٹھہ احاطہ مذکورہ بالا اپنے حصے کے مکان میں مع اپنی اولاد کے رہتی ہیں (۹) مہر جہان بیگم مرحومہ (۱۰) نور جہان بیگم مرحومہ (۱۱) عباسی بیگم عرف محمدی جان (۱۲) بنی بیگم مرحومہ (۱۳) لاڈلی بیگم مرحومہ۔

عباسی بیگم عرف محمدی جان کی پیدائش

ناظرین یہہ خاکسار اپنی والدین کی گیارہوین اولاد ہی۔ مین بتاریخ ۱۴۔ رجب المرجب ۱۲۶۳ ہجری روز یکشنبہ ۸ بجے صبح کے پیدا ہوئی۔ آغاز مصیبت میری یہہ ہی۔ کہ جب مین پیدا ہو چکی تو میرے والد شیخ امان اللہ صاحب بیمار شدید تو بیب الرگ ہوئے چار روز تک انکی حالت ردی رہی اور تمام گھر ماتم سرا بنا رہا جو شخص انکی بیماری کی خبر سنکر آتا تھا میرے پیدا ہونیکا حال معلوم کرتا نہایت کراہت اور بیقدری سے مجھپر نظر ڈالتا تھا اور کہتا تھا کہ یہ لڑکی نہایت منحوس ہی کہ اسکے پیدا ہوتے ہی گھر کے مالک کا یہ حال ہوا اس چار یوم کے عرصے مین مجھے گھٹی شہد و شیر وغیرہ کچھہ نہین ملا صرف غسل ولادت دیکر اور ایک پارچہ سفید مین لپیٹ کر چارپائی پر ڈالدیا گیا۔ خالق مطلق کے حکم سے اور حافظ حقیقی کی حمایت سے مین زندہ و سلامت رہی پانچوین روز جب میرے والد کو ہوش آیا اور مرض

مین افاقہ ہوا تو اوّل میرے پیدا ہونے کا حال دریافت فرمایا۔ یہ سنکر
میری حالت سے نہایت افسوس ظاہر کیا اور کہا کہ یہ لڑکی نہایت خوش
نصیب اور مبارک پیدا ہوئی ہے کہ مین بخیر اس سے بچ گیا۔ پھر حکم دیا کہ
میرے سامنے اوٹھا لاؤ۔ جب میری پھوپی اوٹھا کر لائین تو والد مرحوم
نے مجھے اپنی آغوش مین لیا اور میری پیشانی اور سر پر بوسے دیے اور بے
درجہ خوشی و خرمی ظاہر کی اور سماۃ تحفی خانم زوجہ حضرت عمر خان کو بلا کر مجھے دیا
اور کہا کہ تم اس لڑکی کی پرورش کرو جیسا کہ تم نے میرے اور بیٹوں کی
کی پرورش کی ہے اور میری والدہ سے فرمایا کہ تم کما حقہٗ اسکی نگہداشت
رکھو۔ الغرض مین بدنصیب پرورش ہونے لگی۔ جب میری عمر ڈیڑھ سال
کی ہوئی تو بہ تقریب شادی اپنے بھتیجے حاجی شیخ رحیم بخش صاحب کے
میرٹھ سے فرخ آباد کو میرے والد صاحب مع عیال و اطفال روانہ ہوئے
ناظرین میرٹھ سے فرخ آباد اُس زمانے مین ریل کا راستہ دس یوم کا
تھا۔ جب ہاپوڑ پہنچے تو ایک سرائے خام شکستہ مین جسکا پھاٹک وغیرہ درست
نہ تھا اُترے۔ بعد خورد و نوش بوجہ ماندگی راہ سب لوگ غافل ہو کر سو گئے
وقت دو بجے شب کے ایک گرگ سرائے مین آیا اور مجھے میری والدہ کے
پہلو سے اوٹھا کر لیگیا۔ قضای کار ایک بھٹیارا اُس نامی جاگتا تھا۔
پس اُسنے بھیڑیا بھیڑیا کہکے غل مچایا۔ اسکی آواز سنکر تمام مسافران سرا
جاگ اوٹھے جب مجھے میری والدہ صاحبہ نے اپنے پہلو مین نہ پایا تو میرے
والد کو پکارا کہ عباسی بیگم کو بھیڑیا لیگیا یہ سنکر میرے والد مرحوم اور منجھلے
بھائی منشی محمد ضیاء الدین صاحب مرحوم اور چند مسافران مع بھٹیارون کے
اوسکے تعاقب مین جانب صحرا روانہ ہوئے۔ بعد الف ... ہاتھ ... لگی

پیچھے تین کوس تک میری تلاش مین چلے گئے - یہانتک کہ صبح صادق
نمود ہوئی اور آفتاب پُرآب وتاب نے اپنا چہرہ نورانی پردہ مشرق سے
باہر نکالا تو اوسکی روشنی مین اوس بھیڑیے کے پانون کے نشان ملے اور وہ
نشان ایک بھٹ تک پہونچے جب میرے رونے کی آواز مردمان جوئندہ نے
سُنی تو معلوم ہوا کہ اسی بھٹے سے رونے کی آواز آتی ہے - جب میرے
باپ نے بغور دیکھا تو مجھے اُس نے صحیح وسلامت پایا باہر نکالا صرف میرے
بائین بازو پر خفیف سے چار زخم دندان گرگ کے لگے تھے جنکا نشان ابتک
موجود ہے - میرے پیارے ناظرین بھیڑیے نے لیجاکر مجھے اپنے بھٹ مین
رکھا اور کسیطرح کی گزند نہ پہنچائی اور خود مفرور ہوگیا - یہہ بھی ایک نمونہ قدرت
حافظ حقیقی ہے - ع

عدو شود سبب خیر گر خدا خواہد

جب میرے باپ مجھے اپنی آغوش جان مین اُٹھا کر ہمراہیان سے اپنے مکان
مین واپس آئے تو میری والدہ کا حال گریہ وزاری وبیقراری سے نہایت
ردی تھا - مجھے دیکھکر سجدہ شکریہ ادا کیا اور تالوسع خیرات کی اور وہان
سے مع الخیر فرخ آباد مین پہونچکر شریک شادی ہوئے - بعد انفراغ شادی
مذکور میرٹھ مین واپس آکر بدستور سابق رہنے لگے - ناظرین پر واضح ہو کہ
قبل از اجرای ریل جو جو مصائبات اور تکلیفات مسافرون کو برداشت کرنی
پڑتی تھین وہ محتاج بیان نہین ہماری گورنمنٹ نے رعایا کو اجراے ریل سے
وہ آرام دیا کہ جسکا شکریہ ادا نہین ہوسکتا -

شعر

ہوا وہ ریل کا اجرای خلق کو آرام	سفر مین نام نہ باقی رہا صعوبت کا

میری عمر زمانہ غدر ۱۸۵۷ء مین ہشت سالہ تھی جب میری والدہ کا انتقال ہوا صرف دو بیٹے ایک بڑی بیٹی کی شادی انکے سامنے ہوئی تھی باقی ہم سب بہن بھائی ناکتخدا اور صغرسن باپ کے زیر سایہ پرورش پاتے رہے انکی شفقت کا حال از تحریر ہے۔

میرے ماموں صاحب حاجی نجف علی مرحوم جو میرے بھائی مولوی فخر الدین صاحب کے ہمسن تھے۔ اپنے حصے کا احاطہ مذکورہ میری والدہ کے ہاتھ فروخت کر کے ۱۸۵۵ء مین مع میری نانی صاحبہ و غلام مذکور وزیر خان بیت اللہ شریف کو تشریف لیگئے تھے بعد وفات میری والدہ کے ۱۸۵۹ء مین کعبۂ شریف سے واپس آئے مجکو نانی صاحبہ سے کمال درجہ اُنس تھا اونکو اپنی دختر کے فوت ہونے کا رنج و ملال اور مجھے اونکی واپس آنے کی خوشی حاصل ہوئی۔ چونکہ مین خوگر کہانی سُننے کی تھی بغرض کہانی اپنی نانی کے پاس سونے لگی والدہ کا رنج وفات جاتا رہا۔ یہہ میری خوشنودی خاطر کیواسطے بطور کہانی میرے نانا صاحب کا تذکرہ بیان کرتین اور مین بشوق تمام دل لگا کر سُنتی جو اسوقت درج سوانح عمری کیا گیا۔

عباسی بیگم عرف محمدی جان کی تعلیم

میری تعلیم کا یہ حال ہی کہ اس زمانے مین مدارس زنانہ جاری نہ تھے شرفا کی لڑکیان صرف قرآن شریف اور مسائل دینی پڑھتی تھین میرے والد نے اسی کی تعلیم دی اور گلستان سعدی و پندنامہ سعدی وغیرہ اور چھوٹی چھوٹی کتابین فارسی اور اُردو مین اپنے چھوٹے بھائی عبد العزیز مرحوم کے ساتھ پڑھتی رہی اور مجھے اپنے بھتیجے محمد محمود مرحوم و بھانجے محمد اسمعیل مرحوم

کو لکھتے ہوئے دیکھکر لکھنے کا شوق ہوا اور بغیر اصلاح اوستاد کے
پوشیدہ لکھتی رہی اسیوجہ سے کسیقدر لکھنا پڑھنا آگیا جو اب بکار آمد ہی۔
چونکہ میرے بڑے بھائی صاحب منشی محمد احسان اللہ متخلص بہ مخیر مشاعرہ مین
اپنی تصنیفات سے غزلیات مدحیہ پڑھتے سے اور اون کے مسودات کو
مین اور یہہ تینون لڑکے مذکورہ بالا جو میرے ہجولی اور ہم مکتب تھے دیکھا کرتی
تھی اسی وجہ سے اس عاجزہ کو بھی شوق نظم ہوگیا تھا۔ اور کبھی کبھی تکبندی
کرلیتی تھی چنانچہ یہہ غزل اس ہیچدان کی تصنیف اسی
زمانے کی ہے۔

غزل نعت

مطلع

رسولون ہی برتر ہے شان محمد	کہ خالق ہے خود قدردان محمد
کلام خدا ہے بیان محمد	زبان خدا ہے زبان محمد
محمد محمد زبان پر ہو ہر دم	وظیفہ یہہ ہو عاشقان محمد
خدا عاشق انکا یہ عاشق خدا کی	پسند آئی خالق کو آن محمد
ملائک جھکاتے ہین سر آستان پر	ہی روح الامین پاسبان محمد
شفاعت کا امت کو ہو کیا تردد	خدا جبکہ ہو مہربان محمد
ہی مستور کیا زندگی کا بھروسہ	چلو دیکھ لین آستان محمد

جبکہ میرے والد نے مجھے بجانب کلام نظم مائل پایا تو مستور تخلص
فرمایا اور اسی عرصے مین پارچجات کی قطع برید اور دوخت و دیگر کامون
مین بھی مہارت حاصل کی۔

عباسی بیگم عرف محمدی جان کی شادی

بلکہ بربادی

میرے خسر۔ قاضی شرف الدین احمد باشندہ قصبۂ کوتانہ ضلع میرٹھ جو کنارہ دریای جمن پر واقع ہے تھے انکی کجخلقی اور بخل جبر تعدی کا حال باشندگان قصبۂ مذکور پر آفتاب کی طرح روشن تھا۔ اسوجہ سے ان کی قوم اور برادری نے قصبۂ مذکور مین ان کے بیٹے قاضی بدرالدین احمد کو بیٹی نہ دی۔ چونکہ مجھ بدنصیب کو ان کے دام بلا مین گرفتار ہونا تھا یہ صورت ہوئی کہ قاضی صاحب مذکور بہ تلاش نسبت اپنے بیٹے کے شہر میرٹھ مین آئے شہر میرٹھ کمپ سے ایک میل کے فاصلے پر ہی وہان ٹھیرے۔ رفتہ رفتہ میرے باپ سے ملاقات ہوئی اور میرے باپ کا احاطہ جسکا ذکر پہلے کر چکی ہون اُسکے مکانات دکانات اور میرے بھائیون کا اسباب اور سامان اُجلا دیکھکر قاضی صاحب مخدوم کے مُنہ مین پانی بھر آیا۔ اور دام تزویر یون بچھایا۔ ایک مشاطہ مسمّاۃ فہیما نامی کو بلاکر میرے باپ کے گھر بھیجا۔ تاکہ دریافت کرے کہ کوئی لڑکی ناکتخدا ہے یا نہین۔ مشاطہ مذکور کسی حیلہ سے گھر مین آکر میری ناکتخدائی کا حال دریافت کر گئی۔ جاکر کہا کہ ایک لڑکی بن بیاہی اونکے گھر مین ہے۔ ابتو ان کی مراد دلی برآئی اور روزمرہ باپ سے ربط و اتحاد بڑھانے لگے۔ آخرالامر میری خواستگاری کی میرے والد نے صرف انکا حسب نسب دریافت فرمایا اور چال چلن سے بےخبر رہے۔ میرے والد پچھلی وضع کے سادے آدمی تھے انکی درخواست قبول کر لی اور میری نسبت کر دی اسوقت میری عمر ۱۲ سال کی تھی بعد از رسم

نسبت قاضی جی صاحب اپنے وطن کو واپس چلے گئے اور چار برس تک
خبر نہ لی کہ ہم کسی شریف کی بیٹی کو نامزد کر آئے ہین - اور اس چار سال کے عرصے
مین کسی تیوہار کو حسب رسم زمانہ ان کے گھر سے کوئی شئے نہین آئی - الغرض
بعد مرور چار سال میرے باپ نے انکو طلب کیا اور پے در پے خطوط بھیجے
تو صدائے برنخاست - آخر اپنے ملازم حسین بخش نامی کو قصبہ مذکور مین
بھیجا کہ انکو اپنی ہمراہ لائے - جب کہ یہ لوگ میرٹھہ آئے تو عورات نے
مجھے مانجھے یعنی مایون بٹھایا - اس عرصے مین انکی بدمزاجی اور بدخلقی کا حال
معلوم ہوگیا - میرے بڑے بھائی محمد احسان اللہ صاحب مرحوم نے ناخوش
ہوکر مایون کے مکان سے مجھے باہر نکال لیا اور کہا ہم ایسے بدمزاجون مین
اپنی بہن کی شادی نہین کرتے کہ تمام عمر یہ لڑکی مبتلائے بلا رہے گی - جب
خبر قاضی شرف الدین کو پہونچی تو اپنے ساتھہ چند مرد آدمی لیکر میرے باپ کے
پاس آئے اور منت کش ہوئے - چونکہ میری تقدیر برگشتہ تھی وہ بھی
رضامند ہوگئے - لیکن میرے بھائی ناراض ہی تب میرے باپ نے اپنے
بیٹون سے یون کہا کہ یہ چار سال کی نسبت کی ہوئی ہے اور اس کی
خبر سب لوگون کو ہو چکی ہے غیرت نہین چاہتی کہ مین اپنا دوسرا
داماد بناؤن جو کچھہ اس لڑکی کی تقدیر مین ہوگا بھگت لیگی -

مصرعہ

اسکو رضا پہ چھوڑ دو بہر خدا جو ہو سو ہو

سنہ ۱۲۸۲ھ بتاریخ ۱۹ - جمادی الثانی یوم چہارشنبہ دس بجے شب
کے میرا عقد ہوا -

ناظرین ایسا نکاح کسی محتاج کی بیٹی اور بیوہ عورت کا بھی نہ ہوتا ہوگا جیسا میرا ہوا۔

اب سُنیئے کہ قاضی ہی خود سمدھیانے کا جوڑا پہنکر اور اپنے بیٹے کو خلعت دامادی پہناکر بلا روشنی مشعل وغیرہ مردانے مکان مین آبیٹھے اور گھر مین میری خوشدامن عالی بیگم صاحبہ مع اپنی احمدی بیگم کے آبیٹھین۔ اُسوقت میرے سب بھائی بہن عزیز یگانے اور سب مہمان اِس بے سروسامانی کی برات آنے پر ایسا روتے تھے کہ جیسے کسی عزیز کی میت پر روتے ہین اور سب مجھے کہتے تھے کہ بڑی بدنصیب لڑکی ہی جو ایسے گھر اسکی شادی ہوئی القصہ اسی حالت مین وہ رات گذری صبح کو حسب معمول جہیز مجھے اور میرے شوہر کو نقد روپیے سلامی وغیرہ دیکر میرے باپنے رخصت کیا۔ چند روز میرٹھ مین رہے اور پھر یہ لوگ مجھے قصبۂ کوتانہ مین لیگئے۔

شعر

عجب دردیست جانم را اگر گویم زبان سوزد
وگر دم درکشم ترسم کہ مغز استخوان سوزد

ناظرین میرے غم کی کہانی بڑی ہے اور مجھے اختصار کرنا منظور ہے اِس لیے تھوڑا سا حال عرض کرتی ہون۔ میرے پہنچنے پر کوئی شخص یگانہ بیگانہ باشندۂ قصبۂ کوتانہ حسب رواج زمانہ مجھے دیکھنے نہ آیا خاص جگہ معلوم ہوا کہ بوجہہ بدمزاجی وکج خلقی میرے خُسر کے کوئی آدمی اِنسے نہین ملتا۔ مین ایک مکان مین بطور قیدیون کے رہنے لگی اب میرے خسر بزرگوار نے مجھے ترغیب دینی شروع کی کہ اپنے حصے کی جائداد اپنے باپ سے تقسیم

کرا کر اپنے شوہر کے نام ہبہ کردے مین نے اس امر سے صاف انکار کیا اور
کہا کہ خدا میرے باپ کو سلامت رکھے یہ نہوگا یہ سنکر اُن کی امید قطع ہوئی
خوے بد را بہانہ بسیار۔ قسم قسم کی تکالیف مجھے پہونچانی شروع کین
اور میرے شوہر کو بہکانا شروع کیا جس کے بیان سے سینہ قلم کا چاک ہو
اگر وہ مصیبتین پہاڑ پر پڑتین تو پھٹ کر ریزہ ریزہ ہوجاتا خداوند کریم کسی کی
جان پر یہ مصیبت نہ ڈالے تفصیل اس جبر و تعدی کی خارج از تحریر ہے
اللہ تعالے انکی روح کو نہ شرمائے اور جنت الفردوس مین عالیمقام عطا فرمائے علاوہ
زیور و اسباب کے کتابین قلمدان کاغذ سامان نوشت وخواند سب چھین لیا
اسلیے کہ پھر اپنے باپ کو اپنے حال سے بذریعہ خط اطلاع نہ دیسکے چھ مہینے
اسی مصیبت مین گذرے جب کوئی صورت رہائی کی نظر نہ آئی تو مجبور من کو
رنگ اور جھاڑو کی تیلی سے بحوف انکے پاخانے مین جاکر اپنے حالات
مصیبت ایک پُرانے کاغذ پر تحریر ایک ہفتے مین کیے اور خاکروبہ کو ایک چھلہ
نقرہ جو میرے پانون کے انگوٹھے مین باقی رہگیا تھا دیکر یہ خط بروقت کے ڈاکخانہ
کی معرفت اپنے باپ کو بھیجا۔ بملاحظہ اس خط کے میرے باپ نے میرے
چھوٹے بھائی عبدالعزیز مرحوم اور میرے بھانجے محمد صدیق کو مع سواری
بہلی اور ایک خط قاضی جی کے نام ہمراہ ان دونون لڑکون کے قصبۂ مذکور
مین بایں حیلہ روانہ کیا۔

مضمون خط شیخ امان اللہ صاحب مرحوم

مین شدید بیمار ہون بچنے کی امید نہین ہے۔ محمدی جان کی والدہ نے
بروقت انتقال مجھسے کچھ وصیت کی تھی اگر براہ نوازش محمدی جان کو

اسوقت مین روانہ کردو تو مین اُس وصیت کے بارے سبکدوش ہوجاؤن
اور تم سب مع بدر الدین احمد کے مجھسے ملجاؤ۔ چونکہ یہہ بات قاضی جی کے
مطلب کی تھی میرے روکنے سے باز رہے اور ہم روانہ ہوئے دوسرے
روز گھر یعنی میرٹھ پہنچے سب عزیزون نے میری تباہ حالت دیکھکر رنج وافسوس
کیا۔ مین ڈیڑھ سال تک آرام سے میرٹھ مین اپنے باپ کے گھر رہی اس
کے بعد مین قاضی صاحب مع میرے شوہر قاضی بدر الدین احمد میرٹھ مین آئے
اور بڑی خاطر سے مجھے اپنے ہمراہ قصبہ کوتانہ مین لیلئے۔ حالانکہ اسوقت بھی میرے
بڑی بھائی محمد احسان اللہ صاحب میرے کوتانہ جانے پر بالکل راضی نہ تھے
مگر سنگ آمد سخت آمد لاچار ہوگئے۔

علاوہ پارچجات کے مبلغ ... روپیہ کی ریزکاری مجھے میرے بڑے بھائی نے
دی اور کہا کہ اسکا تعوید بناکر پوشیدہ اپنے گلے مین رکھ لے کہ بڑے وقت
پر کام آئیگا۔

ناظرین پھروہی مین اور وہی میری مصیبت جب سید النسا بیگم میری دختر
پیدا ہوچکی تھی تو میرے باپ شیخ امان اللہ مرحوم مع میری منجھلی بھاوج اور میری
پالنے والی بخشی خانم سامان چھٹی لیکر کوتانہ مین آئے۔ جوڑ ہاے پارچجات
برای قاضی صاحب وہر سہ فرزندان و دختر۔ والبخانہ قاضی مذکور اپنے ہمراہ
لائے۔ اور سب اشیا قاضی شرف الدین کے حوالہ کین اور چاہا کہ مجھے
اپنے ہمراہ لیجائین لیکن میرا بھیجنا میرے خسر نے منظور نہ کیا اور عذر کیا
کہ دودھ چھٹ جائیگا تو ضرور بھیجدینگے میرے والد یہان دو روز رہکر کف
حسرت وافسوس ملتے ہوئے اور مجھے روتا چھوڑ کر میرٹھ کو واپس چلے گئے۔ القصہ
جب سید النسا بیگم کی عمر تخمیناً ۲ سال کی ہوچکی اور مین بعارضہ یرقان اسود قریب الرگ

ہو گئی۔ جیسا کہ سید النسار نے اپنی سوانح عمری مین لکھا ہے تب خود قاضی صاحب
نے ایک بہلی مین بہمراہی ایک خادمہ کے سوار کرا کر روانہ میرٹھ کیا۔ مین دوسری
دن میرٹھ پہونچی راستے کا حال درج سوانح عمری سید النسار بیگم ہو چکا ہے۔
وہان جا کر حالات مصائب گذشتہ اپنے والد بزرگوار سے بیان کیے اور میرے
والد مرحوم ہر شب میرا قصہ درد آمیز سنتے تھے اور اپنی چشم سے اشک حسرت
برساتے تھے میرے باپ نے قسم کھالی کہ اب مین سمجھے کو تا نہ کبھی بھیجونگا
بعد انتقال میرے باپ کے میرے شوہر ایک عورت نیچ قوم کو اپنے گھر مین
لائے اور اپنا عقد کر کے اپنی والدین کے پاس رکھا اس عورت نے قاضی جی
کی قرار واقعی خبر لی۔ پھر تو قاضی جی کو میری قدر ہوئی اور مجھے طلب فرمایا
مین نے جواب دیا کہ وہی مین ہون اور وہی آپ ہین۔ آپ کے ظلم بہانے بھی کچھ کم
نہ تھے طرہ اسپر یہ کہ سوکن بھی آئی آپ مجھے معاف فرمائین۔

آزمودہ را آزمودن جہل ست

ناظرین اُسوقت سے اب تک ۲۵ سال گذرے کہ مین اپنے شوہر سے علحدہ
ہون۔ جب میرے باپ کا انتقال ہو چکا تو میرے برادران منشی احسان اللہ و منشی
آفتاب الدین صاحبان نے ؏۱۰ روپیہ ماہوار میری تنخواہ مقرر کر دی اور ہر ایک
قسم کی امداد کی اور سرپرستی کرتے رہے تھوڑے عرصے مین اپنی ہمشیرہ
مہر جہان بیگم کے ساتھ جو منشی کرم احمد اور کے ساتھ منسوب ہوئی تھین
دہلی آئی چند روز بعد علحدہ مکان کرایہ لیکر رہی بڑے بھائی نے تنخواہ
روک لی مگر اپنے بیٹے محمد محمود مرحوم کو جو دہلی مین ڈاکٹر خان صاحب کا منشی
تھا لکھا کہ تم اپنی چھوٹی پھوپی کے خبرگیران رہنا اور سلوک سے پیش آنا اس
لڑکے کی اللہ تعالی مغفرت کرے ؏۵ روپیہ ماہوار مقرر کر دیا باقی اور اپنی

دستکاری سے گذر اوقات کرتی رہی اور سید النسا بیگم کو نورمل اسکول زنانہ دہلی مین داخل کردیا۔ اور اپنی دختر کے ہمراہ چھہ مہینے تک خود بھی گئی اور استانی فاطمہ سلطان بیگم صاحبہ سے تھوڑا حساب اور نقشہ وغیرہ کرہ زمین و آیشیا سیکھا۔

عباسی بیگم عرف محمدی جان کا مدرسہ ہو کر پانی پت جانا

ناظرین جب فاطمہ سلطان بیگم نے میری عادات اور نوشت خواند ودوخت وغیرہ کو دیکھا تو مجھے ترغیب دی کہ تم پانی پت جاؤ اور مدرسہ زنانہ مین شرفازادیون کو تعلیم دو۔ اس کام مین عزت دارین ہے مریم زمانی بیگم جو وہان کی معلمہ تھین فوت ہوچکی ہین مدرسہ خالی ہے مین نے اپنی ہمشیرہ کلان سے مشورہ کیا۔ فرمایا تمھین اختیار ہے کب تک بیگانی دست نگر ہوگی مین ۱۸۸۸ء مین معلمہ مقرر ہو کر پانی پت آئی۔ محلہ انصار مین یہ مدرسہ واقع تھا دختران انصار وغیرہ کو پڑھاتی لکھاتی رہی دو برس تک یہہ مدرسہ جاری رہا۔ حاسدان تعلیم نسوان نے مس ٹانکی صاحبہ سے جو اس مدرسے کی مہتممہ تھین شکایات گوناگون کرنی شروع کین۔ اتفاقًا ایسا موقع ہوا کہ میرے بھانجے محمد اسمٰعیل کی وفات کا خط آیا۔ مین نے درخواست عطای رخصت لکھکر ملفوف کرکے ایک عورت کو دی کہ ڈاکخانہ کے لیٹربکس مین ڈالدے اس عورت سے وہ لفافہ کسی دشمن تعلیم نسوان نے لیلیا اور مین روانہ میرٹھ ہوگئی۔ اس موقع کو غنیمت سمجھکر ایک عرضی میری غیرحاضری کی مس ٹانکی صاحبہ کی خدمت مین بھیجدی وہ عرضی پڑھکر مس ٹانکی صاحبہ ضلع کرنال سے پانی پت پہونچین اور دیکھا کہ واقعی معلمہ موجود نہین ہے مدرسہ بند ہے۔ میری عدم موجودگی

مین دشمنان تعلیم نسوان نے اور زیادہ شکایتین کین - مس صاحبہ سنگر برہم ہوئین اور مدرسہ بند کر دیا - اس محلے کی عورات کو مجھسے ایک طرحکا اُنس ہو گیا اس لیے میرا دہلی جانا گوارا نہ کیا اور کئی شرفا کی لڑکیون کو برائے تعلیم میرے سپرد کر دیا بطور نج انکو پڑھاتی رہی - اس عرصے مین اوستانی فاطمہ سلطان بیگم کا خط بدین مضمون آیا ہمکو معلوم ہوا ہے کہ مدرسہ زنانہ پانی پت سے تمکو نے باغوای بعض اشخاص برخاست کر دیا اور تم بیکار - و لہذا تحریر کہ تم میرے پاس دہلی چلی آؤ - قصبہ رہتک ضلع خاص مین معلمہ کی ضرورت ہے - مین حسب تحریر اُن کے دہلی چلی گئی اور سید النسا بیگم سے ملی کیونکہ مین برائے تعلیم اسکو دہلی اپنی ہمشیرہ کے پاس چھوڑ آئی تھی - سید النسا کی ہمراہ بھیر مدرسے گئی اور اوستانی صاحبہ ممدوحہ سے ملاقات کی اور حسب تجویز انکی رہتک گئی اور مدرسہ پڑھانا شروع کیا بعد گذرنے چند ماہ کے بوجہہ ناموافقت آب و ہوا بیمار ہو گئی - ہرچند معالجہ کیا مگر مرض مین کچھہ تخفیف نہ ہوئی مجبورًا مجکو وہ مدرسہ چھوڑنا پڑا - اور پھر وہان سے دہلی آئی - جب مستورات پانی پت کو رہتک سے میرے چلے آنے کی خبر ملی تو خطوط بہ طلب میرے روانہ دہلی کیے - اور حسب الطلب اُن بیبیون کے مین پانی پت آئی اور بدستور سابق رہنے لگی جب کہ مین پہلے مرتبہ پانی پت معلمہ ہوکر آئی تھی تو ایک خاتون مسماۃ بی بی کنیز ک حسین کے چھوٹے لڑکے حکیم جعفر حسین سے میری دختر نیک اختر سید النسا بیگم کی نسبت قرار پا چکی تھی اور مسماۃ موصوفہ کا انتقال ہو چکا تھا - مین بہ تقریب عزا پرسی اُن کے گھر گئی تو ہمشیرہ حکیم جعفر حسین نے تخلیے مین مجھسے درخواست کی کہ اب تم اپنی لڑکی کی شادی بموجب اپنے اقرار کے جلدی کر دو - چنانچہ مین نے

پانی پت سے دہلی آکر سامان شادی کیا - اور بساعت سعید عقد کر دیا اور
حی الوسع دان دہیز دیکر اپنی پیاری بیٹی کو رخصت کیا اور مین دہلی مین رہی
۱۸۹۵ء مین پھر ایک مدرسہ خواجہ سجاد حسین صاحب ڈسٹرکٹ انسپکٹر
مدارس ضلع کرنال خلف خواجہ مولوی الطاف حسین صاحب حالی نے
درخواست دیکر گورنمنٹ سے جاری کرایا اور مجھے مدرسہ مقرر کرکے پروانہ
تقرری مورخہ ۱۸ - مئی ۱۸۹۵ء عطا فرمایا - ۱۸ - جولائی ۱۸۹۶ء تک یہ مدرسہ
جاری رہا اور امتحان سالانہ پر پیشگاہ جناب صاحب انسپکٹر بہادر مدارس
حلقہ دہلی سے بصلہ حسن کارگزاری مبلغ عہ۱۲ انعام عطا ہوا اور پروانہ
سندًا مورخہ ۳ - فروری ۱۸۹۶ء مجھے ملا جو میرے پاس اب تک موجود ہے -
جب میری ترقی کی رپورٹ ہوئی تو صاحب کمشنر بہادر قسمت دہلی نے تجویز
فرمایا کہ ضلع سے تنخواہ معلمہ پانی پت کو نہ ملے - بلکہ کمیٹی پانی پت سے ملا کرے
جب یہ حکم کمیٹی پانی پت مین پہونچا تو دشمنان تعلیم نسوان کو پھر موقع برائی
کرنے کا ہاتھ آیا ممبران کمیٹی کو اپنا متفق کر لیا - اور رپورٹ کروا دی کہ اس
قصبے مین شریف زادیان سوای قرآن مجید اور کچھہ پڑھنا نہین چاہتین اس
مدرسہ زنانہ سے فائدہ سرکار کا متصور نہین کیا جاتا سراسر نقصان ہے
اس رپورٹ پر یہ مدرسہ ۱۸ - جولائی ۱۸۹۶ء کو تخفیف مین آ گیا - اور مین
بدستور سابق اب تک پانی پت مین قیام پذیر ہون اور اپنی بیٹی و داماد سے
علحدہ ایک مکان مین رہتی ہون - ہرچند میری بیٹی اور داماد نے چاہا اور
اصرار کیا کہ مین انکے شریک رہون لیکن میری غیرت اس امر
کی مقتضی نہ ہوئی
ناظرین یہ سب خوبیان میرے شوہر کی ہین آپ تباہ ہوئے اور مجھی

برباد کیا اَللّٰھُمَّ احْفِظْنَا مِنْ کُلِّ بَلَاءِ الدُّنْیَا وَعَذَابِ الْاٰخِرَۃِ ۞

بقلم

عباسی بیگم عرف محمدی جان مورخہ ۲۹- دسمبر ۱۸۹۶ء

مہر کا نشان دستخطی
سماۃ محمدی جان

حرف النون

نہانی:- یہ خاتون شاہ سلیمان کی والدہ ماجدہ کی مصاحبہ اور ہمنشین تھی - اسکا باپ شاہ سلیمان کے زمانے مین بہت بڑا امیر تھا یہ نیکبخت خاتون اپنے دلکش جمال اور بلندی فطرت کی وجہہ سے شہرۂ آفاق تھی - اعلے درجے کی تعلیم یافتہ تھی - ہر قبیلے کے لوگ اوسکے ساتھہ شادی کرنیکی خواہش کرتے تھے - مگر نہ معلوم وہ ایسی درخواستون کو کیون نامنظور کیا کرتی تھی - ایک مرتبہ ان درخواستون سے بہت دق ہوئی اور یہ رباعی تمامی شہر مین تصنیف کرکے چسپان کرا دی کہ اگر اس رباعی کا کوئی شخص جواب لکھیگا اوسی کے ساتھہ نکاح کرلونگی -

رباعی

از مرد برہنہ روی زرمی طلبم	از خانۂ عنکبوت پرّ می طلبم
من از دہن مار شکر می طلبم	وزنیشۂ مادہ شیر نرمی طلبم

لیکن تھوڑی ہی عرصے کے بعد اس نیکبخت خاتون کا انتقال ہوگیا -

اور سعد اللہ خان وزیر شاہجہان بادشاہ نے مذکورہ رباعی کے جواب مین ذیل کی رباعی تصنیف کی۔ مگر اس خاتون کے انتقال کے بعد۔

رباعی

علمے ست برہنہ رو کہ تحسینہا مست
زہر ست جفای علم و معنی شکست

تن خانہ عنکبوت و دل بال و پرست
ہر شپہ از وچشید و آن شیر نیست

نورجہان:۔ اس مشہور و معروف بیگم کے باپ کا نام میرزا غیاث تھا۔ میرزا غیاث ایران کا رہنے والا تھا جسکا باپ محمد خان تکلہ خراسان کے حاکم کا مدبر وزیر تھا۔ نورجہان کی مان یا میرزا غیاث کی بی بی میرزا علاء الدولہ کی لڑکی تھی۔ نورجہان کے دادا خواجہ محمد شریف کا اوسوقت مین انتقال ہوا کہ جب نورجہان اپنی مان کے پیٹ مین موجود تھی۔ اسکے انتقال کے بعد ہی اس خاندان پر تباہی سی آگئی۔ جھوٹے اور لغو الزامات محمد شریف کے اوپر رکھکر اوسکے پسماندون کو دق کرنا چاہا اون سازشون کے جالون نے جو مدتو پر پھیلے ہوئے تھے خوب وسعت پاکر مخالفت کرنے لگے۔ آخر کار جسکا نتیجہ یہہ ہوا کہ میرزا غیاث نے مخالفون کے سرگروہون سے استدعا کی کہ تم کیا چاہتے ہو۔ بڑی بحث مباحثے کے بعد نتیجہ یہ ہوا کہ مخالفین نے میرزا کو لکھ بھیجا کہ اگر تمھین اپنی جان بچانی منظور ہو تو اپنی حاملہ بی بی اور اپنے تینون بچون کو لیکے جدھر تمہارا منہہ اوٹھے چلے جاؤ۔ یہہ بیچارے ہندوستان کی طرف روانہ ہوئے۔ قندھار پہنچتے پہنچتے تو تکلیفین ناقابل برداشت ان لوگونکو جھیلنی پڑین وہ قابل ذکر نہین۔ اب اسی مقام پر نورجہان کی مان کو درد لگے۔ بیچاری نورجہان کی مان دو تین دن سے بھوکی پیاسی

تھی۔اب وہ مصیبت زدہ خاتون درد مین لوٹنے لگی ۔ اور اوسکی بہت بدتر
حالت ہوگئی ۔ خدا خدا کرکے چند گھنٹون کے بعد نور جہان بیگم صاحبہ پیدا ہوئین
اور ایک درخت کے نیچے چھوڑ دی گئین ۔ اگرچہ مان باپ کو اسکا چھوڑنا بہت
ناگوار تھا مگر کرتے کیا ۔ اِسی خاص بارے مین مختلف روایتین
مین ۔ بعض مورخ کہتے ہین ۔ کہ نور جہان کو اوسکا باپ اوٹھا لایا ۔ بعض
کہتے ہین کہ ایک قافلہ جو دوسرے دن صبح کو وہان سے گذرا تھا ۔ اپنے ساتھ لایا
ہندوستان مین پہونچتے پہونچتے میرزا کی رسائی اکبری دربار تک
اوسکی قابلیت اور لیاقت کی وجہہ سے بہت جلد ہوگئی ۔ معتمد خان تزک
جہانگیری مین میرزا کی نسبت اپنے قلم سے یون لکھتا ہے ۔ کہ میرزا غیاث
پڑھنے لکھنے اور معاملہ فہمی مین نہایت ہوشیار تھا قدما کے اشعار کا تتبع
بہت کیا کرتا تھا ۔ خود بھی نہایت سخن سنج تھا ۔ شکستہ خط نہایت آبداری سے
لکھتا تھا ۔ اپنے فرائض منصبی کے انجام دینے کے بعد جب اوسکو کبھی فرصت
ہوتی تو اپنا وقت اشعار کی موزونی مین صرف کیا کرتا تھا ۔ بڑا مخیر تھا لیکن اسکے
ساتھ راشی بھی ۔ اکبری زمانے مین چونکہ شعر شاعری کا بڑا چرچا تھا ۔ میرزا
کو شاہی دربار مین اسیوجہہ سے قصائد پڑھنے کا اکثر موقع ملتا رہتا تھا ۔ وہ
نہایت طلاقت لسانی سے اپنے قصیدون کو پڑھا کرتا تھا ۔ بڑی واہ واہ
ہوا کرتی تھی ۔ چندہی روز مین اسنے بڑے بڑے عہدے حاصل کیے ۔ نور جہان
کی مان بھی چونکہ اسنے شوہر سے لیاقت مین اور ہنر مین کسیطرح کم نہ تھی ۔
اکبر نے جب میرزا کی مان کی لیاقت کا حال سُنا تو اوسنے محل مین جانیکی
اوسکو اجازت دی تاکہ بیگمات کو تعلیم دے ۔ جب نور جہان قلعے کے اندر
داخل ہوئی تو نور جہان کی عمر بہت تھوڑی تھی ۔ سلیم بھی کبھی کبھی اپنی والدہ

کی خدمت مین حاضر ہوا کرتا تھا - مگر یہہ جو مشہور ہے کہ تسلیم نے اور نور جہان نے ایک ہی جگہہ پرورش پائی - بالکل غلط ہے -

نور جہان اور تسلیم کی نسبت جو بہت سی بے سروپا نقلین مشہور ہین اور جنمین عشق کے کرشمے دکھائے گئے ہین بالکل بے بنیاد ہین - ایک کا بھی پتہ کسی معتبر تاریخ سے نہین پایا جاتا - اسکی تعلیم کا ذکر اسطرحسے بیان کیا گیا ہے ،، اول ہی اول اسنے کلام مجید پڑھا - جیساکہ شہزادیان پڑھا کرتی تھین حسن اور اسپر خوش آوازی نور جہان کو ہزار ہزار بناؤ دیتی تھی - اسکی آواز نہ صرف موسیقی خیز تھی بلکہ اسمین درد اور لوچ غضب کا تھا - طبیعت فطرۃً موزون پیدا ہوئی تھی - قلعے مین شعر و سخن کے چرچے نے از خود اور بھی اسکی طبیعت مین صلاحیت کا مادہ بڑھادیا تھا اسے اور شہزادیون کیطرح شعرگوئی کی تعلیم دی گئی تھی - مگر طبیعت کی موزونی جو فطرت نے اوسے عطا کی تھی ہروقت اُسے شعرگوئی کی طرف رہنمائی کرتی تھی - جب اسنے کلام مجید ختم کرلیا تو فارسی کی معمولی کتابین پڑھائی گئین اسکے بعد نقاشی اور مصوری کے فن سکھائے گئے - گھوڑے پر چڑھنا اور تیر لگانا بھی شہزادیون کے ساتھ سکھایا گیا تھا - نور جہان کو مذہبی تعلیم بھی دی گئی تھی - لیکن اُسی مذہب مین جسکو اُسکے والدین ایران سے لیکے نکلے تھے - اب نور جہان کی جوانی کا وقت آیا تو اکبر کو اوسکی شادی کی فکر ہوئی کیونکہ اوسی کے قلعے مین نور جہان نے پرورش پائی تھی - میرزا غیاث تے او سکے دربار مین وہ رسوخ پیدا کرلیا تھا اور اپنی لائق تدبیری کیوجہہ سے ایسا گرویدہ بنالیا تھا کہ میرزا کی ہر بھلائی مین وہ دل وجان سے کوشش کرتا رہتا تھا - شہنشاہ اکبر ہی کو اسکی شادی کی فکر ہوئی وہ چاہتا تھا کہ جیسے نور جہان قابل ہے ایسا ہی کوئی لائق

شریف شاہی خاندان کا شخص ملے تو اُس سے نکاح کرا دیا جائے - اتفاق
سے علی قلی بیگ عجم سے ہندوستان مین آیا - اور اکبری دربار تک رسائی
پیدا کرکے اعلیٰ عہدے پر ممتاز ہوا - یہ شخص نہایت لائق اور شائستہ مزاج تھا
بادشاہ نے نورجہان کے باپ سے کہا کہ نورجہان کی شادی اگر علی قلی بیگ
سے ہو جائے تو بہتر ہے - میرزا فوراً اسکا کچھ جواب نہ دیسکا لیکن میرزا غیاث
نے مختلف جلسون اور دعوتون مین اوسکا چال چلن اور رنگ ڈھنگ دیکھا اور
چند مہینون کے بعد اکبر سے اپنی رضامندی ظاہر کر دی اس امر کی اطلاع
نورجہان کی مان کو بھی دی گئی - اسنے بھی اسکو بخوشی منظور کر لیا - اور دونو
کی شادی بڑی دھوم دھام سے ہوئی - اکبر کی وفات کے بعد شہزادہ سلیم نے
علی قلی بیگ کو بنگالے مین ایک جاگیر دیکر بردوان کا گورنر مقرر کر دیا -
جب شیر افگن (یہہ خطاب علی قلی کو جہانگیر یا سلیم نے دیا تھا) وہان پہونچا تو
کچھ عرصے کے بعد وہ خود مختار ہو گیا - اور شرارتین اور فتنہ و فساد برپا کرنے
شروع کیے - وہان کے لوگون نے ان مظالم کی عرضیان جہانگیر کی خدمت
مین روانہ کین - جہانگیر نے عرضیون کو دیکھکر قطب الدین خان کو بھیجا کہ وہ
تحقیقات کرے اگر واقعی علی قلی ظلم کرتا ہو تو اوسکو وہین سزا دے - جسوقت
قطب الدین یہہ شاہی فرمان لیکے وہان پہونچا تو علی قلی کو اسکی خبر ملی - اسنے
زہر آلود خنجر اپنی آستین مین چھپایا - اور قطب الدین کی استقبال کے لیے
آگے بڑھا - قطب الدین نے جسوقت حکمنامہ کا ذکر کیا تو علی قلی نے یہہ
کہا کہ دس قدم اپنی فوج سے آگے بڑھ چلیے اور وہان بادشاہی حکم
مجھے سنائیے - قطب الدین نے اسکو منظور کر لیا - جب یہہ دونون آگے
بڑھ گئے تو بیرحم علی قلی نے قطب الدین کے کلیجے مین خنجر بھونک دیا قطب الدین

کی بوڑھی گارڈ کو جسوقت اس واقعے کی خبر ملی تو وہ شیر افگن پر حملہ آور ہوئے
اور اوسکے ٹکڑے سے ٹکڑے کر ڈالے - اس معرکے مین قطب الدین اور شیر افگن
دونون کا قطعی فیصلہ ہو گیا - اور دونون جان سے مارے گئے - اب
نور جہان سلطنت مین قید ہو کر آئی اور تقریباً چار برس تک وہ قید بھگتا کی
جب پورے چار برس اوسکو قید خانے مین گذرے اور ایک دن بھی جہانگیر
اوسکو دیکھنے نہ آیا تو ایک عرضی جہانگیر کو اس مضمون کی لکھی "کہ مجھکو
وہ زمانہ یاد آتا ہے جبکہ مین اور بہت سی شہزادیان کھیلا کرتی تھین
تو اکثر آپ بھی تشریف لایا کرتے تھے اور مجکو کبھی کبھی گیند اوٹھانے کی عزت
حاصل ہوا کرتی تھی - شیر افگن نے جو جو سلوک میان سرکار والا کے ساتھ کین
وہ اوسکے نتیجے کو پہنچ گیا - مگر مین بے قصور کیون قید مین چار سال تک رکھی
گئی - مینے بغاوت مین شرکت نہین کی میرا اس ہونے والے واقعے مین
صلاح کار نہ تھی لیکن یہ سب عرضیان بادشاہ کیخدمت مین جو روانہ کی گئی
تھین وہ سب ریشمی رومالون پر کڑھی ہوئی تھین نور جہان نے ایک نظم بھی
ایک بڑے رومال پر جسمین بادشاہ سے شادی کی خواہش کی تھی سچے
موتیون سے کاڑھ کر بادشاہ کی خدمت مین بھیجی - جسکی وجہ سے بادشاہ
کا دل نرم ہو گیا - اور کہنے لگا کہ بیشک نور جہان بالکل بے قصور ہے اسکے
بعد جہانگیر خود اسکی قید کی کوٹھری مین گیا اور بہت دیر تک باتین ہوتی رہین
اور آخر کار نور جہان کی درخواست کو قبول کر لیا - دو چار روز کے بعد
شاہی فرمان جاری ہوا کہ شادی کا سامان مہیا کیا جاوے - سامان مہیا
ہونے کے بعد نکاح ہو گیا

نور جہان کی حسن تدبیر اور حکمرانہ جوہرون نے اسے صرف شہنشاہ بیگم

ہی مین محدود نہ تھا - بلکہ تھوڑے ہی عرصے مین وہ حکومت مین بھی حصہ لینے لگی - آخر کار جہانگیر نے نورجہان کا نام اپنے نام کے ساتھ کندہ کرادیا تھا - اوس سکے کا شعر یہ ہے -

شعر

بحکم شاہ جہانگیر یافت صد زیور	بنام نورجہان بادشاہ بیگم زر

اور فرامین کے طغرے مین یہ لکھا جاتا تھا -

حکم علیۃ العالیہ نورجہان بیگم بادشاہ

رفتہ رفتہ یہ نوبت پہونچی کہ جہانگیر برائے نام بادشاہ رہگیا - دیکھو جہانگیر کی خاص تحریر سے ثابت ہوتا ہے وہ لکھتا ہے کہ "من سلطنت را بنورجہان بیگم ارزانی داشتم و بجز یک سیر شراب و نیم سیر گوشت مرا ہیچ درنمی باید -"

معتمد خان تزک جہانگیری مین اس لائق خاتون کی نسبت لکھتا ہے "

از خوبی و نیکنامی بیگم چہ نویسم خیر او غالب بر شر بود بلکہ شر نبود - وہر جا کہ کار افتادہ را عقدہ پیش می آمد - و التجا بدست بیگم مے گشت گرہ از کارش برکشودہ کامیاب مراد ساخت - وہر کسے کہ بدرگاہ او پناہ برد - از آسیب ظلم و ستم محفوظ ماند ہر جا دخترے یتیم یافت بقصد ثواب عروس کردہ درخور حالت او جہیز لطف فرمودند - واز سلسلۂ عدیہ او نفع بسیار بخلق اللہ رسید " جہانگیر اپنے کشمیر کے سفر مین بیمار پڑگیا - نورجہان بھی اوسکے ساتھ تھی - تمام اطبا نے جہانگیر کا علاج کیا مگر روبصحت نہوا - جہانگیر کے پاس حکیم روح اللہ - حکیم ابوالقاسم اور حکیم رکنا موجود تھے - کسی نے اوسکے علاج سے جواب دیدیا - کسی نے اوسکے مرض کو اچھی طرح تشخیص نہین کیا - کسی نے پہلو تہی کی - نورجہان نے ان سب حکیمون سے دق ہوکر جہانگیر کا علاج خود کرنا شروع کیا - اوسکے

اکثر تجربات اطبا سے بھی بڑھے ہوئے تھے۔ جہانگیر کا اوسنے اس عمدگی
سے علاج کیا کہ آخر خود جہانگیر کو یہ فقرے لکھنے کی ضرورت ہوئی۔

"نور جہان بیگم کہ تدبیر و تجربہ او ازین اطبا بیشتر ست خصوص کہ از روی مہربانی
و دلسوزی باشد۔ در ستقامم کردن پیالہ تدبیر اسے کہ مناسب وقت و ملائم
حال باشد شد۔ اگرچہ پیش ازین ہم علاجے کہ اطبا سیکردند بہ صلاح
و صوابدید او بود لیکن درین وقت مدار بر مہربانی او نہادم و شراب را تبدریج
کم کرد و از چیزہاے نامناسب و غذا ہاے ناسوافق محافظت نمود۔ امید کہ
حکیم حقیقی از شفاخانہ غیب صحت کامل نصیب کناد"

تھوڑے ہی عرصے کے بعد صرف نور جہان کی تیمارداری سے جہانگیر
اچھا ہو گیا۔ اور خوب جشن کی ٹھیری۔ اور خوب خوب انعام دیے گئے۔
نور جہان کا شیر کو گولی سے مارنا بھی اوسکی ایک جوانمردانہ دلیری تھی۔ جہانگیر
اور نور جہان متھرا گئے تھے اور اپنے خیمے میں بیٹھے ہوئے باتیں کر رہے تھے کہ
اسی اثنا میں ایک چوبدار نے آکے کہا کہ حضور یہیں تھوڑی دور پر جنگل میں
ایک شیر ہے۔ چونکہ جہانگیر اس بات کا عہد کر چکا تھا کہ میں شیر کا شکار نہیں
کھیلوں گا۔ اس وجہ سے وہ تو باز رہا۔ مگر نور جہان کو جو شیر کے شکار کی ہمیشہ
مشتاق رہا کرتی تھی جہانگیر سے اپنے واسطے اجازت چاہی۔ جہانگیر نے
اوسکو اجازت دیدی۔ اب شیر کے شکار کا سامان ہونے لگا۔ دو ہاتھی تیار
کیے گئے۔ ایک پر نور جہان تھی اور دوسرے پر جہانگیر۔ جہانگیر کے ساتھ
میرزا رستم بیٹھا ہوا تھا۔ جھاڑی پر پہونچتے ہی شیر اپنی جھاڑی سے
دہاڑتا ہوا نکلا۔ میرزا رستم نے جہانگیر کے حکم سے شیر پر گولی چلائی۔ اوسکا
پہلا فیر خالی گیا۔ دوسرے میں بھی فیل ہوا۔ اور تیسرے فیر نے بھی خطا کی

رستم نہایت شرمندہ ہوا - اور فیر کرنا بند کر دیا - نور جہان نے مہاوت کو حکم دیا کہ میرا ہاتھی آگے بڑھا - اوسکے ہاتھی کا آگے بڑھنا تھا کہ شیر نورجہان کے ہاتھی پر جھپٹا - شیر کا جھپٹنا تھا کہ نور جہان نے فیر کیے - اور شیر اونٹ کی ساٹ اٹھ قدم پر اولٹا جا پڑا - گولی ایسی زبردست پڑی کہ شیر سے پھر اوٹھا نہین گیا اور تڑپ کر وہین جان دیدی -

نور جہان کچھ عرصے تک بوجوہ چند در چند شہزادہ خرم کے ہاتھون سے بہت پریشان رہی اس پریشانی سے اوسکو کچھ نجات ملی تھی کہ مہابت خان کے قصے نے جہانگیر اور نور جہان کو اور بھی زیادہ صدمہ پہونچایا - نور جہان کی ہوشیاری اور عقلمندی سے جہانگیر کو مہابت خان کے جھگڑے سے کچھ اطمینان ہوا تھا کہ وہ لاہور آیا - اور لاہور سے سیدھا کشمیر پہونچا -

جہانگیر نے کشمیر سے واپسی کے وقت ہمیشہ کے لیے اس دار فانی کو چھوڑ دیا اور اوسی کے ساتھ اپنی بی بی نور جہان کو بھی - یہہ واقعہ اوس وقت درپیش آیا تھا - کہ جہانگیر اوسوقت کشمیر سے لاہور واپس آرہا تھا - راستے مین بیمار ہوگیا - ۹ صفر ۱۰۳۷ھ مطابق ۲۸ - اکتوبر ۱۶۲۷ء براجور مین انتقال ہوگیا اسکی عمر اسکے مرنے کے وقت تک پوری ساٹھہ برس کی تھی - اب شاہجہان جہانگیر کی جگہہ تخت سلطنت پر بیٹھا - جب شاہجہان مستقل طور سے ہندوستان پر حکمران ہوگیا - تو اوسنے نہایت عزت و آبرو سے نور جہان کی عزت قائم رکھی ۱۰۵۵ھ مطابق ۱۶۴۶ء نور جہان جیسی شہزادی کا بھی انتقال ہوگیا -

نور جہان کے علمی مذاق کا نمونہ ہمنے ابھی نذر ناظرین نہین کیا - بہت سی غزلین قصیدے اور حکایتین اس کی طرف منسوب کیجاتی ہین - لیکن ہم مشتے نمونہ اوسکے کلام سے چند شعر ذیل مین لکھتے ہین -

اشعار

نامِ تو بردم و زدم آتش بجانِ خویشتن | در آتشم چو شمع ز دستِ زبانِ خویش

دیگر

سلک مروارید بر فرقِ تو شد وانی کہ چیست | تشنگانِ شوق را چو میست از آبِ حیات

دیگر

ہنوز آن طفل خندیدن نداند | نگہ دزدیدن و دیدن نداند

دیگر

دقیقہای معانیش در سواد حروف | چو در سیاہیِ شب روشنیِ پروین است

حرف الہاء

ہمدمی :- یہہ خاتون سادات جرجان کی اولاد مین سے ہے - اسکی طبیعت نہایت سلیم تھی - تعلیم یافتہ ہونے نے اور بھی درجہ کمال کو پہونچا دیا تھا - اسکا ایک مطلع لکھکر اوسکی پوری غزل ہدیہ ناظرین کیجاتی ہے -

مطلع

مرا درویست از دل بیقرار از ہجرِ یارِ خود
چہ گویم پیشِ بیدردان ز دردِ بیقرارِ خود

غزل

من سوختۂ لالہ رخانم چہ توان کرد | والہ شدۂ سبز خطانم چہ توان کرد
صد تیر بلا و ستم و جور رسیدم | زان ناوک دلدوز بجانم چہ توان کرد
مجنون صفت از عشق بتان در غم زارم | دیوانۂ لیلی صفتانم چہ توان کرد
جز نام توام بر نفسے ذکر دگر نیست | تا مست شدہ چون ورد زبانم چہ توان کرد

ای ہمدمی از جور رقیبان ستم گار
بر عرش برین رفت فغانم چہ توان کرد

ذیل کی بیت بھی اسی ہمدمی کی طرف منسوب ہے۔

بیت

جامہ گلگونی در آمدست در کاشانہ ما
خیز ای ہمدم کہ افتاد آتشے در خانہ ما

حرف الیاء

یاسمن بو:- یہ خاتون میرزا عسکری دامغانی کی پیاری بیوی تھی۔ میرزا کی انتقال کے بعد یہ خاتون خاندان تیموریہ کے کسی امیر کی بیوی بنی۔ میرزا کا انتقال کلبرگے مین ہوا تھا۔ اس عورت کی باقیماندہ عمر نہایت عزت و حرمت سے بسر ہوئی۔ خط ثلث - نسخ - شفیعا - اور نستعلیق خوب لکھا کرتی تھی۔ شعر گوئی کا بھی چسکا تھا۔ کہتی ہے۔

اشعار

باہ و نالہ کردم صید خود وحشی نگاہان را | بزور جذب کردم رام با خود کجکلاہان را

دیگر

بنوشیدم سحرگہ چون شراب بیریائی را   گرو کردم بجام مے لباس پارسائی را
شدم ہمدم بمیخواران بخلوتخانۂ حیرت   شکستم ساغر و پیمانۂ زہد ریائی را
گرفتم دامن صحرا شدم ہم پیشۂ مجنون
سبق آموز گشتم درس عشق بینوائی را

تمت بالخیر

(بقلم احقر البرایا محمد یحیٰی علیگڈہی)